وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ (الآیہ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد سوم

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد سوئم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۲۸ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد سوم

باب المسبوق واللاحق

باب مکروہات الصلوٰۃ

باب التراویح

مسائلِ شتّی
کتاب الجنائز

کتاب الزکوٰۃ

باب وجوب الزکوٰۃ

باب العشر

كتاب
الصلوة

باب المواقیت

(نمازوں کے اوقات)

نماز کو مقررہ وقت سے مؤخر کرنا

سوال:۔ ہمارے علاقہ کی مساجد میں جماعت کے اوقات مقرر ہیں، لیکن بعض اوقات امام صاحب وقتِ مقررہ سے تاخیر کر کے آتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ کیا نمازوں کو مقررہ وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ نمازوں کے لیے مقرر شدہ اوقات حتمی نہیں بلکہ نمازیوں کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر مقرر کیے جاتے ہیں، اگر ان اوقات میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو جائے بشرطیکہ مکروہ وقت داخل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم اگر امام تنخواہ دار ہو تو دیگر دلائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے مقررہ وقت سے تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ نماز مستحب وقت میں پڑھی جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویجلس بینھما) بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب۔ (الا فی المغرب)۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۸۹ باب الاذان)[۱]

فجر کی نماز کا وقت

سوال:۔ فجر کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ اور طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے؟

الجواب:۔ نمازِ فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہوتا ہے جس کی مقدار تقریباً سوا گھنٹہ ہے تاہم کمی و زیادتی بھی ممکن ہے۔ اور صبح صادق کی علامت یہ ہے کہ اُس وقت آسمان کے اُفق پر سفیدی سی نمودار ہوتی ہے جو آسمان کے اُفق میں پھیلی ہوتی ہے۔

---

[۱] وفی الھندیۃ: وینتظر المؤذن الناس ویقیم للضعیف المستعجل ولا ینتظر رئیس المحلۃ و کبیرھا کذا فی معراج الدرایۃ ینبغی ان یؤذن فی اول الوقت ویقیم فی وسطہ حتی یفرغ المتوضی من وضوئہ والمصلی من صلوٰتہ والمعتصر من قضاء حاجتہ کذا فی التاتارخانیۃ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۷ باب الاذان) ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۵۵ باب الاذان۔

قال الحصکفیؒ وقت صلاۃ (الفجر) ۔۔۔۔(من) اول (طلوع الفجر الثانی) وھو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل (الی) قبیل (طلوع ذکاء) بالضم غیر منصرف اسم الشمس ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۳ کتاب الصلوٰۃ) [1]

رمضان میں صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنا

سوال :- ہمارے علاقوں میں رمضان کے مہینے میں صبح کی نماز عموماً غلس (تاریکی) میں پڑھی جاتی ہے جس سے جماعت میں کثرت رہتی ہے، کیا فقہ حنفی کی رُو سے یہ درست ہے ؟

الجواب :- جواز سے کسی کو انکار نہیں، لیکن فقہ حنفی میں اسفار کے استحباب میں رمضان کا استثناء کہیں نہیں لکھا ہے، اس لیے شاید وقتی مصلحت کی رُو سے بہتر ہو لیکن یقینی اعتبار سے اسفار مستحب ہے۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الیمنی : ویستحب الاسفار بالفجر ۔۔۔۔ قیل هو ان یصلی فی وقت لو صلی بقراءۃ مسنونۃ مرۃ فاذا فرغ ظهر له فساد فی طهارته امکنه الوضوء والاعادۃ قبل طلوع الشمس وهذا کله فی السفر والحضر فی الازمنۃ کلها الا یوم النحر بالمزدلفۃ للحاج ۔

(الجوهرۃ النیرۃ ج۱ ص۵۰ کتاب الصلوٰۃ) [2]

نماز کے لیے مستحب وقت کیا ہے ؟

سوال :- جواز سے قطع نظر نمازوں کے اوقات مستحبہ کی حقیقت کیا ہے ؟ تعجیل افضل ہے یا تاخیر ؟

---

[1] وفی الهندیۃ : وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البیاض المنتشر فی الافق الی طلوع الشمس ولا عبرۃ بالکاذب وهو البیاض الذی یبدو طولاً ثم یعقبه الظلام فبالکاذب لا یدخل وقت الصلاۃ ولا یحرم الاکل علی الصائم هکذا فی الکافی ۔

(الهندیۃ ج۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت) ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۴ کتاب الصلوٰۃ

[2] قال الحصکفیؒ والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم به هو المختار بحیث یرتل اربعین آیۃ ثم یعیده بطهارۃ لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موهوم الا لحاج بمزدلفۃ ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۲۶۶ کتاب الصلوٰۃ) ومثله فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۱۲۸ کتاب الصلوٰۃ ۔

الجواب: مطلقاً تعجیل یا تاخیر مستحب نہیں بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فجر کا مستحب وقت اسفار ہے، اور گرمیوں میں ظہر کو مؤخر اور سردیوں میں مقدم کر کے پڑھنا افضل ہے، عصر کو گرمی و سردی دونوں میں مؤخر کرنا افضل ہے بشرطیکہ سورج متغیر نہ ہو، اور عشاء کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا افضل ہے تاہم اگر آسمان ابر آلود ہو تو عصر و عشاء کو مقدم کر کے اور باقی کو مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: والمستحب للرجل (الابتداء) فی الفجر (باسفار والختم به) هو المختار بحیث یرتل اربعین آیة۔ ثم یعیده بطهارة لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موهوم (والابراد بظهر الصیف) فالتغلیس افضل کمرأة مطلقاً وفی غیر الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة (وتاخیر ظهر الصیف) بحیث یمشی فی الظل (مطلقاً)..... (وتاخیر (عصر) صیفاً وشتاء توسعة للنوافل (ما لم یتغیر ذکاء) بان لا تحار العین فیها فی الاصح (و) تاخیر (عشاء الی ثلث اللیل) الی آخره۔

والمستحب تعجیل ظهر الشتاء یلحق به الربیع وبالصیف الخریف وتعجیل عصر وعشاء یوم غیم.... وتاخیر غیرهما فیه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۶ تا ص ۳۶۹ کتاب الصلوٰۃ)[1]

نمازِ عصر میں تاخیر کی مقدار

سوال: نمازِ عصر میں فقہاء نے تاخیر کرنے کو مستحب لکھا ہے، لیکن تاخیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے

---

[1] وفی الهندیة: یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرها بحیث یقع الشك فی طلوع الشمس بل یسفر بها..... ویستحب تاخیر الظهر فی الصیف وتعجیله فی الشتاء..... ویستحب تاخیر العصر فی کل زمان ما لم تتغیر الشمس..... ویستحب تعجیل المغرب فی کل زمان کذا فی الکافی..... وکذا تاخیر العشاء الی ثلث اللیل والوتر الی آخر اللیل لمن یثق بالانتباه..... وفی یوم الغیم ینور الفجر کما فی حال الصحو ویؤخر الظهر لئلا یقع قبل الزوال ویعجل العصر خوفاً من ان یقع فی الوقت المکروه ویؤخر المغرب حذراً عن الوقوع قبل الغروب ویعجل العشاء کیلا یمنع مطر او ثلج عن الجماعة۔
(الهندیة ج ۱ ص ۵۱ تا ص ۵۲ کتاب مواقیت الصلوٰۃ) ومثله فی شرح الوقایة ج ۱ ص ۱۲۸ کتاب الصلوٰۃ

بارے میں معلومات فراہم فرماویں؟

الجواب:۔ عصر کی نماز میں بلاشک وشبہ تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا جو اصفرار الشمس تک مفضی ہو مکروہ تحریمی ہے، سورج پر زردی کے آثار ظاہر ہونے سے قبل ہی نماز عصر سے فارغ ہونا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ (و) اخر (العصر الی اصفرار ذکاء) فلو شرع فیه قبل التغیر فمدہ الیه لا یکرہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۸ کتاب الصلوٰۃ) [1]

ظہر کی نماز کا وقت

سوال:۔ مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا اداء ہے یا قضاء؟ جبکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام صاحبؒ نے مثلِ ثانی کے قول سے رجوع کرلیا تھا لہٰذا مثلِ ثانی میں پڑھی گئی نماز ادا نہیں بلکہ قضاء ہے، حقیقت واضح فرماویں؟

الجواب:۔ محققین احناف کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا ادا ہے قضاء نہیں، اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک افتراء ہے، البتہ احتیاط یہ ہے کہ مثلِ ثانی سے قبل ادا کی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله الی بلوغ الظل مثلیه) هذا ظاهر الروایة عن الامام نهایة وهو الصحیح بدائع ومحیط وینابیع وهو المختار وغیاثیة واختاره الامام المحبوبی وعول علیه النسفی وصدر الشریعة تصحیح قاسم واختار اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی وبقولهما ناخذ لا یدل علیٰ انه المذهب وما فی الفیض من انه یفتی بقولهما فی العصر والعشاء مسلم فی العشاء فقط علیٰ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: (قوله والعصر ما لم تتغیر) اطلقه فشمل الصیف والشتاء لما فی ذٰلک من تکثیر النوافل لکراهتها بعد العصر والمراد بالتغیر ان تکون الشمس بحال لا تحار فیها العیون علی الصحیح فان تاخیرها الیه مکروہ لا الفعل لانه مامور بها منهی عن ترکها فلا یکون الفعل مکروها کذا فی السراج۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۲ مواقیت الصلوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۳ مواقیت الصلوٰۃ

ما فیہ وتمامہ فی البحر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۵۹ کتاب الصلوٰۃ) [۱]

سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال: بعض اوقات مغرب کی جانب سفر کرتے وقت سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا، ایسی حالت یا ایسے ممالک میں جہاں پر سورج غروب نہیں ہوتا، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جہاں پر سورج کے غروب نہ ہونے کی وجہ سے رات و دن کا امتیاز ناممکن ہو تو قریبی ممالک کے اوقات کو اعتبار دے کر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، تاہم اگر کہیں سفر کی حالت میں وقت ممتد نہ ہو لیکن سورج کا غروب ممکن ہو تو پھر سورج کے غروب میں تاخیر سے نماز کے اوقات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: (وفاقد وقتهما) کبلغار، فان فیها یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی اربعینیة الشتاء۔ مکلف بهما فیقدر لهما ولا ینوی القضاء لفقد وقت الاداء به افتی البرهان الکبیر واختاره الکمال وتبعه ابن الشحنة فی ألغازه فصححه فزعم المصنف انه المذهب۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۲ کتاب الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: (قوله والظهر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیه سوی الفیء) ای وقت الظهر ..... والاولی قول ابی حنیفة قال فی البدائع انها المذکورة فی الاصل وهو الصحیح وفی النهایة انها ظاهر الروایة عن ابی حنیفة وفی غایة البیان وبها اخذ ابو حنیفة وهو المشهور عنه وفی المحیط والصحیح قول ابی حنیفة وفی الینابیع وهو الصحیح عن ابی حنیفة وفی تصحیح القدوری للعلامة قاسم ان برهان الشریعة المحبوبی اختاره وعول علیه النسفی۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۵ کتاب الصلوٰۃ)

[۲] لما اخرجه الامام مسلم بن حجاج القشیری عن النواس بن سمعان حدیثاً طویلاً ... ما لبثه فی الارض قال اربعون یوماً۔ یوم کسنة ویوم کشهر ویوم کجمعة وسائر ایامه کایامکم قلنا یا رسول الله فذلک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیه صلوٰة یوم قال لا اقدروا له قدره ... الخ۔ (الصحیح المسلم ج۲ ص۴۰۱ باب ذکر الدجال)

زوال کا وقت

سوال: میں ایک طالب علم ہوں اور تعلیم کی غرض سے ایک شہر میں آیا ہوں، یہاں ایک بات بہت مختلف فیہ ہے، وہ یہ کہ ہماری مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کا وقت ۵۵/۱۱ سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہم نماز ۲/۱۲ بجے پڑھتے ہیں، کیا ہم اس مولوی صاحب کی بات کا اعتبار کر کے ۲/۱۲ بجے سے پہلے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: زوال کا وقت موسم کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور اختلافِ مکان کی وجہ سے زوال کے اوقات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے تحقیق کر کے معلوم کیا جائے کہ زوال کا وقت اس وقت ہمارے بلاد میں کیا ہے؟

ہمارے بلاد میں جو نماز ظہر پڑھی جاتی ہے یہ مستحب وقت میں پڑھی جاتی ہے اگر کوئی اس سے قبل بھی پڑھنا چاہے تو وقتِ زوال معلوم کر کے پڑھ سکتا ہے البتہ زوال کے وقت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

والزوال ظهور زيادة الظل لكل شخص في جانب المشرق كذا في الكافي وطريق معرفة زوال الشمس وفيئ الزوال ان تغرز خشبة مستوية في ارض مستوية فما دام الظل في الانتقاص فالشمس في حد الارتفاع واذا اخذ الظل في الازدياد علم ان الشمس قد زالت فاجعل على رأس الظل علامة فمن موضع العلامة الى الخشبة يكون فيئ الزوال ـ

(الهندية ج ۱ ص ۵۱ الفصل الاول في اوقات الصلاة)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبات...... وعند الانتصاف الى ان تزول ـ (الهندية ج ۱ ص ۵۲ الفصل الثالث في بيان الاوقات التي لا تجوز فيها الصلوٰة وتكره فيها). [1]

---

[1] قال ابن نجيم: وفي معرفة الزوال روايات اصحها ان يغرز خشبة مستوية في ارض مستوية ويجعل عند منتهى ظلها علامة فان كان الظل ينقص عن العلامة فالشمس لم تزل وان كان الظل يطول ويجاوز الخط علم انها زالت وان امتنع الظل من القصر والطول فهو وقت الزوال كذا في الظهيرية ـ (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۵ باب كتاب الصلوٰة)

ومنع عن الصلوٰة وسجدة التلاوة الجنازة عند الطلوع والاستواء ـ (ج ۱ ص ۲۴۹ باب الاوقات)

مکروہ اوقات کی مقدار کا حکم

سوال:۔ طلوع اور غروب آفتاب کے دوران مکروہ وقت کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے ان اوقات میں مکروہ وقت کی پہچان کی علامت یہ لکھی ہے کہ طلوع یا غروب آفتاب کے وقت جب کوئی سورج کو دیکھے تو دیر تک دیکھ سکے اور اس کی آنکھوں کو کسی قسم کی دشواری محسوس نہ ہو بشرطیکہ آسمان بالکل صاف ہو، بادل وغیرہ نہ ہوں تو یہ وقت مکروہ ہے۔ تخمینی مقدار یہ ہے کہ جب سورج ایک رمح (نیزہ سمجھو کہ بارہ بالشت کا ہوتا ہے) کے برابر اونچا ہو جائے تو اس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے اس سے قبل کا وقت مکروہ ہے اور غروب کے وقت جب سورج ایک رمح سے کم ہو جائے تو مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے، اس وقت صرف اسی دن کی نمازِ عصر پڑھنی جائز ہے باقی نمازیں جائز نہیں ۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتاخیر عصر صیفا وشتاء توسعة للنوافل مالم یتغیر ذکاء بان لاتحار العین فیها فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله فی الاصح) صححه فی الهدایة وفی الظهیریة إن امکنه النظر فقد تغیرت وعلیه الفتوی وفی النصاب وغیره وبه ناخذ وهو قول ائمتنا الثلاثة ومشائخ بلخ وغیرهم ...... وقیل حد التغیر ان یبقی للغروب اقل من رمح ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۶۷ کتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة)

قال ابن عابدینؒ ایضاً (تحت قوله مع شروق) ما دامت العین لاتحار فیها فهی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انه الاصح کما فی البحر ---- اقول ینبغی تصحیح مانقلوه عن الاصل للامام محمد من انه مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع لان اصحاب المتون مشوا علیه فی صلوٰة العید حیث جعلوا اول وقتها من الارتفاع ولذا جزم به فی الفیض ونور الایضاح ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۷۱ کتاب الصلوٰة اوقات الصلوٰة)[1]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وذکر فی الاصل مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع واختار الفضلی ان الانسان مادام یقدر علی النظر الی قرص الشمس فی الطلوع فلا تحل الصلوٰة فاذا عجز عن النظر حلت ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۵۰ کتاب الصلوٰة، باب المواقیت)

وفی الهندیة: وعند احمرارها الی ان تغیب الا عصر یومه ذالک فانه یجوز اداؤه عند الغروب ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۲ الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لاتجوز فیها الصلوٰة)

استواءِ شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار

سوال:۔ استواءِ شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں، بعض لوگ دو تین منٹ اور بعض بیس پچیس منٹ کا دورانیہ بتلاتے ہیں، اس سے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اندریں صورت مکروہ وقت کی صحیح مقدار ازروئے شرع بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ زوال میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور نہ اس کے لیے کوئی متعین وقت مقرر ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ نصف النہار سے چند منٹ قبل اور چند منٹ بعد نماز پڑھنے سے توقف کرنا چاہیئے۔

هٰکذا فی فتاوٰی محمودیه جلد ۲ صـ۲۳۷ [۱]

مکروہ اوقات میں نمازِ جنازہ و سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال:۔ مکروہ اوقات یعنی غروبِ آفتاب، طلوعِ آفتاب اور استواءِ شمس کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا یا سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مکروہ اوقات ہی میں اگر جنازہ تیار ہو جائے یا سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے تو ان اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا بلا کراہت جائز ہے البتہ اگر جنازہ پہلے سے تیار ہو یا سجدۂ تلاوت پہلے سے واجب ہو چکا ہو تو پھر ان اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ صلٰوۃ مطلقاً ولو قضاءً او واجبۃ او نفلاً او علی جنازۃ وسجدۃ تلاوت وسھو لا شکر قنیۃ مع شروق واستواء وغروب الا عصر یومہ...... و سجدۃ تلاوۃ وصلٰوۃ جنازۃ تلیت فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملاً فلا یتأدی ناقصًا فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما ای تحریمًا وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر الجنازۃ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی التحفۃ الخ) فثبتت کراھۃ التنزیہ

---

[۱] قال الشیخ المحقق محمد یوسف الدھیانوی: زوال میں نو سے زیادہ منٹ نہیں لگتے لیکن احتیاطاً نصف النہار سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہیئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ صـ۱۰۵ اوقاتِ نماز)

فی سجدۃ التلاوۃ دون صلوٰۃ الجنازۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۰ تا ۳۷۲ کتاب الصلوٰۃ الاوقات) [۱]

فجر اور عصر کے بعد قضاء نمازوں کا حکم

سوال: کیا طلوعِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: طلوعِ فجر کے بعد نمازِ فجر سے پہلے صرف دو رکعت سنتیں ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نفلی نماز جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اور نہ عصر کی نماز کے بعد نوافل جائز ہیں، البتہ قضاء نمازیں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ نفل قصداً ولو تحیۃ مسجد و لو سنۃ الفجر بعد صلوٰۃ فجر و صلوٰۃ عصر و لو المجموعۃ بعرفۃ ولا یکرہ قضاء فائتۃ و لو وتراً۔ الخ

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وکرہ نفل) والکراھیۃ ھٰھنا تحریمیۃ ایضاً کما صرح بہ فی الحلیۃ۔ ولذا عبر فی الخانیۃ والخلاصۃ: بعدم الجواز والمراد عدم الحل لاعدم الصحۃ کما لا یخفی۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۴ کتاب الصلوٰۃ۔ اوقات الصلوٰۃ) [۲]

حرمین شریفین میں مثلین سے قبل نمازِ عصر پڑھنے کا حکم

سوال: لوگ جب حج یا عمرہ کے لیے حرمین شریفین جاتے ہیں تو وہاں

---

[۱] وفی الھندیۃ: ثلاث ساعات لاتجوز فیھا المکتوبۃ ولا صلوٰۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ ـــ۔۔ ھٰذا اذا وجبت صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ فی وقت مباح واخرتا الی ھٰذا الوقت فانہ لایجوز قطعًا اما لو وجبتا فی ھٰذا الوقت وادیتا فیہ جاز لانھا ادیت ناقصۃ کما وجبت۔۔۔۔ لکن الافضل فی سجدۃ التلاوۃ تاخیرھا وفی صلوٰۃ الجنازۃ التاخیر مکروہ۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۱ ص ۵۲ الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لاتجوز فیھا الصلوٰۃ وتکرہ فیھا)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۹ مواقیت الصلوٰۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: واما الوقتان الآخران۔۔۔۔ فانہ یکرہ فیھما التطوع فقط ولا یکرہ فیھما الفرض۔۔۔۔۔ وھما ای الوقتان المذکوران ما بعد طلوع الفجر الی ان ترتفع الشمس فانہ یکرہ فی ھٰذا الوقت النوافل کلھا الا سنۃ الفجر۔۔۔ وما بعد صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس لحدیث ابن عباسؓ۔ (کبیری ص ۲۳۸ کتاب الصلوٰۃ، الشرط الخامس)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۱ اوقات الصلوٰۃ۔

عصر کی نماز مثلین سے قبل ہوتی ہے تو کیا ہم لوگ جماعت میں شامل ہو کر عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا مثلین تک تاخیر کریں؟

الجواب: عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگرچہ اس میں جماعت فوت ہوجانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لیے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہوجانا چاہیئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین: (وعلیہ عمل الناس الیوم) وانظر ھل اذا لزم من تاخیرہ العصر الی المثلین فوت الجماعۃ یکون الاولی التاخیر ام لا؟ والظاھر الاول بل یلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۹ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ)

افطاری کی وجہ سے نمازِ مغرب میں تاخیر کرنا

سوال: رمضان المبارک میں افطاری کی وجہ سے لوگ مغرب کی نماز میں تاخیر کر دیتے ہیں، کیا افطاری کی وجہ سے نمازِ مغرب میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب: مغرب کی نماز میں دو رکعت نماز کی مقدار تاخیر کرنا تو بالاتفاق جائز ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ رمضان المبارک میں جب بھوک زیادہ ہو تو چند منٹ کی تاخیر جائز ہے بشرطیکہ یہ تاخیر ستاروں کے کثرت تعداد میں چمکنے تک نہ پہنچے، اس لیے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: کرہ ای التاخیر لا الفعل لانہ مأمور بہ تحریماً الا بعذر کسفر وکونہ علی اکل۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الا بعذر) وعبارتہ الا من عذر کسفر ومرض وحضور مائدۃ او غیم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۹ کتاب الصلوٰۃ۔ اوقات الصلوٰۃ)[1]

مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کے تعین کا حکم

سوال: آجکل مساجد میں نماز کے لیے دائمی کیلنڈر ہوتے ہیں اور

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واما المغرب فیکرہ تاخیرھا اذا غربت الشمس وفی السراجیۃ الا بعذر السفر او بأن کان علی المائدۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۴۰۶ کتاب الصلوٰۃ المواقیت)

لوگ اس کے مطابق نماز کے اوقات تبدیل کرتے ہیں، ان میں سے بعض کیلنڈروں میں مغرب و عشاء کا درمیانی وقت پونے دو گھنٹے اور بعض میں ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت درج ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان صحیح وقت کتنا ہے؟

الجواب: مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی متعین وقت مقرر نہیں، البتہ مفتی بہ قول کی رُو سے شفقِ احمر کے غروب کے بعد عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے، جبکہ خطِ استواء کے درمیانی مقام پر معتدل ایام میں ۴۵ منٹ کے بعد شفقِ احمر غروب ہوتا ہے اور ۵۷ منٹ کے بعد سفیدی غروب ہوتی ہے، دیگر مقامات میں اس سے زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے اور اس زیادتی کی کوئی تحدید نہیں، البتہ مغرب کی اذان کے سوا گھنٹہ بعد عشاء کی اذان دینی چاہیے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ووقت المغرب منه الی غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة و الیه رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرها فکان هو المذهب۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الیه رجع الامام) ای الی قولهما الذی هو روایة عنه ایضاً وصرح فی المجمع بان علیها الفتوٰی۔

(رد المحتار ج۱ ص۳۶۱ اوقات الصلوٰة ۔مطلب فی الصلوٰة الوسطیٰ)[1]

نصف شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے کا حکم

سوال: ہم نے عام کتابوں میں پڑھا ہے کہ نمازِ عشاء کا وقت غروبِ شفق سے لے کر طلوعِ فجر تک ہے یعنی اس دوران نمازِ عشاء پڑھنا جائز ہے لیکن مجموعۃ الفتاوٰی اردو جلد اص۲۰۱ (ایچ ایم سعید کراچی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز نصف شب کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور صبح کے وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، گویا کہ نصف شب کے بعد نماز نہیں ہوتی حالانکہ یہ وقت نماز ہی کا ہے۔

الجواب: عشاء کی نماز کو نصف شب تک مؤخر کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک نصف شب تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو بھی نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ

---

[1] وفی الهندیة: ووقت المغرب منه الی غیبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتی۔
(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت، الفصل الاول فی اوقات الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۶ مواقیت الصلوٰة۔

ادا کی جائے واجب الاعادہ ہوتی ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اس کی علت تقلیلِ جماعت ہے، کراہت تنزیہی کا معاد خلافِ اولیٰ ہے اور یہی رائے راجح اور مفتیٰ بہ ہے اس لیے نصف شب کے بعد بھی عشاء کی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب نہیں صرف خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: فان اخرها ما زاد علی النصف کرہ لتقلیل الجماعۃ ......

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کرہ) ای تحریماً کما یأتی تقییدہ فی المتن او تنزیهاً وهو الاظهر کما تذکرہ عن الحلیۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۶۸ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ)

ایضاً وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الاتی ای تحریماً) کذا فی البحر عن القنیۃ لکن فی الحلیۃ ان کلام الطحاوی یشیر الی ان الکراهۃ فی تاخیر العشاء تنزیهیۃ وهو الاظهر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۶۹ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ) [۱]

تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے تہجد پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح صادق سے پہلے اٹھنا میرے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، اگر میں آدھی رات کے بعد تہجد پڑھ کر سو جاؤں تو کیا میری تہجد کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تہجد کے وقت کے بارے میں اگرچہ مختلف روایات مروی ہیں مگر راجح یہ ہے کہ نصف شب کے بعد تہجد کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اگر کوئی نصف شب کے بعد دو چار رکعت پڑھ لے تو تہجد ادا ہو جائے گی چاہے وہ سویا ہو یا نہ، تاہم سو کر اٹھنے کے بعد تہجد پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامۃ شاہ عبد العزیز الدہلویؒ: اول وقت آں بعد از نصف شب است سواء سبقہ النوم ام لا۔ (فتاویٰ عزیزی ص۵ کتاب الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وفی الغیاثیۃ الا اذا کان فیه تفرق الجماعۃ وبعدہ الی نصف اللیل مباح غیر مکروہ۔ قال الطحاویؒ: وبعد نصف اللیل الی طلوع الفجر مکروہ اذا کان التاخیر بغیر عذر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص۴۰۶ کتاب الصلوٰۃ۔ المواقیت)

[۲] لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری: مختار مذہب یہ ہے کہ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ اس سے پہلے سویا ہو یا نہ سویا ہو، ہاں سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص۲۸۳ باب اوقات الصلوٰۃ)

مغرب کے وقت کی مقدار

سوال:- نمازِ مغرب میں تعجیل کی افضلیت کو دیکھ کر بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ مغرب کا وقت نہایت مختصر ہے اس کی مقدار عموماً کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب:- مغرب کا وقت فقہ حنفی کے مطابق غروب الشمس سے شروع ہو کر شفق احمر کے غروب تک رہتا ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک شفق ابیض تک رہتا ہے۔

مغرب کا وقت موسم اور علاقہ جات کے قرب و بُعد میں متاثر ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں گھنٹہ اور بعض علاقوں میں ایک گھنٹہ تین منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ پندرہ منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ بیس منٹ وقت ہوتا ہے، عموماً مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔

تاہم مغرب کی نماز شفقِ احمر سے پہلے پڑھنی چاہیئے تاکہ اختلاف سے محفوظ رہے، البتہ مسافر یا دوسرے صاحبِ عذر کے لیے شفقِ ابیض میں پڑھنا مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: (و) وقت (المغرب منه الی) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة و الیه رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرها فکان هو المذهب (و) وقت (العشاء والوتر منه الی الصبح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۶۱ کتاب الصلوٰة)[1]

XXXXX

---

[1] ووقت المغرب منه الی غیبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتی هکذا فی شرح الوقایة وعند ابی حنیفة الشفق هو البیاض الذی یلی الحمرة هکذا فی القدوری وقولهما اوسع للناس وقول ابی حنیفة احوط لان الاصل فی باب الصلوٰة ان لا یثبت فیها رکن ولا شرط الا بما فیه یقین کذا فی النهایة ناقلاً عن الاسرار و مبسوط شیخ الاسلام ووقت العشاء والوتر من غروب الشفق الی الصبح کذا فی الکافی۔

(الهندیة ج ۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت)

باب الاذان والاقامۃ

(اذان اور اقامت کے بیان میں)

اذان کا شرعی حکم

سوال:۔ اذان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کن کن نمازوں کے لیے اذان دینی چاہیئے؟

الجواب:۔ اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے دینا سنت مؤکدہ ہے، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر پوری قوم بالاتفاق اذان ترک کر دے تو اس کے ساتھ قتال کیا جائے، البتہ پانچ وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں مثلاً صلوٰۃ کسوف وخسوف، تراویح یا جنازہ وغیرہ کے لیے اذان نہیں دی جائے گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وھو سنۃ للرجال فی مکان عال مؤکدۃ ھی کالواجب فی لحوق الاثم للفرائض الخمس فی وقتها ولو قضاء لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتی یبرد بہ لا للوقت لا یسن لغیرها کعید۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کعید) ای وتر وجنازۃ وکسوف واستسقاء وتراویح، الخ

(رد المحتار ج ۱ ص۳۸۴ باب الاذان
مطلب فی المواضع التی یندب لها الاذان) [1]

یک وقت تعدد اذان

سوال:۔ ہمارے شہر میں ایک مسجد ایسی ہے جس میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے تمام نمازی مع امام صاحب

---

[1] قال العلامۃ صدر الشریعۃ: وھو سنۃ للفرائض الخمس والجمعۃ ولیس بسنۃ فی النوافل۔ قال العلامۃ عبد الحی اللکھنویؒ: (تحت قولہ ولیس بسنۃ فی النوافل) اراد بالنوافل ما سوی الفرائض فان کل ما وراء الفرائض نافلۃ ای زائدۃ علیها۔ (السعایۃ ج۲ ص۹ باب الاذان)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۵۶ باب الاذان۔

پہلی صف میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور مسجد کے چاروں کونوں میں پھونک مارتے ہیں، اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز شروع کرتے ہیں۔ کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی ثبوت ہے اور ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عشاء کی اذان اور اقامت کے درمیان متعدد بار اذان کہنا عند الشرع اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ اپنی جانب سے اختراع اور بدعت ہے، اذان صرف فرض نماز کے لیے مشروع ہے اس کے علاوہ اذان کی سُنّیت ثابت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتی یبرد بہ لا للوقت (لا) یسن (لغیرھا) کعید۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۵ باب الاذان، کتاب الصلوٰۃ)[1]

ظالم کی اذان کا حکم

سوال:۔ ایک شخص جو خود بھی ظالم ہے اور اس کے بیٹے بھی ایک جرم کی پاداش میں گرفتار ہو گئے ہیں، ان کی رہائی کے لیے اس نے رشوت دی اور ان کو رہا کروایا۔ یہ شخص مستقل طور پر ایک مسجد کا مؤذن بھی ہے کسی کو اذان کہنے نہیں دیتا، کیا اس شخص کی یہ اذان صحیح ہے؟

الجواب:۔ ظلم کرنا اور رشوت دینا امور فسقیہ میں سے ہے ایسے شخص کی اذان مکروہ تحریمی ہے، البتہ ایسی اذان پر نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ واجب الاعادہ ہے جبکہ ایسی اذان پر نماز باجماعت بھی پڑھی جا سکتی ہے تاہم اذان کا دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ علی المذھب (و) اذان (امرأۃ) وخنثیٰ (وفاسق) ولو عالما لکنہ اولی بامامۃ واذان من جاھل تقی..... ویعاد اذان الجنب ندبا۔ قال ابن عابدین (یعاد اذان جنب) زاد القھستانی والفاجر والراکب والقاعد... الخ (رد المحتار باب الاذان ج ۱ ص ۳۹۲، ۳۹۳)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: الاذان سنۃ لاداء المکتوبات بالجماعۃ کذا فی فتاوی قاضی خان ولیس لغیر الصلوات الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر الی آخرہ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳ باب الاذان)

[2] قال ابن نجیمؒ تحت ھذا القول (وکرہ اذان... والفاسق) اما الفاسق فلان قولہ لا یوثق بہ ولا یقبل فی الامور الدینیۃ ولا یلزم احدا فلم یوجد الاعلام ــــ صرح بکراھۃ اذان الفاسق ولا یعادوا لاعادۃ فیہ لیقع علی وجہ السنۃ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۳ باب الاذان) ومثلہ فی فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۰ باب الاذان۔

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

الجواب:۔ درود شریف کا پڑھنا ایک امر مستحسن ہے لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے، یعنی جو کلمہ مؤذن سے سنے وہ سامع کہے البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے، البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا تو کوئی حرج نہیں تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بہا عشراً۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص۱۶۶)

وفی الھندیۃ: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ وھی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قولہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح فانہ یقول مکان حی علی الصلوٰۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الیٰ آخرہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۷ الفصل الثانی فی کلمات الاذان) [1]

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے آخر میں ہا ہا کہنا

سوال:۔ ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے آخر میں ہا ہا وغیرہ کہتے ہیں تو اس پڑھنے کا حکم عند الشرع کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنیٰ میں تغیر فاحش لازم آئے تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں، اگر تغیر معنیٰ نہ آئے تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فساد معنیٰ اگرچہ نہیں آتا لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ومنھا القراءۃ بالالحان ان غیر المعنی والا لا الا فی حرف مد ولین فلو فی اعراب او تخفیف مشدد وعکسہ بزیادۃ

---

[1] (و) صفۃ الاجابۃ ان یقول کما قال ای مثل الفاظ المؤذن (و) لکن (حوقل) ای قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ای لاحول لنا عن معصیۃ ولا قوۃ لنا علی طاعۃ الا بفضل اللہ (فی سماعہ الحیعلتین)۔ (مراقی الفلاح علی الطحطاوی ص۱۱۰)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۱ ص۳۹۸ باب الاذان)

حرف فاکثر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۳۰ باب ما یفسد الصلوٰۃ) [1]

اذان میں بھول جانا

سوال:۔ اگر اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم و تاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کرکے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: ولو قدم فیہما مؤخرًا اعاد ما قدم فقط (و) لا یتکلم فیہما) اصلاً ولو رد السلام فان تکلم استانفہ۔ (در مختار ج ۱ ص۳۸۶ باب الاذان) [2]

اذان واقامت کیلئے دائیں جانب کا تعین

سوال:۔ اذان واقامت میں عموماً دائیں جانب کی رعایت کی جاتی ہے۔ بسا اوقات بائیں طرف اقامت کہنے یا اذان دینے پر ڈانٹا بھی جاتا ہے، از روئے شرع کیا یہ تعیین درست ہے؟

الجواب:۔ اذان واقامت کے لیے کسی خاص جانب کا تعین ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ اذان ایسی جگہ پر دی جائے جہاں سے کامل طور پر سب لوگ اذان سن سکیں، چاہے مسجد کی دائیں جانب ہو یا بائیں جانب۔

---

[1] اما ان قرأ حرفًا مکان حرف او زاد حرفًا او نقص او قدم المؤخر او اخر المقدم واما ان کان کلمۃ او زاد کلمۃ او نقص او قدم او اخر واما ان قرأ آیۃ مکان آیۃ او نقص او زاد و قدم المؤخر و اخر المقدم اما اذا قرأ حرفًا مکان حرف ولم یغیر المعنیٰ بان قرأ ان المسلمین ان المسلمون لا یفسد۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی عشر فی زلۃ القاری)

[2] اذا قدم فی اذانہ واقامتہ شیئًا بان قال اولاً اشہد ان محمدًا رسول اللہ ثم قال اشہد ان لا الٰہ الا اللہ فعلیہ ان یقول بعد کلمۃ الشہادۃ اشہد ان محمدًا رسول اللہ واذا اذن ومکث ساعۃ ثم اخذ فی الاقامۃ فظن انہا اذان وصنع فیہا ما صنع فی الاذان فقیل لہ ھذہ اقامۃ فانہ یستقبل الاقامۃ من اولہا۔
(خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۴۹ الفصل الاول فی الاذان)۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ویستدیر فی المنارۃ) یعنی ان لم یتم الاعلام بتحویل وجهه مع ثبات قدمیه ولم تکن فی زمنه صلی الله علیه وسلم مئذنة بحر۳ قلتُ وفی شرح الشیخ اسماعیل عن الاوائل للسیوطیؒ ان اول من رقی منارة مصر للاذان شرحبیل بن عامر المرادی وبنی سلمة المنایر للاذان بامر معاویة ولم تکن قبل ذلك. وقال ابن ابن سعد بالسند الی اُمّ زید بن ثابتؓ کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره.

(رد المختار علی در المختار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) ـــ[۱]

اذان اور اقامت کی اہمیت

سوال:۔ ازروئے شرع اذان اور اقامت کی اہمیت کیا ہے؟ اگر سنت کے حوالے کہیں چھوڑ دی جائے تو اس کا نتیجہ کیا رہے گا؟

الجواب:۔ اذان اور اقامت دین کے اہم امور میں سے ہیں، بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں اور بعض کے نزدیک واجب ہیں، اگر کسی محلہ والے دائمی اذان واقامت چھوڑ دیں تو ان سے قتال کرنے کا بھی حکم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (ھی کالواجب) بل اطلق بعضھم اسم الواجب علیه لقول محمد لو اجتمع اھل بلدة علی ترکه قاتلھم علیه ولو ترکه واحد ضربته وحبسته وعامة المشائخ علی الاول والقتال علیه لما انه من اعلام الدین وفی ترکه استخفاف ظاھرٌ به. (رد المختار ج ۱ ص ۳۸۴ باب الاذان) ـــ[۲]

---

[۱] وفی الهندیة والسنة ان یؤذن فی موضع عالٍ یکون اسمع لجیرانه ویرفع صوته ولا یجهد نفسه ..... ویقیم علی الارض ھکذا فی القنیة وفی المسجد ھکذا فی البحر الرائق۔
(الھندیة ج ۱ ص ۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵) باب الاذان۔

[۲] قال ابن نجیم (قوله سن للفرائض) ای سن الاذان للصلوٰة الخمس والجمعة سنة مؤکدة قویة قریبة من الواجب حتی اطلق بعضھم علیه الوجوب ولھذا قال محمد لو اجتمع اھل بلدٍ علی ترکه قاتلناھم علیه وعند ابی یوسف یحبسون ویضربون وھو یدل علی تاکدہ لا علی وجوبه لان المقاتلة لما یلزم من الاجتماع علی ترکه من استخفافھم بالدین بخفض اعلامه لان الاذان من اعلام الدین۔
(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ فی خلاصة ج ۱ ص ۴۸ باب الاذان۔

وقت سے قبل اذان دینا

سوال:۔ بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ ان میں صبح کی اذان طلوعِ فجر سے پہلے دی جاتی ہے، ایسی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اذان قبل از وقت باتفاق علماء مشروع نہیں، اس کا اعادہ ضروری ہے البتہ اگر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے تو اس میں کوئی فساد نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: فیعاد اذان وقع بعضہ (قبلہ) کالاقامۃ خلافا للثانی فی الفجر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) [1]

اذان میں روانگی سنت ہے

سوال:۔ بعض جگہ مؤذن اذان کے ہر کلمہ کو جدا جدا کر کے کہتا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ اذان میں تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہنا چاہیئے اگر کوئی شخص کلماتِ اذان اس طرح جدا جدا پڑھتا ہے تو اس سے صحتِ اذان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان میں ترسیل سنت ہے یعنی تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہے، البتہ اگر کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ جدا جدا کلمے کہے تب بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے تاکہ سنت کے مطابق اذان ادا ہو جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویترسل فیہ) بسکتۃ بین کل کلمتین ویکرہ ترکہ وتندب اعادتہ ۔۔۔ قال ابن عابدینؒ (قولہ بسکتۃ) ای تسع الاجابۃ مدنی عن ملا علی قاری وھذہ السکتۃ بعد کل تکبیرتین لابینھما کما افادہ فی الامداد اخذا من الحدیث وبہ صرح فی التتارخانیہ (قولہ وتندب اعادتہ) ای لو ترک الترسل۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص ۳۸۶ باب الاذان) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ تقدیم الاذان علی الوقت فی غیر الصبح لایجوز اتفاقا وکذا فی الصبح عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وان قدم یعاد فی الوقت ھکذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک وعلیہ الفتوی ھکذا فی التتارخانیہ ناقلاً عن الحجۃ (الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳ باب الاذان) ومثلہ فی بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان)

[2] قال ابن نجیم (قولہ ویترسل فیہ ویحدر فیہا) ای یتمھل فی الاذان ویسرع فی الاقامۃ وحدہ ان یفصل بین کلمتی الاذان بسکتۃ بخلاف الاقامۃ للتوارث۔۔۔۔۔ ولو جعل الاذان اقامۃ یعید الاذان ولو جعل الاقامۃ الاذان اذانا یعید لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ ۔۔۔ قال ابن عابدین فی حاشیتہ ثم الاعادۃ انما ھی افضل۔ (بحر الرائق مع منحۃ الخالق ج ۱ ص ۲۵۷-۲۵۸ باب الاذان) ومثلہ فی طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۶۱ باب الاذان۔

نشہ کی حالت میں اذان کا حکم

سوال:۔ ہماری مسجد کا ایک مؤذن ہے جو اعمال کے لحاظ سے کمزور ہے، مثلاً افیون و چرس وغیرہ کا استعمال ہمیشہ کرتا ہے، اسی حالت میں اذان بھی دیتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اور نشہ ہی کی حالت میں وہ مسجد میں سوتا بھی ہے، تو کیا عند الشرع ایسے مؤذن کی اذان درست ہے؟ نیز مؤذن کے شرائط بھی تحریر فرماویں۔

الجواب:۔ فقہاء کرام نے مؤذن کے لیے جو شرائط لکھی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مؤذن عاقل، صالح، متقی اور عالم بالسنۃ ہو، سنجیدہ اور لوگوں کے احوال کو بھی جانتا ہو اور جماعت سے متخلفین پر زجر بھی کر سکتا ہو اور خود بھی اذان پر مواظبت رکھتا ہو اور بہتر یہ ہے کہ مؤذن اسی شہر کا رہنے والا ہو۔

وفی الھندیۃ، وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنۃ کذا فی النھایۃ وینبغی ان یکون مھیباً ویتفقد احوال الناس ویزجر المتخلفین عن الجماعات کذا فی القنیۃ ۔۔وان یکون مواظباً علی الاذان ھکذا فی البدائع والتاتارخانیہ وان یکون محتسباً فی اذانہ کذا فی النھر الفائق والاحسن ان یکون اماماً فی الصلاۃ کذا فی معراج الدرایۃ والافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم کذا فی الکافی۔

(الھندیہ ج ۱ ص۵۳ باب الاذان)

لہٰذا جو شخص چرسی، افیمی ہو تو بحکم فسق کے اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ واجب الاعادہ ہے، تاہم اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ... ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ علی المذھب (و) اذان (امرأۃ) وخنثیٰ (فاسق) ولو عالماً لکنہ اولیٰ بامامۃ واذان من جاھل تقی، ویعاد اذان جنب ندباً۔ قال ابن عابدینؒ تحت (قولہ یعاد اذان الجنب) زاد القھستانی والفاجر۔ (رد المختار ج ۱ ص۳۹۲،۳۹۳ باب الاذان) [1]

---

[1] قال ابن نجیمؒ تحت ھذا القول ویکرہ اذان .... والفاسق (م) اما الفاسق فلان قولہ لا یوثق بہ ولا یقبل فی الامور الدینیۃ ولا یلزم احداً فلم یوجد الاعلام۔ (بحر الرائق ج ۱ ص۲۶۳ باب الاذان)

تہجد کے لیے اذان کا حکم

سوال:۔ تہجد کے لیے اذان دینا کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بعض مساجد میں اس کا اہتمام حرمین میں دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

الجواب:۔ ابتداء اسلام میں تہجد کے لیے اذان دی جاتی تھی لیکن بعد میں صحابہ کرامؓ نے چھوڑ دی، اس لیے احناف کے ہاں تہجد کی اذان منسوخ ہے اور دینا خلافِ سنت ہے۔

اخرج الامام الطحاوی عن ابراھیم قال شَیَّعْنَا علقمۃ الیٰ مکّۃ فخرج بلیل فسمع مُؤَذِّنًا یُؤَذِّنُ بلیل فقال اَمَّا ھٰذا فقد خالف سنۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لوکان نائمًا کان خیرًا لہٗ فاذا طلع الفجر اذّن فاخبر علقمہ ان التاذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنۃ اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔[1]

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۶ باب التاذین للفجر ای وقت ھو بعد طلوع الفجر او قبل ذالک)

تثویب کا حکم

سوال:۔ تثویب (یعنی مسنون اذان کے بعد دوبارہ نماز کے لیے بلانے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

الجواب:۔ تثویب ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے البتہ فقہاء کرام نے عوام الناس کی سستی کو دیکھ کر اس کو جائز کہا ہے، لہٰذا اس دور میں اگر تثویب کی جائے تو اس پر بدعت کا اطلاق کرنا مناسب نہیں البتہ اس کو عادت بنانا بھی مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ) ای کل الصلوٰۃ لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوٰۃ سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنًا فھو

---

[1] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ ھو سنۃ مؤکدۃ للفرائض الخمس فی وقتھا ولو قضاء لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتّی یبرد بہ لا للوقت ولا یسن لغیرھا کعید فیعاد اذان وقع قبلہ قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ قولہ کعید ادخلت الکاف الوتر والجنازۃ والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن الرواتب۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۵ باب الاذان) ومثلہٗ فی منحۃ الخالق علی البحرالرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان۔

عند اللہ حسنًا۔ (ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص۲۸۹ باب الاذان) ؎۱

اذان سے قبل تعوذ اور تسمیہ کا حکم

سوال:۔ اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ آجکل اکثر مساجد میں ایسا ہوتا ہے، آیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟

الجواب:۔ اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہرًا پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں یہ زیادۃ علی الشرع کے مترادف ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم خفیہ طور پر پڑھنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

قال الحصکفیؒ (هو) لغة الاعلام وشرعًا (اعلام مخصوص) لم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة وبين يدي الخطيب (على وجه مخصوص بالفاظ كذلك) اى مخصوصة۔ (الدرالمختار على صدر ردالمحتار ج ۱ ص۳۸۳ باب الاذان) ؎۲

اذان دینے کیلئے بہتر جگہ کونسی ہے

سوال:۔ اذان کے لیے کونسی جگہ موزوں ہے؟ اگر کسی اونچی جگہ سے اذان دینے میں قرب وجوار میں سے بے پردگی کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اذان کے لیے بہتر یہی ہے کہ مسجد کے باہر اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دی جائے البتہ اگر ایسا کرنے سے بے پردگی کا احتمال ہو تو احتیاط بہتر ہے۔

لما قال العلامة قاضی خان وينبغي ان يؤذن على المئذنة اوخارج المسجد ولا يؤذن في المسجد۔ (الفتاوىٰ قاضی خان علی هامش الهندية ج ۱ ص۷۸) ؎۳

؎۱ وفي الهندية: والتثويب حسن عند المتاخرين في كل صلوٰة الافي المغرب هكذا في شرح النقاية للشيخ ابي المكارم وهو رجوع المؤذن الى الاعلام بالصلوٰة بين الاذان والاقامة۔ (الهندية ج ۱ ص۵۶ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ فى بحر الرائق ج ۱ ص۲۶۱ باب الاذان۔

؎۲ وفي الهندية اذان خمس عشرة كلمة واخره عندنا لا اله الا الله كذا في فتاوىٰ قاضی خان۔ (ج ۱ ص۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ في قاضی خان على هامش فتاوىٰ هنديه ج ۱ ص۷۸)

؎۳ قال ابن نجيمؒ: وينبغي للمؤذن ان يؤذن في موضع يكون اسمع للجيران ويرفع صوته ولا يجهد نفسه لانه يتضرر بذلك وفي الخلاصة ولا يؤذن في المسجد۔ (بحرالرائق ج ۱ ص۲۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۵۵ باب الاذان۔

وضو کے بغیر اذان دینا

سوال:۔ وضو کے بغیر اذان دینے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں اذان کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب:۔ اذان کے لیے بذاتِ خود طہارت شرط نہیں اسلئے بلا وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی واجب الاعادہ ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا وضو اذان دینے کو عادت نہ بنایا جائے۔

قال الحصکفیؒ: ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ۔

(الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۹۲ باب الاذان) [1]

نابالغ کی اذان کا حکم

سوال:۔ نابالغ کی اذان عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر صبی (بچہ) قریب البلوغ ہو اور عاقل ہو تو اس کی اذان جائز ہے اور اگر صبی غیر عاقل ہو تو اس کی اذان جائز نہیں بلکہ واجب الاعادہ ہے۔

لما قال العلامہ التمرتاشی یجوز اذان صبی مراھق وعبد واعمیٰ وولد الزنا واعرابی..... ویعاد اذان جنب لا اقامتہ وکذا اذان امرأۃ وسکران وصبی لا یعقل۔

(تنویر الابصار یعنی ردّ المحتار ج ۱ ص۳۹۲ باب الاذان) [2]

حیَّ علی الفلاح پڑھنے کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں لوگ اقامت کے وقت صفوف میں آکر بیٹھ جاتے ہیں اور جب مؤذن حیَّ علی الفلاح پر پہنچتا ہے تو اس وقت کھڑے ہوتے ہیں، اِس عمل کے ثبوت کے لیے بہت سی کتب مثلاً عالمگیری، شرح وقایہ، بحر الرائق کا حوالہ دیتے ہیں اور اس بیٹھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، جبکہ مسجد میں بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور اس کے عامل کو مبتدعین میں شمار کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا حیَّ علی الفلاح کے وقت یا اس سے قبل اُٹھنا سنت ہے؟

---

[1] وفی الہندیۃ: ولا یکرہ اذان المحدث فی ظاھر الروایۃ ھٰکذا فی الکافی۔ (ھندیہ ج ۱ ص۵۴ باب الاذان) وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۳ باب الاذان۔

[2] واذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل واذان الصبی الذی لا یعقل لا یجوز ویعاد۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۵۴ باب الاذان) ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۴ باب الاذان۔

الجواب:۔ حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا شرعاً مندوب ہے البتہ اس کو سُنّت مؤکدہ سمجھنا یا اس کو لازمی سمجھنا بدعت ہے۔

کتبِ فقہ میں قیام الی الصلوٰۃ کے لیے مختلف قسم کی روایات منقول ہیں عندالاقامۃ، وسط الاقامۃ اور عندالفراغ عن الاقامت، جس وقت بھی تسویہ صفوف ہو جائے نماز کو شروع کر دینا بہتر ہے البتہ اگر کوئی حَیَّ عَلَی الفلاح سے قبل کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور نہ ہی یہ واجب العتاب ہے بلکہ حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے والے کو بدعتی کہنا صحیح نہیں جبکہ وہ اس کو سُنّت یا واجب قرار نہ دیتا ہو۔

قال الحصکفیؒ: (لہا اداب) ترکہ لا یوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل... (و) القیام (لامام ومؤتم (حین قیل حیّ علی الفلاح خلافاً لزفر فعندہ عند حیّ علی الصلوٰۃ ...و(شروع الامام) فی الصلوٰۃ (مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ) ولو اخر حتی اتمہا لا بأس بہ اجماعا وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیا للخلاصۃ انہ الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۹) [1]

مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کرنا

سوال:۔ اقامت کے لیے مؤذن کا ہونا ضروری ہے یا کوئی اور بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ غیر مؤذن کی اقامت کو لوگ اقامت ہی تصور نہیں کرتے، ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہتر یہی ہے کہ مؤذن اقامت کہے، اگر مؤذن موجود نہ ہو تو غیر مؤذن کی اقامت بلا کراہیت درست ہے۔ اگر مؤذن موجود ہو اور کسی دوسرے کی اقامت کو بُرا محسوس نہیں کرتا تو اقامت بلا کراہیت درست ہے اگر بُرا محسوس کرتا ہے تو مع الکراہیۃ التنزیہیۃ

---

[1] من الادب (شروع الامام) الی احرامہ (مذ قیل) ای عند قول المقیم (قد قامت الصلوٰۃ) عندھما وقال ابو یوسف یشرع اذا فرغ من الاقامۃ فلو اخر حتی یفرغ من الاقامۃ لا بأس بہ فی قولھم جمیعاً۔ (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ص۱۵۱ اداب الصلوٰۃ) ومثلہ فی الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۱ ص۵۳۰ کتاب الصلوٰۃ اداب۔

درست ہے، البتہ اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ فلا بأس بذلك جوهرة (اقام غیر من اذن بغیبته) ای المؤذن (لا یکره مطلقاً) وان بحضوره کره ان لحقه وحشة کما کره مشیه فی اقامته۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۹۵ باب الاذان) لہ

جماعتِ ثانیہ کے لیے اقامت

سوال:۔ جماعتِ ثانیہ کے لیے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائط رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کیلئے اذان واقامت مکروہ ہے، البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم وامام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لیے اذان و اقامت مسنون ہے۔

لما قال الحصکفیؒ بل یکره فعلهما وتکرار الجماعة الا فی مسجد علی طریق فلا بأس بذلك۔ قال ابن عابدین تحت قوله (الا فی مسجد علی طریق) هو ما لیس له امام ومؤذن راتب فلا یکره التکرار فیه باذان واقامة بل هو الافضل۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۹۵ مطلب کراهیة تکرار الجماعة) لہ

امام کا اقامت کہنا

سوال:۔ کیا اقامت سے جاہل مقتدیوں کی موجودگی میں امام خود اقامت کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ ویسے تو بہتر یہ ہے کہ اذان اور اقامت ایک شخص کہے اور امامت کوئی

لہ والافضل ان یکون المؤذن هو المقیم کذا فی الکافی وان اذن رجل واقام آخر ان غاب الاول جاز من غیر کراهة وان کان حاضراً یلحقه الوحشة باقامة غیره یکره وان رضی به لا یکره عندنا کذا فی المحیط۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص۵۴)۔ ومثله فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص۵۰۔

لہ قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ۔ واذا لم یکن للمسجد امام ومؤذن راتب فلا یکره تکرار الجماعة فیه باذان واقامة بل هو الافضل ذکره قاضی خان اما لو کان له امام ومؤذن معلوم فیکره تکرار الجماعة فیه باذان واقامة۔ (کبیری ص۶۱۴)
ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۶۶ باب الامامة۔

دوسرا کرائے لیکن بوقتِ ضرورت جب مقتدی اقامت سے جاہل ہوں تو امام کے لیے اقامت کہنے میں کوئی قباحت نہیں، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں جیسا کہ ایک آدمی خود اذان اور اقامت دے کر نماز پڑھے۔

قال ابن عابدینؒ: فی الخانیۃ لو لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یذھب الیہ ویؤذن فیہ ویصلی ولو کان وحدہ لان لہ حقاً علیہ فیؤدیہ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۹ احکام المساجد) [۱]

قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ پر وقف کرنا

سوال:۔ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ پڑھنے کی کیا کیفیت ہے؟ ہر کلمہ پر وقف ضروری ہے یا پہلے کلمہ کا وصل کرکے دوسرے پر وقف کیا جائے؟

الجواب:۔ اذان اور اقامت پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن کرکے پڑھے اذان میں حقیقتاً وقف کیا جائے اور اقامت میں بہ نسبت وقف ساکن پڑھا جائے، اسی طرح قد قامت الصلوٰۃ کو بھی دونوں مرتبہ بہ نیت وقف ساکن کرکے پڑھا جائے، البتہ اذان و اقامت کے تکبیرات میں ہر دو تکبیر ایک کلمہ شمار ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاری یترسل فی الاذان ویحدر فی الاقامۃ ..... الترسل ان یقول اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ویقف ثم یقول مرۃ اخری مثلہ وکذلک یقف بین کلمتین الی اخر الاذان والحدر الوصل والسرعۃ۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۵۱۸ باب الاذان) [۲]

---

[۱] وفی الخلاصۃ: وان لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یؤذن ویصلی وان کان ھناک واحد فان کان لا یحضر احد کیف یصنع المؤذن قال یؤذن ویقیم ویصلی وحدہ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۸)

[۲] قال العلامۃ الشرنبلالیؒ: (ویتمھل) یترسل فی الاذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین ویسرع ای یحدر فی الاقامۃ للامر بھما فی السنۃ قال السید احمد الطحطاوی (تحت قولہ بین کلمتین) ای جملتین الا فی التکبیر الاول فان السکتۃ تکون بعد تکبیرتین۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۵۸، ۱۵۷ باب الاذان) ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۶۔

اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم

سوال:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا سُنت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ آجکل کے دور میں لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے اب یہ علت وسبب اختیار کرنے کی وجہ مفقود ہے اس لیے کہ بدون اس کے آواز بلند ہوتی ہے مگر تواتر کی وجہ سے آج بھی یہی عمل سنت ہے۔

لما قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: ولما کان ذٰلک ابلغ فی الاعلام لان الصوت یبدأ من مخارج النفس فاذا سدأ ذنیہ اجتمع النفس فی الفم فخرج الصوت عالیا من غیر ضرورة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۰ باب الاذان)[۱]

ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم

سوال:۔ آجکل ریڈیو میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہے کیا اس اذان پر اکتفاء کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں، اسی طرح ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی کیسٹوں کے ذریعے دی گئی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں اذان دینے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صبی لایعقل کی اذان کلعدوم ہے۔ چونکہ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی میں یہ شرائط موجود نہیں اس لیے ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو وغیرہ کی اذان اذان نہیں، اس سے اذان کی سنیت ادا نہ ہوگی۔

قال العلامہ ابوبکر الکاسانیؒ: واما اذان الصبی الذی لا یعقل فلا یجزئ ویعاد لان ما یصدر لاعن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۵۰ فصل بیان سنن الاذان)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ویجعل اصبعیہ) لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لبلال رضی اللّٰہ عنہ اجعل اصبعیک فی اُذنیک فانہ ارفع لصوتک وان جعل یدیہ علی اُذنیہ فحسن۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۲۸۵ باب الاذان)

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ: ان اذان الصبی الذی لا یعقل لا یجزئ ویعاد لان ما یصدر لاعن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۲۹۰ باب الاذان)

مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ یہاں دیہات میں مساجد کے اندر اذانیں دی جاتی ہیں، کیا مساجد کے اندر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ مسجد سے باہر اذان دینے پر اصرار کرتے ہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اذان دینا بالاتفاق جائز ہے البتہ اس کی کراہت اور عدم کراہت میں علماء کا قدرے اختلاف ہے، بعض بلا کراہت جواز کے قائل ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ مسجد میں اذان دینا تو جائز ہے مگر کراہت تنزیہی کے ساتھ۔

لما قال فخر الدين القاضي خانؒ: و ينبغي ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد۔ (الفتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۷۸ باب الاذان ومسائل الاذان) [۱]

قد قامت الصلوٰة کے جواب کا حکم

سوال:۔ اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں تو اقامت کے دوران قد قامت الصلوٰة کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قد قامت الصلوٰة کے جواب میں اقامها الله وادامها فرماتے تھے اس لیے اقامت میں قد قامت الصلوٰة کے جواب میں اقامها الله وادامها کہنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويجيب الاقامة ندبا اجماعا كالاذان ويقول عند قد قامت الصلوٰة اقامها الله وادامها۔ قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله ويقول الخ) اي كما رواه ابوداؤد وزيادة ما دامت السمٰوٰت والارض وجعلني من صالحي اهلها۔
(رد المحتار ج۱ ص۴۰۰ باب الاذان) [۲]

---

[۱] لما في الهندية: وينبغي ان يؤذن على المأذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۵۵ الفصل الثاني في كلمات الاذان والاقامة)
ومثله في كتاب الاصل ج۱ ص۱۴۱ باب الاذان۔

[۲] لما في الهندية: واجابة الاقامة مستحبة هكذا في فتح القدير: واذا بلغ قوله قد قامت الصلوٰة يقول السامع اقامها الله وادامها ما دامت السمٰوٰت والارض وفي سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الاذان۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۵۷ الفصل الثاني في كلمات الاذان والاقامة)

دعا بعد الاذان میں والدرجة الرفیعة کے الفاظ کا ثبوت

سوال: اکثر مؤذنین سے سنا گیا ہے کہ وہ اذان کے بعد دعا میں والدرجة الرفیعة... وارزقنا شفاعته یوم القیامة انک لاتخلف المیعاد کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں، کیا یہ الفاظ احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟

الجواب: مستند اور معتبر کتب حدیث میں اذان کے بعد کی دعا ان الفاظ سے مروی ہے:

اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودن الذی وعدته۔ امام بیہقیؒ نے انک لاتخلف المیعاد کی زیادتی نقل فرمائی ہے، اس کے علاوہ اِس دعا میں دیگر الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے ان کو نہیں پڑھنا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، وروی البخاری وغیرہ من قال حین یسمع النداء اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودن الذی وعدته حلت له شفاعتی یوم القیٰمة۔ وزاد البیہقی اِنک لا تخلف المیعاد وتمامه فی الامداد والفتح وقال ابن حجر فی شرح المنہاج وزیادة والدرجة الرفیعة وختمه بیا ارحم الراحمین لا اصل لھما۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۹۸ باب الاذان)[1]

نومولود بچے کے کانوں میں اذان دینے کا طریقہ

سوال: نومولود بچے کے کانوں میں اذان دینے کا کیا حکم ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: نومولود بچے کے کانوں میں اذان اور اقامت کہنا سنت ہے، طریقہ یہ ہے کہ بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اور حسبِ معمول حیّ الصلوٰة کہتے وقت دائیں طرف اور حیّ علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف منہ پھیرا جائے۔

لما قال العلامة السندی: فیرفع المولود عند الولادة علیٰ یدیه مستقبل القبلة

---

[1] قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ: واما زیادة والدرجة الرفیعة المشتہرة علی الالسنة فقال السخاویؒ لم اراہ فی شئ من الروایات وزاد البیہقی فی روایة انک لاتخلف المیعاد واما زیادة ارحم الراحمین فلاوجود لھا فی کتب الحدیث۔ (بذل المجہود ج۱ ص۳۰۲ باب ما جاء فی الدعاء عند الاذان)
وَ مِثْلُهٗ فی اعلاء السنن ج۲ ص۱۲۸ باب الدعاء للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد الاذان۔

ویؤذن فی أذنه الیمنی ویقیم فی الیسریٰ و یلتفت فیھما بالصلوٰۃ لجھۃ الیمین وبالفلاح لجھۃ الیسار وفائدۃ الاذان فی أذنه انه یدفع ام الصبیان عنه۔

(تقریرات الرافعی ج۱ ص۴۵ باب الاذان)

اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

سوال:۔ اذان کے دوران جب مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ پڑھے تو سننے والوں کے لیے اُس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ صرف اذان کے وقت جب اذان ہو رہی ہو تو اشھد ان محمد رسول اللہ کے سننے پر شفاء عینین کے حصول کے لیے بغیر نیتِ ثواب اور سنت، واجب سمجھے کے انگوٹھے چومنا جائز ہے، اگرچہ بعض نے مستحب لکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ عمل صرف اذان کے ساتھ خاص ہے دیگر مقامات میں نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قوله لولم یجبه حتی فرغ لم اره) یستحب أن یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ: صلی اللہ علیك یارسول اللہ۔ وعند الثانیۃ منھا: قرت عینی بك یارسول اللہ۔ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائداله الی الجنۃ۔

(رد المحتار جلد ۱ ص۳۹۸ باب الاذان)[1]

لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ آجکل لاؤڈ سپیکر کو اذان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ آواز دُور تک پہنچ سکے، شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کی مشروعیت کا مقصد نماز کیلئے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نماز کی اطلاع دی جائے، اسلیئے فقہاء کرام نے مسجد کے مینارہ پر چڑھ کر اذان کہنے کی ترغیب دی ہے

---

[1] قال العلامۃ الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: یستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشھادتین للنبی صلی اللہ علیه وسلم صلی اللہ علیك یارسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرت عینی بك یارسول اللہ اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ابھامیه علی عینیه۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۶۵ باب الاذان)
ومثله فی السعایۃ ج۲ ص۱۱۱ باب الاذان۔

اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ موڑنے کو سنت قرار دیا ہے چونکہ موجودہ آلہ (لاؤڈ سپیکر) سے یہ مقصد بطریقِ احسن حاصل ہو سکتا ہے اسلئے لاؤڈ سپیکر پر اذان دینا جائز ہے ۔

قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ویحول وجهه للصلوٰۃ والفلاح يمنة ويسرة لانه خطاب للقوم فيواجههم وان استدار فی صومعته فحسن ومراده اذا لم يستطع تحويل الوجه يميناً وشمالاً مع ثبات قدميه مكانهما كما هو السنة بان كانت الصومعة متسعة فاما من غير حاجة فلا والافضل للمؤذن ان يجعل اصبعيه فی اذنيه بذلك امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالاً ولانه ابلغ فی الاعلام ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۷۲ باب الاذان) [1]

دفع وبا کیلئے اذان دینے کا حکم

سوال: وبائی امراض کے رفع کیلئے بطور علاج اذان دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: نماز کے علاوہ بعض مواقع ایسے ہیں جن میں سلف صالحین سے اذان دینا عملاً چلا آرہا ہے ۔ مثلاً جہاد کے دوران، غم اور انتہائی پریشانی کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، مرگی آجائے، جانور یا انسان کی بدخلقی ظاہر ہو جائے اسی طرح وبائی امراض کے پھیلاؤ کے وقت اذان دینا بھی منقول ہے اسلئے ان مواقع میں فی ذاتہ اذان دینا مباح ہے ۔

لما قال ابن عابدینؒ: وفی حاشیة البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلوٰۃ کما فی اذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بهیمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق .... عند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه اقول: ولا بعد فیه عندنا ۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۸۵ باب الاذان، مطلب فی المواضع التی یندب لها الاذان) [2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یجعل اصبعیه فی اذنیه لقوله صلی اللہ علیہ وسلم لبلالؓ اجعل اصبعیك فی اذنیك فانه ارفع لصوتك ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۰۶ باب الاذان)

[2] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: ان مواقع میں اذان سنت ہے: فرض نماز، بچہ کے کان میں بوقت ولادت، آگ لگنے کے وقت، جنگِ کفار کے وقت، مسافر کے پیچھے، جب شیاطین ظاہر ہو کر ڈرائیں، غم کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، جب کسی کو مرگی آوے، جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو۔ اس کو صاحبِ رد المحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف غرق کے بھی دیکھا ہے ۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص۱۰۱ باب الاذان)

ومثلہ فی کفایت المفتی ج۳ ص۱۱ باب الاذان ۔

کلماتِ اذان میں وقفہ کی مقدار

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! مؤذن اذان دیتے وقت کلماتِ اذان میں کتنی دیر وقفہ کرے؟ یا بلا وقفہ کے مسلسل اذان دیتا رہے؟ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ یہ اذان کے آداب میں سے ہے کہ مؤذن کلماتِ اذان کے درمیان اتنی دیر وقفہ کرے کہ جواب دینے والا پڑھے گئے کلمات کا جواب آسانی سے دے سکے۔

قال العلامۃ عبدالحی اللکھنوی رحؒ : ویترسل فیہ ای فی الاذان بان یفصل بین کل الکلمتین و لایجمع بینھما فانہٗ سنۃ۔ (السعایۃ ج۲ ص۱۳ باب الاذان) ؎۱

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کا کیا جواب ہے

سوال :۔ جوابِ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ وحَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے مقابلے میں تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھا جائے گا۔ لیکن فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب :۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذانِ فجر میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کہے تو جواب دینے والا جواباً صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کے الفاظ یا مَاشَاءَ اللّٰہ کے الفاظ کہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ : فی اذان الفجر قال المجیب صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ بفتح الراء الاولیٰ وکسرھا او یقول مَاشَاءَ اللّٰہ عند قول المؤذن فی اذان الفجر الصّلوۃ

؎۱ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحؒ : (ویتمھل) یترسل فی الاذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین۔ قال الشیخ السید احمد الطحطاوی رحؒ : (تحت قولہ بین کلمتین) ای جملتین الا فی التکبیر الاول فان السکتۃ تکون بعد تکبیرتین۔

(طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۵۸ باب الاذان)

ومِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۱ ص۵۱۸ باب الاذان۔

خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ (مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی ص۱۱۱ باب الاذان) ؎۱

اذان قبلہ رخ ہوکر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اذان دیتے وقت قبلہ رخ کھڑے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مؤذن کو چاہیئے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر اذان دے، شریعتِ اسلامی میں یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے اس کے خلاف اذان نہ دی جائے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یکون المؤذن صالحاً ای متقیاً لانہ امین فی الدین۔۔۔۔۔۔ مستقبل القبلة کما فعلہ الملك النازل۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۱۰۹ باب الاذان) ؎۲

اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کرکے پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض مؤذنین اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھتے ہیں، تو کیا لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان میں لفظ اللہ کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے ہمزہ استفہام پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے جو کہ تغیرِ معنیٰ کا سبب ہے اسلئے فقہاء کرام نے لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے منع کیا ہے

؎۱ وفی الهندیة: وکذا قول المؤذن اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ لا یقول السامع مثلہ ولکن یقول صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کذا فی المحیط۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۷ الباب الثانی الاذان)

وَمِثْلُہٗ فی السعایة ج۲ ص۵۱ باب الاذان۔

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمستحب للمؤذن ان یستقبل القبلة استقبالاً هکذا روی عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ عن النازل من السماء۔ وفی شرح الطحاوی ولو ترك استقبال القبلة اجزاہ ویکرہ۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج ۱ ص۵۱۵ باب الاذان)

لہٰذا ان دونوں جگہ الف پر مَد نہ کیا جائے ۔

قال العلامۃ عبد الحی الکھنویؒ: لا یقول المؤذن آللہ اکبر بمد الالف فانہٗ استفہام وانہ لحن شرعی الخ (السعایۃ ج ۲ ص ۱۵ باب الاذان) [1]

مؤذن کے کلماتِ اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم

سوال:۔ اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلماتِ اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے، اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے تو یہ فلسفۂ جوابِ اذان کے خلاف ہے۔

قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: ان یقول مثلما یقول مثنیٰ مثنیٰ عقب کل جملۃ الا فی الحیعلتین فیحوقل۔الخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۵۵۳ باب الاذان) [2]

نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت دائیں بائیں سر پھیرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نومولود کے کانوں میں اذان دینے والے کے لیے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری ہے یا کہ منہ پھیرے بغیر بھی یہ سنت ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ کسی نومولود کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا

---

[1] وفی الھندیۃ: والمد فی اول التکبیر کفر وفی آخرہ خطأ فاحش۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۵۶ الفصل الثانی فی الاذان)

[2] فی الھندیۃ: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ وھی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قولہ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ، حَیَّ عَلَی الفَلَاح فانہٗ یقول مکان حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۵۵ الباب الثانی فی الاذان الفصل الثانی)

سنت ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری نہیں بغیر منہ پھیرے ہی سنت ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: قال جماعة من اصحابنا يستحب ان يؤذن فی اذنه اليمنى ويقيم الصلوٰة فی اذنه اليسرى وقد روينا فی كتاب ابن السنی عن الحسين بن علی رضی الله عنهما مرفوعاً من ولد له مولود فاذن فی اذنه اليمنى واقام فی اذنه اليسرى لم تضره ام الصبيان۔ قال المصنفؒ، تحته: وما ذكره بعض الفقهاء من تحويل الوجه فی هذا الاذان يميناً وشمالاً لم اجد له اصلاً ولا يصح قياسه على التحويل فی الاذان للصلوٰة لانه للاعلام ولا حاجة الى مثل هذا الاعلام هٰهنا۔ (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۱۲۳ باب فضيلة ذبح الشاة فی العقيقة)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہیئے

سوال:۔ جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کے لیے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن ميمونة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال والنساء فقال يا معشر النساء اذا سمعتن اذان هذا الحبشی واقامته فقلن كما يقول فان لكن بكل حرف الف الف درجة قال عمرؓ فهذا للنساء يا رسول الله فما للرجال قال ضعفان يا عمرؓ۔ (الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۱۱۵ الترغيب فی اجابة المؤذن)[1]

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے

سوال:۔ کیا خواتین حالتِ حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان

---

[1] قال العلامة عبد الحی اللكهنویؒ: قلتُ يستنبط منه ان الاجابة باللسان واجبة على النساء الطاهرات ايضاً وهو ظاهر عبارات فقهائنا۔ (السعاية ج ۲ ص ۵۱ باب الاذان)

کا جواب دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : لا یجیب الجنب ولا الحائض لعجزهما عن الاجابة بالفعل۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۱۶۳ باب الاذان) ؎۱

قد قامت الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ کے تاء پر ضمہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اقامت کہتے وقت اکثر مقیمین (اقامت کہنے والے) قد قامت الصلوٰۃ کے تاء پر پیش اور دوسرے جملہ قد قامت الصلوٰۃ کے تاء پر سکون (جزم) پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے ؟

الجواب:۔ اقامت کہتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہر کلمہ کے آخر میں پیش کی جگہ جزم (سکون) پڑھی جائے چاہیے وہ اللہ اکبر کی راء ہو یا قد قامت الصلوٰۃ کی تاء، اس لیے الصلوٰۃ کی تاء پر پیش پڑھنا صحیح نہیں بلکہ جزم پڑھی جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وروی ذٰلک عن النخعی موقوفاً علیه ومرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیه وسلم قال الاذان جزم والاقامة جزم والتکبیر جزم وفیه: وفی الامداد ویجزم الراء ای یسکنها فی التکبیر الخ

(رد المحتار ج۱ ص۳۸۶ باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث الاذان جزم) ؎۲

بعد الاذان دعا میں ہاتھ اٹھانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اذان کے بعد دعاء وسیلہ کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے ؟

الجواب:۔ اذان کے بعد دعاء وسیلہ (مسنون دعا) کرتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے جائیں

؎۱ قال العلامة عبد الحی اللکھنویؒ: لا یجیب الحائض والنفساء لعجزهما عن الاجابة بالفعل فکذا بالقول۔ (السعایة ج۲ ص۵۰ باب الاذان)

؎۲ قال العلامة ابن نجیمؒ: (تحت قوله یترسل فیه ویحدر فیها) ویسکن کلمات الاذان والاقامة لکن فی الاذان ینوی الحقیقة وفی الاقامة ینوی الوقف ذکره الشارح وفی المبتغی والتکبیر جزم۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۵۸ باب الاذان)

ومثله فی السعایة ج۲ ص۱۱ باب الاذان۔

بلکہ بغیر ہاتھ اٹھائے دُعا مانگی جائے تاہم اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی سنت کے خلاف ہے۔

قال الشیخ مولانا محمد اشرف علی التھانویؒ: بالتخصیص دعاءِ اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیثِ قولیہ وفعلیہ مرفوعہ وموقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے من غیر تخصیص بدعاءٍ دون دُعاءٍ پس دعائے اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۵ باب الاذان)

کیا حضرت بلالؓ اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سُنا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ کی بجائے اَسْهَدُ یعنی شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کی جگہ سین پڑھتے تھے لیکن علماءِ محققین نے اس کی تردید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ فصیح اللسان اور تیز وتُند آواز والی شخصیت تھے، اور جو بات ان کے بارے میں مشہور ہو چکی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

قال العلامۃ عبدالحی اللکھنویؒ: اشتھر علی السنۃ العوام ان بلالاً کان یبدل الشین المعجمۃ سیناً مھملۃ ولیس کذٰلک قال المزی علیٰ ما نقلہ عنہ البرھان السفاقسی انہٗ قد اشتھر علی الالسنۃ ولم نرہ فی شئ من الکتب۔ وقال ابن کثیر لا اصل لہٗ ولا یصح۔ (السعایۃ ج ۲ ص ۷ باب الاذان)

باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا

(نماز کے شرائط و ارکان کا بیان)

زبان سے نیت کرنے کا حکم | **سوال:۔** نماز کی نیت اگر صرف زبان سے کی جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کے لیے دل سے نیت کرنا فرض ہے البتہ متاخرین فقہاء کرام نے زبان سے نیت کو مستحسن قرار دیا ہے تاکہ دل و دماغ دونوں حاضر ہوجائیں، البتہ اگر صرف زبان سے نیت کرے مگر دل کی نیت نہ ہو تو یہ نیت لغو اور بے کار ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والتلفظ عند الارادۃ بہا مستحب ھو المختار۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۶ شروط الصلوٰۃ۔ بحث النیۃ) [۱]

زبان سے نیت کے الفاظ میں غلطی کا حکم | **سوال:۔** ہمارے ساتھ اکثر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ ہم جلدی میں ایک وقت کی نماز میں شامل ہوتے ہیں مگر زبان پر غلطی سے کسی دوسرے وقت کی نماز کے الفاظ کا اجراء ہوجاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ نیت دل کا عمل ہے، اگر دل میں اسی وقت کی نماز کا ارادہ ہو تو نماز ہوجائے گی اگرچہ زبان پر غلطی سے دوسرے وقت کی نماز کا اجراء ہوجائے ایسی غلطی کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: والخامس النیۃ بالاجماع وھی الارادۃ المرجحۃ..... لا مطلق العلم فی الاصح..... والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۵ باب شروط الصلوٰۃ، مطلب بحث النیۃ) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: ولا عبرۃ للذکر باللسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قلبہ فھو حسن۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

ومثلہ فی السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ج ۲ ص ۹۹ باب شروط الصلوٰۃ۔

[۲] وفی الھندیۃ: النیۃ ارادۃ الدخول فی الصلوٰۃ والشرط ان یعلم بقلبہ ای صلوٰۃ یصلی وادناھا ما لو سئل لامکنہ ان یجیب علی البدیھۃ ..... ولا عبرۃ للذکر باللسان۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

وفیہ ایضاً عزم علی الظھر وجری علی لسانہ العصر یجزیہ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۱ ص ۶۶ الفصل الرابع فی النیۃ)

امام کی اقتدار کی نیت کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو مگر اس نے امام کی اقتدار کی نیت نہ کی تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ امام کی اقتدار کی نیت صحتِ صلوٰۃ کے لیے شرط نہیں بلکہ تحصیلِ ثواب کے لیے شرط ہے۔ اگر کسی نے امام کی اقتدار کی نیت نہیں کی صرف نماز کی نیت کر کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی تو نماز تو ہو جائے گی مگر امام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یشترط لصحۃ الاقتداء نیۃ امامۃ المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد بہ قبلہ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لنیل الثواب) معطوف علی قولہ لصحۃ الاقتداء ای بل یشترط نیۃ امامۃ المقتدی لنیل الامام ثواب الجماعۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۲۴ شروط الصلوٰۃ مطلب بحث النیۃ) [1]

تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں

سوال:۔ کیا نماز میں تعداد رکعات کی تعیین کر کے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض نمازوں کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ رکعات کی گنتی ضروری نہیں بغیر نیت تعداد رکعات کے بھی نماز ہو جائے گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا بد من التعیین عند النیۃ ------ لفرض ...... ولو قضاء لکنہ یعین ظہر یوم کذا علی المعتمد ... وواجب انہ وتر اونذر اوسجود تلاوۃ وکذا شکر بخلاف سہوٍ دون تعیین عدد رکعاتہ لحصولہا ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۱۸ باب شروط الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا، پس حصول ثوابِ امامت کے لیے تو امامت کی نیت ضروری ہے۔
(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص۱۳۳ باب شروط الصلوٰۃ)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لان نیۃ عدد الرکعات لیست بشرط فی الفرض والواجب لان قصد التعیین مغن عنہ ولو نوی الظہر ثلاثاً والفجر اربعاً جاز۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۸۳)

رکوع وسجدہ میں ترتیب کا وجوب

سوال:۔ اگر کوئی شخص رکوع کیے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو دوبارہ رکوع کی ادائیگی پر سجدہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رکوع وسجدہ میں ترتیب چونکہ واجب ہے اس لیے اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے سجدہ کرے تو یہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ رکوع کی طرف لوٹ کر رکوع ادا کرنے کے بعد از سر نو سجدہ کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: الترتیب بین الرکوع والسجود مثلاً فانہ فرض حتی لو سجد قبل الرکوع لم یصح سجود ھٰذہ الرکعۃ لان اصل السجود یشترط ترتیبہ علی الرکوع فی کل رکعۃ کترتب الرکوع علی القیام۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۴۳۱ واجبات الصلوٰۃ) [1]

جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے لیے مکان (جگہ) بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی شرط ہے، اور نسوار فی ذاتہٖ ایک پاک چیز ہے اس میں نجاست کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی جیب میں نسوار وغیرہ ہو تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

تطھیرا لنجاسۃ من بدن المصلی وثوبہ والمکان الذی یصلی علیہ واجب۔ ھٰکذا فی الزاھدی فی باب الانجاس۔ (الھندیہ ج۱ ص۵۸ الفصل الاول فی الطھارۃ) [2]

تکبیر تحریمہ کی فرضیت

سوال:۔ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ شرط ہے یا سنت یا مستحب، اگر کوئی تکبیر نہ کہے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

---

[1] فالترتیب فیھا فرض حتی لو رکع قبل القیام او سجد قبل الرکوع لایجوز۔
(الھندیۃ ج ۱ ص۷۱ واجبات الصلوٰۃ) ومثلہٗ فی البحرالرائق ج ۱ ص۲۹۶ واجبات الصلوٰۃ۔

[2] قال الحصکفیؒ: (طھارۃ بدنہ) ای جسدہٖ لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن فلیحفظ (من حدث) بنوعیہ وقدّمہ لانہ اغلظ و خبث مانع کذٰلک وثوبہ۔
(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰۃ)
ومثلہٗ فی الاختیار ج ۱ ص۴۵ باب مایفعل قبل الصلوٰۃ۔

الجواب:۔ تکبیرِ تحریمہ نماز کے فرائض میں سے ہے، بغیر تکبیرِ تحریمہ کے نماز نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ: من فرائضها التی لاتصح بدونها التحریمة قائماً وهی شرط فی غیر جنازة علی القادر به یفتی۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی القادر) متعلق بشرط لتضمنه معنی الفرض ای وهی شرط مفترض علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۴۲ باب صفة الصلوٰة) لہ

نماز کی نیت کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چونکہ پشتو زبان بولی جاتی ہے اور اکثر نمازی پشتو میں ہی نیت کے الفاظ کہہ لیتے ہیں، اور ایسے ہی بعض لوگ دل میں نیت کر لیتے ہیں، کیا شرعاً دل میں نیت کرنا کافی ہے یا زبان سے بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نیت نماز کے فرائض میں سے ہے لیکن نیت کا دائرہ بنیادی طور پر دل تک محدود ہے، تاہم عوام الناس اس سے غافل رہتے ہیں لہٰذا ان کے لیے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرنا بہتر ہے تاکہ زبان پر بولنے سے دل کے ارادے کا اظہار ہو سکے۔

ولاعبرة للذکر باللسان فان فعله لتجتمع عزیمة قلبه فهو حسن کذا فی الکافی ومن عجز عن احضار القلب یکفیه اللسان کذا فی الزاهدی۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۶۵ باب شروط الصلوٰة) ۲ہ

لہ منها التحریمة .... وهی شرط عندنا حتی ان من یحرم للفرائض کان له ان یؤدی بها التطوع هکذا فی الهدایة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۶۸ باب صفة الصلوٰة الفصل الاول)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۹ باب صفة الصلوٰة۔

۲ہ قال الحصکفیؒ: والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لانیة الا اذا عجز عن احضاره لهموم اصابته فیکفیه اللسان۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۵ شروط الصلوٰة)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۷۷ باب شروط الصلوٰة۔

ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص ہسپتال میں ملازم ہے وہ ہر وقت زخمیوں کو اٹھاتا ہے اور ان کو دوائیاں وغیرہ دیتا ہے، ان زخمیوں کی وجہ سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ کیا اس شخص کے لیے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے چند شرائط ہیں جن میں کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے اگر ہسپتال کے ملازم کے کپڑے زخمیوں کے خون یا پیپ کے ذریعے ناپاک ہوئے ہوں تو یہ کپڑے تبدیل کر کے دوسرے کپڑوں میں نماز پڑھے، البتہ اگر دوسرے پاک کپڑے مہیا نہ ہو سکتے ہوں تو بوجہ مجبوری انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الشرط شرعاً ما یتوقف علیه الشئ ولا یدخل فیه هی ستة طهارة بدنه .... وکذا ما یتحرك بحرکته او یعد حاملاً له کصبی علیه نجس ...الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰۃ)[1]

دوکان میں نماز پڑھنا جائز ہے

سوال:۔ میری دوکان کے اوپر دوسری منزل میں ایک میوزک سنٹر ہے کیا میں اپنی دوکان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ جبکہ بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوتی اس لیے کہ دوکان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

الجواب:۔ نماز کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے خواہ وہ کوئی بھی جگہ ہو۔ چاہے دوکان ہو یا گھر، مسجد ہو یا حجرہ، بشرطیکہ پاک ہو، اس لیے دوکان میں نماز پڑھنا درست ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الشرط شرعاً ما یتوقف علیه الشئ ولا یدخل فیه هی ستة طهارة بدنه ای جسده لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن من حدث بنوعیه وقدمه لانه اغلظ وخبث مانع کذلك ثوبه ..... ومکانه ای موضع قدمیه او احدهما ان رفع الاخری وموضع سجوده اتفاقاً فی الاصح ۔الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰۃ)[2]

---

[1] وفی الهندیة: تطهیر النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمکان الذی یصلی علیه واجب۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۸ الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ، الفصل الاول فی الطهارة)

[2] وفی الهندیة: تطهیر النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمکان الذی یصلی علیه واجب۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۸ الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ، الفصل الاول فی الطهارة)

جیل خانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ مجھے پشاور سنٹرل جیل سے ایک دوست نے ایک جائے نماز بھیجی ہے، کیا میں اُس پر نماز پڑھ سکتا ہوں جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں ؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ پاکی یقینی ہوتی ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی، اس لیے جیل سے آیا ہوا جائے نماز پاک ہے اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لوشك في نجاسة ماء اوثوب او طلاق او عتق لم يعتبر۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولوشك) في التاتارخانية من شك في انائه اوثوبه او بدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر ما لم يستيقن الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۱ قبيل مطلب في ابحاث الغسل) له

مسجد کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

سوال:۔ آجکل لوگوں کا ایک دستور بن چکا ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے اپنی ٹوپیاں یا رومال وغیرہ ساتھ نہیں لاتے بلکہ مسجد میں پڑی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں، جبکہ بازار یا دیگر مقامات میں ان ٹوپیوں کے ساتھ آنے جانے کو عار سمجھتے ہیں، تو کیا مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز ایسی اہم عبادت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوتی ہے اس لیے نماز پڑھنے کے لیے عمدہ اور بہترین لباس پہننا افضل ہے ورنہ کم از کم ایسا لباس پہننا چاہیئے کہ جس کے ساتھ دیگر مقامات میں جانے کو عار نہ سمجھا جائے اسلئے فقہاء کرام نے ثیاب بذلہ یعنی گندے لباس کے ساتھ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر نمازی اپنی ٹوپی ساتھ لائے ورنہ بصورتِ دیگر مساجد کی ٹوپیاں استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں تاہم نماز ہو جائے گی۔

له قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: من شك في انائه اوثوبه اوبدنه اصابته نجاسة أم لا فهو طاهر مالم يستيقن۔
(الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۱۲۴ كتاب الطهارة الوضوء ما نوع مسائل الشك)

تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اُٹھایا جائے

سوال: تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ تفصیلاً ارشاد فرمائیں۔

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مختلف روایات مروی ہیں، فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق کانوں کی لَو تک ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ انگلیوں کے سروں کو کانوں کی لَو کے برابر کیا جائے جبکہ انگوٹھوں کو کندھوں کے مقابل کیا جائے تو دونوں روایات پر عمل ہو جائے گا۔

رواہ ابو داؤد السجستانیؒ عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ابہامیہ فی الصلوٰۃ الیٰ شحمۃ اُذنیہ۔ (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج۲ ص۱۸ باب افتتاح الصلوٰۃ) [1]

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر پھر باندھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب: تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر باندھا جائے یا بغیر لٹکائے باندھا جائے دونوں طرح درست ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے لٹکانا نہیں چاہیئے، یہی افضل ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذاً رسغھا بخنصرہ وابہامہ ھو المختار تضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیھا کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قولہ بلا ارسال) ھو ظاھر الروایۃ۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۸۶ ارکان الصلوٰۃ، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ) [2]

---

[1] عن مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع یدیہ حتیٰ یحاذی بھما اُذنیہ وفی روایۃ حتیٰ یحاذی بھما فروع اُذنیہ۔

(اعلاء السنن ج۱ ص۱۰۸ باب افتراض التحریمۃ وسننھا)

وَمِثْلُہٗ صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۸ باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔

[2] قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: (تحت قولہ تحت سرتہ) وعند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ یضع کما فرغ من التکبیر ولا یرسل وبہ جزم قاضیخان فی فتاواہ ولم یذکر خلافاً الخ۔ (السعایۃ ج۲ ص۱۵۵ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج۱ ص۴۷۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

مکی کیلئے نماز پڑھتے وقت عین کعبہ یا جہتِ کعبہ کا حکم

سوال:۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مکی کے لیے عینِ کعبہ اور آفاقی کیلئے جہتِ کعبہ ضروری ہے، لیکن آجکل شہر مکہ میں بڑی بڑی عمارتیں مسجد حرام اور مصلی کے درمیان حائل ہیں، اس صورت میں سمتِ قبلہ کی تعیین کس طرح کی جائے؟

الجواب:۔ یہ حکم اُس مکی کے لیے ہے جس کو کعبۃ اللہ دکھائی دیتا ہو تو اس پر لازمی ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور جس کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو تو اس کے لیے بھی آفاقی کی طرح جہتِ کعبہ کافی ہے اگرچہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فللمکی اصابۃ عینہا یعم المعاین وغیرہ لکن فی البحر انہ ضعیف والاصح ان ما بینہ وبینہا حائل کالغائب۔[1]

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۷، ۴۲۸ باب شروط الصلوٰۃ)

حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ خبر احاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے لیکن یہ امر ظنی ہے اور استقبالِ قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے تو نماز نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کاستقبالہ احتیاطاً) فانہ اذا استقبلہ المصلی لم تصح صلوٰتہ لان فرضیۃ استقبال القبلۃ ثبتت بالنص القطعی وکون الحطیم من الکعبۃ ثبتت بالاحاد فصار کانہ من الکعبۃ من وجہ دون وجہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۶ بحث الطواف)[2]

سمتِ قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما کے استعمال کا حکم

سوال:۔ دورِ حاضر میں لوگ قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما استعمال کرتے ہیں، اس کی

---

[1] قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: وفی الدرایۃ من کان بینہ وبین الکعبۃ حائل الاصح انہ کالغائب۔ (کبیری ص ۲۱۷ الشرط الرابع)

[2] قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: الکعبۃ اسم للعرضۃ.... ولو صلی الی الحطیم وحدہ لا یجوز۔ (کبیری ص ۲۲۵ الشرط الرابع فروع فی شرح الطحاوی)

شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے ایک اہم رُکن شہروں اور دیہاتوں میں استقبالِ قبلہ ہے یا جہتِ قبلہ ہے۔ فقہاءِ کرام نے اس کی پہچان کے لیے پہلے زمانے کی مساجد اوران کے محرابوں کو دلیل ٹھہرایا ہے اور صحراؤں میں ستاروں کو دلیل قرار دیا ہے جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ قبلہ اس طرف ہے۔ چونکہ موجودہ دور کا یہ آلہ (قبلہ نما) ظنِ غالب کی تحصیل کے لیے زیادہ کارآمد ہے اس لیے قبلہ کی تعیین کے لیے اس کا استعمال شرعاً درست ہے اور اس سے قبلہ کا صحیح رُخ متعین ہو جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة: وجهة الکعبة تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقریٰ المحاریب التی نصبها الصحابة والتابعون فعلینا اتباعهم فان لم تکن فالسؤال من اهل ذلك لموضع واما فی البحار والمفاوز فدلیل القبلة النجوم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۶۳ الفصل الثالث فی استقبال القبلة)[1]

ریل گاڑی میں دورانِ نماز استقبالِ قبلہ ضروری ہے

سوال:۔ ریل گاڑی میں سفر کے دوران نماز کا وقت بھی آتا ہے لیکن اس میں قبلہ کا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ قبلہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا اور اگر چل بھی جائے تو ریل گاڑی کا کبھی کبھی عین نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے رُخ مڑ جاتا ہے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بعض ٹرینوں کی وضع اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ مسلمان کے لیے ان میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے لہٰذا شروع نماز سے اختتام تک قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھے۔ اگر ابتداء میں قبلہ رُخ ہو کر نماز شروع کی اور درمیان میں ریل گاڑی قبلہ رُخ سے ہٹ گئی تو نمازی دورانِ نماز اپنا رُخ قبلہ کی طرف پھیرے، تاہم اگر ریل گاڑی میں ہجوم اتنا زیادہ ہو کہ رُخ پھیرنا ممکن نہ ہو تو بصورتِ مجبوری نماز ہو جائے گی، اس کی مثال فقہی ذخائر میں لنگر انداز کشتی جیسی ہے۔

---

[1] وتعرف بالدلیل وهو فی القریٰ والامصار محاریب الصحابة والتابعین وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب: قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کالقطب)......وعلیٰ ما وضعوها من الآلات کالربع والاصطرلاب فانها ان لم تفد الیقین تفد غلبة الظن للعالم بها وغلبة الظن کافیة فی ذلك۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۳۰ کتاب الصلوٰة، ارکان الفرائض)

قال العلامة الحصکفیؒ :...... والمربوطة بلجة البحران کان الریح یحرکها شدیداً فکالسائرة والا فکالواقفة ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وکلما دارت ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۱ باب صلوٰۃ المریض)[1]

ریل گاڑی میں بھی نماز کیلئے قیام فرض ہے

سوال :۔ ہم پشاور سے کراچی تک کا سفر ریل گاڑی سے کرتے ہیں، ریل گاڑی میں کثرتِ ازدحام کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں ہم بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :۔ نماز میں قیام فرض ہے بغیر شرعی عذر کے اس کا ترک کرنا درست نہیں، اسلئے پہلے تو اپنے ہمسفر لوگوں سے درخواست کرکے نماز کے لیے جگہ مانگی جائے، اگر وہ جگہ نہ دیں تو پھر بیٹھ کر نماز ادا کرلی جائے مگر اس کا اعادہ لازم ہے، البتہ اگر سر چکرانے یا گر جانے کا خطرہ ہو تو پھر بلا اعادہ جائز ہے ۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ : الاسیر فی ید العدو اذا منعه الکافر عن الوضوء والصلوٰۃ یتیمم ویصلی بالایماء ثم یعید اذا خرج ... کالمحبوس لان الطهارة التیمم تظهر فی منع وجوب الاعادة ثم قال فعلم منه ان العذر ان کان من قبل الله تعالیٰ لاتجب الاعادة وان کان من قبل العبد وجب الاعادة ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۴۹ باب التیمم)

---

[1] وقال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ : اگر کسے در ریل نماز فرض خواند پس استقبالِ قبلہ وقیام ورکوع وسجود وغیرہ جملہ ارکانِ صلوٰۃ ادا کردن ضروری است ومحض از سواری ریل استقبال ساقط نمی شود چراکہ باوجود تحویل الواح بہ قدرے وقت وتکلف استقبال ممکن است، اگر بلا مجبوری ترکِ استقبال کرد نماز جائز ادا نمی شود واگر مستقبل قبلہ بودہ نماز شروع کرد ودر حالتِ صلوٰۃ سمتِ قبلہ مبدل گردد پس مصلی را ضروری است کہ آں ہم متوجہ قبلہ بودہ نماز تمام کند کہ جملہ ارکانِ صلوٰۃ ادا شوند ومصلی ریل را در نماز فرض قعود قطعاً جائز نیست ودر صلوٰۃ نفل جائز است، البتہ اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت رکوع وسجود ممکن نیست ونیز بر صلوٰۃ از خارج ریل قادر نیست بلا استقبال وبلا قیام ادا کند وایں صورت نادر است ۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۴۶ ارکان الصلوٰۃ فصل ثالث استقبالِ قبلہ)

دورانِ نماز قیام میں دونوں پاؤں کے درمیانی فاصلہ کا حکم

سوال:۔ حالتِ قیام میں نمازی کو دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہیئے؟ بعض لوگ دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت تک فاصلہ رکھتے ہیں، ان کا ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ یہ نماز کے آداب میں سے ہے کہ نمازی دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھے، اتنا فاصلہ نہ رکھے جس سے توازن بگڑ جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ (تحت قوله منها القیام) وینبغی ان یکون بینهما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع۔ (ردّ المحتار ج۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ) [1]

بلا عذر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نماز میں ایک پاؤں پر بلا عذر شرعی کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے، فقہاء کرام نے ایک پاؤں پر بلا عذر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں سستی اور کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ومنها القیام) ویکره القیام علی احد القدمین فی الصلوٰۃ بلا عذر۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ) [2]

نماز میں قرأت کا حکم

سوال:۔ نماز میں قرأتِ قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں قرآنِ کریم کی قرأت لاعلی التعیین فرض ہے جس کی مقدار ایک آیت ہے، اس مقدار کی قرأت نفل، وتر اور سنن کے جمیع رکعات میں فرض ہے اور فرائض کی دو رکعات میں البتہ تین آیات یا سورت اور فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں واجب ہے۔

---

[1] قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: ویستحب ان یکون بین الرّجلین عند القیام مقدار اربعة اصابع کما فی البزازیة وغیرها لکونه اقرب الی الخشوع۔ (السعایة ج۲ ص۱۱۱ باب صفة الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۵۳ فصل اول، باب صفة الصلوٰۃ)

[2] وفی الهندیة: ویکره القیام علی احد القدمین من غیر عذر، وتجوز الصلوٰۃ وللعذر لا یکره۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۶۹ الباب الرابع فی صفة الصلوٰۃ، الفصل الاوّل)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۵۸ باب صفة الصلوٰۃ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله منها القرأة) ای قرأة آیة من القرآن وهی فرض عملی فی جمیع رکعات النفل والوتر وفی رکعتین من الفرض کما سیاتی متنًا فی باب الوتر والنوافل واما تعیین القرأة فی الاولیین من الفرض فهو واجب وقیل سنة لافرض کما حققه فی الواجبات واما قراءة الفاتحة والسورة او ثلاث آیات فهی واجبة ایضًا۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۴۶ فرائض الصلوٰة) ؎۱

سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اوّلاً ہاتھ رکھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اوّلاً ہاتھ رکھتے ہیں اور پھر گھٹنے حالانکہ ہم نے علماء کرام سے سُنا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھنے چاہئیں پھر ہاتھ، تو کیا مذکورہ صورت جائز ہے اور اس طرح سے نماز ہوجائے گی؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں دونوں طرح کی صورتیں مروی ہیں۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں وضع الرکبتین قبل الیدین (گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے) کے الفاظ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں وضع الیدین قبل الرکبتین کا ذکر ہے۔ مگر علماء احناف نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو دیگر مؤیدات کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے اسلئے سُنت یہ ہے کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھے جائیں اور پھر ہاتھ، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو پہلے ہاتھ رکھے جاسکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ویسجد واضعًا رکبتیه اولًا لقربهما من الارض ثم یدیه الا لعذر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۹۶ فصل اذا اراد الشروع) ؎۲

حالتِ سجدہ میں پاؤں کا اٹھانا

سوال:۔ نماز میں سجدہ کے دوران بعض لوگ دونوں پاؤں اوپر اٹھا لیتے ہیں، اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑے

؎۱ قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ : وفرض القرأة آیة۔ (کنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج۱ ص۳۳۸ باب صفة الصلوٰة)

؎۲ قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ : ثم کبر ووضع رکبتیه ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه قال ابن نجیم المصریؒ : (تحت قوله ثم کبر ووضع الخ) لما کان یفعله علیه السلام ...... انه اذا اراد السجود یضع اولًا ما کان اقرب الی الارض فیضع رکبتیه اولًا ثم یدیه ...الخ (البحر الرائق ج۱ ص۳۱۷ باب صفة الصلوٰة)

لگایا نہیں؟

الجواب:۔ سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ زمین پر رکھنا ضروری ہے اگرچہ ایک انگلی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر قدمین میں سے کوئی بھی حصہ زمین پر نہ رکھا گیا تو سجدہ صحیح نہ ہوگا جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

قال الحصکفیؒ: ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وقدميه) يجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد وافاد انه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ما قدمناه آنفا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۷ بحث الركوع والسجود) [1]

کورِ عمامہ (پگڑی کے بل) پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جو عمامہ پہنتے ہیں وہ عمامہ کے کور پر ہی نماز میں سجدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ ناک زمین پر لگتی ہے اور نہ پیشانی، تو اس طرح سجدہ کرنے سے نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عمامہ کا کور پیشانی پر ہو تو اسی حالت میں عمامہ کے کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اور اگر کورِ عمامہ پیشانی سے اوپر ہو اور سجدہ کورِ عمامہ پر کیا جائے تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوا اس لیے کہ پیشانی یا ناک زمین پر نہیں رکھی گئی لہٰذا اس صورت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: كما يكره تنزيهاً بكور عمامته الا بعذر وان صح عندنا بشرط كونه على جبهته كلها او بعضها كما مر اما اذا كان الكور على راسه فقط وسجد عليه مقتصراً اي ولم تصب الارض جبهته ولا انفه على القول به لا يصح لعدم السجود على محله الخ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۰ فصل اذا اراد الشروع) [2]

---

[1] وفي الهندية: ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لا يجوز ولو وضع احدهما دون الاخرى جاز مع الكراهة ان كان بغير عذر۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۰ الباب الرابع في صفة الصلوة الفصل الاول)
وَمِثْلُهُ في كبيري ص ۲۸۴ الخامس السجدة۔

[2] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وكره باحدهما او بكور عمامته۔ قال ابن نجيمؒ (تحت قوله وكره باحدهما الخ) ان صحة السجود على الكور اذا كان الكور على الجبهة او بعضها اما اذا كان على الراس فقط وسجد عليه ولم تصب جبهته للارض على القول بتعيينها ولا انفه على القول بعدم تعيينها فان الصلوة لا تصح لعدم السجود على محله وكثير من العوام يتساهل في ذلك۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۹ باب صفة الصلوة)
وَمِثْلُهُ في الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ۱۱۴ فصل شروط الصلوة واركانها۔

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ آجکل لڑکیوں کے والدین شادی کے وقت جہیز میں یا لڑکے والے اس کے لیے فرنیچر میں نماز پڑھنے کے لیے ایک تخت بنواتے ہیں جس کو پشتو میں "تختہ پوش" کہا جاتا ہے، شرعاً اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ ایسے تخت لکڑی سے بنائے جاتے ہیں جو کہ سخت ہوتی ہے، حالت سجدہ یا رکوع یا قیام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لیے ایسے "تختہ پوش" پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لا یصح لعدم السجود علی محلہ و بشرط طھارۃ المکان وان یجد حجم الارض۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ان یجد حجم الارض) تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک فصح علی طنفسۃ و حصیر و حنطۃ و شعیر و سریر و عجلۃ ان کانت علی الارض لا علی ظھر حیوان کبساط مشدود بین اشجار۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۹ فصل اذا اراد الشروع)[1]

قالین اور فوم کے گدول پر نماز کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لیے قالین بچھایا ہے جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے۔ لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہو سکتا ہو تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، چونکہ آجکل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے اس لیے قالین کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ موٹے اور لچکدار فوم پر نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لا یصح لعدم السجود علی محلہ و بشرط طھارۃ المکان وان یجد حجم الارض۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ان یجد حجم الارض)..... وحشیش الا ان وجد حجمہ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: والاصل کما انہ یجوز السجود علی الارض یجوز علی ما ھو بمعنی الارض مما تجد جبھتہ حجمہ وتستقر علیہ وتفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک فیصح السجود علی الطنفسۃ والحصیر والحنطۃ والشعیر والسریر والعجلۃ ان کانت علی الارض لانہ یجد حجم الارض۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۹ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۵۲ فصل اول صفۃ الصلوٰۃ۔

ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن فان وجد الحجم جاز والا فلا ۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۰ فصل اذا اراد الشروع) [1]

قعدۂ اخیرہ کا حکم

سوال: نماز میں قعدۂ اخیرہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی فرض ہے یا واجب؟

الجواب: قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں، بعض کی رائے رکنیت کی ہے جبکہ بعض اس کو شرط قرار دیتے ہیں، راجح یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور شرط ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ومنها القعود الاخير والذى يظهرانه شرط لانه شرع للخروج كالتحريمة للشروع ۔قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله والذى يظهر) اختلف فى القعدة الاخيرة قال بعضهم هى ركن اصلى ۔وفى كشف للبزدوى: انها واجبة لا فرض لكن الواجب هنا فى قوة الفرض فى العمل كالوتر وفى خزانة الروايات انها فرض وليست بركن اصلى بل هى شرط للتحليل وجزم بانها فرض فى الفتح والتبيين ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۸ فرائض الصلوٰۃ فى بحث القعود الاخير) [2]

قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر کافر نہیں

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں دو آدمیوں کے درمیان بحث ہو رہی تھی، ایک نے کہا کہ جو شخص نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ کافر نہیں اور دوسرا اس کو کافر کہہ رہا تھا اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے اور کون حق پر ہے؟

الجواب: قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف روایات فقہاء کرام سے مروی ہیں

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ: والاصل كما انه يجوز السجود على الارض يجوز على ما هو بمعنى الارض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۹ باب صفة الصلوٰۃ)

[2] قال العلامة بدر الدين العينى: وذكر فى الايضاح ان القعدة الاخيرة من جملة الفروض وليست من الاركان لان الشئ مايقوم به ذلك الشئ وتفسير الصلوٰۃ لا يقع بالقعدة وانما يقع بالقيام والقراءة والركوع والسجود وانما انعدمت الركنية فى القعدة لانها اعتدنفيرها لا لعينها لان الصلوٰۃ لتعظيم وهو بالقيام وذا بالركوع ويتناهى بالسجود والقعدة للخروج ۔ (البناية ج ۲ ص ۱۶۸ باب صفة الصلوٰۃ)
ومثله فى الطحطاوى حاشيه مراقى الفلاح ص ۲۲۸ باب شروط الصلوٰۃ واركانها ۔

کشف الاسرار للبزدوی میں ہے کہ قعدۂ اخیرہ واجب ہے فرض نہیں لیکن یہ وجوب فرضیت کے حکم میں ہے۔ اور صاحب خزانۃ الروایات فرماتے ہیں کہ فرض ہے اور اسی کو ابن الہمامؒ اور فخر الدین الزیلعیؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

بناء بریں اختلاف اگر کوئی نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو کافر نہیں البتہ مشروعیت کا منکر کافر ہے، اس لیے اول شخص کی بات صحیح ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لا یکفر منکرہ) الظاھر ان المراد منکر فرضیتہ لانہ قیل بوجوبہ کما فی القھستانی واما منکر اصل مشروعیتہ فینبغی ان یکفر لثبوتہ بالاجماع بل معلوم من الدین بالضرورۃ افادہ ویؤیدہ ما قالوا فی السنن الرواتب من لم یرھا حقا کفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۴۸ فرائض الصلوٰۃ فی بحث القعود الاخیر)[1]

ہوا خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کو دوران نماز سجدہ کرتے وقت ہوا خارج ہونے کی بیماری ہے لیکن قیام اور رکوع کی حالت میں درست اور صحیح رہتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف اشارے سے سجدہ کرے؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ عذر شرعی کی کیفیت ہے اس لیے یہ شخص نماز میں قیام اور رکوع کے بعد اشارے سے سجدہ کرے، اگر کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرنا آسان ہو تو کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرے ورنہ بیٹھ کر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الشرنبلالیؒ: وان تعذر الرکوع والسجود وقدر علی القعود ولو مستندا صلی قاعدا بالایماء للرکوع والسجود برأسہ ولا یجزیہ مضطجعا وجعل ایماءہ برأسہ للسجود اخفض من ایماءہ برأسہ للرکوع۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۳۵ باب صلوٰۃ المریض)

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ وحکم الواجب استحقاق العقاب بترکہ عمدا وعدم اکفار جاحدہ والثواب بفعلہ ولزوم سجود السھو لنقص الصلوٰۃ بترکہ سھوا۔ اھ

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۹۹/۲۰۰ فصل فی واجبات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۶۲۲ الفصل الخامس ارکان الصلوٰۃ۔

باب واجبات الصّلوٰۃ
(نماز کے واجبات کے بیان میں)

جماعت میں امام کا تنہارہ جانا

سوال:۔ اگر کہیں امام کے مقتدی دوران جماعت امام کو اکیلے چھوڑ کر بھاگ جائیں تو امام تکبیرات میں جہر کرے گا یا اخفاء؟

الجواب:۔ مقتدیوں کے بھاگ جانے سے امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اس صورت میں امام کی حالت ایک منفرد کی ہوجائیگی، لہٰذا سری نمازوں میں اخفاء کرے اور جہری نمازیں جہر بھی جائز ہے۔

وان کان منفرداً ان کانت صلوٰۃ یخافت فیھا یخافت حتما ھو الصحیح وان کانت صلوٰۃ یجھر فیھا فھو بالخیار والجھر افضل ولکن لا یبالغ مثل الامام لانه لا یسمع غیرہ کذا فی التبیین ولا یجھر الامام نفسه بالجھر کذا فی البحر الرائق۔
(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۷۲ واجبات الصلوٰۃ۔ الفصل الثانی) [۱]

قعدۂ اولیٰ واجب ہے

سوال:۔ تین یا چار رکعت فرض نماز میں تو قعدۂ اولیٰ واجب ہے کیا نفل نماز (صلوٰۃ التسبیح وغیرہ) میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے؟

الجواب:۔ قعدۂ اولیٰ جس طرح تین یا چار رکعت فرض نماز میں واجب ہے اسی طرح نوافل، سُنن اور وتر میں بھی واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولھا واجبات ..... والقعود الاول ولو فی نفل فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۵ باب صفة الصلوٰۃ مطلب واجبات الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: والاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسرّ فیه وھو فی صلوٰۃ الظھر والعصر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۹ واجبات الصلوٰۃ)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۲ واجبات الصلوٰۃ۔

[۲] قال العلامة ابراھیم الحلبیؒ: ومن الواجبات القعود الاولی لما مرّ (الکبیری ص ۲۹۶ واجبات الصلوٰۃ)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۰ واجبات الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ۔

تعدیلِ ارکان واجب ہے

سوال:۔ بعض لوگ نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ مرغ دانوں پر ٹھونگے مارتا ہے، اس قسم کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کا تعلق واجباتِ صلوٰۃ سے ہے۔ نماز میں ارکانِ نماز کو اطمینان اور تعدیل سے ادا کرنا واجب ہے، جو نماز تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا نہ کی جائے تو وہ واجب الاعادہ ہے، البتہ اگر سہواً متروک ہو جائے تو سجدہ سہو سے نماز درست ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: لها واجبات لا تفسد بترکها وتعاد وجوباً فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقاً اثماً..... وهی قراءة الفاتحة الکتاب..... وتعدیل الارکان۔[1]

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۶ و ۴۶۴ مطلب واجبات الصلوٰۃ)

نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع سے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ براہِ راست رکوع سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بھی پوری طرح نہیں بیٹھتے بلکہ ایک سجدہ سے پوری طرح سر نہیں اٹھایا کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے گئے، کیا نماز کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے؟

الجواب: قومہ (یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) دونوں واجب ہیں، اگر سہواً رہ جائیں تو سجدہ سہو کفایت کر جاتا ہے اور عمداً ترک کیا جائے تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولها واجبات..... وهی قراءة فاتحة الکتاب..... تعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منهما علیٰ ما اختاره الکمال۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وکذا الرفع) ای یجب التعدیل ایضاً فی القومة من الرکوع والجلسة بین السجدتین وتضمن کلامه وجوب نفس القومة والجلسة ایضاً الخ..... حتی لو ترکها او شیئاً منها ساهیاً یلزمه السهو ولو عمداً یکره اشد الکراهة ویلزمه ان یعید الصلوٰۃ۔ (رد المحتار جلد اص ۴۶۴ باب صفة الصلوٰۃ مطلب واجبات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ، وعندهما تعدیل الارکان من الواجبات لا من الفرائض۔ (کبیری ص ۲۹۴ باب صفة الصلوٰۃ) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹۹ باب صفة الصلوٰۃ۔

[2] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: قال الشیخ کمال الدین بن الهمامؒ وینبغی ان تکون القومة والجلسة واجبتین للمواظبة۔ (کبیری ص ۲۹۴ باب الثامن تعدیل ارکان) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۰ باب صفة الصلوٰۃ۔

نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نماز میں تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے سہواً چھوٹ جانے کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے، عمداً ترک کرنے سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ : ومنها قرأة التشهد فانها واجبة فى القعدتين الاولى والاخيرة ۔۔۔۔ فاوجب السجود بترك التشهد فى القعدة الاولى كما فى القعدة الاخيرة وهو ظاهر الرواية ۔ (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة) [۱]

وتر نماز میں دعاء قنوت کا حکم

سوال:۔ وتر میں دعاء قنوت کا کیا حکم ہے؟ اگر سہواً رہ جائے تو پھر کیا حکم ہوگا؟

الجواب:۔ وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے اگر سہواً رہ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہو جائے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وقرأة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۶۸ باب صفة الصلوٰة ـ مطلب واجبات الصلوٰة) [۲]

تکبیراتِ زوائد کا حکم

سوال:۔ عیدین میں تکبیراتِ زوائد کتنی ہیں؟ اور یہ سنت ہیں یا واجب اور فرض؟

الجواب:۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تکبیراتِ زوائد چھ ہیں اور یہ واجباتِ صلوٰۃ میں میں داخل ہیں، اگر سہواً یہ تکبیرات چھوٹ جائیں تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وتكبيرات العيدين وكذا احدها وتكبير ركوع ركعة الثانية كلفظ التكبير فى افتتاحه لكن الاشبه وجوبه فى كل صلوٰة ـ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۶۹ مطلب واجبات الصلوٰة) [۳]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ : تحت قوله ولها واجبات ۔۔۔ (والتشهد) اى تشهد القعدة الاولى وتشهد الاخير۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۶۶ مطلب واجبات الصلوٰة)

[۲] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ : ومنها قرأة القنوت فى الوتر۔ (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۳۰۱ واجبات الصلوٰة باب صفة الصلوٰة۔

[۳] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ : ۔ ومنها تكبيرات العيدين للمواظبة عليها من غير ترك والمراد التكبيرات الزوائد لا جميع ـ (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۳۰۱ واجبات الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة۔

باب سنن الصلوٰة

(نماز کی سنتوں کے بیان میں)

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے

سوال:۔ تشہد کی حالت میں سبابہ سے اشارہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کی حرمت کے قائل ہیں جبکہ روایات اس کے ثبوت اور استحباب و سنت پر دال ہیں؟

الجواب:۔ تشہد میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت سبابہ (سواکی انگلی) سے اشارہ کرنا احادیث اور فقہی ذخائر سے ثابت ہے اس لیے نماز میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے۔ جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اُن کی رائے احادیثِ صریحہ کے مخالف ہے۔

عن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنیٰ علی فخذہ الیمنیٰ ویدہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ و اشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطیٰ ویلقم کفہ الیسریٰ رکبتہ۔ [1]
(الصحیح المسلم ج۱ ص۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ)

تحقیق رفع الیدین

سوال:۔ دورانِ نماز رفع الیدین یا ترکِ رفع الیدین میں سے کون سا عمل روایاتِ صحیحہ کے موافق ہے؟

الجواب:۔ احادیث میں رفع الیدین اور ترک رفع الیدین دونوں کے متعلق روایات موجود ہیں، لیکن احناف کی تحقیق کے مطابق ترکِ رفع الیدین اولیٰ و افضل ہے۔

---

[1] عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم......وحلق بشر الابہام والوسطیٰ واشار بالسبابۃ۔
(سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۰۵ باب رفع الیدین)
ومثلہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۸ آداب الصلوٰۃ۔

عن براء بن عازب قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود۔ (ابی داؤد ج۱ ص۱۰۹)

عن علقمة قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی ولم یرفع یدیه الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح۔ رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی۔

(مشکوٰۃ ج۱ ص۷۷ باب صفة الصلوٰة) [۱]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا

سوال: تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا مسنون وقت کون سا ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اگر تکبیر کہنے سے پہلے یا اس کے بعد اور یا تکبیر کے ساتھ اٹھا دیئے جائیں تو اس سے رفع یدین کی سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے اور بعد میں تکبیر کہے۔

قال الحصکفیؒ (و) رفع یدیه) قبل التکبیر وقیل معه قال ابن عابدینؒ (قوله رفع الیدین) للتحریمة۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۷۴ سنن الصلوٰة) [۲]

---

[۱] عن عبد الله بن عمر قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین۔ (مسند حمیدی ج۲ ص۲۷۷ رقم حدیث ۶۱۴، احادیث عبد الله بن عمر بن الخطاب)

ومثله فی الجامع الترمذی ج۱ ص۵۹ باب رفع الیدین عند الرکوع۔

[۲] قال المرغینانیؒ یرفع یدیه مع التکبیر وهو سنة لان النبی علیه السلام واظب علیه وهذا اللفظ یشیر الی اشتراط المقارنة وهو المروی عن ابی یوسفؒ والمحکی عن الطحاوی والاصح انه یرفع یدیه اولاً ثم یکبر لان فعله نفی الکبریاء عن غیر الله تعالی والنفی مقدم ویرفع یدیه۔

(الهدایة ج۱ ص۱۰۱ صفة الصلوٰة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۷۳ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰة۔

بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں سوال :- نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ اور اگر کسی سے پڑھنا رہ جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے نہیں اور اگر کوئی قصداً وعمداً بسم اللہ پڑھنا ترک کردے تو کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب :- ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا ایک مسنون عمل ہے اور مسنون عمل کے ترک کرنے سے نہ فساد لازم آتا ہے اور نہ قضاء واعادہ۔ اسلئے اگر کسی سے بسم اللہ سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں تاہم قصداً وعمداً ترک کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصکفی وسمی غیر المؤتم بلفظ البسملة سراً فی اول کل رکعة ولو جهرية بحذف يسير۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار۔ ۱۔ ۳۶۳)

وقال ايضاً (وسننها) ترك السنة (لا يوجب فساداً) ولا سهواً بل اساءة لو عامداً غير مستخف وقال الاساءة ادون من الكراهة (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱ - ۳۵۰ مطلب سنن الصلوٰة)

نماز میں تسبیح کی مقدار سوال :- ہمارے محلہ کی مسجد کے پیش امام رکوع وسجود میں تسبیح پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں جبکہ بعض مقتدی اس بات پر مُصر ہیں کہ تین مرتبہ پڑھنی چاہیئے، پانچ مرتبہ پڑھنے سے بہت دیر ہو جاتی ہے۔ کیا شرعاً تین مرتبہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب :- اگر کوئی شخص رکوع وسجود میں تین مرتبہ تسبیح پڑھ لے تو اس سے سُنت ادا ہو جاتی ہے اور اس سے زائد پڑھنا استحباب کا درجہ رکھتا ہے۔

• تکبير الركوع وتسبيحه ثلاثاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۲ سنن الصلوٰة)

البتہ امام صاحب کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کا لحاظ رکھ کر نماز ادا کریں اور نماز میں تین مرتبہ ہی تسبیح پر اکتفاء کرے۔

عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا صلی احدکم للناس

ماں قال العلامة حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی :- وتسن التسمية اول كل ركعة قبل الفاتحة لانه صلی الله علیه وسلم كان يفتتح صلاته بسم الله الرحمن الرحيم

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ۱/۳۵۳ - فصل فی بيان سننها)

ومثله فی الهنديه ۱/ ۷۲ الفصل الثالث سنن الصلوٰة

فلیخفف فان فیہم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۰۱ باب ماعلی الامام) [1]

سجدہ کی حالت میں عورتوں کی مسنون کیفیت کیا ہے؟

سوال ۔ سجدہ میں عورتوں کو کیا کیفیت اختیار کرنی چاہیئے؟ کیا عورتیں بھی مردوں کی ہیئت کی طرح سجدہ کریں گی یا عورتوں کے لیے سجدہ کی کوئی خاص ہیئت ہے؟ خاص کر قدمین میں ان کی ہیئت کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب :۔ سجدہ میں عورتوں کی کیفیت مردوں سے الگ ہے، بہتر یہ ہے کہ عورتیں سجدہ کرتے وقت قدمین کو نہ اٹھائیں، پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کریں جبکہ بازوؤں کو جسم کے ساتھ ملا کر زمین پر رکھیں یعنی جو کیفیت زیادہ استر ہو اختیار کریں ۔

قال الحصکفیؒ : (والمرأۃ تنخفض) فلا تبدی عضدیہا (وتلصق بطنہا بفخذیہا) لانہ استر وحرر فی الخزائن انہا تخالف الرجل فی خمسۃ وعشرین ۔

ذکر فی البحر : انہا لا تنصب اصابع القدمین کما ذکرہ فی المجتبیٰ ۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۰۴ باب صفۃ الصلوٰۃ) [2]

نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ

سوال ۔ نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ کیا ہے؟ بعض اوقات

---

[1] وفی المسلم : عن ابی ہریرۃ یقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا صلّی احدکم للناس فلیخفف فان فی الناس الضعیف والسقیم وذا الحاجۃ ۔ (مسلم ج ۱ ص۱۸۸)

قال القدوری : یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلثا ذٰلک ادناہ ۔ (مختصر القدوری ص۳۳ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البخاری ج ۱ ص۹۷ باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء ــــ الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص۶۲ باب صفۃ الصلوٰۃ

[2] والمرأۃ لا تجافی فی رکوعہا وسجودہا وتقعد علیٰ رجلیہا وفی السجدۃ تفترش بطنہا علیٰ فخذیہا کذا فی الخلاصۃ ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۷۵ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۲۱ باب صفۃ الصلوٰۃ ۔

ہاتھ باندھتے وقت دوسرے ہاتھ کی کلائی پر گھڑی ہوتی ہے، اس سے نماز میں کوئی کراہیت تو لازم نہیں آتی؟

الجواب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے اس کی کلائی کو پکڑے اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

البتہ گھڑی کوئی مقصود بالذات نہیں اور نہ ہی اس کے باندھنے سے کسی قسم کی کاوٹ ہوتی ہے لہٰذا اس سے کوئی کراہیت نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: (ووضع) الرجل (یمینه علی یسارہ تحت السرۃ آخذا رسغها بخنصرہ وابهامه) هو المختار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۸۶ صفة الصلوٰۃ)[۱]

نماز میں آمین بالجہر کی کیفیت

سوال: نماز باجماعت میں آمین کہتے وقت کون سی کیفیت اختیار کرنی چاہیے؟ حنفی مسلک والوں کے لیے باآواز بلند آمین کہنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: آمین کے متعلق دونوں قسم کی روایات وارد ہیں، احناف کی تحقیق کے مطابق آمین میں اخفاء سنت ہے، البتہ اگر کوئی حنفی المسلک شخص آمین بالجہر کہہ دے تو بھی جائز ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ: (وامن الامام سرا کماموم ومنفرد) ولو فی السریة اذا سمعه ولو من مثله فی نحو جمعة وعید لما حدیث اذا امن الامام فامنوا فمن التعلیق بمعلوم الوجود فلا یتوقف علی سماعه منه بل یحصل بتمام الفاتحة بدلیل اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۹۲ آداب الصلوٰۃ)[۲]

---

[۱] ذلك بان یضع باطن کفه الیمنی علی ظاهر کفه الیسری ویحلق الرسغ بالخنصر والابهام ویرسل الباقی علی الذراع۔ (الهندیة ج ۱ ص۷۳ سنن الصلوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۰۸ باب صفة الصلوٰۃ۔

[۲] اذا فرغ من الفاتحة قال آمین والسنة فیه الاخفاء کذا فی المحیط المنفرد والامام سواء وکذا المأموم اذا سمع هکذا فی الزاهدی۔ (الهندیة ج ۱ ص۷۴ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۱۳ باب صفة الصلوٰۃ۔

نماز میں تسویۃ الصفوف کا حکم

سوال: نماز میں صفوں کا سیدھا کرنا کیسا ہے یعنی اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز باجماعت میں صفوں کا سیدھا کرنا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے، ٹیڑھی اور غیر متوازن صفوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

عن النعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُسَوِّی صفوفنا حتّٰی کانّما یسوّی بھا القداح حتّٰی رای انا قد عقلنا عنہ ثمّ خرج یومًا فقام حتّٰی کاد ان یکبر فرای رجلًا بادیًا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسوُّنّ صفوفکم اولیخالفنّ اللہ بین وجوھکم۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۹۷ باب تسویۃ الصفوف) [1]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رُخ کس طرف کیا جائے

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی ہتھیلیوں کا رُخ اپنے چہرے کی طرف کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف کرنا بھی جائز ہے اور اپنے چہرے کی طرف بھی، البتہ قبلہ کی طرف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویستقبل بکفیہ القبلۃ وقیل خدیہ۔ [2]
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۸۲ باب صفۃ الصلوٰۃ قبل مطلب لفارسیۃ)

---

[1] قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: وفی حاشیۃ البخاری عن العینی وھی (ای تسویۃ الصفوف) سنۃ الصلوٰۃ عند ابی حنیفۃ والشافعی ومالک (جلد ۱ ص۱۰۰) قلتُ: والظاھر من کلام اصحابنا انھا سنۃ مؤکدۃ لاطلاقھم الکراھۃ علی ضدھا والکراھۃ المطلقۃ ھی التحریمیۃ۔ الخ

(اعلاء السنن ج۴ ص۳۱۳ باب سنیۃ تسویۃ الصف الخ)

وَمِثْلُہٗ فی معارف السنن ج۲ ص۲۹۷ باب ماجاء فی اقامۃ الصفوف۔

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: ویوجہ حالۃ الرفع بطن کفیہ نحو القبلۃ اکالا علیھا۔ وفی الحاوی: وقال یجعل بطن کل کف الی الکف الاخریٰ۔ (کبیری ص۳۰۰ صفۃ الصلوٰۃ)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

سوال:۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ بعض حضرات سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تاکید کرتے ہیں۔

الجواب:۔ علماء احناف کی تحقیق کے مطابق مرد حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں کیونکہ یہی سنت ہے، البتہ عورتیں اور خنثیٰ مشکل سینے کے نیچے ہاتھ باندھیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ووضع الرجل یمینه علی یساره تحت سرته آخذ ارسغها بخنصره وابهامه هو المختار وتضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۶ باب صفة الصلوٰة مطلب فی بیان المتواتر والشاذ)[1]

ثناء سے قبل اور تکبیر تحریمہ کے بعد ادعیہ کا مسئلہ

سوال:۔ احادیث کی کتابوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیر تحریمہ کے بعد بعض دعائیں مروی ہیں، کیا یہ دعائیں فرائض وسنن سب میں پڑھی جاسکتی ہیں یا کہ صرف نوافل میں؟

الجواب:۔ اگرچہ احادیث مبارکہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں مختلف مقامات پر مختلف ادعیہ منقول ہیں لیکن علماء احناف نے یہ روایات نوافل میں پڑھنے پر محمول کی ہیں اور یہ دعائیں نفلی نماز میں پڑھی جائیں گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وقرأ کما کبر سبحانك اللّٰھم تارکاً وجل ثناءك الا فی الجنازة مقتصراً علیه فلا یضم وجهت وجهی الا فی النافلة۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الا فی النافلة) لحمل ما ورد فی الاخبار علیها...... وفی الخزائن: وما ورد محمول علی النافلة بعد الثناء فی الاصح وقال فی حاشیة صححه فی الزاهدی وغیرہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۸ باب صفة الصلوٰة۔ مطلب بیان المتواتر والشاذ)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ویضع یدہ الیمنی علی الیسری تحت السرة کما فرغ من التکبیر والمرأة تضعهما تحت ثدیها۔ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۷۳ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص ۳۰۱ صفة الصلوٰة۔

[2] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: حنفیہ نے ان ادعیہ کو نوافل پر محمول کیا ہے لہٰذا نوافل میں ہی ان کو پڑھے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۷۲ فصل سنن الصلوٰة)

الحاقِ کعبین (ٹخنوں کے ملانے) کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے الدر المختار میں دیکھا ہے کہ و ان یلحق کعبیہ کہ رکوع میں کعبین کا الحاق یعنی ملانا مسنون ہے، کیا واقعی رکوع میں کعبین کا ملانا مسنون ہے؟ جبکہ شامی میں ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے، جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں!

الجواب:۔ الحاق کعبین کا مسئلہ اگرچہ متاخرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر متقدمین سے اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے متاخرین کی اس تصریح کا محل اور مقام یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے وقت ایک دوسرے کے کعب (ٹخنے) کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملایا جائے تاکہ صفیں سیدھی ہو جائیں، جیسا کہ حدیث شریف میں سووا صفوفکم وتواصوا وسدوا الخلل۔ (مشکوٰۃ ج ص باب تسویۃ الصفوف) کا حکم وارد ہے، لہٰذا حالتِ رکوع میں دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملانا مسنون نہیں البتہ اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

لما قال الشیخ المحقق عبد الحی اللکھنویؒ: ومنہا الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتاخرین وجمہور الفقہاء لم یذکروہ فلا اثر لہ فی الکتب المعتبرۃ کالہدایۃ وشروحہا النہایۃ والعنایۃ والبنایۃ والکفایۃ وفتح القدیر وغیرہا والکنز وشرحہ العینی وشرح النقایۃ لالیاس زادہ والبرجندی والشمنی وفتاوی قاضیخان والبزازیۃ وغیرہا وامام الدین اوردہ فی ذکرہ الزاہدی حیث قال فی المجتبیٰ برمز بط یسن فی الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الأصابع القبلۃ ...... قال خیر المتاخرین شیخ مشائخنا محمد عابد السندی المدنیؒ فی طوالع الانوار شرح الدر المختار قولہ والصاق کعبیہ ای حالۃ الرکوع۔ قال الشیخ الرحمتی مع بقاء تفریج ما بین القدمین قلتُ لعلہ المراد من الصاق المحاذاۃ وذلک بان یحاذی کل من کعبیہ الآخر فلا یتقدم

احدھما علی الآخر۔ (السعایۃ ج ۲ ص ۱۸۰ باب صفۃ الصلوٰۃ) لہ

اگر تکبیراتِ انتقالات چھوٹ جائیں تو اس کا حکم

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیرات انتقالاتِ سنت، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: تکبیرات الانتقالات سنۃ عند الجمہور قال ابن المنذرؒ: وبہ قال ابوبکر الصدیقؓ وعمرؓ وجابرؓ وقیس بن عبادہؓ والشعبیؒ والاوزاعیؒ وسعید بن عبد العزیزؒ ومالکؒ والشافعیؒ وابوحنیفۃؒ الخ

(معارف السنن ج ۲ ص ۴۲۶ باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود) ۲

رفع سبابہ (انگلی اٹھانا) بدعت نہیں

سوال: نمازی جب التحیات میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تک پہنچ جائے تو کیا اس کو انگلی اٹھانا چاہیئے؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

لہ قال العلامۃ عبد القادر الرافعی الفاروقی الحنفیؒ علیٰ قول الحصکفیؒ قول الشارح ولیسن ان یلصق کعبیہ قال الشیخ ابوالحسن السندی الصغیر فی تعلیقتہ لم ہذہ السنۃ انما ذکرھا من ذکرھا من المتاخرین تبعًا للمجتبیٰ ولیس لھا ذکر فی الکتب المتقدمۃ کالھدایۃ وشروحھا و کا بعض مشائخنا یرون انھا من اوھام صاحب المجتبیٰ ولم ترد فی السنۃ علیٰ ما وقفنا علیہ وکانھم توھموا ذالک مما ورد ان الصحابۃ کانوا یھتمون سد الخلل فی الصفوف حتیٰ یضموا الکعاب والمناکب ولا یخفیٰ ان المراد الحاق کعبہ بکعب صاحبہ لا کعبہ مع کعبہ الآخر (تقریرات الرافعی ج ۱ ص ۶۱ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل)

ومثلہ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۰۳ فصل سنن الصلوٰۃ)

۲ قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ، باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض۔ عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکبر فی کل خفض ورفع وقیام وقعود .... (ای التکبیر) عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوٰۃ۔

(اعلاء السنن ج ۳ ص ۳ باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض)

الجواب:۔ تشہد میں اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتے وقت انگشت شہادت سے اشارہ کرنا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا ثابت ہے، جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول روایت و درایت کے خلاف ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وفی الشرنبلالیة عن البرهان الصحیح انه یشیر بمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الاثبات واحترز بالصحیح عما قیل لایشیر لانه خلاف الدرایة والروایة۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۱ ص۵۰۹، باب صفة الصلوٰة۔قبل مطلب مهم فی عقد الاصابع عند التشهد) [1]

التحیات میں دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی جائے

سوال:۔ التحیات (قعدہ) میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت کس ہاتھ کی انگلی اٹھانی چاہیئے؟ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا رہا تھا۔

الجواب:۔ التحیات میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھانا سنت ہے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله بل فی متن درر البحار الخ)...... وصفتها ان یحلق من یده الیمنیٰ عند الشهادة الابهام والوسطیٰ ویقبض البنصر والخنصر ویشیر بالمسبحة الخ (رد المحتار ج۱ ص۵۰۹ باب صفة الصلوٰة۔قبل مطلب مهم فی عقد الاصابع عند التشهد) [2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الاشارة فی الصحیح لانه صلی الله علیه وسلم رفع اصبعه المسبابة وقد احناها ومن قال انه لایشیر اصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۸ فصل فی سنن الصلوٰة)
ومثله فی کبیری ص۳۲۹ باب صفة الصلوٰة۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الاشارة فی الصحیح لانه صلی الله علیه وسلم رفع اصبعه السبابة وقد احناها شیئاً ومن قال انه لایشیر اصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة وتکون بالمسبحة ای السبابة من الیمنیٰ فقط یشیر بها...... یرفعها ای المسبحة عند النفی...... ویضعها عند الاثبات۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۸ فصل فی سنن الصلوٰة)

تشہد میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کے الفاظ پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی تشہد میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کے بعد وحدہٗ لاشریک لہٗ کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے، بعض روایات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ الخ کا پڑھنا بھی ثابت ہے مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں اسلئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما اخرجه ابوداؤد: عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی بہذا الحدیث زاد فاذا قرأ وانصتوا قال فی التشہد بعد اشہد ان لا الٰہ الا اللہ زاد وحدہٗ لا شریک لہٗ۔

(ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۴۰ باب التشہد)[1]

قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی درود شریف پڑھنا چھوڑ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بوجہ مجبوری درود شریف پڑھنا رہ جائے تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی، جبکہ قصداً ترک کرنے کی صورت میں نماز کراہت سے خالی نہیں جس کا اعادہ مستحب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسننہا...... والصلوٰۃ علی النبیؐ فی القعدۃ الاخیرۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وقال ایضاً: ترک السنۃ لا یوجب فساداً ولا سہواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من

---

[1] عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد .... اشہد ان لا الٰہ الا اللہ قال ابن عمر زدت فیہا وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

(التلخیص الحبیر ج۱ ص۲۶۶ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی دار القطنی ج۱ ص۳۵۲ باب صفۃ التشہد ووجوبہ واختلاف الروایات فیہ۔

الکراھۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی قولہم الاساءۃ ادون) [۱]

درود شریف میں لفظ سیدنا کے اضافہ کا حکم

سوال:- نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اگر کوئی اس میں سیدنا کے لفظ کا اضافہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ تشہد میں بلا لفظ سیدنا کے پڑھنا بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فہو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ۔ قال العلامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج النووی ونصہ و الافضل الاتیان بلفظ السیادۃ۔ کما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ہو ادب فہو افضل من ترکہ وان تردد فی افضلیتہ الاسنوی واما حدیث لا تسیدونی فی الصلوٰۃ فباطل لا اصل لہ کما قال بعض متاخری الحفاظ الخ (رد المحتار ج ۱ ص۵۱۲، ۵۱۳ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی جواز الترحم علی النبی ابتداء) [۲]

قعدۂ اخیرہ میں دعا ترک ہو جائے تو اس کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب نماز میں التحیات اتنی

---

[۱] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجلوس الاخیر الخ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۹ فصل فی بیان سننہا)

قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: ترک السنۃ لا یوجب فساداً ولا سہوا بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من الکراھۃ۔

(طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۰۰ فصل فی بیان سننہا)

[۲] قال العلامۃ الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: اضافۃ لفظ سیدنا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا بلا لفظ سیدنا ویسا ہی بہتر ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص۱۶۹ فصل فی سنن الصلوٰۃ)

جلدی پڑھتے ہیں کہ ہم (مقتدی) ابھی درود شریف سے فارغ نہیں ہوتے کہ امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں، تو کیا ہم امام کی اتباع میں سلام پھیرلیں یا درود شریف مکمل کرنے کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھیں۔

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ میں دعا پڑھنا سنت ہے اور امام کی اتباع واجب ہے، لہٰذا جب امام مقتدیوں کے دعا ختم کرنے سے قبل سلام پھیر دے تو امام کی اتباع میں سلام پھیرا جائے اگرچہ دعا متروک ہو جائے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو سلم الامام والموتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ والناس عنہ غافلون۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۶ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل اذا اراد الشروع)[1]

امام کی متابعت کی وجہ سے تسبیحات پوری نہ پڑھ سکنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب رکوع اور سجدہ اتنی جلدی کرتے ہیں کہ مقتدی تین بار تسبیح بھی پوری نہیں کرسکتے، تو کیا مقتدی تین بار تسبیح پوری کریں یا امام کی اقتداء کریں؟

الجواب:۔ اوّلاً تو امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ رکوع وسجدہ میں اتنی مقدار ٹھہرے کہ مقتدی تین بار تسبیحات پڑھنا پوری کرسکیں لیکن اگر مقتدی امام کی اقتداء کرکے تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں تو ان کی نماز جائز اور صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم الماموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ اھ۔ قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ واعلم) یسبح فیہ ثلاثاً فانہ سنۃ علی المعتمد المشہور فی المذہب

---

[1] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: لو سلّم الامام او تکلم قبل فراغ المقتدی من قرأۃ التشہد یتمہ لانہ من الواجبات ثم یسلم لبقاء حرمۃ الصلوٰۃ وأمکن الجمع بالاتیان بہما وان بقیت الصلوٰۃ والدعوات یترکہا ویسلم مع الامام لان ترک السنۃ دون ترک الواجب۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۵ فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد الخ)

ومثلہٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۵ فصل فی سنن الصلوٰۃ۔

لا فرض ولا واجب کما مر فلا یترك المتابعة الواجبة لاجلها۔

(رد المحتار ج ۱ ص۴۶۳ و۴۹۵ باب صفة الصلوٰة، فصل اذا اراد الشروع) [۱]

خواتین سجدہ کیسے ادا کریں

سوال:۔ اگر کوئی خاتون مردوں کی طرح سجدہ کرتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بدن اور اس کے اعضاء کو سجدہ کے دوران خوب ملا کر سجدہ کریں، مردوں کی طرح بدن کو کھول سجدہ نہ کریں، ایسا کرنا خواتین کے لیے کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر کسی عورت کو عذر شرعی ہو تو بلا کراہت درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: تنخفض فلا تبدی عضدیها وتلصق بطنها بفخذیها لانه استر۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وحررنا فی الخزائن)...... وتضع یدیها علی رکبتیها ولا تحنی رکبتیها وتنضم فی رکوعها وسجودها وتفترش ذراعیها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۰۴ باب صفة الصلوٰة فصل اذا اراد الشروع) [۲]

فرض نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھنا

سوال:۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ سر مبارک پر رکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: بسم الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحیم، اللّٰهم اذهب عنی الهم والحزن۔ اس لیے بہتر بلکہ سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد فرائض ہوں یا نوافل اور سنن وغیرہ' دایاں ہاتھ سر پر رکھ کر مذکورہ

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وسن تسبیحه ای الرکوع ثلاثاً لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع احدکم فلیقل ثلاث مرات...... والامر للاستحباب فیکره ان ینقص منها ولو رفع الامام قبل اتمام المقتدی فالصحیح انه یتابعه۔ اھ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۵ فصل فی سنن الصلوٰة)

[۲] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والمرأة تخفض فتضم عضدیها علی فخذیها وتلزق بطنها بفخذیها لانه استر لها۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۲۹ فصل فی کیفیة ترکیب افعال الصلوٰة)

ومثله فی الهدایة ج ۱ ص۱۰۱ باب صفة الصلوٰة۔

دعا پڑھنی چاہیئے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى وفرغ من صلوته يمسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللهم اذهب عنى الهم والحزن۔ (حصن حصين ص) [1]

نیت کرنے سے قبل اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ الخ کے پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ہم لوگ نیت سے قبل جب امام نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ پڑھتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے، ازراہ کرم اس مسئلہ کی توضیح عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ الخ کے کلمات پڑھنے کے بارے میں علماء احناف کی مفتی بہ رائے یہ ہے کہ ان کلمات کو نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان نہ پڑھنا چاہیئے، اگرچہ قاضی ابویوسفؒ سے ایک روایت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ کے بعد پڑھنے کی مروی ہے، اور فقیہ ابواللیثؒ تکبیر سے پہلے پڑھنے کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس موقع میں یہ کلمات نہ پڑھے جائیں البتہ اگر نیت سے قبل پڑھے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: والاولى ان لا يأتى بالتوجه قبل التكبير ليتصل النية به هو الصحيح۔ (الهداية ج۱ ص۸۶ باب صفة الصلوٰة) [2]

---

[1] لما قال الشيخ المفتي عزيز الرحمٰنؒ: فرائض کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا بسم الله لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم اذهب عنى الهم والحزن۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۲۱۱ فصل سنن الصلوٰۃ)

[2] قال العلامة صدر الشريعةؒ: ولا يوجه .... اراد بالثناء سبحانك اللهم وبحمدك الخ وبالتوجه قرأة انى وجهت وجهى بعد التحريمة ــ قال الشيخ عبدالحيؒ اللكنويؒ: مختار المتأخرين اولوية قرأته قبله۔ قال فى الهداية الاولى ان لا يأتى بالتوجيه قبل التكبير لتتصل النية بالتكبير هو الصحيح۔ (السعاية فى حل شرح الوقاية ج۲ ص۱۶۵ باب صفة الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى فتاوى دارالعلوم ديوبند ج۲ ص۲۰۹ فصل سنن الصلوٰة۔

بائیں طرف سلام پھیرتے وقت آواز میں آہستگی اختیار کرنا

سوال:۔ سلام پھیرتے وقت دونوں طرف آواز یکساں ہونی چاہیئے یا اس میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:۔ سنت اور افضل یہی ہے کہ دوسرے سلام میں پہلے سلام کی بہ نسبت آہستگی اور پستی اختیار کرے۔ اگر کوئی شخص بلند آواز سے کہہ دے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: وسن جعل الثانی اخفض من الاول) خصه فی المنیۃ بالامام وا قرہ المصنف۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۲۶ باب صفۃ الصلوٰۃ) [۱]

---

[۱] والسنۃ فی السلام ان تکون التسلیمۃ الثانیۃ اخفض من الاولی کذا فی المحیط وھو الاحسن کذا فی التبیین۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۷۶ سنن الصلوٰۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۳ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

باب آداب الصلوٰۃ
(نماز کے آداب کے مسائل)

قیام کی حالت میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے

سوال:۔ دوران نماز قیام کی حالت میں نگاہ کہاں رکھنی چاہیئے؟ اگر کوئی شخص سجدہ کی جگہ نگاہ نہ رکھے تو اس سے نماز میں کوئی فساد یا کراہت تو لازم نہیں آتی؟

الجواب:۔ حالتِ قیام میں نگاہ کو سجدہ گاہ پر مرکوز رکھنا مستحب ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا نہ کرسکے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۱ ص۴۷۷ آداب الصلوٰۃ) [۱]

نماز میں جمائی آنے پر منہ کو چھپانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کو نماز کے دوران جمائی آجائے تو اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر کسی کو دورانِ نماز جمائی آجائے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جمائی کو حتی الامکان روکے اور اگر روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے منہ کو چھپائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ سے کام لے اور باقی ارکان میں بائیں ہاتھ سے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وامساک فمہ عند التثاؤب فائدۃ لدفع التثاؤب مجربۃ ولو بأخذ شفتیہ بسنہ فان لم یقدر غطاہ بظھر یدہ الیسریٰ وقیل بالیمنیٰ لو قائماً والا فیسراہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] وصنھا (نظر المصلی) سواء کان رجلاً او امرأۃ (الی موضع سجودہ قائماً) حفظاً لہ عن النظر الی مایشغلہ عن الخشوع۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص۱۵۱ فصل من آدابہا)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۷۲ سنن الصلوٰۃ وآدابہا۔

[۲] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومن الادب کظم فمہ عند التثاؤب فان لم یقدر غطاہ بیدہ اوکمہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم التثاؤب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا تثاءب احدکم فلیکظم ما استطاع۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۲۴ فصل آداب الصلوٰۃ۔

آداب صلوٰۃ ترک ہوجانے کا حکم

سوال:- اگر کسی سے آداب یعنی مستحبات نماز رہ جائیں تو اس سے نماز پہ کیا اثر پڑے گا؟ نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- نماز کے اندر آداب کا لحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی رہ جائیں تو نماز بلاکراہت صحیح اور درست ہے، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولہا آداب ترکہ لا یوجب اساءۃ ولا عتاباً کترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)[1]

امام اور مقتدی کس وقت نماز کے لیے کھڑے ہوں؟

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اور مقتدیوں کو کس وقت نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیئے؟

الجواب:- امام اور مقتدی دونوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہے تو نماز کے لیے کھڑے ہوجائیں، اگرچہ بعض نے حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کے وقت قیام کو مستحب قرار دیا ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: والقیام لامام ومؤتم حین قیل حَیَّ عَلَی الْفَلَاح خلافاً لزفر فعندہ عند حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۹ باب صفۃ الصلوٰۃ)[2]

امام نماز کس وقت شروع کرے

سوال:- امام کو نماز کس وقت شروع کرنی چاہیئے؟

الجواب:- مستحب یہ ہے کہ امام نماز قد قامت الصلوٰۃ کے وقت شروع کرے، اگرچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مقیم (اقامت کہنے والے) کی فراغت

---

[1] قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ الادب ما فعلہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ او مرتین ولم یواظب علیہ) وترکہ لا یوجب اساءۃ ولا عتاباً لکن فعلہ افضل۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۲۴ فصل آدابہا)

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: من الآداب القیام ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔ قال السید احمد الطحطاوی (تحت قولہ حی علی الفلاح) قال الحسن وزفر عند حی علی الصلوٰۃ۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۲۵ فصل آدابہا)

تک انتظار کرے، لیکن یہ اختلاف نفسِ استحباب میں ہے۔

قال العلامۃ حسن بن العمار الشرنبلالیؒ: ومن الآداب شروع الامام الی احرامہ منقیل ای عند قول المقیم قد قامت الصلوٰۃ عندھما۔ وقال ابو یوسفؒ: یشرع اذا فرغ من الاقامۃ فلو اُخر حتی یفرغ من الاقامۃ لاباُس بہ فی قولہم جمیعا۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۲۵ فصل آداب الصلوٰۃ)[1]

مقتدی کس وقت سلام پھیرے

سوال: مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیئے؟

الجواب: مقتدی کیلئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہو کر بائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے یعنی امام سے متقدم نہ ہو۔

لما قال فخر الدینؒ قاضی خان: قال الفقیہ ابو جعفرؒ المختار ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ فیسلم المقتدی عن یمینہ واذا فرغ الامام عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۸۸ فصل فیمن یصح الاقتداء بہ فیمن لایصح)[2]

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا

سوال: نمازی کو سلام کے دوران کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: نمازیوں کی تین قسمیں ہیں (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔ اگر نمازی مقتدی ہو تو سلام کے دوران اگر امام دائیں طرف ہو تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمہا لا بأس بہ اجماعاً وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیا للخلاصۃ انہ الاصح۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۱ ص۴۷۹ قبل فصل اذا اراد الشروع)

[2] قال الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ: ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ یسلم المقتدی عن یمینہ واذا فرغ عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ اھ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۷۷ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ وآدابہا الخ)

اُس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیئے اور اگر امام بائیں طرف ہو تو مقتدی کے لیے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیئے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہو تو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر نمازی امام ہو تو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیئے۔ اور اگر نمازی منفرد ہو تو منفرد سلام میں ملائکہ (حفظۃ) کی نیت کرنی چاہیئے۔

لما فی الهندیة: وینوی من عنده من الحفظة والمسلمین فی جانبیه ..... والمقتدی یحتاج الی نیة الامام مع نیة من ذکرنا فان کان الامام فی الجانب الایمن نواه فیهم وان کان فی الجانب الایسر نواه فیهم وان کان یحذائه نواه فی الجانب الایمن عند ابی یوسفؒ وعند محمدؒ ینویه فیهما وهو روایة عن ابی حنیفةؒ وفی الفتاوٰی هو الصحیح والمنفرد ینوی الحفظة لاغیر ولا ینوی فی الملٰئکة عدداً محصوراً اھ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۷۶ الفصل الثالث فی سنن الصلٰوة وآدابها) لہ

فرض نماز کے بعد امام کے لیے جلد اٹھنے کا حکم

سوال:۔ جن نمازوں کے بعد سُنتیں ہیں تو امام کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ پنج وقتہ نمازوں میں سے بعض نمازوں کے بعد سُنتیں ہیں اُن میں فرائض سے فراغت کے بعد امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ فوراً کھڑے ہو کر کچھ تقدیم وتاخیر کر کے باقی سُنتیں ادا کرے، طویل ادعیہ میں مشغول ہونا خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاءؒ: وفی الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء یشرع فی السنة ولا یشتغل بادعیة طویلة۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج ۱ ص۵۵۲ الفصل الثالث فی بیان ما یفعله المصلی فی صلاته بعد الافتتاح) ۲ہ

لہ قال العلامة عبد الرحمٰن الجزائریؒ: یسن ان ینوی المصلی بسلامه الاوّل من علٰی یمینه وبسلامه الثانی من علٰی یساره۔ (کتاب الفقه علی مذاهب الاربعة ج ۱ ص۲۶۶)

وَمِثْلُهٗ فی طحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۲۲۲ فصل سُنتها نیة المصلی من علٰی یمینه ویساره بالسلام۔

۲ہ وفی الهندیة: وفی الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء یشرع فی السنة ولا یشتغل بادعیة طویلة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۷۷ الفصل الثالث فی سنن الصلٰوة الخ)

نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ نہ پڑھنے کی وجہ

سوال :۔ نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ کیا یہ کل امر ذی بال لم یبدا ء ببسم اللہ الخ کے خلاف تو نہیں؟ دلائل سے ثابت کریں؟

الجواب :۔ نماز میں ثناء (یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) سے پہلے تسمیہ (بسم اللہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیرِ افتتاح کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانك اللّٰھم کے بعد بسم اللہ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتبِ فقہ میں محفوظ ہے۔

لما ورد فی الحدیث، (۱) عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال سبحانك اللّٰھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الہ غیرك الخ (جامع ترمذی ص۵۷ ج۱ ابواب الصلوٰۃ، باب مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ) [۱]

نماز میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو نماز کے اندر نگاہ کہاں رکھنی چاہیئے؟

الجواب :۔ نماز کے مختلف حالات میں مختلف مواضع پر نگاہ رکھنا مستحب ہے۔ حالتِ قیام میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں پاؤں کے پنجوں پر، سجدے میں ناک کے سرے پر، قعدہ میں اپنی جھولی میں، اسی طرح سلام پھیرنے وقت اوّل سلام میں دائیں کندھے پر اور دوسرے میں بائیں کندھے پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ والی ظھر قدمیہ حال رکوعہ والی ارنبتہ انفہ حال سجودہ والی حجرہ حال قعودہ والی منکبہ الایمن والایسر عند التسلیمۃ الاولیٰ والثانیۃ تحصیل الخشوع۔
(الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۱ ص۴۷۷، ۴۷۸ ادب الصلوٰۃ)

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ووضع یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ مستفتحا (قولہ مستفتحا) ھو حال من الوضع ای یضع قائلا سُبْحَانَكَ اللّٰھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الہ غیرك وقد تقدم انہ سنۃ لروایۃ الجماعۃ انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا افتتح الصلوٰۃ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۱ ص۳۰۹)

تشہد میں اشارہ کرنا مسنون ہے

سوال :۔ بعض لوگ اشارہ فی التشہد کو حرام سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو حرام کا مرتکب سمجھتے ہیں، اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کی روشنی میں واضح فرمائیں ؟

الجواب :۔ سبابہ سے اشارہ کرنا تشہد میں ایک مسنون فعل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث اس بارہ میں منقول ہیں، ائمہ مذاہبِ اربعہ سب اس پر متفق ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ سے تین طریقوں سے اشارہ کرنا ثابت ہے :۔

(۱) یہ کہ خنصر و بنصر اور وسطیٰ سب کا عقد کر کے ابہام کو سبابہ مرسلہ کے اصل (بیخ) کے ساتھ ضم کر کے سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے، اس عقد کو عرب کی اصطلاح میں ترپن ۵۳ کا عقد کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہی طریقہ مذکور ہے : عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد فی التشھد وضع یدہ الیسریٰ علیٰ رکبتہ الیسریٰ ووضع یدہ الیمنیٰ علیٰ رکبتہ الیمنیٰ وعقد ثلثۃ وخمسین واشار بالسبابۃ ۔ (مشکوٰۃ علیٰ صد، مرقاۃ ج۲ ص۶۲۳ باب التشھد)

ملا علی قاری حنفیؒ عقد ثلثۃ وخمسین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ھو ان یعقد الخنصر والبنصر والوسطیٰ ویرسل المسبحۃ ویضم الابھام الیٰ اصل المسبحۃ ۔ (مرقاۃ ج۲ ص۶۲۳ باب التشھد)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سبابہ کے ماسوا تینوں انگلیوں کا عقد کر کے ابہام کو وسطیٰ مقبوضہ کے اوپر رکھا جائے، اس عقد کو عقد ثلاثۃ و عشرین ۲۳ کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت میں منقول ہے : عن عبداللہ بن الزبیرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعوا وضع یدہ الیمنیٰ علیٰ فخذہ الیمنیٰ ویدہ الیسریٰ علیٰ فخذہ الیسریٰ واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابھامہ علیٰ اصبعہ الوسطیٰ ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۹۱)

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ خنصر و بنصر سے عقد کر کے وسطیٰ اور ابہام سے حلقہ بنائے ۔ یہی طریقہ منقول ہے وائل ابن حجرؓ کی روایت ہے ۔ عن وائل بن حجر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثم جلس فافترش رجلہ الیسریٰ ووضع یدہ الیسریٰ علیٰ فخذہ الیسریٰ ومد مرفقہ الیمنیٰ علیٰ فخذہ الیمنیٰ وقبض ثنتین وحلق حلقۃً ثم رفع اصبعہ یدعوا بھا ۔ رواہ ابوداؤد ۔ (مشکوٰۃ ص۹۱ باب التشھد)

مذکورہ بالا تین طریقوں کو فقہاء کرام نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور تینوں طریقوں سے اشارے کو جائز اور سُنت قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک مختار تیسرا طریقہ ہے ۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں : قال الطیبیؒ وللفقهاء فی کیفیة عقدها وجوه احدها ماذکرناه فی الطریق الاولیٰ وهو عقد ثلثة وخمسین ۔ والثانی ان یضم الابهام الی الوسطی المقبوضة کالقابض ثلثا وعشرین فان ابن الزبیر رواه کذلك والثالث ان یقبض الخنصر والبنصر ویرسل المسبحة ویحلق الوسطی والابهام کما رواه وائل بن حجر والاخیر هو المختار عندنا قال الرافعیؒ الاخبار وردت بها جمیعًا وکانه صلی اللہ علیه وسلم کان یصنع مرة هکذا ومرة هکذا ۔ اھ (مرقاة شرح مشکوٰة)

رہا یہ کہ اشارہ کرنے میں انگلی کو شہادۃ ختم کرنے پر رکھا جائے گا یا اُٹھائے رکھے گا تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قریب قریب سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اشہد ان لآ الٰہ میں نفی پر اٹھائے گا اور الا اللہ پر رکھے گا ۔ لیوافق الرفع النفی والوضع الاثبات ۔ البتہ بعض فقہاء نے ترمذی شریف کی ایک حدیث کے پیش نظر اٹھائے رکھنے کا حکم دیا ہے، اور مولانا گنگوہیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ۔ ملا علی قاریؒ نے بھی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں یہ لکھا ہے کہ انه اذا رفعها یستمر علی الرفع والعقد الی آخر الصلوٰة ۔

اب آپ جس طرح چاہیں اشارہ کر سکتے ہیں، مذکورہ بالا تمام طریقوں سے اشارہ کرنا مسنون ہے اور جس کیفیت میں بھی کیا جائے، جو احادیث میں منقول ہو تو جائز ہے ۔

امام محمد بن حسنؒ "موطا" میں اشارہ کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :- ویصنع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ناخذ وهو قول ابی حنیفةؒ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ[۸۵])

فقط واللہ اعلم

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ثناء سے قبل تسمیہ پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنا کسی حدیث یا فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنے کے لیے دلیل کے طور پر حدیث کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الخ پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ عام درسی کتب میں یہی لکھا ہے کہ ثناء کے بعد تعوّذ و تسمیہ پڑھا جاتا ہے۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اقوالِ صحابہ کرامؓ و فقہاءِ کرام اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں؟ برائے مہربانی مسئلے کی تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں ثناء (یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ) سے پہلے تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیرِ افتتاح کے بعد ہاتھ باندھ کر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتبِ فقہ میں محفوظ ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ الخ

(جامع الترمذی ج۱ ص۵۷ باب مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ)

عن انسؓ رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ کبّر ثم رفع یدیہ حتی یحاذی بابہامیہ اُذنیہ ثم یقول سبحانک اللّٰھم الخ

(الدارقطنی ص۸۸، ۸۹ کتاب الصلوٰۃ۔ باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر)۔[1]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ووضع یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ مستفتحا قولہ مستفتحا هو حال من الوضع أی یضع قائلا سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدُّک ولآ الٰہ غیرک وقدم أنہ سنۃ لروایۃ الجماعۃ أنہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول إذا افتتح الصلوٰۃ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۱ ص۳۰۹ باب صفۃ الصلوٰۃ)

نماز کے آداب اور خاصیتیں

حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

پیش نظر مقالہ حضرت مرحوم نے ایک سوالنامہ کے جواب میں تحریر فرمایا، سوال یہ تھا کہ نماز پڑھنے کے باوجود اس کے اثرات اور خاصیتیں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟ جس کے جواب میں حضرت علامہ مرحوم نے یہ بیش قیمت مضمون تحریر فرمایا تھا جو کہ ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ فتاویٰ کی کتاب الصلوٰۃ کے ساتھ مناسبت سے عمومی فائدہ کیلئے فتاوی حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

قال اللہ تعالیٰ، إنّ الصلوٰۃ تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (الآیۃ)

بیشک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بری بات سے۔

۱۔ نماز ایک حقیقتِ شرعی ہے جو کہ ہر عاقل بالغ سے مرد ہو یا عورت ہر حالت میں مطلوب ہے چاہے حالت صحت ہو یا بیماری حالت حضر یا سفر، جنگ ہو یا امن، سرکاری ملازم ہو یا قومی، اور شخصی مزدور زراعت میں مصروف ہو یا تجارت وحرفت میں۔ غرض یہ کہ جب تک انسان کے ہوش وحواس ٹھیک ہوں۔ پنجگانہ نماز کی پابندی اس پر فرض عین ہے۔ کسی حالت میں ساقط نہیں ہوسکتی البتہ ہر شخص پر اس کی حالت اور استطاعت کے موافق فرض ہے۔ اس لئے حضر اور سفر کی نماز میں فرق ہے صحت اور مرض کی نماز میں فرق ہے۔ اسی طرح حالتِ جنگ اور امن کی نماز میں فرق ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نماز کی پابندی نمازی کو بیحیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ نماز چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک شرعی حقیقت ہے جس کے اجزاء ترکیبی ہیں جن کو ارکان وفرائض کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شرائط صحت میں ان دونوں کے بغیر حقیقت نماز تو درکنار صورتِ نماز بھی متصور نہیں ہوسکتی۔ ان ارکان اور شرائط میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو وہ نماز از سرِ نو پڑھنا پڑے گی۔ اس کے علاوہ واجبات

سنن اور آداب ہیں، واجبات کے چھوٹنے سے اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اور سنن کے ترک سے اعادہ سنت ہے۔ مستحبات وآداب کے ترک سے اعادہ مستحب ہے۔ خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابی مذکور نماز سے فارغ ہو کر سلام کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیکر فرمایا ارجع فصل فانك لم تصل" (الحدیث) واپس جا پھر نماز پڑھ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح حضورؐ نے انہیں تین مرتبہ واپس کر کے از سر نو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ایک بدری صحابی کی شان سے یہ مستبعد ہے کہ اس نے شروط صحت، ارکان صلوٰۃ یا واجبات صلوٰۃ ترک کئے ہوں گے۔ غالب ظن یہ ہے کہ اس نے بعض سنن میں کوتاہی کی ہوگی۔ اس پر اس کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی تکمیل بغیر سنن ومستحبات کی ادائیگی کے نہیں ہو سکتی۔

"شرائط صحت وفرائض صلوٰۃ واجبات وسنن ومستحبات صلوٰۃ سے صورۃ صلوٰۃ کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مگر نماز کے مقبول ہونے کی شروط ہیں۔ یعنی استحضار قلب وخشوع وخضوع وانابت اظہار عبودیت اس طور کہ تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک ہر ادا یعنی قرات، تکبیر، تسبیح، تشہد، قیام، قعود، رکوع، سجود حضور قلب سے ہو قلب غافل ولاہی سے نہ ہو۔ ظاہراً اور باطنی عجز و نیاز اور اظہار بندگی کے ساتھ ہو۔ یہ حضور قلب اور ظاہری وباطنی انقیاد بمنزلہ روح صلوٰۃ کے ہیں۔ اس کے بغیر حقیقت صلوٰۃ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ آیت مذکورہ بالا میں نہی عن الفحشا والمنکر اسی حقیقت کی پابندی کے ساتھ ادائیگی پر مرتب ہے۔ روح کے بغیر صورت کامل یا ناقص پر آثار ونتائج کا ترتب نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی گھوڑے کے نقش اور تصویر (جو کاغذ یا دیوار پر ہو) سے سواری، بار برداری کی توقع رکھے جو کہ اس حقیقت کے احکام ہیں یا قالب بے جان سے جاندار کے آثار کا تقاضا کرے"

اس مختصر گذارش وتمہید کے بعد ذرا غور فرمادیں کہ آجکل کے مسلمان کی نمازیں اس معیار کے مطابق ہیں۔ وہ حقیقت صلوٰۃ جس کی ادائیگی پنجگانہ مطلوب ہے۔ خارج میں اس کا وقوع ہے اگر ہو تو لامحالا اس کی مواظبت سے ادائیگی پر یہ آثار مرتب ہوں گے۔ اور اگر نہیں تو محض ناقص صورت سے آثار واحکام کی توقع فضول ہے۔

عصر حاضر میں اکثر مسلمان نمازی نہ تو شرائطِ صحت سے واقف ہیں نہ شرائط مقبولیت سے نہ ارکان اور واجبات وسنن وغیرہ سے باخبر ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی نمازوں کی صورت اگر حقیقی نماز کی صورت کے ساتھ موافق ہو۔ تو اتفاقی حادثہ ہوگا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص کسی شے کے اجزاء ترکیبی اور اجزاء تکمیلی وتحسینی اور ان کی ترتیب سے واقف نہ ہو۔ پھر اس شے کی صحیح ترکیب وترتیب واقع کر سکے۔ الا یہ کہ اتفاقاً ایسا ہو جائے۔

آجکل کے مسلمان غیر تعلیم یافتہ تو درکنار اکثر سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ جو اسلامی تعلیم سے بے خبر ہوں۔ بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور کلمہ توحید اور شہادت کے صحیح تلفظ پہ قادر نہیں تو اس کے صحیح معنی سے کیسے واقف ہوں گے؟

۲۔ دوسرا جواب یہ کہ نماز کے بے حیائی اور برائی سے روکنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں ——— اللہ تعالیٰ نے اس میں روکنے کی خاصیت رکھی ہے ——— جیسے بعض ادویہ میں بعض امراض کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی گئی ہے۔ لیکن جس طرح کہ ادویہ ہر حال میں امراض کے دافع نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کی تاثیر بعض امور کے ساتھ مشروط ہے کہ خاص ترکیب ہو۔ خاص طریق استعمال ہو۔ خاص مقدار ہو۔ ایک مدت مخصوص تک مواظبت ودوام ہو۔ درمیان میں فصل نہ ہو دوا کی تاثیر کے منافی اشیاء سے پرہیز ہو۔ ان شروط کے تحقق اور موانع کے رفع کے بعد ادویہ امراض کے ازالہ میں مؤثر ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح نماز مؤثر بالخاصہ جبکہ شروط تاثیر موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں۔

دوسرے معنی یہ کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطریق تقاضا اور مطالبہ کے ہو۔ یعنی نمازی جبکہ نماز میں خضوع اور خشوع کے ساتھ اقرار الوہیت اللہ تعالیٰ کرے۔ اور اظہار خالقیت وربوبیت اس کی کرے اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اپنی بندگی اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور معبودیت کا اعتراف کرے۔ تو نماز کی یہ مخصوص ہیئت اور اس کی ہر ادا اور ہر ذکر اس سے مطالبہ کرتی ہے زبان حال سے کہ اے غلامی اور بندگی کا دعویٰ کرنے والے! اس مولا کی جس کی ربوبیت خالقیت اور معبودیت کا بھی اقرار کر چکا ہے۔ اس کی مخالفت سے باز رہ اور فواحش اور منکرات سے رک جا۔ اور بدعہدی نہ کر اب کوئی باز آئے یا نہ آئے۔ مگر نماز کے اس اقتضاء اور مطالبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ روکتا اور منع فرماتا ہے۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر (الایۃ) پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے

روکنے پر برائی سے نہیں رکتا ۔ تو نماز کے روکنے پر اس کا نہ رکنا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔

۳ - نماز سے غفلت کے اسباب مندرجہ سوال کے علاوہ حسب ذیل ہیں ۔

۱ - جب تک کہ انسان اپنے آپ کو کسی عمل کے متعلق ایک حاکم اعلیٰ (جو کہ عقاب دینے پر قادر ہو) کے سامنے جوابدہ نہ سمجھے تو اس سے غفلت برتتا ہے ۔

۲ - جب تک کہ انسان کسی کام کو اپنی دنیوی یا اُخروی زندگی کی کامیابی کیلئے ضروری نہ سمجھے ۔ تو اس عمل کے کرنے کی پرواہ نہیں رکھتا ۔

۳ - جب تک کہ انسان کسی عمل کے روحانی یا جسمانی فوائد شخصی انفرادی یا قومی اجتماعی منافع دنیوی یا اُخروی مصالح سے ناواقف ہو ۔ تو ایسے عمل کے کرنے کا سوال اس کے نزدیک عبث ہے بلکہ بسا اوقات اس عمل کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔

۴ - جب تک کہ انسان کسی عمل کے ترک کے بُرے عواقب سے بے خبر ہو ۔ انفرادی اور اجتماعی نقصانات سے ناواقف ہو ۔ دنیوی اور اُخروی عقاب سے جاہل ہو ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کام کی طرف توجہ دے ۔

۵ - جب تک انسان کی روحانیت پر بہیمیت ، سُبعیت ، شیطنت غالب ہو جائے ۔ تو انسانیت اور روحانیت مفلوج ہو کر اس کے تقاضے ناقابل اعتدادا اور ناقابل فہم ہو جاتے ہیں ۔ نماز اور دیگر فرائض ایمانی تقاضے ہیں ۔ اور خود ایمان فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے ۔

٦ - بہت سے تارکین صلوٰۃ شیطان کے بہکانے سے اس اُمید پر ترک صلوٰۃ کے مرتکب ہیں ۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں ان کے لئے شفاعت کر کے عقاب سے نجات پائیں گے ۔

شفاعتی لاھل الکبائر (الحدیث)

۷ - اکثر عوام جو ترکِ صلوٰۃ اور دیگر کبائر میں مبتلا ہیں ۔ نفس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور ناپیداکنار مغفرت کا سبز باغ دکھا کر دھوکہ دیا ہے کہ اس رحمت واسعہ اور مغفرت کاملہ کے سامنے تمہارے معصیات ہیچ ہیں اور یہ رحمت اور مغفرت ضرور تمام مسلمانوں کو شامل حال ہو گی ۔

۸ - کسی سے سنا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ ۔ (الحدیث) لہٰذا کلمہ پڑھنے والا ضرور جنت میں داخل ہو گا ۔ چاہے عمل کرے نہ کرے ۔

۹ - اہم سبب دین کی حقیقت سے بے خبری ۔ اسلام کے فروع و اصول سے ناواقفی اسلامی تعلیمات سے بیزاری ہے ۔ عصرِ حاضر میں جہل یہاں تک پہنچ چکا ہے ۔ کہ علومِ دینیہ کے عالم کو تعلیم یافتہ نہیں کہا جاتا ، سکولوں اور کالجوں میں پڑھنا پڑھانا تحصیل علم اور تعلیم سمجھتے ہیں ۔ اور اس میں

پڑھنے پڑھانے والوں کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ حالانکہ شرعی اصطلاح میں قرآن کریم احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام دینیہ کے علوم کے علاوہ تمام فنون کو کسب، صنعت وحرفت اور فن کہا جاتا ہے۔ فن انجینئری، فن ڈاکٹری، فن طب، فن زراعت وغیرہ وہاں لغت کے اعتبار سے علم کہنا صحیح ہے کیونکہ لغت میں علم بمعنی دانستن یا سیکھنے کے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ ایات محکمۃ وسنۃ قائمۃ وفریضۃ عادلۃ۔(الحدیث) علم تین ہیں، علم القرآن، علم سنت ثابتہ، علم الفرائض یا احکام اجتہادیہ۔

۲۔ امور مذکورہ فی السوال میں ترک صلوٰۃ کو کافی دخل ہے۔ ان کے علاوہ ترک صلوٰۃ میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ جن کا بالتفصیل استقصاء مشکل ہے مختصراً چند خرابیاں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ روحانی خرابیاں۔ صلوٰۃ درحقیقت ہیئات مخصوصہ میں اذکار خاصہ کا نام ہے۔ یعنی اللہ کی حمد وثنا، تلاوت قرآن، تکبیرات، تسبیحات، تشہد، درود، مناجات، خضوع وخشوع کے ساتھ، اور روح انسانی چونکہ ملکی ہے۔ اس کی غذا بھی ذکر ہے۔ انہی اس کے استکمال اور ترقی اور حیات کا مدار ہے۔ تارک الصلوٰۃ نے اپنی روح کو اپنی غذا سے محروم کر کے حیات جاودانی اور کمال انسانی سے بے بہرہ کر دیا۔

۲۔ روح کو جو تقرب عنداللہ فرائض ونوافل سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس پر جو عنایات اور الطاف ربانی مرتب ہو سکتے تھے، ان سے محروم کر دیا۔

۳۔ حدیث میں وارد ہے۔ الصلوٰۃ نور۔ یعنی صلوٰۃ دنیا میں روح انسانی کے لئے مانند نور کے حق وصواب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سبب کشف معارف الٰہیہ ہے۔ قبر کی تاریکی کا ازالہ کر کے روح کیلئے باعث انشراح اور سرور ہے۔ ظلمت قیامت میں سامانِ کشف واشراق ہے۔ تارک صلوٰۃ نے ان تمام انواع انوار سے اپنی روح روک کر دیا اور برزخ اور قیامت کی تاریکیوں میں پریشان وافرادکھ دیا۔

۴۔ حدیث سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ خمسہ پنجگانہ نماز گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنے کے لئے ایسے ہیں۔ جیسے نہر کا پانی ازالہ نجاست کے لئے بے نمازی نے نماز ترک کر کے گناہوں سے روحانی طہارت حاصل نہ کر سکا۔

جسمانی اور مادی نقائص

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سِیمَا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الایۃ) چہروں کی نورانیت جو نماز پڑھنے کا اثر ہے۔ بے نماز کو یہ نور اور اثر سجود حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ جسم کو نجاست اور احداث سے پاک کرنا نمازی کے لئے استنجاء وضو، غسل کے ذریعہ ضروری ہے بے نمازی کو جبکہ نماز پڑھنے کی پرواہ نہیں۔ تو طہارت کا کیا خیال رکھے گا۔ لہٰذا اس کا جسم نجاست کے تلوث سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۳۔ نمازی پنجگانہ نماز کے لئے پنجوقتہ وضو کرتا ہے جس سے اس کے اعضاء ظاہرہ پر میل کچیل گرد و غبار نہیں رہتا۔ بے نمازی اس جسمانی صفائی سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

۴۔ کسب اور کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ مال جو نماز کے وقت میں نماز چھوڑ کر حاصل کیا گیا ہے۔ مال خبیث ہے۔ دوسرے پاک اموال میں اس کے ملانے سے خبث پیدا کر دیتا ہے۔

۵۔ طبعی نشاط جسمانی چستی جو بدنی عبادت کے حرکات مختلفہ سے حاصل ہوتی ہے۔ بے نمازی حق بندگی چھوڑ کر اس سے محفوظ نہ ہوسکا، ہر ذہنی پریشانی کا روحانی علاج اشتغال بالصلوٰۃ ہے جیسا کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا فزعہ امر فزع الی الصلوٰۃ۔ یعنی شاق اور مشکل امور میں صبر و صلوٰۃ سے مدد لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر سے پریشان ہو جاتے۔ جلدی سے نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ نماز میں مشغول ہو کر ہر غم واندوہ سے بلکہ ماسوی اللہ سے توجہ ہٹ کر صرف معبود حقیقی ملحوظ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر پریشانی اور فکر سے ذہن فارغ ہو جاتا ہے۔ نیز مصلّی اپنی نیازمندانہ مناجات ثنا اور دعا تسبیح و تکبیر، قرأت و تہلیل، عاجزانہ رکوع و سجود کے ذریعہ معبود کریم کی رحمت اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ جس پر مشکل حل ہو کر پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دولت صرف نمازی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ نماز کی برکت سے سب سے بڑھ کر ہلاکت خیز خرابی جو قصداً ترک نماز سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بعض ائمہ کے نزدیک اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو حدود اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہوا۔ لہٰذا اس کی پاداش میں وہ ارتداداً قتل ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ پابندی سے نماز ادا کرو۔ اور مشرکین میں نہ ہوا کرو۔ اس کا مطلب بظاہر یہ ہے۔ کہ نماز قصداً نہ پڑھنا مشرکین میں شامل ہونا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان بین العبد والکفر والشرک ترک الصلوٰۃ (رواہ مسلم) بے شک بندہ اور کفر و شرک کے درمیان رابطہ ترک الصلوٰۃ ہے۔ یعنی بندہ اور کفر کے درمیان نماز مانع و حائل تھا۔ جب نماز چھوڑ دی۔ تو اب بندہ اور کفر و شرک کے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ نیز وارد ہے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا و بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اور ان کے یعنی کفار کے درمیان عہد نماز ہے۔ تو جس نے نماز چھوڑی۔ اس نے کفر کیا۔ اسی مضمون کی بہت احادیث وارد ہیں جس کی وجہ سے امام احمد صاحبؒ نے قصداً تارک الصلوٰۃ کو کفر کی حدود میں داخل سمجھ کر مرتد کا حکم لگایا۔ یعنی دوسرے ائمہ اگرچہ فوری طور پر اس کو کافر نہیں کہتے۔ لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ کفر کے قریب پہنچا۔ اگر توبہ نہ کی۔ تو انجام کار ایمان کی حدود سے نکل جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص خشک بیابان میں سفر کرتا ہو اور اس کے پاس پینے کے لئے پانی ختم ہو جائے اس کے متعلق کہا جائے کہ فلاں ہلاک ہوا۔ اگرچہ وہ بالفعل ہلاک نہیں۔ لیکن اسباب ہلاکت چونکہ پیدا ہوئے ہیں۔ تو آخر کار ہلاک ہوگا۔
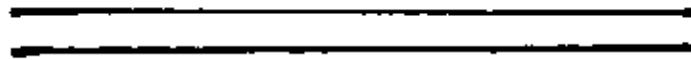
باب تسویۃ الصفوف

(صفوں کو سیدھا کرنے کے مسائل)

بوقتِ ضرورت پہلی صف خالی چھوڑنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قبلہ کی جانب شمال و مشرق کی طرف ایک دیوار ہے جبکہ جنوب کی طرف کا حصہ خالی ہے لیکن جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو بعض لوگ شدتِ گرمی کی وجہ سے جنوب کے حصے کی جانب نہیں کھڑے ہوتے اور مسجد کے امام صاحب لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ پہلے اس صف کو پورا کیا جائے کیونکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی صف جو باہر کے حصے میں ہے اور مسجد کے اندر جو دوسری یا تیسری صف ہے کیا یہ ثواب میں برابر ہیں یا ان کے درمیان فرق ہے؟

الجواب:۔ پہلی صف دوسری صفوف سے افضل ہے چاہے یہ دوسری صفوف مسجد کے ہال میں ہوں یا باہر ہوں، چونکہ شرعاً سخت دھوپ کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا مرخص ہے تو پہلی صف کا ترک کرنا بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا تاہم پہلی صف کی دوسری صفوف کے مقابلہ میں افضلیت احادیث میں ثابت ضرور ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۱۸۲ باب تسویة الصفوف) [1]

صف میں کھڑا ہونے کا طریقہ

سوال:۔ نماز کے لیے صفیں باندھتے وقت صف کہاں سے شروع کی جائے؟ بعض کہتے ہیں کہ دائیں طرف سے جبکہ بعض کہتے ہیں درمیان سے، اگر کوئی بائیں طرف سے صف باندھے تو اس کا کیا

---

[1] وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص۱۰۵ باب تسویة الصفوف) ومثلُهٗ فی معارف السنن ج۲ ص۲۹۴ باب ماجاء فی فضل الصف الاوّل۔

حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہو تو بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو بائیں طرف کھڑا ہونا خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر مقتدی زیادہ ہوں تو پھر درمیان سے صف کا انعقاد کیا جائے، دائیں بائیں جانب سے بھی صف باندھنا جائز ہے اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ویقف الواحد) ولو صبیًا اما الواحدة فتتأخر (محاذیا) ای مساویا (لیمین امامه) علی المذهب ولا عبرة بالرأس بل بالقدم...(والزائد) یقف (خلفه) قال ابن عابدینؒ (والزائد خلفه) عدل تبعا للوقایة عن قول الکنز والاثنان خلفه لانه غیر خاص بالاثنین بل المراد ما زاد علی الواحد اثنان فاکثر نعم یفهم حکم الاکثر بالاولیٰ وفی القهستانی وکیفیته ان یقف احدهما بحذائه والآخر بیمینه اذا کان الزائد اثنین ولو جاء ثالث وقف عن یسار الاول والرابع عن یمین الثانی والخامس عن یسار الثالث وهکذا۔ (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص۵۶۶ باب الامامة)[1]

نابالغ کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

سوال:۔ سات یا آٹھ سال کا بچہ اگر بالغین کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ایک ہی ہوتا ہے اور پہلی صف میں جگہ کافی ہوتی ہے اور یہ بچہ پیچھے دوسری صف میں اکیلا کھڑا ہونے کے بجائے صفِ اول میں شامل ہو جاتا ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ بچے بالغین کی صف میں کھڑا ہونے کے بجائے اپنے لیے مستقل صف باندھیں، البتہ اگر بچہ ایک ہو یا زیادہ ہوں لیکن ان میں سے کوئی پہلی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر ایسا کرنا بہتر نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: اذا کان مع الامام رجل واحد او صبی یعقل الصلوٰة قام عن یمینه وهو المختار ولا یتأخر عن الامام فی ظاهر الروایة هکذا فی المحیط ولو وقف علی یساره جاز وقد اساء کذا فی محیط السرخسی...وافضل مکان المأموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وهو الاحسن هکذا فی المحیط۔ (الهندیة ج ۱ ص۸۸، ۸۹ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۳ باب الامامة۔

قال الحصکفیؒ (ثم الصبیان) ظاهرہ تعددہم فلو واحداً دخل الصف۔

قال ابن عابدینؒ (قولہ فلو واحد دخل الصف) ذکرہ فی البحر بحثاً قال وکذا لو کان المقتدی رجلاً وصبیاً یصفہما خلفہ لحدیث انس فصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا وھذا بخلاف المرأۃ الواحدۃ فانہا تتاخر مطلقاً کالمتعددات للحدیث المذکور۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۷۱ باب الامامۃ) [1]

امام سے بلاضرورت دور کھڑا ہونا

سوال:۔ ایک شخص مسجد میں آکر امام کی اقتداء میں نیت باندھ لیتا ہے لیکن صف میں کھڑا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات امام کمرہ میں ہوتا ہے اور مقتدی برآمدہ میں کھڑے ہوکر امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے، ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص صفوں کو چھوڑ کر اکیلا امام کی اقتداء کرتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔

وفی الھندیۃ.... ولو اقتدی بالامام فی اقصی المسجد والامام فی المحراب فانہ یجوز کذا فی شرح الطحاوی۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۸۸ باب الامامۃ) [2]

نماز میں ٹخنوں اور کندھوں کے ملانے کا حکم

سوال:۔ نماز میں ٹخنے اور کندھے ملا کر کھڑا ہونا چاہیئے یا بغیر کندھے ملائے ہوئے صف بندی کی جائے؟

الجواب:۔ نماز میں اصل چیز صف کا سیدھا رکھنا مطلوب ہوتا ہے اور جن بعض روایات

---

[1] وفی الھندیۃ اذا کان مع الامام رجل واحد او صبی یعقل الصلوٰۃ قام عن یمینہ وھو المختار..... واذا کان معہ اثنان قاما خلفہ وکذلک اذا کان احدہما صبیاً..... ولو اجتمع الرجال والصبیان والخناثی والاناث والصبیات المراھقات یقوم الرجال اقصی مایلی الامام ثم الصبیان الخ (الھندیۃ ج ۱ ص ۸۸/۸۹ باب الامامۃ) ومِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۳ باب الامامۃ۔

[2] قال ابن عابدینؒ: فان المسجد مکان واحد ولذا لم یعتبر فیہ الفصل بالخلاء الا اذا کان المسجد کبیراً جداً۔ (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۵۸۶ باب الامامۃ) ومِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضی خان علی ھامش فتاویٰ ھندیۃ ج ۱ ص ۹۴۔

یں کعب کو کعب سے ملانے کا حکم وارد ہے تو اس سے مراد محاذات ہے حقیقی معنی اس سے مراد نہیں کیونکہ بیک وقت ٹخنوں اور کندھوں کو ملانا مشکل ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ ینبغی ان یأمرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم ویقف وسطاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۸ باب الامامۃ) [1]

صف میں اکیلے کھڑا ہونا

سوال:۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم نماز کی غرض سے مسجد میں آتے ہیں تو جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی ہے اور پہلی صف میں جگہ بھی نہیں ہوتی تو اب بعد میں آنے والا شخص کیا اکیلا ہی دوسری صف میں اقتداء کی نیت کرے یا کسی شخص کو صفِ اول سے کھینچ کر اپنے ساتھ دوسری صف میں ملا کر جماعت میں شامل ہو جائے جبکہ ایسا کرنا اس دور میں بہت مشکل ہے، تو کیا ایسی صورت میں اکیلے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ بہتر تو یہ ہے کہ اکیلے نماز نہ پڑھے بلکہ صفِ اول سے کسی کو اپنے ساتھ ملائے اور جماعت میں شامل ہو جائے، چونکہ دورِ حاضر میں دین سے بے رغبتی عام ہے اور جہل کی وجہ سے نماز کے فاسد ہونے کا احتمال قوی ہے اس لیے اکیلے کھڑے ہو کر اقتداء کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وقد منا کراھۃ القیام فی صف خلف صف فیہ فرجۃ للنھی وکذا القیام منفرداً وان لم یجد فرجۃ بل یجذب احداً من الصف ذکرہ ابن الکمال لکن قالوا فی زماننا ترکہ اولی فلذا قال فی البحر یکرہ وحدہ الا اذا لم یجد فرجۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۷ باب مکروہات الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبھم فی الصفوف ولا بأس ان یأمرھم الامام بذلک۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۳ باب الامامۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۸۹ باب الامامۃ۔

[2] وفی الھندیۃ: وکرہ للمقتدی ان یقوم خلف الصفوف وحدہ اذا وجد فرجۃ فی الصفوف وان لم یجد فرجۃ فی الصفوف روی محمد بن شجاع وحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃؒ انہ لا یکرہ فان جرّ احداً من الصف الی نفسہ وقام معہ فذلک اولیٰ کذا فی المحیط۔ وینبغی ان یکون عالماً حتی لا تفسد الصلوٰۃ علی نفسہ کذا فی خزانۃ الفتاویٰ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۷ مکروھات الصلوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ص۱۹۶ فصل فی المکروھات۔

پہلی صف میں کھڑے ہونا کس کا حق ہے

سوال:۔ بوڑھوں کی موجودگی میں نوجوان پہلی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ نماز باجماعت کے لیے پہلی صف میں کھڑے ہونا افضل ہے، عمر کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ امام کے پیچھے ایسے شخص کو کھڑا ہونا چاہیئے جو خود بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ بوقتِ ضرورت اس کو خلیفہ بنایا جاسکے، ایسی حالت میں بے علم بوڑھوں کی جگہ ایسے نوجوان کا امام کے قریب ہونا بہتر ہے جو نماز پڑھا سکتا ہو۔

وکل من یصلح اماما للامام الذی سبقہ الحدث فی الابتداء یصلح خلیفۃ لہ ومن لا یصلح اماماً لہ فی الابتداء لا یصلح خلیفۃ لہ کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۹۵ فصل فی الاستخلاف) [۱]

پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہونا

سوال:۔ ہماری مسجد میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہوتی ہے، بعض لوگ باوجود جگہ ہونے کے دوسری صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ ہے ؟

الجواب:۔ صفوں کو پُر کرنا جماعت کے آداب میں سے ہے، اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہوجاتا ہے تو بوجہ مخالفت حدیث کے مکروہ ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر۔ رواہ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۹۸ باب تسویۃ الصفوف) [۲]

ولما قال ابن عابدینؒ، وعلیہ فلو وقف فی الصف الثانی داخلھا قبل استکمال الصف الاول من خارجھا یکون مکروھا (رد المختار ج ۱ ص۵۶۹ مطلب فی جواز الایثار بالقُرب)

---

[۱] عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثلثا وایاکم وھیشات الاسواق۔ (المسلم ج ۱ ص۱۸۱ باب تسویۃ الصفوف) وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۹۸ باب تسویۃ الصفوف۔

[۲] عن ابی سعید الخدری قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اصحابہ تاخرا فقال لھم تقدموا فائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم لا یزال قوم یتاخرون حتی یؤخرھم اللہ (رواہ مسلم ج ۱ ص۱۸۲)

باب الجماعة

(نماز باجماعت کے مسائل)

عذر کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا

سوال:۔ ہم سعودی عرب میں ایک کمپنی کے ملازم ہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ کام کو چھوڑ کر مسجد میں جائیں اور جماعت سے نماز پڑھیں، اگر ایسا کرتے ہیں تو کمپنی کا مالک ناراض ہوتا ہے، ایسے ہی بعض اوقات ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے کہ اگر اُسے چھوڑ دیا جائے تو کام رُک جاتا ہے جس سے مالک کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، اندریں حالات کیا ہم اسی جگہ نماز پڑھ لیا کریں یا مسجد میں جانا ضروری ہے؟

الجواب:۔ جہاں مال کے ضیاع اور ہلاکت کا خطرہ ہو اور ایسا ہی مالک کی جانب سے اپنی جان کو خطرہ ہو تو بوجہ ظلم کے آپ جماعت کو ترک کر سکتے ہیں لیکن جہاں کہیں موقع ملے انفراداً یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں۔

لما قال الحصکفیؒ: ولا علی حال بینہ وبینھا مطر وطین ۔۔۔۔ وظلمۃ ۔۔۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول ولا علی ۔۔ ظلمۃ) یخاف علی نفسہ او مالہ ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۵ باب الامامۃ) لہ

جماعت ثانیہ کا حکم

سوال:۔ کسی محلہ کی مسجد میں جب ایک مرتبہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے جائیں تو بعض محلے والے دوسری مرتبہ بعض لوگوں کو جمع کر کے نماز باجماعت پڑھتے ہیں، تو کیا شرعاً جماعت ثانیہ کا محلہ کی مسجد میں کوئی جواز ہے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے نزدیک محلہ کی مسجد میں جس کا امام اور مؤذن مقرر ہو جماعت ثانیہ مکروہ ہے، البتہ ایسی مسجد جس میں امام یا مؤذن مقرر نہ ہو یا راستے کی مسجد ہو تو اس میں

لہ وفی الھندیۃ: تسقط الجماعۃ بالاعذار ۔۔۔ او کان اذا خرج یخاف ان یحبسہ غریمہ فی الدین ۔۔۔ او یخاف ضیاع مالہ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۸۳ باب الامامۃ) ۔

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۶ باب الامامۃ ۔

جماعتِ ثانیہ جائز ہے، البتہ اگر مسجد کے ساتھ ملحقہ کوئی حجرہ یا مدرسہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں جماعتِ ثانیہ کر لی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بھما فیہ اولاً غیر اھلہ او اھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجاً فوجاً فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علیٰ حدۃ کما فی امالی قاضی خان۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۵۵۲ باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد) [۱]

امام کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھنا

سوال:۔ امام تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھے گا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی حرج تو نہیں آتا؟

الجواب:۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی، اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ثم یرفع رأسہ من رکوعہ مسمعاً) فی الولوالجیۃ لو ابدل النون لاما تفسد وھل یقف بجزم او تحریک قولان (ویکتفی بہ الامام) وقالا یضم التحمید سراً۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص۳۱۹ باب صفۃ الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لا یباح تکرارھا فیہ باذان ثانٍ اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعاً وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق کذا فی شرح المجمع للمصنف۔ (فتاویٰ ھندیہ ج ۱ ص۸۳ باب الامامۃ) ومثلہ فی البحرالرائق ج ۱ ص۳۴۶ باب الامامۃ)

[۲] وفی الھندیۃ: فان کان اماماً یقول سمع اللہ لمن حمدہ بالاجماع وان کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلاخلافٍ وان کان منفرداً الاصح انہ یأتی بھما کذا فی المحیط وعلیہ الاعتماد کذا فی التتارخانیہ وھوالاصح ھکذا فی الھدایۃ ثم فی الروایۃ التی تجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع واذا استوی قائماً قال ربنا لک الحمد کذا فی الزاھدی وھوالصحیح کذا فی القنیۃ۔ (فتاویٰ ھندیۃ ج ۱ ص۷۴ سنن الصلوٰۃ وادابھا)

گھر کی حفاظت کے لیے جماعت ترک کرنا

سوال:۔ کیا گھر کی حفاظت کے لیے جماعت چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب:۔ محض تردد اور شک کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا جائز نہیں، البتہ اگر یقین ہو کہ عدم موجودگی میں کسی ظالم سے ایذا پہنچے گی اور گھر کی بے پردگی ہوگی یا مریض کی بیماری بڑھ جائے گی، تو ان صورتوں میں ترکِ جماعت کی گنجائش ہے۔

قال ابن عابدینؒ: تحت ھذا القول ولا علی...... وخوف علی مالہ او من غریم او ظالم، یخاف علی نفسہ او مالہ (قیامہ بمریض) ای یحصل بغیبتہ المشقۃ والوحشۃ کذا فی الامداد۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۵۶ باب الامامۃ) ؎

بغیرِ عذرِ شرعی جماعت ترک کرنا

سوال:۔ ایک شخص اپنے آپ کو صاحبِ نسبت ظاہر کرے اور اس کا حلقۂ ارادت بھی بہت وسیع ہو ذکر و اذکار اور نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہو، لیکن اس کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتا اکثر اس کی جماعت رہ جاتی ہے۔ تو کیا بغیر شرعی عذر کے جماعت کو ترک کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ایسے شخص سے بیعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جماعت کو ترک کردے اور جماعت سے نماز پڑھنے کو اچھا نہ سمجھے تو ایسا شخص فاسق شمار ہوگا، اس لیے بوجہِ فسق ایسے شخص سے بیعت کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس سے منصبِ بیعت کی توہین ہوتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی البحر ھو الراجح عند اھل المذھب (فتسن او تجب ثمرتہ تظھر فی الاثم بترکھا مرۃ (علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج)

قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ قال فی البحر) قال فی النھر ھو اعدل الاقوال و اقواھا ولذا قال فی الاجناس لا تقبل شہادتہ اذا ترکھا استخفافاً

؎ وفی الھندیۃ: تسقط الجماعۃ بالاعذار...... او کان فیھا لمریض او یخاف ضیاع مالہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۸۳ باب الامامۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۶۷ باب الامامۃ۔

ومجانة۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۳ باب الامامة) لہ

تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟

سوال: تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟ اور کب تک مقتدی امام کی اقتداء کرے تو تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا؟

الجواب: تکبیر اولیٰ کی کئی صورتیں ہیں (۱) امام کے ساتھ متصل نیت باندھ کر اقتداء کرے تو سب کے نزدیک تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا (۲) البتہ ثناء کے بعد یا سورۃ فاتحہ کے بعد رکوع سے قبل اقتداء کرے تو یہ صورتیں اختلافی ہیں۔ اوسع اور صحیح یہی ہے کہ پہلی رکعت کے پا لینے سے تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جاتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ تظهر فائدة الخلاف فی وقت ادراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة وعندهما اذا كبر فی وقت الثناء وقيل بالشروع قبل قرأة ثلاث آيات لو كان المقتدی حاضرًا وقيل سبع لو غائبًا وقيل بادراك الركعة وهذا اوسع وهو الصحيح۔ وقيل بادراك الفاتحة وهو المختار۔

(ردّ المحتار ج۱ ص۵۲۶ باب صفة الصلوٰة، مطلب فی وقت ادراك فضيلة الافتتاح) لہ۲

امام کا مقتدی کی تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیرنا

سوال: بعض مساجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ابھی مقتدی تشہد میں درود یا دعا پڑھ رہا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا، اب مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ امام صاحب کے ساتھ ہی سلام پھیر دے یا اپنی تشہد

لہ قال ابن نجیمؒ: وذکر فی غاية البيان معزيًا الى الاجناس ان تارك الجماعة يستوجب اساءة ولا تقبل شهادته اذا تركها استخفافًا بذلك ومجانة اما اذا تركها سهوًا او تركها بتاويل بان يكون الامام من اهل الاهواء او مخالفًا لمذهب المقتدی لا يراعی مذهبه فلا يستوجب الاساءة وتقبل شهادته۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۵ باب الامامة)

ومثله فی الهندية ج۱ ص۸۳ باب الامامة)

لہ فضيلة تكبيرة الافتتاح تكلموا فی وقت ادراكها والصحيح ان من ادرك الركعة الاولى فقد ادرك فضيلة تكبيرة الافتتاح كذا فی الحصر فی باب ابی یوسفؒ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۶۹ الباب الرابع فی صفة الصلوٰة)

مکمل کرکے سلام پھیرے؟

الجواب:۔ اگر امام مقتدی کی تشہد کے پورا کرنے کے بعد سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ بھی سلام پھیر دے کیونکہ امام کی متابعت ضروری ہے، البتہ اگر مقتدی نے تشہد پوری نہ کی ہو تو پھر تشہد پوری کر کے سلام پھیر دے۔

لما قال العلامة فخر الدین الشہیر قاضی خان ولو سلم الامام قبل ان یفرغ المقتدی من التشہد فانہ یتم التشہد۔ (الفتاوی القاضی خان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۹۲ فصل فیمن یصح الاقتداء بہ وفیمن لا یصح)

مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نماز باجماعت پڑھنا

سوال:۔ ہمارے سکول کے طلبہ کی تعداد ۲۰۰ ہے جو سکول کے قریب شہر کی تین مساجد میں نماز ظہر، بعض مساجد میں یہ طلباء قبل از اذان ظہر نماز پڑھ کر سکول آجاتے ہیں چونکہ سکول کی مسجد بہت چھوٹی ہے البتہ سکول کا صحن بہت وسیع ہے۔ تو کیا عند الشرع بامر مجبوری سکول کے صحن میں نماز باجماعت پڑھنا صحیح ہے؟ اور جن طلبہ نے قبل از اذان نماز پڑھی ہے ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ (۱) ظہر کی اذان ہمارے شہروں میں مستحب وقت میں ہوتی ہے اور ظہر کی نماز کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اذان سے قبل اور بعد زوال ظہر کی نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

(۲) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد شرعی کا ہونا زیادہ مناسب و بہتر ہے البتہ اگر بنا بر مجبوری سکول کے صحن میں یا کسی دوسری جگہ جماعت کی جائے تو شرعاً اس میں کوئی

لے وفی الھندیة: ولو سلم الامام قبل ان یفرغ المقتدی من الدعا الذی یکون بعد التشہد او قبل ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یسلم مع الامام۔ فی الھندیة اذا ادرک الامام فی التشہد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی اخر الصلوٰة قبل ان یتم المقتدی من التشہد فالمختار ان یتم التشہد۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۹۰ باب الامامة۔ الفصل السادس فیما یتابع الامام وفیما لا یتابعه)

ومثلہ فی کبیری شرح منیة المصلی ص۵۲۷ باب الامامة السابع فی الاقتداء۔

قباحت نہیں۔

کما فی الحدیث عن ابی ذر جعلت لی الارض طہوراً و مسجداً۔ (رواہ ابوداؤد ج ا ص۶۵)

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی[1] (مشکوٰۃ ج ا ص۶۷ باب المساجد)

معمولی لنگڑے کا جماعت ترک کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص معمولی لنگڑا ہو تو کیا اس کا نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر لنگڑا آسانی سے مسجد میں آسکے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسجد میں آئے، البتہ اگر زیادہ معذور ہو اور مسجد میں آنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہو تو اس پر مسجد میں آنا واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: الاعرج الذی لا یستطیع المشی۔ (ردالمحتار جلد ا ص۵۵۴ باب الامامت)[2]

نماز میں رئیسِ محلہ کا انتظار کرنا

سوال:۔ ہمارے محلہ میں ایک رئیس رہتا ہے، جب تک وہ مسجد میں نہ آئے اس وقت تک امام صاحب نماز نہیں پڑھاتے بلکہ اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں، عموماً اس کے آنے کا مکمل یقین بھی نہیں ہوتا۔ تو کیا شریعت میں نماز باجماعت کے لیے کسی کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی ضعیف و کمزور ہو اور مسجد میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو تو اُس کے لیے انتظار کیا جا سکتا ہے لیکن کسی رئیسِ محلہ کے لیے انتظار کی گنجائش نہیں، البتہ اگر اُس سے شر کا خطرہ ہو تو وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے انتظار کیا جا سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: رئیس المحلۃ لا ینتظر مالم یکن شریراً والوقت متسع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا ص۴۰۲ باب الاذان)[3]

---

[1] اخرج الامام ابوعیسٰی الترمذی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام۔ (رواہ الترمذی ج ا ص۴۳)

وَمِثْلُہٗ فی ابی داؤد ج ا ص۷۱ باب فی المواضع التی لا تجوز فیہا الصلوٰۃ۔

[2] وتسقط الجماعۃ بالاعذار ... والمفلوج الذی لا یستطیع المشی۔

(الفتاوٰی الہندیۃ ج ا ص۸۳ الفصل الاول فی الجماعۃ)

[3] ینتظر المؤذن الناس ویقیم للضعیف المستعجل ولا ینتظر رئیس المحلۃ وکبیرہا کذا فی معراج الدرایۃ۔ (فتاوٰی ہندیہ جلد ا ص۵۷ باب الاذان) وَمِثْلُہٗ فی طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۰۷ باب الاذان۔

شیعہ امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ شیعہ عقائد رکھنے والے امام کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟ اگر دائمی امام موجود نہ ہو تو کیا بوقتِ ضرورت اُس کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ ہمارے ملک کے اکثر شیعہ وہ عقائد رکھتے ہیں جو غالی شیعوں کے عقائد ہیں جن میں حضرت علیؓ کی الوہیت، سبّ الشیخین، تحریف القرآن اور سبّ عائشہ صدیقہؓ جیسے عقائد شامل ہیں، لہٰذا ایسے عقائد رکھنے والے کی اقتداء بوجہ مسلمان نہ ہونے کے کسی صورت میں جائز نہیں، تاہم جو شیعہ غالی نہ ہو وہ مبتدع کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فی کتب الفتاوی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا او انکر صحبة الصدیقؓ او اعتقد الالوھیة فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ولکن لو تاب تقبل توبتہ ھٰذا خلاصة ما حررناہ فی کتابنا الولاة والحکام۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۲۹۴ کتاب الجہاد)

قال العلامة الحصکفیؒ: ومبتدع) ای صاحب بدعة وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبھة وکل من کان من قبلتنا... الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامة)[1]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت ھٰذا القول (واما المبتدع) و عرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھة و استحسان وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً۔ اھ

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامة)

ولما قال العلامة طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: الرافضی ان کان یسب الشیخینؓ ویلعنھما فھو کافر وان کان یفضل علیاً علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھم لا یکون کافراً لکنہ مبتدعٌ۔

(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الفاظ الکفر)

مُبتدع کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ ایسے اعمال کا مرتکب ہے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اور ایسے اعمال وہ ثواب سمجھ کر کر رہا ہے، کیا اس قسم کی بدعات کے مرتکب شخص کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی امام ایسے امور کا مرتکب ہو جو عندالشرع ثابت نہیں لیکن یہ شخص ان امور کو دین سمجھ کر کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا ہو تو بوجہ مبتدع ہونے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

لیکن واضح رہے کہ کسی شخص پر بغیر کسی تحقیق کے مبتدع کا فتویٰ لگانا دانشمندی نہیں اور نہ ہر کام کو بدعت کہنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ (ويكره) مبتدع اى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وكل من كان من قبلتنا۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة) [1]

جادو کرنے والے شخص کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص جادو اور منتر کے ذریعے مال جمع کر رہا ہے، بسا اوقات اس عمل کے دوران وہ غیر اللہ سے استعانت جیسے قبیح فعل کا بھی مرتکب ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے، جبکہ کبھی کبھی موصوف اپنی غیب دانی کا بھی دعویٰ کرتا ہے؟

الجواب:۔ نفسِ تعویذ کرنا از روئے شرع ممنوع نہیں، البتہ جادو کرنا اور استعانت میں غیر اللہ کے مشرکانہ الفاظ سے تعویذ کرنا، منتر پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔

قال ابن عابدين: قال فى الخانية امرأة تضع ايات التعويذ ليحبها زوجها بعد ما كان يبغضها ذكر فى الجامع الصغير ان ذلك حرام ولا يحل اھ وذكر ابن وهبان فى توجيهه انه ضرب من السحر والسحر حرام اھ ومقتضاه انه ليس مجرد كتابة ايات بل فيه شئ زائد۔ قال الزيلعى وعن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه انه قال

---

[1] قال ابن نجيمؒ: تحت هذا القول (والمبتدع) وعرفها الشمنى بانها ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامة)

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص۲۷۵ کتاب الحظر والاباحۃ)

نیز غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ کرنا بے بنیاد اور باطل عقیدہ ہے، ایسے عقائد ونظریات رکھنے والے شخص کی اقتداء نہ کی جائے، کیونکہ ایسی باتیں عقیدہ نہ بنانے کے باوجود بھی حرام اور ناجائز ہیں۔

قال الحصکفیؒ: تحت ھٰذا القول ویکرہ امامۃ..... مبتدع ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبھۃ وکل من کان من قبلتنا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [1]

خنثیٰ مشکل کی امامت کا حکم

سوال: ایک شخص علم وفضل وکمال میں سب سے اعلیٰ ہے لیکن جنس کے لحاظ سے وہ خنثیٰ مشکل ہے، کیا اس کی اقتداء درست ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص علم وفضل وکمال کے لحاظ سے سب سے بہتر ہی کیوں نہ ہو لیکن جنس کے لحاظ سے خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی اقتداء ناجائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ) وخنثیٰ (وصبی مطلقاً)
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۶ باب الامامۃ) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ قال المرغینانی تجوز الصلوٰۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ وفیہ وحاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھٰکذا فی التبیین والخلاصۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۸۴ باب الامامۃ)

قال ابن نجیمؒ: ھٰذا القول (والمبتدع) وعرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ واستحسان وجعل دینا قویماً وصراطاً مستقیماً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامۃ)

[2] وفی الھندیۃ: وامامۃ الخنثیٰ المشکل للنساء جائزۃ ان تقدمھن وان قام وسطھن فسدت صلوٰتہ لوجود المحاذات ان کان الامام رجلاً کذا فی محیط السرخسی وللرجال والخنثیٰ مثلہ لا یجوز۔ (ھندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۱۴۷ باب الامامۃ۔

حنفی المسلک کے لیے غیر حنفی امام کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص حنفی المسلک ہے لیکن وہ ایک ایسے ملک میں مقیم ہے جہاں پر امام، امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے مقلد یا غیر مقلد ہوں تو ایسی صورت میں حنفی المسلک مقتدی کا غیر حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ غیر حنفی امام اختلافی مسائل کی رعایت کرنے میں مشہور ہو یا مقتدی کا اس کے متعلق اختلافی مسائل میں رعایت کرنے کے بارے میں ظن غالب ہو، مثلاً خون بہنے اور قے میں وضو کرنے کا اہتمام کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔

وفی الهندية: والاقتداء بشافعی المذهب انما يصح اذا كان الامام يتحامٰی مواقع الخلاف بان يتوضأ من الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد وان لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً هكذا فی النهاية والكفاية فی باب الوتر۔

(الهندية ج ۱ ص۸۴ باب الامامة) [1]

منصب امامت میں ارث اور وصیت کا حکم

سوال:- ایک شخص جو کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے وفات کے بعد وہ اپنی جگہ منصب امامت کے لیے اپنے ورثاء میں سے کسی ایک شخص کو مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اگر اس نے کسی خاص شخص کے بارے میں وصیت کی ہو تو اس کی رعایت کہاں تک کی جائے گی، اور بغیر وصیت کے بھی اگر کوئی شخص اس میں ارث کا دعویٰ کرے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب:- منصب امامت کوئی جائیداد اور مال نہیں کہ جس میں وراثت جاری ہو سکے یا مورث کی وصیت کی رعایت کی جائے۔ منصب امامت کی تقرری امام کی اہلیت، ذاتی کردار اور علم و عمل کے علاوہ اہلِ محلہ کی رضامندی پر ہے، امام کے مرنے کے بعد اہلِ محلہ جس کو بھی امامت تفویض کریں وہی محلہ کی مسجد کا امام متصور ہوگا۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: اما للاقتداء بالمخالف فی الفروع كالشافعی فیجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة علی اعتقاد المقتدی علیه الاجماع انما الاختلاف فی الكراهة۔

(رد المحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۱ ص۵۶۳ باب الامامة)۔

ومثله فی فتاوی غیاثیة ص۳۱ باب الامامة والاقتداء۔

قال الحصکفیؒ: (والاحق بالامامة) تقدیمًا بل نصبًا مجمع الانہر (الاعلم باحکام الصلوٰة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض وقیل واجب وقیل سنة ثم الاحسن تلاوة للقرأة ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقًا ثم الاحسن وجهًا ثم الاشرف نسبًا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۵۵ کتاب الامامة) [1]

بدکردار اور مفعول کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ اپنے کردار کے لحاظ سے بدنام ہے مثلاً مفعولیت میں مشہور ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موصوف کی بدنامی اگر امامت سے قبل کی ہو اور بعد میں اس نے توبہ کرلی ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے۔ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اس کی حیثیت مجروح نہیں رہتی، لیکن اگر یہ بدنامی کسی ایسے فعل کی وجہ سے ہو جس میں فی الحال یہ شخص مبتلا ہو تو بوجہ فسق اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول (ویکره امامة عبد واعرابي وفاسق) ای من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزاني وآکل الربا ونحو ذلك۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة) [2]

منکوحہ کے نکاح پڑھوانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص اپنی منکوحہ

---

[1] وفی الهندیة: اولی بالامامة اعلمهم باحکام الصلوٰة هکذا فی المضمرات وهو الظاهر هکذا فی البحر الرائق هذا اذا علم من القرأة قدر ما تقوم به سنة القرأة هکذا فی التبیین ولم یطعن فی دینه کذا فی الکفایة وهکذا فی النهایة ویجتنب الفواحش الظاهرة وان کان غیره اورع منه کذا فی المحیط وهکذا فی الزاهدی وان کان متبحرًا فی علم الصلوٰة لکن لم یکن له حظ فی غیره من العلوم فهو اولی کذا فی الخلاصة۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص۸۳ باب الامامة الفصل الثانی) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۶۷۔

[2] وفی الهندیة: تجوز امامة الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هکذا فی المتون۔ (الهندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۸ باب الامامة۔

لڑکی خاوند کے سپرد کرنے کے بجائے اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کردے جبکہ یہ فعل معاشرہ میں بھی قبیح سمجھا جاتا ہے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: منکوحہ کا نکاح پڑھوانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے نکاح علی النکاح کالعدم ہو کر اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، اگر امام مذکور نے عمداً یہ کام کیا ہو تو بوجہ فاسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولو ام قوماً وھم له کارھون ان) الکراھة (لفساد فیه او لانھم احق بالامامة منه کره) له ذلك تحریماً لحدیث ابی داؤد لا یقبل الله صلٰوة من تقدم وھم له کارھون۔ (رد المحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج۱ ص۵۵۹ باب الامامة) [۱]

عمامہ نہ پہننے والے کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا پگڑی نہ پہننے والے شخص کی اقتداء جائز ہے؟ ہمارے ہاں بعض لوگ عمامہ کے بارے میں انتہائی متشدد ہیں، یہاں تک کہ جس کے سر پر عمامہ (پگڑی) نہ ہو تو اس کی اقتداء ناجائز سمجھتے ہیں، اور ترکِ عمامہ مفسدِ صلٰوۃ تصور کرتے ہیں۔ کیا قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء کی رُو سے یہ زعم درست ہے؟

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں میں سے ایک سنت ہے لیکن یہ سُننِ عادتیہ میں سے ہے، یعنی پگڑی وہ عمدہ لباس ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال کرکے پسند فرمایا ہے۔

قال صدر الشہیدؒ: فسنن الھدٰی وان کانت علی سبیل العادة فسنن الزوائد کلبس الثیاب والاکل بالیمین وتقدیم الرجل الیسرٰی فی الدخول ونحو ذلك کلا منا فی الاوّل الی آخرہ۔ (شرح الوقایة ج۱ ص۶۹ کتاب الطھارت)

جیسا کہ دھوتی اور سفید رنگ کے کپڑے پہننے کی فضیلت نماز سے خاص نہیں، ایسا ہی عمامہ کا پہننا بھی نماز سے خاص نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عزت کا لباس سمجھا جاتا ہے،

---

[۱] رجل ام قوماً وھم له کارھون فان کانت الکراھة لفساد فیه او لانھم احق بالامامة منه کره له ذلك وان کان ھو احق بالامامة لا یکره لان الجاھل والفاسق یکره العالم والصالح۔ (الفتاوٰی قاضی خان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۹۲ باب ما یصح الاقتداء فی ما لا یصح)۔
وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج۱ ص۸۷ باب الامامة۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں جاتے وقت عزت کے لباس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔ بناء بریں فقہاء عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں تاہم اگر کسی شخص کو عمامہ میسر نہ ہو تو پھر بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال طاہر بن عبدالرشیدؒ: وفی الاصل لا بأس بان یصلی الرجل فی ثوب واحد متوشحًا و یؤم کذلک والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحًا به جمیع بدنه کازار المیت یجوز صلٰوته من غیر کراهة۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص ۶۲ الفصل السادس فی ستر العورة) [1]

لیکن یہ حکم امام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ حکم ہر نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ عمامہ کی اس حقیقت کی وضاحت کے بعد اس کو صرف منصب امامت سے خاص کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اور اس کے نہ پہننے کو مفسداتِ نماز میں شمار کرنا فقہی ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

البتہ اگر ایک شخص پگڑی کو عزت کا لباس سمجھے، کسی بڑی محفل اور مجلس میں جاتے وقت پگڑی کا استعمال کرے لیکن نماز پڑھتے وقت اس کا اہتمام نہ کرے تو ایسی صورت میں ثیاب بذلہ کے حکم میں ہوکر ہر مصلی کے لیے یہ مکروہ ہے اور جو شخص اس کا پابند نہ ہو اور نہ پگڑی اس کی عادت بنی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں بغیر عمامہ کے امام کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تاہم جہاں پر عمامہ کا ترک کرنا فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا سبب بنتا ہو تو ایسی جگہ میں عمامہ کے بغیر نماز نہ پڑھائی جائے کیونکہ عمامہ کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں، اور فتنہ وفساد کا انسداد بھی ضروری ہے۔

قاتل کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا قاتلِ تائب کی اقتداء جائز ہے جبکہ مقتول کے ورثاء نے اس کو معاف نہ کیا ہو؟

---

[1] قال ابن نجیمؒ: والمستحب ان یصلی فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۹ باب شروط الصلٰوة)

وفی الهندیة: والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحدٍ متوشحًا به تجوز صلٰوته من غیر کراهة۔ (ج ۱ ص ۵۹ الباب الثالث فی شروط الصلٰوة)

الجواب:- کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے، ایسا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ مقتول کے ورثاء کو راضی کرنا ضروری ہے۔ صورتِ مذکورہ میں زبانی توبہ نکالنے کے باوجود اس شخص کا فسق وفجور باقی ہے جس کی اقتداء بوجہ فسق کے مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے شخص کو مستقل امام نہ بنایا جائے۔

قال ابن عابدینؒ (وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربو ونحو ذٰلک۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة)

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول لا تصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود وظاهرہ ای لا تکفیه التوبة وحدها قال فی تبیین المحارم واعلم ان توبة القاتل لا تکون بالاستغفار والندامة فقط بل یتوقف علی ارضاء اولیاء المقتول۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۶ ص۵۴۸ کتاب الجنایات) [1]

نابالغ کی اقتداء کا حکم

سوال:- نابالغ امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثانی تراویح اور فرائض کا حکم ایک ہے یا ان دونوں میں فرق ہے؟

الجواب:- نابالغ کی اقتداء مطلقاً (خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں) مکروہ تحریمی ہے، نابالغ کی جگہ کسی بالغ کو امام بنایا جائے۔

وفی الهندیة: امامة الصبی المراهق لصبیان مثله یجوز کذا فی الخلاصة وعلی قول ائمة بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقة کذا فی فتاوٰی قاضی خان۔ المختار انه لا یجوز فی الصلوٰة کلها کذا فی الهدایة وهو الاصح هٰکذا فی المحیط وهو قول العامة وهو ظاهر الروایة۔ هٰکذا فی البحر الرائق ج ۱ ص۸۵ باب الامامة الفصل الثالث

---

[1] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکرہ هٰکذا فی المتون۔ (ج ۱ ص۸۵ باب الامامة)

قال العلامة الشیخ محمد کامل الطرابلسی: لا تصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود۔ (الفتاوٰی الکاملیة ص۲۵۲ کتاب الجنایات)

فی بیان من یصح اماماً لغیرہ) ؎۱

صاحبِ نسبت نہ ہونے والے امام کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص کسی متبع شریعت پیر سے بیعت ہوگیا اس کے لیے کسی ایسے امام کی اقتداء جائز ہے جو نیک اور متقی ہونے کے باوجود کسی پیر سے بیعت نہ ہو۔

الجواب:۔ مروجہ بیعت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصلاحِ نفس کا ایک ذریعہ ہے، اگرچہ موجودہ فتنہ وفساد کے دور میں اصلاحِ نفس کے لیے کسی متبع شریعت پیر سے بیعت کرنے کے علاوہ کوئی اکسیر نسخہ موجود نہیں، تاہم متقی ہونے کے باوجود صاحبِ نسبت نہ ہونا اس کے لیے موجبِ تفسیق نہیں، اس لیے صاحبِ نسبت مقتدی کی اقتداء بغیر کسی کراہیت کے غیر بیعت شدہ امام کے پیچھے جائز ہے ۔۔۔ فقہاء نے وجوہاتِ ترجیح میں بیعت کرنا نہیں لکھا ہے۔

قال الحصکفیؒ: والاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوۃ للقرأۃ ثم الاورع ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوٰی اتقاء لمحرمات ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجہاً ثم الاشرف نسباً ثم الانظف ثوباً۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المختار ج ۱ ص۵۵۷ باب الامامۃ) ؎۲

معذور کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص وضو برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے شرعی معذور ہے اور حاضرین میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں جو متشرع ہو کر وہ جماعت کرا سکے، کیا ایسی صورت میں معذور امام کی اقتداء جائز ہے یا اس کی جگہ کسی داڑھی منڈے کو جماعت کے لیے آگے کیا جائے؟

؎۱ قال الحصکفیؒ: (ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ) وخنثیٰ (وصبی مطلقاً) ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المختار ج ۱ ص۵۷۶ باب الامامۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۹ باب الامامۃ۔

؎۲ وفی الہندیۃ اولی بالامامۃ اعلمہم باحکام الصلاۃ ہٰکذا فی المضمرات وھو الظاہر ہٰکذا فی التبیین: ہٰذا اذا علم من القرأۃ قدر ما تقوم بہ سنۃ القرأۃ ہٰکذا فی البحر الرائق ہٰذا اذا علم من القرأۃ۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص۸۳ باب الامامۃ الفصل الثانی فی بیان من ھو احق بالامامۃ)

الجواب: معذور امام تندرست اور غیر معذور مقتدیوں کو عذر کے ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھا سکتا، ایسی حالت میں بوقتِ ضرورت فاسق و فاجر کی اقتدا جائز ہے اس لیے داڑھی مُنڈے کو نماز کے لیے آگے کیا جا سکتا ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وفی المجتبیٰ وھٰذہ الکراھۃ تنزیھۃ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الیّ وھکذا فی معراج الدرایۃ وفی الفتاویٰ لو صلی خلف فاسق او مبتدع ینال فضل الجماعۃ لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی۔

وفیہ: وفی السراج الوھاج: فان قلت فما الافضلیۃ ان یصلی خلف ھٰؤلاء او الانفراد قیل اما فی حق الفاسق فالصلوٰۃ خلفہ اولیٰ لما ذکر فی الفتاویٰ۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامۃ)

قال الحصکفیؒ: (ولا طاھر بمعذور) ھٰذا ان قارن الوضوء الحدث او طرأ علیہ) بعدہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۷۸ باب الامامۃ)[1]

گانا سننے والے امام کی اقتدا کا حکم

سوال: ایک امام خود گانا سنتا ہو اور اس میں غلو کر کے بسا اوقات مستورات کے گیت گانے کو جائز قرار دیتا ہو، دلیل میں شادی بیاہ کے موقع پر دف کے جواز سے استدلال کرتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ان عورتوں کے ساتھ مل کر گیت گاؤں، یہ عورتیں بہت ہی اچھا گاتی ہیں، شرعاً ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شادی بیاہ میں مشروط تغنی سے مطلقاً گانے سننے پر استدلال کرنا قواعدِ شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے، موجودہ دور میں بے حیائی اور بے دینی کے واقعات سے بھرے ہوئے گانے شادی بیاہ میں ہوں پھر بھی ناجائز ہے۔ موجودہ دور کے مروجہ گانے بے شمار مفاسد کا پیش خیمہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ تحت ھٰذا القول (وطاھر بمعذور) ای وفسد اقتداء طاھر بصاحب العذر المفوت للطھارۃ لان الصحیح اقوی حالاً من المعذور والشیٔ لا یتضمن ما ھو فوقہ والامام ضامن بمعنیٰ تضمن صلاتہ صلاۃ المقتدی۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۰ باب الامامۃ)
ومثلہ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۸۴ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ۔

ہونے کی وجہ سے ان کا سننا ناجائز ہے ، ایسی صورت میں کسی امام کا گانے سننا اور پھر اس کے جواز کے لیے مواد مہیا کرنا امورِ سفیہ میں سے ہے لہٰذا ایسے فاسق وفاجر کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ تحت قوله ومن یلعب بالطنبور او یغنی للناس لانه یجمع الناس علی ارتکاب کبیرة کذا فی الهدایة وظاهرہ ان الغناء کبیرة...... وفی المعراج، الملاهی نوعان محرم وهو الآلات المطربة من غیر الغناء کالمزمار سواء کان من عود او قصب کالشبابة او غیرہ کالعود والطنبور۔ لما روی ابو امامة انه علیه الصلوٰة والسلام قال ان الله بعثنی رحمةً للعالمین وامرنی بمحق المعازف والمزامیر ولانه مطرب مصدٌ عن ذکر الله تعالیٰ والنوع الثانی مباح وهو الدف فی النکاح۔

(البحر الرائق ج۷ ص۸۸ باب من تقبل الشهادة ومن لا تقبل الشهادة) ؎۱

مقرر امام کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانا

سوال :- ایک شخص کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے کوئی اور شخص اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے کے لیے مصلّٰی پر کھڑا ہو جائے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مقررہ امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص کے لیے نماز پڑھانا مکروہ ہے ، ایسی صورت میں مقررہ امام کی اقتداء بہتر ہے اگرچہ وہ مفضول ہو۔ تاہم اگر کسی مسجد کا مقررہ امام حاضر نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نائب ہو تو ایسی صورت میں متعلقہ امام کی اجازت کے بغیر بھی جماعت کرائی جا سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول۔ صاحب البیت ومثله امام المسجد الراتب (اولیٰ بالامامة من غیرہ) مطلقاً ای وان کان غیرہ من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۵۹ باب الامامة) ؎۲

؎۱ قال العلامة التمرتاشیؒ انه حرام علی قول اکثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایة عن الاعلان۔ (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۲۸۳ کتاب النکاح)
ومثله فی الهندیة ج۳ ص۴۵۳۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: واما الامام الراتب فهو احق من غیرہ وان کان غیرہ افقه منه۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۷ باب الامامة) ومثله الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۸۳ باب الامامة۔

گروپ فوٹو بنوانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے، چند دوستوں کے درمیان بیٹھ کر شوقیہ تصاویر بنواتا ہے اور پھر اس گروپ فوٹو کو بطور یادگار اپنے پاس رکھنے کے علاوہ دوستوں میں بھی تقسیم کرتا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ گویا یہ عمل اس کے نزدیک جائز ہے۔ کیا ایسے امام کو امامت پر باقی رکھا جا سکتا ہے یا اس کو معزول کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ بلا ضرورت کسی ذی روح کی تصویر بنانا عند الشرع غیر مشروع ہے چاہے کیمرہ سے بنائی جائے یا قلم سے، تاہم ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، بلا ضرورت اس کا ارتکاب امورِ فسقیہ میں سے ہے، خاص کر جب کوئی امام اعلانیہ طور پر ان امورِ فسقیہ کا ارتکاب کر رہا ہو۔ ان معاصی پر اصرار کے باوجود اگر اس کے معزول کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو پھر بوجہ مجبوری اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ کسی نیک امام کی اقتداء کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے کی وجہ سے ایک شخص کو امامت کرانے سے روک دیا تھا۔ تاہم یہ شخص اگر توبہ کرے اور اس کام کو گناہ سمجھتا ہو اور اس پر اصرار نہ کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون۔ (مشکوٰۃ ص۳۸۵ باب التصاویر الفصل الاول)

قال ابن عابدینؒ: (قوله وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوٰ ونحو ذلك کذا فی البرجندی (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة)[1]

امام کے لیے محراب میں کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ کیا امام کے لیے بوقتِ جماعت محراب میں کھڑے ہونا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام مسجد کے صحن میں بغیر محراب کے کھڑا ہو جائے تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ ہمارے علاقہ میں بعض لوگ شدت کے اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ محراب کے بغیر اگر امام نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے تو

---

[1] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابی والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هکذا فی المتون۔ (فتاوٰی هندیة ج۱ ص۸۵ باب الامامة)

[2] ومثله فی الخلاصة ج۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر فی الامامة والاقتداء۔

اس کو ملامت کرتے ہیں، شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امامت کے لیے محراب میں کھڑا ہونا کوئی مستقل سنت نہیں ہے کہ جس کے بغیر امامت ادھوری رہ جائے، حقیقت میں امام کے لیے یہ سُنّت ہے کہ وہ صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو جائے، چونکہ محراب سے عموماً توسط کی نشاندہی ہوتی ہے اس لیے سُنت کی ادائیگی کے لیے معاون ہونے کی وجہ سے مساجد میں محراب بنائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محراب میں طاق بنانا بھی ضروری نہیں لیکن اگر امام کسی محراب کے بغیر صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو تو اس کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسی صورت میں محراب کو چھوڑنے والے کو ملامت کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یفهم من قوله اولی ساریة کراهة قیام الامام فی غیر المحراب ویؤیدہ قوله قبله السنة ان یقوم فی المحراب وکذا قوله فی موضع اٰخر السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاترٰی ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام۔ والظاهر ان هذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلو لم یلزم ذٰلک لایکرہ تأمل۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۸ مطلب فی کراهیة للامام فی غیر المحراب)

قال الحصکفیؒ: (ویصف) ای یصفهم الامام بان یامرهم بذٰلک قال الشمنی و ینبغی ان یامرهم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبهم ویقف وسطاً وخیر صفوف الرجال اولها۔ (الدر المختار علٰی صدر رد المختار ج ۱ ص ۵۶۸ باب الامامة) [1]

امامت پر اجرت لینے والے کی اقتداء

سوال: کیا ایک مالدار شخص امامت پر اُجرت لے سکتا ہے؟ ایسی صورت میں اگر بغیر کسی اجرت کے امام کی اقتداء میسر ہو تو کون سے امام کی اقتداء بہتر رہے گی؟

الجواب: متأخرین فقہاء نے اُجرت علی الامامت کی اجازت دی ہے لہٰذا مالدار اور فقیر دونوں قسم کے ائمہ منصب امامت پر اُجرت مقرر کر کے وصول کر سکتے ہیں، اُجرت کے جواز کی

---

[1] وفی الهندیة: ینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنة الوسط او فی میسرته فقد اساء لمخالفة السنة هٰکذا فی التبیین۔ (ج ۱ ص ۸۹ باب الامامة)
ومثلهٗ فی الطحطاوی ج ۱ ص ۱۶۷ باب الامامة۔

صورت میں بلا اجرت نماز پڑھانے والے امام کو ترجیح حاصل نہیں، لہٰذا دونوں کی اقتداء کا حکم ایک ہے۔

قال ابن عابدین: ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان ویجبر الاجر علی دفع ما قیل۔ (ردالمحتار ج۵ ص۳۴ باب اجارۃ الفاسدۃ)[۱]

نابینے کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص پہلے بینا تھا لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے وہ آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگیا، اس کے بعد وہ اپنے آپ کو کامل طہارت کی حالت میں نہیں رکھ سکتا، اکثر اس کے کپڑے بوجہ عدم علم ہونے کے ناپاک ہوجاتے ہیں اور ایسے ہی وہ قبلہ کی تمیز بھی نہیں کرسکتا، قبلہ کے تعین کے لیے اسے دوسرے شخص سے مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے اور منصب امامت پر یہ قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس سے بہتر عالم بھی آسانی سے مل سکتا ہے؟

الجواب:۔ نابینا اگر نجاست سے بچنے پر قادر نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، لیکن ہر نابینے کو غیر محتاط سمجھنا عقلمندی نہیں، جو نابینا نجاست سے بچنے کا انتظام کرسکتا ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ کا امام بنایا تھا حالانکہ وہ نابینا تھے۔ بلکہ اگر کوئی نابینا دوسروں سے اعلم اور اقراء ہو تو پھر اس کی امامت دوسروں سے افضل ہے۔

وقال ابن نجیمؒ: وقید کراهة امامة الاعمی فی المحیط وغیره بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولیٰ۔ (البحرالرائق ج۱ ص۳۴۹ باب الامامة)[۲]

زبان میں لکنت والے کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب کی زبان میں لکنت ہے الفاظ صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرسکتے اور اکثر الفاظ میں غلطی کرجاتے

---

[۱] قال صاحب الهدایة: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانه ظهر التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن وعلیه الفتوی۔ (باب اجارۃ الفاسدۃ ج۳ ص۳۰۱)
ومثله فی فتاوی الهندیة ج۴ ص۴۴۸ الفصل الرابع فی فساد الاجارۃ۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: قال فیه کراهة الاعمی فی المحیط وغیره بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولیٰ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۸۵ باب الامامة۔ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیره۔

جاتے ہیں، کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے ؟

الجواب:۔ جس شخص کی زبان میں لکنت ہو اور باوجود کوشش کے الفاظ درست ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کے اپنے حق میں تو نماز درست ہے البتہ ان لوگوں کا امام نہیں بن سکتا جن کی زبان درست ہو (یعنی اس میں لکنت نہ ہو) تاہم اگر امام صاحب باوجود لکنت کے الفاظ کو صحیح ادا کرسکتے ہوں اگرچہ اٹک اٹک کر ادا کریں تو ان کی اقتداء صحیح ہے۔

ولا یجوز امامة الالثغ الذی لایقدر علی التکلم ببعض الحروف الا لمثلہ اذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف فاما اذا کان فی القوم من یقدر علی التکلم بہا فسدت صلوٰتہ وصلوٰة القوم ۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص ۸۶ باب الامامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ)۔

قاری کی موجودگی میں غیر قاری کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ کسی مقام میں عالم فاضل قاری کے ہوتے ہوئے اُمّی اور جاہل شخص نماز پڑھائے جبکہ وہ قرأة پر بھی قادر نہ ہو، ایسی صورت میں کیا اس کا نماز پڑھانا جائز ہے ؟

الجواب:۔ عرف میں قاری کا اطلاق مجود پر ہوتا ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس سے یہ مراد نہیں۔ اگر فن قرأة سے باخبر قاری کسی ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے جو عام قرأة پر قادر ہو لیکن فن قرأت سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتا ہو تو اس سے اُس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسی حالت میں اگر مروج قاری کے علاوہ غیر قاری امام ہو تو مجود قاری امام کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھا سکتا، تاہم اگر کوئی شخص قدر ما یجوز بہ الصلوٰة کی قرأت پر قادر نہ ہو تو قاری کی موجودگی میں ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں۔

امامة الامی قوماً اُمیین جائزة کذا فی السراجیة اذا ام امی امیاً وقارئاً فصلوٰة الجمیع فاسدة عند ابی حنیفة رح وقال لا صلوٰة القاری وحدہ واما اذا صلوا وحدانا فقیل انہ علی الخلاف وقیل یصح وھوالصحیح۔

لہ امامة الالثغ لغیرہ ذکر الامام الفضلی انہ یجوز لان ما یقول صار لغة لہ وقال غیرہ صحیح (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۸ باب الامامة۔ الفصل الخامس عشر)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵ باب الامامة۔

هٰکذا فی شرح مجمع البحرین للمصنّف۔ (الهندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامة الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ) [۱]

ایک مسجد میں متعدد امام ہونا

سوال :۔ ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں تین امام ہیں، ان میں سے ایک امام نے ۱۵ امام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور کے حصہ یازدہم ص ۵۲/۸۰۴ میں لکھتے ہیں کہ ایک مسجد میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرے امام کو بغیر اذن کے جماعت کرانے کا استحقاق نہیں اور حوالہ دُرِ مختار کا دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد میں کتنے امام ہو سکتے ہیں اور اگر نہ ہوسکیں تو کیا وجوہات ہیں؟

الجواب :۔ بہتر یہی ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی امام ہو اور اسی پر سب اہلِ محلہ اتفاق کریں اور اسی پر اُمت کا تواتر چلا آرہا ہے، اور جب تک امام مقرر موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو امامت کرنے کا حق حاصل نہیں۔

قال الحصکفیؒ: واعلم ان صاحب البیت، وَمِثْلُهٗ امام المسجد الراتب (اولٰی بالامامة من غیرہ) مطلقاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۵۹ باب الامامة) [۲]

اگر اہلِ محلہ نے پہلے سے کوئی امام مقرر نہیں کیا ہے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ امام رکھیں تو عند الشرع جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایک وقت میں دو یا متعدد جماعتیں نہ ہوں ورنہ سب لوگ گنہگار ہونگے۔

دوسرے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا

سوال :۔ میں ایک ایسے مقام پر امام ہوں جہاں کے تمام لوگ شافعی و مالکی مذہب کے ہیں، کیا میں اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھا سکتا ہوں، مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر اور فجر کی نماز میں دُعائے پڑھوں، عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟

---

[۱] ولا یصح اقتداء القاری بالاُمّی۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۱۴۱ الفصل الخامس عشر فی الامامة)۔ وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۹ باب الامامة۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: اما الامام الراتب فهو احق من غیرہ وان کان غیرہ اَفقه منه۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۷ باب الامامة) وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۸۳ باب الامامة۔

الجواب:۔ اپنے مذہب کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر بغیر کسی دلیل کے اسے ترک کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ فقہاء کرام نے ایسے شخص پر تعزیر کا حکم لگایا ہے، الہٰذا ایسے مقام میں حنفی مسلک کو لالچ کی خاطر چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھانا قبیح عمل ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: ارتحل الیٰ مذهب الشافعیؒ یعزر، قال ابن عابدینؒ: ای اذا کان ارتحاله لا لغرض محمود شرعاً اما انتقال غیرہ من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشهوتها فهو المذموم الاثم المستوجب للتادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه اهـ ملخصاً۔ وفیها عن الفتاوی النسفیة الثبات علیٰ مذهب ابی حنیفة خیر واولیٰ قال وهذه الکلمة اقرب الی الالفة۔ (رد المختار ج ۳ ص۲۰۹ باب التعزیر) [۱]

وضو کے بارے میں شک کی حالت میں نماز پڑھانا

سوال:۔ وضو کرنے کے بعد مجھے وضو میں شک رہتا ہے اور اس بات پر یقین نہیں ہوتا کہ میرا وضو باقی ہے یا ختم ہو گیا، لیکن لوگ مجھے نماز پر مجبور کرتے ہیں کیا اس شک کی حالت میں نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ معذور شخص امامت کے لائق نہیں، آپ امامت سے اجتناب کرنا چاہیئے لیکن صرف شک کی بنیاد پر امامت کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں، البتہ جب یقین ہو جائے اور اس کے قرائن بھی موجود ہوں کہ وضو ٹوٹ گیا ہے تو پھر ایسی صورت میں امامت جائز نہیں، تاہم شک اور تردد کی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا وجد احدکم فی بطنه شیئاً فاشکل علیه اخرج منه شئ ام لا فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ج۱ ص۴۱ باب ما یوجب الوضوء) [۲]

---

[۱] حنفی ارتحل الیٰ مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ یعزر کذا فی جواهر الاخلاطی قال الصحیح قوله ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر ای اذا کان ارتحاله لا لغرض محمود شرعاً کما افاده فی التاتارخانیة۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۱۶۹ فصل فی التعزیر)

[۲] عن عباد بن تمیم عن عمه انه شکی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم الرجل الذی یخیل الیه انه یجد فی الصلوٰۃ فقال لا ینفتل او لا ینصرف حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔ (بخاری ج۱ ص۲۵ کتاب الوضوء باب لا یتوضؤ من شک حتی) ومثله فی المسلم ج۱ ص۱۵۸ باب طهارة جلود المیتة۔

فطری طور پر مفقود اللحیۃ کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے اور اُسکی عمر تقریباً ۲۲ سال ہے لیکن فطری طور پر اُس کی داڑھی نہیں، کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

الجواب:۔ اگر مدتِ بلوغ گزرنے کے باوجود بھی کسی کی داڑھی نہ آئے تو اس کی اقتداً جائز ہے، البتہ اگر صبیح الوجہ ہو تو پھر اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ (قولہ وکذا تکرہ خلف امرد) الظاھر انھا تنزیھیۃ ایضاً والظاھر ایضاً کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ وھل یقال ھُنا ایضاً اذا کان اعلم القوم تنتفی الکراھۃ فان کانت علۃ الکراھۃ خشیۃ الشھوۃ وھو الاظھر فلا وان کانت غلبۃ الجھل او نفرۃ الناس من الصلوۃ خلفہ فنعم فتامل۔ والظاھر اذا المعذار الصبیح المشتھی کالامرد تامل۔ ھذا وفی حاشیۃ المدنی عن الفتاوی العفیفۃ۔ سئل العلامۃ الشیخ عبد الرحمٰن ابن عیسی المرشدی عن شخص بلغ من السن عشرین سنۃ وتجاوز حد الانبات ولم ینبت عذارہ فھل یخرج بذلک عن حد الامردیۃ وخصوصاً قد نبت لہ شعرات فی ذقنہ تؤذن بانہ لیس من مستدیری اللحی فھل حکمہ فی الامامۃ کالرجال الکاملین ام لا اجاب سئل العلامۃ الشیخ احمد بن یونس المعروف بابن الشلبی من متاخری علماء الحنفیۃ عن ھذہ المسئلۃ فاجاب بالجواز من غیر کراھۃ وناھیک بہ قدوۃ۔ واللہ اعلم۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۶۲ باب الامامۃ)[1]

امام کے لیے ضروری صفات

سوال:۔ ایک امام کون کون سی صفات کا حامل ہونا چاہیئے جن کے نہ ہونے کی صورت میں وہ اس عظیم منصب کا اہل نہ ہو؟

الجواب:۔ امام علم اور تقویٰ کی صفات سے جتنا زیادہ مزیّن ہو تو یہ خصوصیت متصور ہو گی، تاہم عمومی طور پر امام کے لیے مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام

---

[1] قال فی الخلاصۃ وفی شرح القدوری یجوز امامۃ الامرد واذا کان بالغاً ویکرہ اذا کان صبیح الوجہ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۴۹ الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتداء)

(۲) بلوغ (۳) عقل (۴) مرد ہونا (۵) علم وقرأت (۶) اعذار سے سلامت ہونا۔

قال ابن عابدینؒ: وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقراءة والسلامة من الاعذار کالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۵۰ باب الامامة) ؎۱

سودی رقم سے تنخواہ لینے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شہر کے سٹیٹ بنک کے احاطہ میں ایک مسجد ہے جو کہ سٹیٹ بنک کی ملک میں ہے، اگر کوئی شخص اس بنک کا ملازم ہو یا فقط اس مسجد کا امام ہو، جبکہ سٹیٹ بنک کا کاروبار من کل الوجوہ سود پر ہے اور امام صاحب کو بھی اسی سود کے پیسوں سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ مسجد کی امامت کرنا فی ذاتہٖ اس میں کوئی امر غیر مستحسن نہیں البتہ ایسی مسجد کی امامت با اُجرت کرنا جس کی اُجرت سود کے کاروبار سے دی جائے، جو حرام خوری کی وجہ سے فسق ہے اور بوجہ فسق ہونے کے ایسے امام کے پیچھے اقتداء کرنا مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول (ویکرہ امامة عبد واعرابی وفاسق واعمٰی) (قوله فاسق) ای من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذٰلك۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۵۹ باب الامامة) ؎۲

البتہ اگر اس امام کو اجرت بنک کے اموال میں سے نہ دی جاتی ہو بلکہ کسی اور ذریعہ سے ملتی ہو مثلاً قریب کے محلہ والے اپنی جانب سے دیتے ہوں تو اقتداء بلا کراہت جائز ہے۔

؎۱ قال الشرنبلالیؒ شروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام وهو شرط عام فلا تصح امامة منکر البعث او خلافة الصدیق او صحبته او یسب الشیخین او ینکر الشفاعة الیٰ اخرہ۔ (مراقی الفلاح علیٰ حاشیة الطحطاوی ص۱۵۶ باب الامامة)

؎۲ وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکرہ هٰکذا فی المتون۔ (فتاوٰی هندیة ج ۱ ص۸۵ الفصل الثالث، باب الامامة) ومثله فی خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر فی الامامة۔

سرخ کپڑے پہننے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک امام مسجد سرخ کپڑوں کا استعمال کرتا ہے اور انہی کپڑوں میں نماز بھی پڑھاتا ہے تو کیا ان کپڑوں میں اس امام کی اقتداء صحیح ہے؟

الجواب:۔ سرخ کپڑوں کے پہننے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور احناف میں بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اس بنیاد پر نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اس لیے ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے۔ تاہم اگر سرخ کپڑے پہننے میں کسی لادین جماعت سے اپنی وابستگی کا اظہار مقصود ہو تو اللہ کے دربار میں ایسی امتیازی حیثیت رکھنے والے شخص کی اقتداء سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

عن براء قال ما رأیت عن ذی لمۃ فی حلۃ حمراء احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم له شعر یضرب منکبیه بعید ما بین المنکبین لم یکن بالقصیر ولا بالطویل۔ (ترمذی ج ۱ ص۳۰۲ ابواب اللباس، باب ما جاء فی الرخصۃ فی الثوب الاحمر)

قال شمس الائمۃ السرخسی وفیه دلیل انه لا بأس بلبس الثوب الاحمر۔ (شرح السیر الکبیر ج ۱ ص۱۱۵ باب السلاح والفروسیۃ) [1]

باپ کا جنازہ نہ پڑھنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک امام مسجد اپنے والدین سے بوجہ دنیاوی معاملات ناراض ہے اور اس ناراضگی کی بناء پر اس کے دوسرے بہن بھائی بھی اس سے لاتعلق ہوں، پھر اس امام نے اپنے والد کے مرض الوفات میں نہ تو اس کی عیادت کی اور نہ دوسرے بھائیوں کے ڈر کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی، تو اس کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ والدین سے ناراض ہونا امر قبیح ہے، پھر ان کی عیادت اور جنازہ میں شریک

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ (ولا بأس بسائر الالوان) وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر ومفاده ان الکراهیۃ تنزیهیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انها تحریمیۃ وهی المحمل عند الاطلاق۔ (رد المحتار ج ۶ ص۳۵۸ کتاب الکراهیۃ، فصل فی اللبس۔ ومثله فی فتاوی هندیۃ ج ۵ ص۳۳۲)

نہ ہونا یہ اقبح القبائح ہے لیکن اگر کسی شرعی امر اور جائز کام کی وجہ سے بیٹا اپنے باپ سے ناراض ہو تو اس کے پیچھے اقتداء درست ہے البتہ اگر وہ کسی غیر شرعی امر یا شرعی امور میں حد سے تجاوز کرکے باپ کے حق میں کوتاہی کرتا ہے تو بوجہ فسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذا القول (یکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق واعمیٰ) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذٰلک۔ (ردّ المحتار ج ۱ ص۵۶۰) [1]

غیر مسلم کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

سوال:۔ ایک شخص عرصہ دراز تک کسی مسجد کا امام رہا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص اپنے عقائد کے لحاظ سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے؟

الجواب:۔ کسی شخص کی اقتداء کرتے وقت اس کے عقائد کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں اور بعد میں اس کے کفر کے بارے میں یقین ہوجائے تو پڑھی ہوئی نمازوں کے بارے میں احتیاط یہ ہے کہ وہ نمازیں دوبارہ پڑھی جائیں۔

وفی الھندیۃ: رجل ام قوماً شھراً ثم قال کنت مجوسیاً فانہ یجبر علی الاسلام ولا یقبل قولہ وصلوٰتھم جائزۃ ویضرب ضرباً شدیداً وکذا لو قال صلیت بکم لمدۃ علی غیر وضوء وھو ماجن لا یقبل قولہ وان لم یکن کذٰلک واحتمل انہ قال علی وجہ التورع والاحتیاط اعادوا صلوٰتھم وکذا اذا قال کان فی ثوبی قذر کذا فی الخلاصۃ وکذا اذا بان ان الامام کافر او مجنون او امرأۃ او خنثیٰ الیٰ آخرہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۸۶) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون (فتاوی ہندیۃ ج۱ ص۸۵ باب الامامۃ الفصل الثالث) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۴۵)

[2] قال الحصکفیؒ (واذا ظھر حدث امامہ) وکذا کل مفسد فی رای مقتد (بطلت فیلزم اعادتھا) لتضمنھا صلوٰۃ المؤتم صحۃ وفسادا (کما یلزم الامام اخبار القوم اذا امّھم وھو محدث او جنب) او فاقد شرط او رکن وھل علیھم اعادتھا ان عدلا نعم والا ندبت وقیل لا لفسقہ باعترافہ ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلوٰۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ (بالقدر الممکن) بلسانہ او رکتاب او رسول علی الاصح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۳۴۰ باب الامامۃ)۔ ومثلہ فی الخلاصۃ ج ۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر)

صاحبِ علم کے ہوتے ہوئے چند پاروں کے حافظ کی اقتداء

سوال:- ایک شخص چند پاروں کا حافظ ہے صاحبِ علم کے ہوتے ہوئے وہ امامت کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: امامت کے لیے مستقل علوم دینیہ سے فراغت ضروری نہیں، جب قرأت پر قدرت رکھنے کے بعد نماز کے مسائل سے واقف ہو تو عالم دین کے ہوتے ہوئے اس کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ عالم دین امامت کرائیں بشرطیکہ موصوف حافظ مسجد کا مستقل امام نہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقرأة والسلامة من الاعذار کالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۵۰ باب الامامة) له

عورتوں کی جماعت کا حکم

سوال:- عورتوں کی مستقل جماعت کا کیا حکم ہے؟ اگر کہیں جماعت کا اتفاق ہوجائے تو امامت کرانے والی عورت کہاں کھڑی ہوگی؟

الجواب:- صرف عورتوں کی مستقل جماعت مکروہ تحریمی ہے، اس کے باوجود بھی اگر عورتیں باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو امامت کرانے والی عورت درمیان میں کھڑی ہوگی مردوں کی طرح صف کے آگے نہیں رہے گی اور اگر عورت مرد امام کی طرح صف کے آگے کھڑی ہوگی

له قال الشرنبلالیؒ: شروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام وهو شرط عام فلا تصح امامة منکر البعث او خلافة الصدیقؓ او صحبته او یسب الشیخین او ینکر الشفاعة او نحو ذلك من یظهر الاسلام مع ظهور صفة المکفرة له (والبلوغ) لان صلوٰة الصبی نفل ونفله لا یلزمه (والعقل) لعدم صحة صلاته بعدمه کالسکران (والذکورة) خرج به المرأة للامر بتاخیرهن والخنثی امرأة فلا یقتدی به غیرها (والقراءة) بحفظ آیة تصح بها الصلوٰة علی الخلاف (و) السادس (السلامة من الاعذار) فان المعذور صلوته ضروریة فلا یصح اقتداء غیره به۔ (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی ص۱۵۶ باب الامامة)

تو یہ گناہ ہے، تاہم علامہ عینیؒ، ابن الہمامؒ اور شیخ عبدالحی صاحبؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق جماعۃ النساء خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ (و) یکرہ تحریماً (جماعۃ النساء) ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ جنازۃ (لانہا لم تشرع مکررۃ (فان فعلن تقف الامام وسطہن) فلو قدمت اثمت۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۵ باب الامامۃ)

ولما قال الشیخ ابن الہمامؒ: ولا یخفی ما فیہ وبتقدیر التسلیم فانما یفید نسخ السنیۃ وھو لا یستلزم ثبوت کراھۃ التحریم فی الفعل بل التنزیۃ مرجعھا الی خلاف الاولیٰ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷ باب الامامۃ)[1]

ضعیف امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص ضعف وکمزوری کی وجہ سے نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں دقت محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات اس کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، کیا شرعاً ایسے امام کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر ضعف وکمزوری نماز کے کسی رکن کے لیے مُضر نہ ہو تو محض کمزوری کی وجہ سے اقتداء میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر تکبیرات وسلام سننے میں تکلیف ہو تو مکبّر کی تقرری سے اس کا ازالہ ممکن ہے، تاہم خود امام کے لیے چاہیئے کہ وہ یہ ذمہ داری کسی ایسے باصلاحیت شخص کے سپرد کردے جو اہلِ محلہ کے نزدیک باعتماد ہو۔

قال ابن نجیمؒ: واشار الی ان اقتداء القاعد خلف مثلہ جائز اتفاقاً وکذا الاقتداء بالاعرج أو من بقدمہ عوج وان کان

---

[1] وفی الہندیۃ: ویکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوٰۃ کلہا من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰۃ الجنازۃ ھکذا فی النہایۃ۔ فان فعلن وقفت الامام وسطہن وبقیامہا وسطہن لا تزول الکراھۃ وان تقدمت علیہن امامہن لم تفسد صلوٰتہن ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ وصلاتہن فرادیٰ افضل ھکذا فی الخلاصۃ ج ۱ ص ۸۵ باب الامامۃ۔ ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۱ باب الامامۃ۔

قال العلامۃ العینیؒ:۔ فالاولیٰ ان یصلین وحدھن وان صلین بجماعۃ قامت امامہن وسطہن وان تقدمت جاز۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج ۲ ص ۳۹۲)

غیرہ اولیٰ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۸۷ باب الامامۃ) لہ

پاؤں سے معذور امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کا امام دونوں پاؤں سے معذور ہے اٹھنے بیٹھنے میں اس کو دوسرے شخص کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام قاعد (بیٹھا) ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں نماز جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر کوئی صحیح سلامت شخص امامت کے لیے نہ ملے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہ نسبت انفرادی نماز پڑھنے کے بہتر ہے۔

کما فی الهندیة: ویصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع ویسجد لا اقتداء الراکع والساجد بالمومی هکذا فی فتاوٰی قاضی خان وفیه ایضاً ولو کان لقدم الامام عوج وقام علی بعضها یجوز وغیره اولیٰ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ) ۲ہ

پاؤں پر صحیح طریقہ سے کھڑا نہ ہونے والے کی اقتداء

سوال:۔ کسی شخص کے پاؤں میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ صحیح طریقہ سے اٹھنے اور کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر پاؤں کی معذوری اس درجہ کی ہو کہ اس پر کھڑا ہونے کی قدرت نہیں رکھتا ہو بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو تو اس کی اقتداء اس جیسے لوگوں کے لیے جائز ہے، البتہ کھڑے ہونے پر قادر لوگوں کے لیے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں، البتہ اگر پاؤں میں عذر کی وجہ سے مکمل قیام ممکن نہ ہو لیکن پھر بھی پاؤں کے کچھ حصے یا ایک قدم پر کھڑا ہو سکے تو اس کی اقتداء جائز ہے بشرطیکہ وہ رکوع اور سجدہ پر قدرت رکھتا ہو، تاہم اس کی جگہ کسی صحیح امام کی

لہ قال الحصکفیؒ: (وقائم باحدب) وان بلغ حدبه الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیره اولیٰ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۶۱ باب الامامۃ)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ۔

۲ہ قال الحصکفیؒ: (وقائم بقاعد) یرکع ویسجد لانه صلی الله علیه وسلم صلی آخر صلوٰته قاعداً وهم قیام (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۶۵ باب الامامۃ وفیه غیره اولیٰ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۸۶ باب الامامۃ۔

اقتداء بہتر ہے۔

کما فی الھندیۃ: ویصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع ویسجد لا اقتداء الراکع والساجد بالمومی۔ ھکذا فی فتاوی قاضی خان وفیہ ایضاً ولو کان لقدم الامام عوج وقام علی بعضھا یجوز وغیرہ اولیٰ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ) لہ

جس امام کے گھر میں شرعی حجاب نہ ہو اس کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن اس کے گھر میں پردہ کی رعایت کے بغیر عام لوگوں کی آمدورفت آزادی کے ساتھ رہتی ہو، باوجود قدرت کے موصوف ان لوگوں کو منع بھی نہیں کرتا تو شرع میں ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر باوجود قدرت ہونے کے اپنے گھر کی عورتوں کو حجاب پر مجبور نہ کرے اور اس کی عورتیں بے پردگی سے گھومتی پھرتی رہیں اور موصوف باوجود علم اور قدرت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتا تو یہ شخص دیوث اور فاسق کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ (دیادیوث) ھو من لا یغار علیٰ امرأتہ او محرمہ۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۳ ص۲۰۲ باب التعزیر)

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول (ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی آکل الربا ونحو ذٰلک۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۳۷۶ باب الامامۃ) ۲ہ

دیوث کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص جس کی بیٹی یا بیوی کسی غیر محرم سے ناجائز تعلقات میں مبتلا ہو اور یہ شخص باوجود عالم ہونے کے اس پر خاموشی اختیار

لہ قال الحصکفیؒ (وقائم بقاعد) یرکع ویسجد لانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی آخر صلوٰتہ قاعداً وھم قیام۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۱ ص۴۳۵ باب الامامۃ وفیہ غیرہ اولیٰ۔ ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۶۴ باب الامامۃ۔

۲ہ وفی الھندیۃ: تجوز امامۃ الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ) ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۱۴۵۔

کرے اور بسا اوقات بالذات یا بالواسطہ ان کو ملانے میں معاونت بھی کرے، ایسے شخص کی اقتداء کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسے بے غیرتی کے افعال پر باوجود قدرت اور طاقت کے خاموش رہنا یا تعاون کرنا امورِ فسقیہ میں سے ہے جس کی اقتداء بوجہ فسق مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو منصبِ امامت سپرد کرنا اس عظیم منصب کے تقدس کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

قال الحصکفیؒ (یا دیوث) ھو من لا یغار علیٰ امرأته او محرمه۔
(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۳ ص۲۰۲ باب التعزیر)

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول (ویکرہ امامة عبد و اعرابی و فاسق) ای من الفسق وھو الخروج من الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی اکل الربا ونحو ذلك۔ (رد المحتار علیٰ الدر المختار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة)[1]

مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتداء کا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مُردے کو غسل دینا حقوق المسلمین کا ایک شعبہ ہے بذاتِ خود اس میں کوئی تذلیل یا تحقیر نہیں پائی جاتی لیکن اگر کسی علاقہ میں پیشہ ور غسال کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو اور اس کی تقدیم تنفیرِ جماعت کا سبب بنتا ہو تو پھر ایسے شخص کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر حقوق المسلمین سمجھ کر بغیر کسی اجرت کے کوئی شخص کسی مُردے کو غسل دے دے یا بغیر اجرت کے غسل دینے والے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہو تو اس سے اس کی شرعی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، اندریں صورت ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ ، والافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمة غیرہ والا لا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۱ ص۶۳۴ کتاب الجنائز)[2]

---

[1] وفی الھندیة تجوز امامة الاعرابی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۸۵ باب الامامة) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۴۵۔

[2] قال المرغینانیؒ: ویکرہ تقدیم العبد۔۔۔ ولان فی تقدیم ھؤلاء تنفیر الجماعة فیکرہ۔
(الھدایة ج۱ ص۱۲۲ باب الامامة)

احمد رضا خان کے معتقد کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن عقائد و نظریات کے لحاظ سے احمد رضا خان بریلوی کے مسلک سے تعلق رکھتا ہے، کیا ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس کے پیچھے اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اکثر بریلوی مسلک کے عقائد ایسے نہیں ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتے ہوں، اگر بعض کے ایسے عقائد بھی ہوں تو ان میں بھی تاویل ہو سکتی ہے کیونکہ کفر پر ایمان کی وجوہات کو ترجیح دی جائے گی، البتہ ان عقائد کی وجہ سے یہ مبتدع شمار ہوگا، لہٰذا مبتدع ہونے کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، تاہم احتراز میں احتیاط زیادہ ہے۔

قال الحصکفیؒ (ویکرہ مبتدع) ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا (لا یکفر بہا)

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [1]

غیر شرعی افعال کے مرتکب کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ کیا اس شخص کی اقتداء جائز ہے جو کئی ایسے غیر شرعی افعال کا اعلانیہ ارتکاب کر رہا ہو جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو مثلاً چوری کرنا، کسی کا حق غصب کرنا، جھوٹ بولنا، غیر محرم عورتوں سے میل جول، بے ریش لڑکوں سے بلا ضرورت اختلاط وغیرہ، اور وہ شرعی احکام کے تقدس اور عظمت کی رعایت بھی نہ کرتا ہو، بے حیائی کی مجالس میں اس کی آمد ورفت ہو، سینما گھروں میں آنا جانا ہو، یہاں تک کہ بعض اوقات سینما گھروں میں رسمی طریقہ پر ختم قرآن بھی کراتا ہو؟

الجواب:۔ یہ سب کام امور فسقیہ ہیں جب تک اس شخص کا یہ کردار ہو یا اس میں یہ افعال موجود ہوں تو اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، اس کی جگہ کسی نیک شخص کی اقتداء کرنی چاہیئے، البتہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: تحت ھذا القول (اما المبتدع) وعرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبہۃ واستحسان وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً واطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع ھو من اھل قبلتنا وقیدہ فی المحیط والخلاصۃ والمجتبیٰ وغیرھا بان لا تکون بدعتہ تکفرہ فان کانت تکفرہ فالصلاۃ خلفہ لا تجوز (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۹ باب الامامۃ)
ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۸۴ باب الامامۃ۔

اگر وہ توبہ کرے تو اسکے بعد اسکی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول (ویکره امامة عبد واعرابي وفاسق) ای من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزاني وآکل الربا ونحو ذٰلك۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۶ باب الامامة) [1]

داڑھی منڈوانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک حافظِ قرآن سال بھر داڑھی منڈاتا ہے صرف رمضان آنے پر نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے داڑھی رکھ لیتا ہے، اپنی داڑھی منڈوانے کے لیے وہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ ابھی میرے چہرے پر پورے طریقہ سے داڑھی نہیں آئی ہے جب پوری داڑھی آئے گی تو رکھوں گا، فی الحال یہ داڑھی بدنما لگتی ہے اسی عذر کی بناء پر داڑھی منڈواتا ہوں، کیا عند الشرع ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ داڑھی خواہ ناقص ہو یا مکمل ہر صورت میں منڈوانا ناجائز اور حرام ہے، داڑھی منڈوانے کے لیے مذکورہ عذر پیش کرنا سنتِ رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی خواہش کی تابعداری کے مترادف ہے، ایسے امام کی اقتداء دیگر فساق وفجور کے حکم میں ہو کر مکروہ تحریمی ہے جب رمضان سے قبل اور بعد میں داڑھی نہ رکھتا ہو صرف رمضان میں داڑھی کی حجامت سے باز رہنے کو داڑھی کا رکھنا نہیں کہا جا سکتا ہے، تاہم اگر رمضان سے قبل مستقل طور پر توبہ تائب ہوکر آئندہ کیلئے داڑھی رکھنے اور پھر کبھی نہ منڈوانے کا عزم کرے تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لا یهتم لامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعًا۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۶ باب الامامة) [2]

****

[1] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابي والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هٰکذا فی المتون۔ (فتاوٰی هندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامة)

[2] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابي والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هٰکذا فی المتون۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۸۵ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیره) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۸ باب الامامة۔

امام مسجد کا عشاء کے وتر پڑھے بغیر نمازِ فجر پڑھانا

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب نے نمازِ عشاء کے وتر نہ پڑھے اور صبح کو علم ہونے کے باوجود کہ میں نے وتر نہیں پڑھے تھے نمازِ فجر کے علاوہ اور بھی نمازوں کی امامت کرائی، ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ قضاء شدہ وتر کے یاد آنے کے باوجود امام صاحب نے جو نمازیں پڑھائیں وہ تب فاسد ہوں گی جب قضاء شدہ وتروں کو پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے کے اندر اندر قضا کیا ہو، اگر پانچویں نماز کا وقت خارج ہونے کے بعد قضاء شدہ وتر نماز ادا کی ہو تو پھر یہ نمازیں فاسد نہ ہوں گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (فلم يجز) تفريع على اللزوم (فجر من تذكر أنه لم يوتر- (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۸۸ باب قضاء الفوائت مطلب في تعريف الاعادة)

قال العلامة ابن عابدينؒ: وفساد اصل الصلوٰة موقوف عند ابي حنيفةؒ سواء ظن وجوب الترتيب، اوّلا فان كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستا ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التي هي سادسة الفوائت الخ وفي رد المحتار: قوله (فان كثرت) اى الصلوٰة التي صلاها تاركاً فيها الترتيب بان صلاها قبل قضاء الفائتة ذاكراً لها وهذا التفريع لبيان قوله موقوف وتوضيحه انه اذا فاتته صلوٰة ولو وتراً فكلما صلى بعدها وقتية وهو ذاكر لتلك الفائتة فان قضاها بعد ان يصلي بعدها خمس صلوٰة صار الفساد باتاً وانقلبت الصلوٰة التي صلاها قبل قضاء المقضية نفلاً وان لم يقضها حتى خرج وقت الخامسة وصارت الفواسد مع الفائتة ستاً انقلبت صحيحة لانه ظهرت كثرتها ودخلت في حد التكرار المسقط للترتيب وبيان وجه ذلك في البحر وغيره- (ردّ المحتار على الدر المختار ج۱ ص۴۹۱ باب قضاء الفوائت، تحت مطلب في تعريف الاعادة) [1]

---

[1] وفي الهندية: فالاصل ان عند ابي حنيفةؒ مراعاة الترتيب بين الفائتة والوقتية كما تسقط بكثرة الفوائت تسقط بكثرة المؤدّى كذا في المحيط۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۲۴ الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

کسی پر بہتان لگانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی پر بہتان لگایا کہ تو نے اپنے بھائی کی بیوی سے بُرا فعل کیا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے، شرعی اعتبار سے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب:- بشرط صحت سوال اگر واقعی یہ بہتان ہو اور اس شخص نے توبہ نہ کی ہو تو پھر بہتان لگانے کی وجہ سے یہ شخص فاسق ہو گیا ہے اور صالحین کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اکیلے نماز پڑھنے سے کسی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

لما فی الهندیة: ولو صلّی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لا ینال مثل ما ینال خلف تقی کذا فی الخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۴ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیره) ؎۱

پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص کا ہاتھ زخمی ہو اور اس نے اس پر پٹی باندھ رکھی ہو اور وہ وضو کرتے وقت پٹی پر مسح کرتا ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اعذار شرعاً مقبول ہیں، اگر یہ شخص عذر شرعی کی بناء پر پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھاتا ہو اور اس زخم سے از خود پیپ وغیرہ نہ بہتی ہو تو فقہی ذخائر کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء درست ہے اور نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: ویجوز اقتداء الغاسل بماسح الخف وبالماسح علی الجبیرة وکذا امامة المفتصد لغیره من الاصحاء اذا کان یأمن خروج الدم۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۴ فصل فی من یصلح اماما لغیره) ؎۲

؎۱ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو صلّی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لا ینال مثل ما ینال خلف تقی۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۵۰ الفصل الخامس عشر فی الامامة والاقتداء)

؎۲ قال العلامة حسن بن عمارؒ، وصح اقتداء غاسل بماسح علی الخف والجبیرة او خرقة قرحة لا یسیل منها شیء۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۱۶۱ باب الامامة)

صدقۃ الفطر جبراً وصول کرنے اور لوگوں کو مسجد سے منع کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک پیش امام نے ایک مولوی صاحب کو اپنی مسجد سے اس سبب سے منع کر دیا کہ وہ بچوں کو قرآن مجید کا درس دے رہے تھے، پیش امام نے مولوی صاحب کا درس قرآن مجید اپنی مسجد میں اس لیے بند کر دیا کیونکہ اسے یہ خدشہ تھا کہ وہ مجھ سے امامت چھین لے گا، اس پر لوگ اس سے ناراض ہو گئے۔ دوسرا اس کے مقتدیوں کا قول ہے کہ یہ امام دل میں بہت زیادہ بغض رکھتا ہے۔ تیسرا اس کا یہ معمول ہے کہ خواہ کوئی غریب ہو یا امیر سب سے جبراً صدقۃ الفطر وصول کرتا ہے، اگر کوئی نہ دے تو اس کو نماز میں اپنے پیچھے کھڑا ہونے سے منع کر دیتا ہے۔ اب اس کے اس سخت رویہ کی وجہ سے تمام مقتدی اس سے بھاگ گئے ہیں اور صرف دو آدمی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ایسے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بصورت کراہیت ہے یا عدم کراہیت؟ اور لوگ پیش امام کے اس سخت رویہ کی وجہ سے اپنی مسجد چھوڑ کر تقریباً تین ماہ سے دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو کیا وہ گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب :- شریعت کی رو سے امام دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جسے محکمہ اوقاف یا خود واقف نے منصب امامت پر اسے مقرر کیا ہو اور وقف کی آمدنی سے اس کے لیے وظیفہ بصورت تنخواہ امامت مقرر کیا گیا ہو، ایسے امام کو فقہائے احناف نے اہل وظائف میں شمار کیا ہے۔ اور اس کو وہ امام الحل اور منصوب الواقف کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں اور کبھی اسے ذو وظیفہ بھی کہتے ہیں، ایسے پیش امام کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اسے شرعی مجرم یا نا اہلی کے بغیر معزول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، فلا یحل للقاضی عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ ولو لم یصح۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۳۷)

دوسری قسم کا پیش امام وہ ہے جسے اہل محلہ نے امام مقرر کیا ہو اور اہل محلہ ہی اسے اپنی آمدنیوں سے تنخواہ بصورت اجرت امامت دے رہے ہوں تو ایسے پیش امام کو نہ تو اہل وظائف میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے عزل کا وہ حکم ہے جو پہلی قسم کے

امام کا ذکر اوپر کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت محض اجیرِ خاص کی ہے اور قوم کے ساتھ عہدِ امامت ایک عقدِ اجارہ ہے، لہٰذا ایسے پیش امام پر اجیرِ خاص کے اور اس کی امامت پر عقدِ اجارہ کے احکام جاری ہوں گے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:-

ابتدائی تقرر: فقہاء کرام نے اس کے ابتدائی انتخاب اور تقرر کے بارے میں یہ تصریحات ذکر کی ہیں کہ اگر قوم اور اہلِ محلہ سب اس کی امامت پر متفق ہوں تو بلا کسی نزاع کے اسے منتخب کیا جائے گا۔ اور اگر قوم میں اس کے انتخاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کا اعتبار کیا جائے گا۔

درمختار ج ا صہ ۵۲۳ میں جہاں احقیت الامامت پر بحث کی گئی ہے وہاں یہ لکھا گیا ہے: والاحق بالامامة تقدیمًا بل نصبًا الاعلم باحکام الصلوٰة الخ فان استووا فیقرع او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم — اس عبارت میں صراحۃً یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ نصب الامام میں اگر قوم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کی رائے پر عمل کیا جائے گا اور اس کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اکثریت اس کے تقرر اور انتخاب پر متفق ہو تو اسے امام منتخب کیا جائے گا ورنہ نہیں — باقی رہا اس کے عزل کا مسئلہ تو اس کے بارے میں مسلمہ قواعد کی روشنی میں شرعی حکم یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے ابتدائی تقرر اور انتخاب میں اکثریت کی رائے معتبر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر اس کے عزل میں اختلاف واقع ہو جائے تو اکثریت کی رائے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس میں بھی اگر اکثریت اس کے عزل پر متفق ہو تو اسے معزول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قوم کے لیے ہر حالت میں پیش امام کو معزول کرنا جائز ہے اور اس میں شرعاً کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کسی شرعی نقص اور عیب کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا تو عزل کا فیصلہ بھی نافذ ہے اور اگر اس میں کوئی شرعی عیب بھی نہیں ہے اور اسے ذاتی عناد یا کسی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر معزول کر دیا گیا تو قوم کا یہ اقدام جرم اور شرعاً گناہ ہے مگر عزل کا فیصلہ نافذ ہوگا اور پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا، اور کسی فعل کے جرم اور گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے سے نافذ اور کسی درجہ میں معتبر ہی نہ ہو اس لیے فقہاء کے مسلمات میں بکثرت نظائر موجود ہیں: (۱) قاضی کا کسی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کر دینا (۲) افیون کی بیع (۳) قربانی کی کھالوں کی بیع۔ پس اس طرح

شرعی جرم اور نقص کے بغیر اگر قوم نے پیش امام کے عزل کا فیصلہ کر دیا تو اگرچہ قوم اس فیصلہ کی وجہ سے گناہ گار ہوگی مگر عزل کا فیصلہ بہر حال نافذ ہوگا اور پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا اس کیلئے فقہاء کے مسلمات کی روشنی میں وجوہات مندرجہ ذیل ہیں :-

وجہ اوّل، عقدِ امامت ایک قسم کا عقد اجارہ ہے، اور جب قوم کل یا اس کی اکثریت اس عقد پر امضا کرنے کے لیے تیار نہ ہو، اور کسی صورت میں اس کو امام نہیں رکھنا چاہتی ہو تو ایسی صورت اور حالت میں ظاہر ہے کہ عقد امامت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، لوگ نماز باجماعت کو یا تو اکثر چھوڑ دیں گے یا ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو دو جماعتیں مختلف اماموں سے کرائی جائیں گی اور یہ طرزِ عمل امامت کے اصل مقصد اور غرض وغایت ہی کے منافی اور جڑ کو کاٹ دینے والا ہے۔ اور ایسے مواقع میں بارہا اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے، فساد کا بھی قوی ذریعہ ہے۔

وجہ دوم: اور جب اس اجارے کا اصل مقصد اس صورت میں حاصل نہیں بلکہ فوت ہو جاتا ہے، تو چاہیئے کہ یہ اجارہ فسخ کر کے امام مذکور کو معزول کر دیا جائے اور کسی دوسرے صالح اور دیندار پیش امام کا انتخاب کیا جائے کہ جس پر قوم متفق ہو تا کہ امامت کا اصل مقصد جو کہ اقامتِ جماعت ہے فوت نہ ہونے پائے ـــــ ایسی صورتوں میں فقہاء کرام نے فسخ اجارہ کی تصریحات کی ہیں، اس کے امثلہ کتب فقہ میں "کتاب الاجارہ" کے عنوان سے موجود ہیں، وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

وجہ سوم: عزل کو ابتدائی تقرر پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کل قوم یا اس کی اکثریت درصورت اختلاف معزول کرنے کی مجاز ہے اور اس کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قوم کی اکثریت پیش امام کی مخالف ہو اور نماز پڑھنا اس کے پیچھے چھوڑ دے تو امام کو امامت کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ قال احمدؒ: اذا کرھہ واحد او اثنان او ثلاثة فلہ ان یصلی بھم حتی یکرھہ اکثر الجماعة۔ الخ (مرقاة)

احناف نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم احناف بھی اس کے مخالف نہیں ہیں، نیز فقہائے احناف رحمہم اللہ نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ اگر پیش امام میں کوئی شرعی عیب ہو اور اس

وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں تو گناہ امام پر ہے، اور اگر امام میں کوئی شرعی عیب نہ ہو اور مقتدی بلا وجہ اس سے ناراض ہوکر دوسری جگہ نماز پڑھتے ہوں تو گناہ اُن پر ہے۔

ولو أمّ قومًا وهم لهٗ كارهون- إن الكراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه كره لهٗ ذلك تحريمًا لحديث ابى داؤد لايقبل الله صلوٰة من تقدم قومًا وهم لهٗ كارهون وان هو احق لا والكراهة عليهم۔

(الدر المختار بهامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۳)

اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ مذکورہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیش امام صاحب کی حیثیت دوسرے قسم کے پیش امام کی ہے جو اجیرِ خاص کے حکم میں ہے، اور پہلی قسم کے امام کی نہیں کہ اس کو اہلِ وظائف میں شمار کیا جاسکے۔ اور مسئولہ عنہ پیش امام کے وہ نقائص جس کی وجہ سے تمام قوم اس سے ناراض ہوکر دوسری مسجدوں میں نمازیں پڑھتی ہے جس کی وجہ سے عقد امامت کا اصلی مقصد فوت ہوجاتا ہے، یہ وہ نقائص ہیں جو شرعاً معتبر ہیں، لہٰذا اگر کل قوم یا اکثریت اس عقد کو فسخ کرکے امام مذکور کو معزول کردے اور اس کی جگہ دوسرے کسی صالح اور دیندار شخص کو پیش امام مقرر کرے جس پر تمام قوم متفق ہو تو قوم کا یہ عزل نافذ ہوگا، اور اس طرح امامت کا اصل مقصد بھی فوت نہ ہونے پائے گا اور قوم بھی گنہگار نہ ہوگی، کیونکہ یہ عزل بوجہ نقصِ شرعی کے ہوگا۔ اور اگر مذکورہ پیش امام صاحب باوجود کل قوم یا اکثریت کے ناراض ہونے کے بدستور نمازیں پڑھانے پر بضد ہو اور لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ دوسری مسجدوں میں پڑھیں تو گناہ پیش امام پر ہے قوم پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

باب القرأۃ

(قرأت کے احکام ومسائل)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم میں اِتصال ہے یا اِنفصال

سوال: سورۃ الفاتحہ میں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے مابین وصل یا فصل کرنے میں کون سا طریقہ بہتر ہے؟

الجواب: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم میں اتصال وانفصال دونوں طریقے جائز ہیں، اس سے نماز میں کوئی کراہیت یا فساد لازم نہیں آتا۔ البتہ قرأت میں اتصال وانفصال کی تفسیر وتفصیل قراء حضرات سے پوچھی جائے۔

وصل حرف من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اُخری نحو ان قرأ ایاکنعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیہم ووصل الباء بالعین او سمع اللہ لمن حمدہ ووصل الھاء من اللہ بالام فالصحیح انہ لا یفسد ولو تعمد ذٰلک۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۱۲ باب فی زلۃ القاری)[1]

انا کو ان اور ارسلنا کو ارسلن پڑھنا

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب ہمیشہ قرأت میں غلطی کرتے ہیں، مثلاً قرأت کرتے وقت کئی ایسے مقام جہاں لفظ اِنَّا ہوتا ہے لیکن ہمارے مولوی صاحب اِنْ پڑھتے ہیں، ایسے ہی اَرْسَلْنَا کے بجائے ارسلن پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اغلاط کرتے ہیں۔ کیا ان اغلاط کی وجہ سے نماز میں کوئی فساد تو نہیں آتا؟

الجواب: اگر قرآن مجید کے الفاظ میں کمی اور زیادتی سے معنیٰ میں تغیر نہ آئے تو نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ قاری کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنی قرأت کو درست کرے۔

---

[1] فی الھندیۃ: ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخریٰ نحو ان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیھم ووصل الباء بالعین او سمع اللہ لمن حمدہ ووصل الھاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد وکذا لو تعمد ذٰلک۔
(الھندیۃ ج۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلۃ القاری)

چونکہ صورتِ مسئولہ میں جمع متکلم کا صیغہ جمع مؤنث غائب کا بنتا ہے جو فسادِ معنیٰ کو مستلزم ہے جس کی بنا پر نماز فاسد ہوجائے گی، لیکن اگر سامع کے سننے میں جمع مؤنث کا صیغہ ہو لیکن قاری صاحب نے جمع متکلم پڑھا ہو تو اس صورت میں نماز بلا کراہت درست ہے تاہم قرأت کو وضاحت سے پڑھنا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ: ومنها القرأۃ بالالحان ان غیر المعنیٰ والا لا الا فی حرف مد ولین..... فلو فی اعراب او تخفیف مشدد وعکسہ او بزیادۃ حرف۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۱ ص۶۳۰ باب ما یفسد الصلوٰۃ) [۱]

فرض نماز میں تکرارِ سورۃ

سوال:- ایک مسجد کے امام صاحب نے فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اخلاص پڑھی، کیا ایسا کرنے سے نماز پر کچھ اثر پڑے گا؟

الجواب:- نوافل میں تکرارِ سورۃ جائز لیکن غیر اولیٰ ہے، البتہ فرائض میں تکرارِ سورۃ مکروہ تنزیہی ہے، اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ۔

قال ابن عابدینؒ: افاد انہ یکرہ تنزیھاً وعلیہ یحمل جزم القنیۃ بالکراھۃ ویحمل فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لذٰلک علیٰ بیان الجواز ھٰذا اذا لم یضطر۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۴۶ باب القرأۃ) [۲]

---

[۱] اما ان قرأ حرفاً مکان حرف او زاد حرفاً او نقص او قدم المؤخر او اخر المقدم واما ان کان کلمۃ مکان کلمۃ او زاد کلمۃ او نقص او قدم او اخر واما ان قرأ اٰیۃ مکان اٰیۃ او نقص او زاد مقدم المؤخر او اخر المقدم اما اذا قرأ حرفاً مکان حرف ولم یغیر المعنیٰ بان قرأ ان المسلمون لا یفسد۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی عشر زلۃ القاری)

ومثلہ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلۃ القاری۔

[۲] وفی الاصل اذا قرأ سورۃ واحدۃ فی رکعتین اختلف المشائخ رحمھم اللہ فیہ والاصح انہ لا یکرہ ولکن لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا بأس بہ۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۹۶ الفصل الحادی عشر فی القرأۃ)

مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ کا پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب اکثر مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھتے ہیں، جبکہ عام کتابوں میں مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ کیا مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں بہتر یہ ہے کہ امام صاحب مقتدیوں کی رعایت رکھ کر قرأت کریں کیونکہ مقتدیوں میں سے بعض بیمار اور کمزور بھی ہوتے ہیں، اس لیے فقہاء کرام نے نماز میں طوالتِ قرأت کو مکروہ جانا ہے، البتہ طویل قرأت سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں کئی مرتبہ سورۃ الطور اور سورۃ المرسلات پڑھی ہے۔

لما قال العلامۃ حسن بن الحسن الشرنبلالی: وکرہ للامام تطویل الصلوٰۃ لما فیہ من تنفیر الجماعۃ لقولہ علیہ السلام من اَمَّ فلیخفف ــــ قال العلامۃ احمد الطحطاوی تحت قول تطویل الصلاۃ بقرأۃ او تسبیح او غیرھما۔

(الطحطاوی ص۲۴۶ باب الامامۃ) [۱]

عن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔

عن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالمغرب بالمرسلٰت۔ (الصحیح المسلم ج۱ ص۱۸۷ باب القرأۃ فی المغرب) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکرہ تحریماً تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائداً علی قدر السنۃ فی قرأۃ واذکار رضی القوم ام لا لاطلاق الامر بالتخفیف۔
(رد المحتار ج۱ ص۵۶۴ باب الامامۃ)

[۲] وعن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔
وعن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالمرسلٰت۔ (کلاھما فی البخاری ج۱ ص۱۰۵ باب الجھر فی المغرب)
ومثلہ فی المشکوٰۃ ج۱ ص۷۹ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ ــ ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۸۷

سورۃ اور تکبیر میں وصل کرنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب آخری دس سورتوں میں سے جب بھی کوئی ایک سورۃ نماز میں پڑھتے ہیں تو رکوع میں جاتے وقت تکبیر کو سورۃ سے ملا کر کہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا غلطی ہے بلکہ جب سورۃ کے آخر میں پہنچا جائے تو سورۃ کے آخر اور تکبیر کے درمیان نؔ وقایۃ کی زیادتی کی جائے، بغیر نؔ زائد کرنے کے پڑھنا صحیح نہیں، جبکہ ہمارے امام صاحب جواز کے قائل ہیں۔ کیا وصل کے وقت نؔ کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے اس طور پر ملا کر پڑھنا جس سے معنیٰ میں فساد پیدا ہو درست نہیں اور اگر فساد کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، لہٰذا اللہ اکبر کو سورۃ کے آخری لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا عدم فسادِ معنیٰ کی وجہ سے جائز ہے، البتہ وصل کی صورت میں نُون وقایہ قرأت کے قواعد کی بناء پر پڑھا جائے گا۔ تاہم چونکہ اس صورت میں اللہ اکبر کا سورۃ کے جزو ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے بغیر ملائے پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ان وصل حرف من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخریٰ نحو ان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون اوغیرا لمغضوب ووصل البا بالعین اوسمع اللہ لمن حمدہ ووصل الهاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد وکذا او تعمد ذٰلک۔
(خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۱۱۲ زلۃ القاری) [1]

قرأت کی تقدیم وتاخیر

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ مریم کی کچھ آیات تلاوت کیں جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ البقرہ سے کچھ آیات کی قرأت کی۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے کہ آیات میں تقدیم کر دی جائے یا بعض میں تاخیر کر کے پڑھی جائیں؟

الجواب:۔ قرآن مجید کی بالترتیب تلاوت کرنا آدابِ تلاوت میں سے ہے اسلئے

---

[1] وفی الهندیۃ: ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخریٰ نحو ان قرأ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ووصل الکاف بالنون اوغَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ووصل الیاء بالعین اوسَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ووصل الهاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا تفسد ولو تعمد ذٰلک۔
(الفتاوٰی الهندیۃ ج۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلۃ القاری)

محققین فقہاء کے ہاں قرآن کریم کی منکوس تلاوت مطلقاً مکروہ ہے، صرف بچوں کی تعلیم کے لیے منکوس تلاوت بلاکراہت جائز ہے۔
اگرچہ بعض فقہاء نے داخل صلوٰۃ منکوس تلاوت کرتے میں فرائض یا نوافل کا کچھ فرق کیا ہے لیکن محققین کے ہاں مطلقاً منکوس تلاوت چاہے داخل نماز ہو یا خارج نماز، کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة عمار بن حسن الشرنبلالی: ویکرہ قرأۃ سورۃ فوق التی قرأھا۔ قال ابن مسعودؓ: من قرأ القرآن منکوساً فھو منکوس وما شرع لتعلیم الاطفال الا لتیسیر الحفظ بقصر السور۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۶ باب مکروھات الصلوٰۃ)[1]

فجر کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھنا

سوال:۔ دیہات میں معمولی علم رکھنے والے بعض ائمہ مساجد کو قرآن مجید کی چند مختصر سورتیں یاد ہوتی ہیں بڑی سورتیں یاد نہیں ہوتیں۔ تو کیا فجر کی نماز ان چھوٹی سورتوں سے پڑھائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فجر کی نماز میں مستحب یہ ہے کہ اسفار میں نماز شروع کرے، کم از کم چالیس آیات کی مقدار کے مطابق قرأت کرے۔ اگر نماز میں کچھ فساد ہو جائے تو دوبارہ سُنت کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ سکے، اگر اتنی تاخیر کی جائے کہ اس سے نماز میں فساد آجائے تو دوبارہ اسے استحباب کے طریقہ سے نہ پڑھی جا سکے، اچھا نہیں سمجھا گیا۔
البتہ اگر کوئی چھوٹی سورتیں پڑھتا ہے اور اس پر اُس کا دوام ہے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین پر فجر کی نماز پڑھائی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ فی الجامع الصغیر: یقرأ فی الفجر فی الرکعتین

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوساً۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قولہ وان یقرأ منکوساً) بان یقرأ فی الثانیة سورۃ الاعلیٰ مما قرأ فی الاولیٰ الان لترتیب السورۃ فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جواز الصغار تسھیلاً لضرورۃ التعلیم۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۴۶ فصل فی القراءۃ، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۱ ص۲۹۹ باب صفة الصلوٰۃ۔

سورۃ الفاتحۃ وقدرہ اربعین اوخمسین واختصر فی الاصل علی الاربعین۔ الخ
(ردالمحتار ج ۱ ص۵۴۰ فصل فی القرأۃ)

وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: کما ذکر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بالمعوذتین فی الفجر۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۵۶۵ باب الامامۃ۔ مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی۔ الخ) [1]

قرآن مجید کا بہت تیز پڑھنا

سوال:۔ بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب فرض نماز اور خصوصاً تراویح میں، اسی طرح بعض لوگ انفراداً بہت تیز قرأۃ کرتے ہیں اور بہت جلد نماز سے فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ قرآن مجید کو اگر تیز روانگی سے پڑھا جائے بشرطیکہ تلفظ صحیح ہو اور حروف میں کوئی کمی نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اتنا تیز پڑھنا کہ جس سے الفاظ میں غلطی یا کمی بیشی پیدا ہو جائے جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویجتنب المنکرات ھذ الامۃ القرأۃ۔
قال ابن عابدینؒ: ای سرعۃ الکلام والقرأۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۷ فصل فی التراویح) [2]

---

[1] قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی: واختلف الاٰثار فی حد ما یقرأ فی کل صلوٰۃ وفی الجامع الصغیر انہ یقرأ فی الفجر فی الرکعتین جمیعاً اربعین اوخمسین اوستین اٰیۃ سورۃ الفاتحۃ۔ وروی الحسن ما بین ستین الی مائۃ فالمائۃ اکثر ما یقرأ فیھا والاربعون اقلہ، الخ۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی ص۲۱۳ فصل فی بیان سننھا)

قال یؤیدہ ما فی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بالمعوذتین فی الفجر فلما فرغ قالوا لہ اوجزت قال سمعت بکاء صبی۔

(طحطاوی حاشیہ مراقی ص۲۴۶ فصل فی بیان احق بالامامۃ)

ومثلہ فی البحرالرائق ج ۱ ص۳۵۱ باب الامامۃ۔ والفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۷۷ الفصل الرابع فی القرأۃ۔

[2] ویکرہ الاسراع فی القرأۃ وفی اداء الارکان کذا فی السراجیۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)

ظہر و عصر کی فرض نماز میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا

سوال:۔ ظہر و عصر کی فرض جماعت میں جبکہ امام سراً قرأت کرتا ہے، اگر مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی میں مقتدی کے لیے، چاہے امام سراً قرأت کرے یا جہراً قرأت کرے، خاموش رہنا ضروری ہے اور مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ (والموتم لا یقرأ مطلقاً) ولا الفاتحہ فی السریۃ اتفاقاً وما نسب لمحمد ضعیف کما بسطہ الکمال (فان قرأ کرہ تحریماً... (بل یستمع) اذا جہر (وینصت) اذا اسر لقول ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کنا نقرأ خلف الامام فنزل وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص ۵۴۴ فصل القرأۃ) [1]

قرأت میں امام کا حد سے تجاوز کرنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب جہری نمازوں میں اتنی بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں کہ دور دور تک سنائی دیتی ہے جبکہ مسجد میں چند ایک لوگ ہوتے ہیں، اگر امام صاحب ذرا آہستہ قرأت کریں تب بھی سب کو آسانی سے سنائی دیتی ہے۔ کیا جہری نمازوں میں حد سے زیادہ بلند آواز میں قرأت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا (امام کیلئے) واجب ہے البتہ اتنی بلند آواز سے قرأت کرنا کہ جس سے لوگ بھی تنگ ہوں اور اپنی بشری طاقت سے بھی تجاوز کرے یہ مکروہ تنزیہی ہے، احسن یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

ولا یجھد الامام نفسہ بالجھر کذا فی البحر الرائق، واذا جھر الامام فوق حاجۃ الناس

---

[1] قال الامام محمد بن الحسن الشیبانی: لا قرأۃ خلف الامام فیما جھر فیہ ولا فیما لم یجھر بذلک جاءت عامۃ الآثار وھو قول ابی حنیفۃ۔
(مؤطا امام محمدؒ ص ۹۹ باب قرأۃ الامام)
ومثلہ فی فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۴ فصل فی القرأۃ۔

فقد اساء لان الامام انما یجھر لاسماع القوم لیدبروا فی قراءته لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوھاج ۔ (الھندیة ج ۱ ص ۷۲ واجبات الصلوٰۃ)[1]

نماز میں ایک آیتِ طویلہ کا پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب نے ایک مرتبہ جہری نماز کی پہلی رکعت میں لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے اَلْمَصِیْرُ تک قراءت کی، جو دو آیتیں بنتی ہیں، اور دوسری رکعت میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الیٰ اخرہٖ تک قراءت کی جو ایک آیت بنتی ہے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ نماز نہیں ہوئی کیونکہ دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھی گئی ہے اور پہلی رکعت میں دو آیتیں، جبکہ قراءۃ کے لیے تین آیات شرط ہیں، لہٰذا اس سے نماز نہیں ہوئی۔ اعتراض کرنے والے نے اپنی نماز کا اعادہ کیا، جبکہ امام صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ نماز ہوگئی، کیونکہ نماز میں اگر ایک آیتِ طویلہ پڑھ لی جائے جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو تو اس سے نماز ہو جاتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک آیتِ طویلہ (جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو) پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قراءت کی مقدار تین آیاتِ قصیرہ یا ایک آیت طویلہ ہے، اور آیاتِ قصیرہ کی مقدار سورۃ الکوثر اور سورۃ عبس کی پہلی آیات ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ امام صاحب نے ایک آیتِ طویلہ پڑھی ہے جس کی مقدار ان دونوں سے زیادہ بنتی ہے لہٰذا اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آیا اور نہ ہی یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

اما الجواز ان قرأ فی کل رکعۃ من صلوٰتہ بآیۃ اجزاہ قصیرۃ کانت الآیۃ او طویلۃ وھو مسیئ وھٰذا عند ابی حنیفۃ وعندھما لایجزیہ مالم یقرأ فی کل

---

[1] قال السید احمد الطحطاوی: والاولیٰ ان لایجھد نفسہ بالجھر بل بقدر الطاقۃ لان اسماع بعض القوم یکفی والمستحب ان یجھر بحسب الجماعۃ فان زاد فوق حاجۃ الجماعۃ فقد اساء کما لو جھر المصلی بالاذکار قھستانی عن کشف الاصول ۔
(طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۰۲ فصل فی واجبات الصلوٰۃ)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۱ ص ۵۸۹ باب الامامۃ، مطلب فی رفع المبلغ صوتہ زیادۃ علی الحاجۃ ۔

رکعۃ ثلاث آیات قصار اوآیۃ طویلۃ وھذا قول ابی حنیفۃؒ اولیٰ۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۹۳ فصل فی القرأۃ) لہ

حرفِ ض کا صحیح تلفظ

سوال:۔ہمارے علاقہ میں لفظ (ض) کے تلفظ پر علماء کے مابین بہت سخت اختلاف ہے، حتیٰ کہ کفر و اسلام کا فرق (ض) کا پڑھنا قرار دے دیا گیا ہے۔ بعض اس حرف کو دال کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ظ کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ذال اور زا کے مشابہ پڑھتے ہیں۔ البتہ اگر صفات و مخرج کی رعایت رکھ کر اس کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو قدرے ظا کے مشابہ ہوتا ہے۔ کیا اس حرف کو مذکورہ حروف کے مشابہ پڑھ لیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت یا فساد لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔تلفظ کے دوران اگر ایک حرف کو دوسرے حرف میں تبدیل کرنے سے معنیٰ میں تغیر آتا ہو تو بالاتفاق اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر ض کو زا، ذال، دال، ظ سے بدل کر بعینہٖ دال و ظا پڑھا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر ض کو اپنے مخرج و صفات سے ادا کرنے پر کسی دوسرے لفظ کے مشابہ آواز نکل جائے لیکن صراحۃً فرق و تمیز نظر نہ آئے اور نہ ہی بلا مشقت کے ان کے درمیان میں فرق کیا جا سکے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر صراحۃً تمیز ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ الا ما یشق) قال فی الخانیۃ والخلاصۃ الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرفٍ وغیر المعنیٰ ان امکن الفصل ما بینھما بلا مشقۃ تفسد والا یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین

لہ قال الحصکفیؒ: قرأ (المصلی لو اماماً او منفرداً الفاتحۃ و) قرأ بعدھا وجوباً (سورۃ او ثلاث آیات) ولو کانت الآیۃ او الآیتان تعدل ثلاث آیات قصاراً انتفت کراھۃ التحریم ذکرہ الحلبی ولا تنتفی التنزیھیۃ الا بالمسنون۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۹۱ صفۃ الصلوٰۃ)
ومثلہ فی کبیری ص۲۷۸ باب القرأۃ۔

المهملتين والطاء مع التاء قال اکثرهم لا تفسد ۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۳۳ نزلة القاری) ؎۱

ص کی جگہ س پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی امام صِرَاطَ الَّذِیۡنَ کے بجائے سِرَاطَ الَّذِیۡنَ پڑھ لے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ ایک حرف کا دوسرے حرف سے اس طور پر بدلنا جس سے معنیٰ میں تبدیلی واقع ہوتی ہو مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن صورتِ مسئولہ میں مفسد تبدیلی نہیں بلکہ صراط بالسین بھی ایک قرأت ہے اس لیے سِرَاطَ الَّذِیۡنَ پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم صِرَاطَ پڑھنا اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی الصراط :۔ الطریق یقال ان اصله بالسین لانه من الاستراط وهو الابتلاع فالسراط کانه یسترط المارین علیه فمن قرأ بالسین کمجاهد وابن محیصن ویعقوب فعلیٰ اصل الکلمة ومن قرأ بالصاد کابی عمرو والجمهور فلانها اخف علی اللسان...... قال الفراء اللغة الجیدة بالصاد وهی لغة قریش الاولیٰ ۔ (زاد المسیر ج۱ ص۱۴ تحت صِرَاطَ الَّذِیۡنَ) ؎۲

سورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سوال:۔ نماز میں سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورۃ شروع کرتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنے کا

؎۱ قال طاهر بن عبد الرشیدؒ : والاصل فی هذا انه ان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد بان قرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوته وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیه قال اکثرهم لا یفسد قال بعضهم یفسد ۔
(خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۱۰۱ زلة القاری)

وَمِثۡلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۷۹ زلة القاری ۔

؎۲ قال العلامة محمود الآلوسیؒ : (الصراط) الطریق واصله بالسین من السراط...... و بالسین علی الاصل قرأ ابن کثیر بروایة قنبل واویس اللؤلؤی عن یعقوب وقرأ الجمهور بالصاد وهی لغة قریش ۔
(روح المعانی ج۱ ص۹۲ تحت الصراط المستقیم)

وَمِثۡلُهٗ فی تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴۳ تحت اهدنا الصراط ۔

کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سورۃ فاتحہ سے قبل تسمیہ کا پڑھنا سنت ہے، البتہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ پڑھنا سنت تو نہیں مگر محققین کے ہاں پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: (سمی) غیر المؤتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة ووضوء (سراً فی) اول (کل رکعة) ولو جھریة (لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سریة ولا تکرہ اتفاقاً وما صححه الزاھدی من وجوبھا ضعفه فی البحر۔

قال ابن عابدینؒ: کذا صرح فی الذخیرة والمجتبیٰ بان سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سراً او جھراً کان حسناً ورجحه ابن الھمام۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۹۰ باب صفة الصلوٰۃ فصل فی الشروع) [1]

اعراب میں غلطی کرنا

سوال:۔ نماز میں امام صاحب نے قرآن کریم کی ایک آیت شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ کو بکسر الشین کی بجائے شَفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

---

[1] (ثم یاتی بالتسمیة) ویخفیھا وھی من القرآن اٰیة انزلت للفصل بین السور کذا فی الظھیریة فیما یکرہ فی الصلوٰۃ ..... ولا یسمی بین الفاتحة والسورة ھکذا فی الوقایة والنقایة۔
(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۷۴ الفصل الثالث فی سننھا)

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: (و) تسن (التسمیة اول کل رکعة) قبل الفاتحة لانه صلی اللہ علیه وسلم کان یفتتح صلوٰته ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وفی الطحطاوی واتفقوا علی عدم الکراھة فی ذکرھا بین الفاتحة والسورة بل ھو حسن سواءً کانت الصلوٰۃ سریةً او جھریةً وینافیه ما فی القھستانی انه لا یسمی بین الفاتحة والسورة فی قولھا۔ وفی روایة عن محمد قال فی المضمرات والفتویٰ علی قولھما۔

وفی حاشیة تبع۔ فیه الکمال وتلمیذہ ابن امیر الحاج حیث رجحا ان الخلاف فی السنیة فلا خلاف انه لو سمی لکان حسناً لشبھة الخلاف فی کونھا اٰیة من کل سورة۔
(الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۴۲ باب سننھا)

ومثله فی عزیز الفتاویٰ ج۱ ص۲۳۵ کتاب الصلوٰۃ۔

بفتح الشین پڑھ لیا۔ اب لوگوں میں اختلاف پڑ گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ کیا اس طرح کی اعراب کی غلطی کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جبکہ شَفَاءً بفتح الشین کا مثل نہ قرآن مجید میں موجود ہے (البتہ لفظ شَفَا بفتح الشین بغیر الھمزہ قرآن مجید میں موجود ہے) اور نہ ہی اس کے لیے کوئی صحیح معنی موجود ہے، لہٰذا اعراب کی ایسی غلطی کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک نماز واجب الاعادہ ہے اور متاخرین کے نزدیک نماز واجب الاعادہ نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس لیے کہ اس سے معنی میں ایسی تبدیلی نہیں آتی جو مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله فلو فی اعراب) ککسر قواما مکان فتحها وفتح باء نعبد مکان ضمها ومثال مایغیر اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ بضم الجلالة وفتح همزة العلماء وهو مفسد عند المتقدمین واختلف المتاخرون فذهب ابن مقاتل ومن معه انه لا یفسد والاول احوط وهذا اوسع کذا فی زاد الفقیر لابن الهمام۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۳۱ باب زلة القاری)[1]

مَسَدٍ کو مشدّد پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے مولوی صاحب نے ایک دفعہ مغرب کی نماز میں سورۃ تبت پڑھی اور لفظ مَسَدٍ جو کہ مخفف ہے اس کو مشدد پڑھا۔ کیا اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

---

[1] اذا لحن فی الاعراب لحنًا لا یغیّر المعنٰی بان قرأ لا ترفعوا اصواتکم برفع التاء لا تفسد صلوٰۃ بالاجماع وان غیّر المعنٰی تغییرًا فاحشًا بان قرأ وعصٰی اٰدم ربه بنصب المیم ورفع الرب وما اشبه ذٰلک مما لو تعمد به یکفر اذا قرأ خطأ فسدت صلوٰته فی قول المتقدمین واختلف المتاخرون قال محمد بن مقاتل وابو نصر محمد بن سلام وابو بکر بن سعید البلخی والفقیه ابو جعفر الهندوانی وابو بکر محمد بن الفضل والشیخ الامام الزاهد وشمس الائمة الحلوانی لا تفسد صلوٰۃ وما قاله المتقدمون احوط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۸۱ باب زلة القاری)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۱۳ زلة القاری۔

الجواب:۔ مخفف کو مشدد پڑھنا اور ایسے ہی مشدد کو مخفف پڑھنا اگر اس سے فسادِ معنیٰ لازم آتا ہو تو نماز فاسد ہے ورنہ نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: او تخفیف مشدد وعکسہ او بزیادۃ حرف فاکثر نحو الصراط الذین او بوصل حرف بکلمۃ نحو ایاکنعبد او بوقف وابتداء لم تفسد ـــــ وان غیر المعنیٰ بہ یفتی بزازیۃ الا تشدید رب العالمین وایاک نعبد فیترکہ تفسد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۳۱ زلۃ القاری) [1]

سوال:۔ نماز میں قرأت کی غلطی کا علم ہونے کے بعد اسے درست کرنا

اگر کوئی شخص نماز میں قرأت کے دوران الفاظ یا اعراب کی غلطی کر جائے اور بعد میں علم ہونے پر فوراً اس کا ازالہ کر دے اور دوبارہ درست قرأت پڑھے، تو اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب:۔ نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہو گی۔

ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطا فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلاتہ جائزۃ وکذلک الاعراب۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۸۲ باب زلۃ القاری) [2]

---

[1] ولو ترک التشدید فی موضعہ او اتی بالتشدید فی غیر موضعہ صح فان کان لا یتغیر المعنیٰ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۱۲ زلۃ القاری)

[2] قال الشیخ مولانا شاہ اشرف علی التھانویؒ: وفی العالمگیری:۔ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطاءٍ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحًا قال عندی صلوتہٗ جائزۃٌ وکذلک الاعراب، قلت: وکذلک سمعت شیخی مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(امداد الفتاوی ج ۱ ص۱۶۸ باب القرأۃ)

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی جگہ إِذَا جَاءَ النَّصْرُ اللهِ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی جگہ إِذَا جَاءَ النَّصْرُ اللهِ پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ تغیر معناً بھی پایا جاتا ہے اور لفظاً بھی، لہٰذا نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وفی الهندية: (ومنها) ذكر حرف مكان حرف۔ ان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما اشبه ذلك لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان امكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقراء الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۷۹ كتاب الصلوٰة۔ الفصل الخامس فى زلة القارى) ؎

دوسری رکعت میں ایک آیت کی زیادتی سببِ کراہت نہیں

سوال:۔ ہمارے امام صاحب نے نمازِ مغرب کی پہلی رکعت میں تین آیات تلاوت کیں اور دوسری میں چار آیات تلاوت کیں جس کی وجہ سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوگئی، کیا ایسا کرنا شرعاً مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت تب ہے کہ دوسری رکعت کی قرأت دو آیات سے زیادہ ہوجائے ورنہ دو آیات یا کم کی زیادتی سببِ کراہت نہیں۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبیؒ: اما اطالة الركعة الثانية على الركعة الاولى فمكروه بالاجماع لكن لا بمطلق الاطالة بل ان كانت الاطالة بثلاث آيات اوبما فوقها تكره وان كانت تلك الاطالة آية او آيتين لا تكره۔ (حلبی کبیر ص۱۳۰ باب صفة الصلوٰة)

؎ قال العلامة ابن عابدينؒ: وان كان الخطاء بابدال حرف بحرف فان امكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على انه مفسد وان لم يمكن الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين فاكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۶۲ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها۔ مطلب مسائل زلة القارى)

ومثله فى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص۴۳ كتاب الصلوٰة۔

تین آیات پڑھ چکنے کے بعد مقتدی کا امام کو فتحہ دینا

سوال :- ایک مسجد کے امام صاحب نے تین آیات کے برابر نماز کے اندر قرأت کی کہ اچانک آگے پڑھنا بھول گئے، اس صورت میں اگر کوئی مقتدی امام کو فتح دے اور امام مقتدی کا فتحہ لے لے تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب :- جب امام نے تین آیات کے برابر قرأت کر لی تو اُسے چاہیئے کہ وہ رکوع میں چلا جائے مقتدی کو فتحہ دینے کے لیے مجبور نہ کرے اور اگر بالفرض مقتدی نے تین آیات کے بعد امام کو فتحہ دیا اور امام نے قبول بھی کر لیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہو گی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : بخلاف فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقاً لفاتح و اٰخذ بکل حال ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلوٰة ام لا انتقل الی اٰیة اخری ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح۔

(رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۴۶۲ باب ما یفسد الصلوٰة الخ) [1]

ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت میں ایک ہی سورت پڑھی جائے تاہم اگر ایک ہی رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھی گئیں تو اس سے نماز پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا اگرچہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاوی رحمه الله : و یکره ...... والجمع بین سورتین ای فی رکعة واحدة لما فیه من الشبهة التفضیل والهجر۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۲۰۶ باب ما یکره فی الصلوٰة)

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : لما صرحوا فی فتح المصلی علی امامه بانها لا تفسد علی الصحیح سواء قرأ الامام ما تجوز به الصلوٰة او لا۔

(البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۳۷ باب الحدث فی الصلوٰة)

باب المسبوق واللاحق

(مسبوق اور لاحق کے احکام و مسائل)

مسبوق اور لاحق کی تعریف

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مسبوق اور لاحق کی تعریف کیا ہے؟ یہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب:۔ مسبوق: وہ نمازی ہے جس کو امام کے ساتھ پوری رکعات یا بعض پڑھنے کا موقع نہ ملے۔

لاحق: وہ مقتدی ہے جس سے بصورتِ مجبوری اقتداء کرنے کے بعد پوری یا بعض رکعات فوت ہو جائیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر کغفلة وزحمة... والمسبوق من سبقه الامام بها او بعضها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۹۴ تا ۵۹۶ کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی احکام المسبوق الخ) [۱]

مسبوق کیلئے ثناء پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مغرب کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو وہ ثناء کب پڑھے گا؟

الجواب:۔ اگر مسبوق امام کو اسی رکعت میں پائے جس میں قرأت ہو رہی ہو تو یہ مسبوق ثناء نہیں پڑھے گا بلکہ امام کی قرأت سنے گا اور جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہی مسبوق فوت شدہ رکعت کی قضاء کرنے کے لیے اٹھے تو ثناء پڑھے گا۔ تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے ساتھ ملتے ہی تعوذ پڑھنا مستحب ہے، جبکہ بعد میں (یعنی امام کی فراغت کے بعد) بھی قرأت سے پہلے تعوذ پڑھے گا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: المسبوق اذا ادرك الامام فی القرأة التی یجهر فیها لا یأتی بالثناء فاذا قام الی قضاء ما سبق یأتی بالثناء ویتعوذ للقرأة وعند ابی یوسفؒ یتعوذ عند الدخول فی الصلوٰۃ وعند القرأة وهذا استحباب

---

[۱] وفی الهندیة: المسبوق من لم یدرك الرکعة الاولیٰ مع الامام......... واللاحق هو الذی ادرك اولها وفاته الباقی فی النوم او حدث او بقی قائما للزحام.... الخ
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۹۲ الباب الخامس، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

اما کونہ سنۃ فقد مر فی فصل الاداب ثم فی الثناء سواء کان قریباً من الامام اولا یسمع فی صلوٰۃ الجہر یسکت۔ وفی صلوٰۃ المخافۃ یأتی بالثناء اذا ادرکہ قائماً۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۱۶۵ مسائل المسبوق) [۱]

دوسری رکعت میں ملنے والے مسبوق کیلئے تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص ظہر کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو جائے اور امام جب دوسری رکعت پہ بیٹھ جائے تو اس مسبوق پر بھی تشہد پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ بعض متون اور حواشی میں لکھا ہے کہ مسبوق پر یہ ضروری نہیں۔

الجواب:۔ مسبوق پر بھی تشہد پڑھنا واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ) قید بالسجود لانہ لا یتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشہد فاذا سلم الامام قام الی القضاء الخ

(رد المحتار ج ۱ ص۵۴۹ حکم المسبوق واللاحق)

وایضاً قال بعد ورقۃ: لکن لو ادرک الامام فی القعدۃ الاولیٰ فقعد معہ فقام الامام قبل شروع المسبوق فی التشہد فانہ یتشہد تبعاً لتشہد امامہ۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۵۱ حکم فی اللاحق والمسبوق) [۲]

---

[۱] وفی الہندیۃ: وفی صلوٰۃ المخافۃ یأتی بہ الخ۔ ویسکت المؤتم عن الثناء اذا جہر الامام۔ وان ادرک الامام فی الرکوع او السجود یتحرّی ان کان اکبر رأیہ انہ لو أتی بہ ادرکہ فی شیء من الرکوع او السجود یأتی بہ قائماً والا یتابع الامام ولا یأتی بہ۔ واذا لم یدرک الامام فی الرکوع والسجود لا یأتی بہما وان ادرک الامام فی القعدۃ لا یأتی بالثناء بل یکبر للافتتاح ثم للانحطاط ثم یقعد۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص۹۱ الباب فی اللاحق والمسبوق)

[۲] وفی الہندیہ: اذا ادرک الامام فی التشہد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی آخر الصلوٰۃ قبل ان یتم المقتدی التشہد فالمختار ان یتم التشہد۔ کذا فی الغیاثیۃ وان لم یتم اجزأہ۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام۔ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۵ باب فیما یفعلہ المقتدی۔

امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں ملنے کی صورت میں تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں شرکت کرے اور مسبوق کے بیٹھتے ہی امام کھڑا ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا مسبوق تشہد مکمل کرنے کے بعد کھڑا ہوگا؟

الجواب:- ایسی صورت میں تشہد مکمل کرنے کے بغیر بھی اگر مسبوق امام کی متابعت کی وجہ سے کھڑا ہو جائے تو نماز مع الکراہت ہو جاتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تشہد پوری پڑھ کر پھر اُٹھے کیونکہ قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے، لہٰذا ایک واجب کی وجہ سے دوسرے واجب کو ترک نہیں کرنا چاہیئے، یہاں تک کہ مدرک بھی تشہد پورا کرنے کے بغیر نہیں اٹھے گا، بلکہ تشہد مکمل کرے پھر اٹھ کر امام کی متابعت کرے، تاکہ دونوں واجب کی رعایت ہو۔

وفی الهندیة: اذا ادرك الامام فی التشهد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی اخر الصلوٰة قبل ان یتم المقتدی التشهد فالمختار ان یتم التشهد کذا فی الغیاثیة۔ وان لم یتم اجزأه۔ (الهندیة ج ۱ ص۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام الخ)[1]

امام کی متابعت کا حکم

سوال:- اگر امام قعدۂ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور مسبوق جس نے التحیات کو ادھورا پایا ہو، پیچھے رہ جانے کی وجہ سے التحیات مکمل کرے، اور اتفاق ایسا ہو کہ امام قیام سے رکوع میں چلا جائے، تو کیا یہ مسبوق تین تسبیحات کے برابر قیام کرکے لاحق کی طرح امام کے ساتھ شریک ہوگا یا رکوع کرتے کے بعد امام سے ملنے کی کوشش کرے گا؟

الجواب:- اصل جواب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ متابعت واجبہ کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) بشکلِ مقارنت: امام کے ساتھ تمام رکن میں شریک رہے۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فان عارضها واجب لاینبغی ان یفوته بل یأتی به ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه۔ ثم یقوم لان الاتیان به لایفوت المتابعة بالکلیة۔ وانما یؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بهما اولیٰ من ترك احدهما بالکلیة۔
(ردالمحتار ج ۱ ص۴۷۰ مطلب مهم فی تحقیق متابعة الامام)

(۲) بصورتِ تعاقب: کہ ابتداءِ فعل میں امام مقدم اور مقتدی مؤخر ہو۔
(۳) بصورتِ تأخر: کہ فعل سے امام پہلے فارغ ہوجائے اور مقتدی امام کی ادائیگی کے بعد ادا کرے
ان تینوں صورتوں میں متابعت کا حق ادا ہو کر مقتدی کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں چونکہ تشہد پڑھنا واجب ہے اس لیے لاحق یا مسبوق تشہد پڑھنے کے بعد قیام کرکے تنہا رکوع کرکے امام کے ساتھ شریک ہوجائے اور اس میں بھی متابعت بصورت تأخر کا حق ادا ہوتا ہے۔ البتہ مندرجہ بالا صورتوں میں اگر مقتدی اصل فعل ہی (یعنی فرض رکن مثلاً رکوع) ترک کردے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مستقل رکعت ادا کرکے سلام پھیرے، اور اگر مستقل رکعت امام کی فراغت کے بعد ادا نہیں کی تو نماز ادا نہ ہوئی، اس لیے نماز واجب الاعادہ بلکہ فرض ہوکر دوبارہ ادا کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: والحاصل ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تاخیر واجبۃ۔ فان عارضھا واجب لاینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام قبل ان یتم المقتدی التشھد فانہ یتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لایفوت المتابعۃ بالکلیۃ۔ وانما یؤخرھا۔ والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بھما اولیٰ من ترک احدھما بالکلیۃ۔ (رد المحتار جلد ۱ مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام) [1]

مسبوق سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا خواہ سجدۂ سہو کی کیوں نہ ہو

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیر دے تو سہواً یا عمداً کی صورت میں نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ نیز قعدہ اخیرہ میں ملنے والے شخص کے لیے امام کی سجدۂ سہو میں متابعت ضروری ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ حسن بن حسن الشرنبلالی: لوسلم الامام او تکلم قبل فراغ المقتدی من قرأۃ التشھد یتمہ۔۔۔۔ ولایتبع الامام وان خاف فوت الرکوع لان قرأۃ بعض التشھد لم تعرف قربۃ والرکوع لایفوت فی الحقیقۃ لانہ یدرکہ فکان خلف الامام ومعارضۃ واجب آخر لایمنع الاتیان بما کان فیہ من واجب غیرہ لاتیانہ بہ بعدہ فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بھما اولیٰ من ترک احدھما بالکلیۃ۔
(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۵۱ فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد فراغ امامہ۔۔۔۔ الخ)

الجواب: مسبوق کی حیثیت یاد ہونے کے باوجود سلام پھیرنا موجب فسادِ صلوٰۃ ہے، البتہ نسیان کی صورت میں سلام پھیرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ امام کے سلام کے ساتھ یا قبل سلام پھیرا ہو، لہٰذا یہ شخص امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر اپنی نماز مکمل کرے گا، تاہم مسبوق پر امام کے سجدہ سہو میں متابعت ضروری ہے البتہ سلام پھیرنے میں امام کی تابعداری نہیں کرے گا تاکہ من وجہ مخل نماز کے وسط میں واقع نہ ہو اور امام کی فراغت کے بعد سہواً سلام پھیرنے سے مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواءٌ کان السھو قبل الاقتداء او بعدہٗ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ:- قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشھد ماذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامداً فسدت والا لا ولا سجود علیہ ان سلّم سھواً قبل الامام او معہ وان سلّم بعدہ لزمہ لکونہ منفرداً حینئذٍ (بحر) واراد بالمعیۃ المقارنۃ وھو نادر الوقوع کما فی شرح المنیۃ وفیہ ولو سلّم علی ظن ان علیہ أن یسلّم فھو سلام عمد یمنع البناء۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص۸۲ باب سجود السھو)[1]

مسبوق کے لیے سہواً سلام پھیر کر خارج سے لقمہ ملنے پر نماز کا حکم

سوال: مسبوق اگر سہواً سلام پھیر دے، دوسرا شخص اسے مسبوقیت کی یاددہانی کرائے اور یہ مسبوق اس پر عمل کر کے بقیہ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس مسبوق کی نماز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک نماز درست ہے اور یہی راجح قول ہے، لہٰذا احتیاطاً

---

[1] وفی الھندیۃ: سھو الامام یوجب علیہ وعلیٰ من خلفہ السجود کذا فی المحیط ولا یشترط ان یکون مقتدیاً بہ وقت السھو حتی لو ادرک الامام بعد ما سھا یلزمہ ان یسجد مع الامام تبعاً لہٗ۔ ولو دخل معہ بعد ما سجد سجدۃ السھو یتابعہ فی الثانیۃ ولا یقتضی الاول وان دخل معہ بعد ما سجدھما لا یقضیھما۔ (الھندیۃ باب فی سجود السھو ج۱ ص۱۲۸)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۲۸ باب الحدث فی الصلوٰۃ فی استخلاف المسبوق۔

یہ ہے کہ مصلی (نمازی) خارج سے لقمہ ملنے پر تحری کر کے اٹھ جائے اور اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے تاکہ اختلاف کی صورت نہ رہے۔ تاہم اگر اس نے امام کے ساتھ متصل سلام پھیرا ہو تو نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کی ضرورت بھی نہیں، اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا تو ایسی صورت میں اس مسبوق پر نماز کے آخر میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو سلّم (ای المسبوق) ساھیًا ان بعد امامه لزمه السھو والا لا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۱ ص۴۴۳ باب سجود السھو) لہ

مغرب کی جماعت میں آخری رکعت پانے والے کا حکم

سوال: اگر ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آخری رکعات میں شامل ہو جائے تو وہ باقی نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: یہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کر کے قعدہ پر بیٹھ کر تشہد پڑھے، پھر اٹھ کر دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے پھر رکوع اور سجدہ کے بعد بیٹھ کر التحیات پوری کر کے سلام پھیرے، اور تیسری رکعت اس نے امام کے ساتھ ادا کی ہے۔ اور اگر دوسری رکعت (یعنی امام سے فراغت کے بعد پہلی رکعت) پر نہیں بیٹھا ہو پھر بھی نماز استحساناً جائز ہے اور سجدۂ سہو بھی واجب نہیں۔

لما قال ابراھیم الحلبیؒ: لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في اوليهما لانها ثنائية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السھو۔ (كبيری ص۴۶۸ فی آخر فصل سجود السھو) ؎۲

لہ قال القاضی خان: اذا سلّم المسبوق ساھیًا یلزمه السھو قیل ھٰذا اذا سلّم بعد الامام فان سلّم مع الامام لا سھو علیه۔ (الفتاویٰ القاضی خان علیٰ ھامش الھندیة ج۱ ص۱۲۳ باب سجود السھو)

؎۲ قال ابن نجیم المصریؒ: لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ في الركعتين بالفاتحة والسورة ولو ترك القرأة فی احدھما فسدت صلوته وعلیه ان یقضی رکعة بتشھد لانھا ثانیته ولو ترك جازت استحساناً لا قیاساً۔ وقال ابن عابدینؒ: تحت ھٰذه العبارة ۔ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمه سجود السھو ولو سھوًا۔ (البحر الرائق ومنحة الخالق جلد ۱ ص۳۷۹ باب الحدث فی الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۱ ص۵۹۷ احکام المسبوق۔

تین رکعات کے مسبوق کے لیے امام کے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت متصل پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت ادا کر کے بعد میں بناء کی صورت میں دو رکعتیں بلا فصل قعدہ کے پڑھ لیں، تو کیا اس مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگرچہ معتمد علیہ قول امام محمدؒ کا ہے اور صورتِ مذکورہ میں امام محمدؒ کے قول کے خلاف کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی اس شخص کی نماز استحساناً جائز اور درست ہے، سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویقضی اول صلوٰتہ فی حق قرأتہ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعة من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحة وسورة وتشھد بینھما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط ولا یقعد قبلھا — وقال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارة. (قولہ ویقضی صلوتہ فی حق قرأتہ اول الخ) وھٰذا قول محمدؒ کما فی مبسوط السرخسیؒ وعلیہ اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی والاسبیجابی والفتح والدرر والبحر وغیرھم وذکر الخلاف کذلك فی السراج الوھاج لکن فی صلوٰة الجلابی اَن ھٰذا قولھما وتمامہٗ فی شرح الشیخ اسمٰعیل وفی الفیض عن المستصفی لو ادرکہ فی رکعة الرباعی یقضی رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشھد ثم یأتی بالثالثة بفاتحة خاصة اھ وظاھر کلامھم اعتماد قول محمدؒ (قولہ تشھد بینھما) قال فی شرح المنیة ولو لم یقعد جاز استحساناً لاقیاساً ولم یلزمہ سجود السھو لکون الرکعة اُولیٰ من وجہ اھ

(الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق)[1]

---

[1] قال ابراھیم الحلبیؒ: ومن جملتھا ما اشرنا الیہ انہ یقضی اوّل صلوٰتہ فی حق القرأة واٰخرھا فی حق القعدة حتّٰی لوادرك مع الامام رکعة من المغرب بانہ یقرأ فی الرکعتین الفاتحة والسورة ویقعد فی اولیھما لانھا ثنائیة ولو لم یقعد جاز استحساناً لاقیاساً ولم یلزمہ سجود السھو لوسھواً لکونھا اولیٰ من وجہ الخ ۔ (کبیری ص۴۶۸ باب سجود السھو)

وَمِثْلُہٗ فی منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ج ۱ ص۳۷۹ باب الحدث فی الصلوٰة ۔

چوتھی رکعت میں امام کو پانے والے مسبوق کی نماز کا حکم

سوال:۔ جب ایک شخص نے چار رکعات والی نماز میں امام کو آخری رکعت میں پایا اور پہلی تین رکعات اُس سے فوت ہوئی ہیں، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ یہ مسبوق امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھ کر قعدہ کرے، تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کی صورت میں فاتحہ اور ضم سورت کرے گا اور آخری رکعت میں صرف فاتحۃ الکتاب پر اکتفاء کرے گا۔ گویا اس صورت میں مسبوق کو امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت کے علاوہ باقی تین رکعات میں ترتیب کی یوں رعایت رکھنی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها (ای بکل الرکعات او بعض الرکعات) (وھو منفرد) حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بها لکراھتها مفتاح السعادۃ (فیما یقضه) ای بعد متابعۃ لامامه الخ۔ ویقضی اوّل صلوته فی حق قرأۃ واٰخرھا فی حق التشهد۔ فمدرك رکعۃ من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشهد بینهما وبرابعۃ الرباعی فقط ولا یقعد قبلها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق)[1]

مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص جماعت میں ایسی حالت میں شامل ہو کہ امام نے ایک یا دو رکعت پڑھی ہوں تو مقتدی قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ بیٹھتے ہوئے درود شریف اور دُعاء پڑھے گا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو ادرك رکعۃ مع الامام فی صلوۃ الظهر والعصر والعشاء وقام الی القضاء فعلیه ان یقضی رکعۃ ویقرأ فیها بالفاتحۃ وسورۃ ویتشهد لانه یقضی اٰخر الصلوۃ فی حق التشهد ویقضی رکعۃ ویقرأ فیها بالفاتحۃ والسورۃ ولا یتشهد وفی الثانیۃ بالخیار والقرأۃ افضل ولو ادرك رکعتین منها یقضی رکعتین ویقرأ فیهما ویتشهد۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۶۶ مسائل المسبوق)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۹ فی باب الحدث فی الصلوۃ فی استخلاف المسبوق۔

الجواب:۔ مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں وسط صلوٰۃ کے حکم میں ہے اس لیے اُسے درود شریف نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ درود شریف نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے، اسلیئے مسبوق کو قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے میں اطمینان سے کام لینا چاہیئے تاکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ تشہد میں مشغول رہے، اور اگر اس نے تشہد جلدی ختم کر دیا تو پھر بار بار شہادتین پڑھے۔

وفی الهندیة: ومنها ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشهد الاخیر واذا اتم التشهد لایشتغل بما بعدہ من الدعوات ثم ماذا یفعل تکلموا فیه۔ وعن ابن شجاع: انه یکرر التشهد ای قوله اشهد ان لا اله الا الله وهو المختار کذا فی الغیاثیة۔

(الهندیة ج۱ ص۹۱ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)[1]

پانچویں رکعت کے لیے سہواً امام کے قیام پر مسبوق کی نماز کا حکم

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد امام پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو گیا تو ایسی صورت میں مسبوق (جس نے امام کے ساتھ کچھ رکعات پڑھی ہوں اور کچھ باقی ہوں) کیا طریقہ اختیار کرے؟ کیا مسبوق بھی امام کی تابعداری کرتے ہوئے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے یا بیٹھ کر ہی امام کے بیٹھنے اور سلام پھیرنے کا انتظار کرے اور یا امام کی تابعداری چھوڑ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے، تینوں صورتوں میں مسبوق کے لیے کون سی صورت قابلِ عمل ہے؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ مسبوق کی حالت مدرک سے مختلف ہے، مدرک تو ابتداء سے لے کر آخر تک امام کا تابع رہتا ہے، لیکن مسبوق امام کی تابعداری میں صرف اُس وقت تک ہے جب تک امام کی نماز بحالی ہو، یا یں معنی کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کی طرح اپنی نماز پوری کرتا ہے۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے والے مسبوق کو احتیاط سے کام لینا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ کہیں امام کی ایسی زائد تابعداری سے اس کی نماز متأثر ہو۔ لہٰذا امام جب قعدۂ اخیرہ کے بعد پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو تو یہ ایسی حالت ہے کہ

---

[1] قال قاضی خانؒ: المسبوق اذا قعد مع الامام کیف یفعل اختلفوا فیه والصحیح انهٗ یترسل فی التشهد حتی یفرغ من التشهد عند سلام الامام۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة ص۱۰۲-۱۰۳ ج۱ فصل فی المسبوق)

جس کا تعلق اصلی نماز سے نہیں، کیونکہ نماز تو پوری ہو چکی ہے اس لیے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہونے پر امام کی تابعداری ضروری نہیں، مسبوق تشہد کی حالت پر بیٹھ کر ہی امام کا انتظار کرے گا۔ اور اگر مذکورہ صورت میں قعدہ اخیرہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہو گیا تو اس کی تابعداری کرنے سے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولو قام الامام الی الخامسة فی صلوٰة الظهر فتابعه المسبوق ان قعد الامام علی رأس الرابعة تفسد صلوٰة المسبوق۔ (البحر الرائق جلد ۱ ص ۳۷۸)

وایضاً قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو قام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ قبل باب الاستخلاف)

لہٰذا انتظار پانچویں رکعت کے سجدہ تک ممتد رہے گا۔ اس دوران اگر سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر امام لوٹ کر تشہد پر بیٹھ گیا تو مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے، جب امام سلام پھیر دے تو مسبوق حسب قاعدہ اٹھ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے لیکن اگر امام نے پانچویں رکعت بھی پڑھی تو پھر مسبوق قدر تشہد بیٹھنے کے بعد اٹھ کر اپنی نماز پوری کرے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی الاصل لو قام المسبوق الی قضاء ما سبق به بعد فراغه من التشهد قبل السلام جاز۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۶۹ قبل الفصل السادس عشر فی السهو)

اور اگر پانچویں رکعت کے لیے تشہد پڑھنے کے بغیر کھڑا ہوا تو پھر اس صورت میں مسبوق امام کی تابعداری کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں پانچویں رکعت کے لیے سجدہ کرنے سے نماز نفل ہو گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وان لم یقعد لم تفسد حتی یقید الخامسة بالسجدة فاذا قیدها بالسجدة فسدت صلوٰة الکل۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۸ باب الحدث فی الصلوٰة)[1]

---

[1] ولو قام امامه الخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة۔
قال ابن عابدین (قوله تفسد) ای صلوٰة المسبوق لانه اقتداء فی موضع الانفراد۔
وقال ایضاً: (تحت قوله والا) ای وان لم یقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلوٰته ..... فان قیدها بسجدة انقلبت نفلاً۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ احکام المسبوق)
قال الحصکفیؒ: ولو قام قبل السلام هل یعتد بادائه ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم وکره تحریماً الا لعذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۷ احکام المسبوق)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۹۱، ۹۲ باب اللاحق والمسبوق۔

مسبوق کے لیے فوت شدہ رکعات میں قرأت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے امام کے ساتھ آخری رکعت میں شامل ہو کر نماز ادا کی، امام کی فراغت کے بعد یہ شخص فوت شدہ رکعات کی قضاء کرتے ہوئے قرأت پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک یہ مسبوق فوت شدہ رکعات میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملا کر پڑھے گا، کیونکہ مسبوق قرأت کے اعتبار سے نماز کا پہلا حصہ ادا کر رہا ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویقضی (ای المسبوق) اول صلوٰته فی حق قرأة الخ

قال ابن عابدینؒ: تحت هذه العبارة (قوله ویقضی اول الخ) هذا قول محمد کما فی مبسوط السرخسیؒ وعلیه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی لو ادرکه فی رکعة الرباعی یقضی رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم یأتی الثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة وقالا رکعة بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم رکعتین اولاها بفاتحة وسورة وثانیهما بفاتحة خاصة وظاهر کلامهم اعتماد قول محمد۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۹۶ احکام المسبوق) [1]

امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی سے رکوع یا سجدہ کی تاخیر کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص نماز کی ابتداء سے امام کے ساتھ جماعت میں شریک رہا، درمیان میں امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی رکوع یا سجدہ کا ادراک نہ کر سکے تو اس شخص کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ایسا شخص ترتیب سے پہلے ہی رکوع اور سجدہ کر کے امام کے ساتھ ملنے کی کوشش کرے گا، فرض یا واجب کے ترک کی صورت سے یہ بہتر ہے کہ امام کی رفاقت میں تاخیر ہو، کیونکہ تاخیر کی صورت میں بھی فی الجملہ متابعت موجود ہے۔

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والمسبوق فیما یقضی یقضی اول صلوٰته فی حق القرأة وآخر صلوٰته فی حق التشهد الخ ولو ادرک رکعتین منها (ای من صلوٰة الظهر او العصر او العشاء) یقضی رکعتین ویقرأ فیهما ویتشهد۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۶۵،۱۶۶)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۹۱ باب احکام اللاحق والمسبوق)

قال ابن عابدینؒ: فلونام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فانہٗ یاتی بالثالثۃ بلا قرأۃ فاذا فرغ منہا صلی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منہا الامام صلاھا وحدھا بلا قرأۃ ایضاً فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد السلام صح واثم۔

(ردالمحتار ج۱ ص۵۹۵ احکام اللاحق)[1]

سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنا باعتبار ذات مخرج عن الصلوٰۃ نہیں

سوال:۔ امام سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنے سے نماز سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی ممانعت کیوں ہے؟ اور اگر نماز سے خارج مانا جائے تو پھر اسی اثناء میں امام کے پیچھے نئے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح ہے؟ دونوں صورتوں کے دلائل کیا ہیں؟ اور کیا سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بغیر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سجدہ کے لیے سلام پھیردے وہ نماز سے اصلاً خارج نہیں ہوتا ہے اور یہ سلام موقوفاً اور ذاتاً کسی اعتبار سے مخرج و محلل نہیں، جبکہ شیخینؒ کے نزدیک یہ سلام تو فی نفسہ محلل اور مخرج ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تحلیلھا التسلیم، لیکن صاحب سہو کے حق میں محلل اور مخرج ذاتاً وقطعاً نہیں بلکہ موقوفاً ہے، یعنی اگر اس نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کرلیا تو مخرج اور محلل نہیں سمجھا جائے گا۔ اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو مخرج اور محلل قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا سلام پھیرنے کے وقت اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا، نہ مخرج اور محلل کا اور نہ غیر مخرج اور محلل کا۔ اس تحقیق سے مسبوق کے لیے سلام پھیرنے کی ممانعت کی وجہ معلوم ہوگئی کہ مسبوق کے حق میں چونکہ یہ سلام پھیرنا نماز کے درمیان میں ہونے کا احتمال ہے، اس لیے مسبوق کے لیے سلام پھیرنا ممنوع ہے تاکہ محلل اس کے حق میں فی خلال الصلوٰۃ لازم نہ آئے اگرچہ من وجہ محلل کیوں نہ ہو۔ رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں امام کے پیچھے ایک نئے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو لم یشتغل بقضاء ما سبقہ الامام ولکن یتابع الامام اولاً ثم قضی ما سبقہ الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوٰتہٗ عندنا ھٰکذا فی شرح الطحاوی۔ (الھندیۃ ج۱ ص۹۳ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

ہے ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اقتداء اس وقت صحیح تسلیم کی گئی ہے جبکہ امام سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے کیونکہ سجدہ سہو کرنے کے بعد یہ سلام بالاتفاق مخرج اور محلل نہیں ہے اسلئے امام نماز سے اسی صورت میں بالاتفاق خارج نہیں ہوتا ہے لہٰذا دوسرے مسبوق کی اقتداء اس کے پیچھے جائز اور درست ہے۔ علاوہ ازیں سجدہ سہو قبل از سلام بھی جائز ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل روایات اور احادیث میں منقول ہے، مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت کے لیے تشریع عام پر قرار دیا ہے: لکل سھو سجدتان بعد السلام۔ اس لیے سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ سلام تک جتنے واجبات رہ جائیں سب کے لیے ایک دفعہ سے سجدہ سہو کرنے سے تدارک ہوجاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: وسلام من علیه سجود سھو یخرجه من الصلوٰة خروجاً موقوفاً ان سجد عاد الیھا والالا وعلیٰ ھذا یصح الاقتداء به الخ

قال ابن عابدینؒ: تحت ھذه العبارة (قوله یخرجه من الصلوٰة الخ) ھذا عندھما واما عند محمدؒ فانه لا یخرجه منھا اصلاً کما فی البحر وغیره۔

(قوله ان سجد عاد الخ) افاد ان معنی التوقف انه یخرجه منھا من کل وجه علیٰ احتمال ان یعود الیٰ حرمتھا بالسجود بعد خروجه منھا ولھم فیه تفسیر اٰخر وھو انه قبل السجود یتوقف علیٰ ظھور عاقبته ان سجد تبیّن انه لم یخرجه وان لم یسجد تبیّن انّه اخرجه من وقت وجوده۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۹ باب سجود السھو)[1]

---

[1] قال الامام اکمل الدین محمد بن محمد البابرتیؒ: (لان ھذا السلام) ای سلام من علیه سجدتا السھو (غیر قاطع) ای بالاتفاق اما عند محمد فلانه لم یشرع محللاً واما عندھما فلانه ان کان محللاً فھو محلل علیٰ سبیل التوقف لا علیٰ سبیل البتات وکل ما لم یشرع قاطعاً لا یقطع الصلوٰة فدل علیٰ ان القطع لا یحصل بالسلام۔ (العنایة علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۲ باب سجود السھو)

قال ابن الھمامؒ: فکل سلام الاصل فیه ان یکون مخرجاً لانه جعل محللاً شرعاً۔ قال النبی صلی اللہ علیه وسلم تحلیلھا التسلیم ولانه من باب الکلام علیٰ ما مرّ الّا انه منع من الاخراج حالة السھو دفعاً للحرج لکثرة السھو وغلبة النسیان ولا یکثر سلام من علم انّ علیه الواجب لان ظاھر حال المسلم انه لا یترک الواجب فبقی مخرجاً علیٰ اصل الوضع۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۱ باب سجود السھو)

مسافرامام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شامل ہونے والے مقیم مقتدی کی نماز کا حکم

سوال:۔ ایک مقیم شخص مسافرامام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شریک ہوا، تو مسافرامام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق مقیم بقیہ نماز کس طرح پڑھے گا؟

الجواب:۔ جب ایک مقیم شخص مسافرامام کے پیچھے اقتداء کرے، ظہر، عصر یا عشاء کی نماز ہو تو امام کے سلام کے بعد مقتدی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت نہیں پڑھے گا اور جس رکعت میں مسبوق ہو تو اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملا کر پڑھے گا۔ گویا اس صورت میں یہ نماز کے مختلف حصوں میں مسبوق اور لاحق دونوں کے حکم میں ہے۔

قال الحصکفیؒ: واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه لعذر وسبق حدث وصلوٰۃ خوف ومقیم ائتم بمسافر — قال ابن عابدینؒ تحت هٰذه العبارۃ (قوله مقیم الخ) ای فهو لاحق (ای مقیم المقتدی بالمسافر) بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقاً ایضاً کما اذا فاته اول صلوٰۃ امامه المسافر۔ اھ

(الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص ۵۹۴ مسائل مسبوق واللاحق)

وایضاً قال ابن عابدینؒ: ان اللاحق المسبوق یقضی وجوباً اولاً ما لحق به ثم ما سبق به الخ وان صح عکسه عندنا خلافاً لزفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۵) [1]

لاحق کی نماز کا طریقہ

سوال:۔ زید ظہر کی نماز میں شریک ہوا، دو رکعت امام کے ساتھ پڑھنے کے بعد اسے حدث کا عارضہ پیش آیا تو فوراً وضو کر کے امام کے ساتھ قعدہ میں شامل ہو گیا، تو بقیہ نماز امام کی فراغت کے بعد کیسے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اسے پہلے فوت شدہ نماز بلا قرأت پڑھنی چاہیئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی ہے۔ پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شمولیت اختیار کرے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔ تاہم اگر امام کے ساتھ مل کر امام کی فراغت کے بعد اپنی نماز پوری کرے تو یہ بھی جائز ہے لیکن پہلی صورت بہتر ہے۔

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشیدؒ: ان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد واللاحق کانه خلف الامام ولهٰذا لا قرأۃ علی اللاحق و یفترض علی المسبوق۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۶۶ مسائل المسبوق)

وفی الهندیة: اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ینبغی لهٗ ان یشتغل اوّلاً بقضاء ما سبقه الامام بغیر قراءة یقوم مقدار قیام الامام ورکوعه وسجوده۔ ولو زاد او نقص فلا یضرّه هٰکذا فی شرح الطحاوی۔ وقال بعد سطر واحدةٍ ولو لم یشتغل بقضاء ما سبقه الامام ولکن یتابع الامام اولاً ثم قضیٰ ما سبقه الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوٰتهٗ عندنا۔ هٰکذا فی شرح الطحاوی۔ (الهندیة ج ۱ ص ۹۲ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق) [1]

مدرک کی سستی کی وجہ سے رکن رہ جانے پر اعادہ کا حکم

سوال:۔ اگر وتر میں مقتدی کہیں دعاء قنوت مکمل کر رہا تھا کہ امام رکوع سے قومہ میں چلا گیا تو اب یہ شخص نماز کیسے ادا کرے گا ؟

الجواب:۔ اس صورت میں مقتدی فوراً رکوع اور قومہ کرکے سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہوگا ، اگرچہ متابعت مقارنہ یا متعاقبہ نہ ہو سکا لیکن متابعت کی تیسری قسم متابعت بالتاخیر کی بنا پر اس شخص کی نماز درست ہوگی جیسا کہ لاحق کی نماز کا حکم ہے ، اور اگر رکوع و قومہ چھوڑ کر فوراً امام کی متابعت کرے تو امام کی فراغت کے بعد ایک رکعت مستقل ادا کرے نماز درست ہوگی ، اور اگر سرے سے رکعت ادا نہیں کی تو نماز باطل ہو کر اعادہ کرے گا ۔

قال ابن عابدینؒ : نعم تکون المتابعة فرضاً بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامه او بعده کما لو رکع امامه فرکع معه مقارناً او معاقباً وشارکه فیه او بعد ما رفع منه فلو لم یرکع اصلاً ورفع قبل ان یرکع مع امامه ولم یعد معه او بعده لبطلت صلوٰته الخ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۱ مطلب مهم فی تحقیق متابعة الامام)

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فی شرح المنیة وحکمه (ای اللاحق) انه یقضی ما فاته اوّلاً ثم یتابع الامام ان لم یکن قد فرغ۔ وفی النتف اذا توضأ ورجع یبدأ بما سبقه الامام به۔ ثم ان ادرک الامام فی شیءٍ من الصلوٰة یصلیه معهٗ اھ وفی البحر وحکمه انهٗ یبدأ بقضاء ما فاتهٗ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ۔ وهٰذا واجب لا شرط حتیٰ لو عکس یصح الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۵ احکام المسبوق واللاحق)

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۲ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت۔

باب مکروہات الصلوٰۃ

(نماز کے مکروہات کا بیان)

شلوار یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا

سوال:۔ اگر حالتِ نماز میں شلوار یا تہبند کعبین (ٹخنوں) سے نیچے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس دور میں اکثر لوگوں کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے اور وہ اسی حالت میں نماز بھی پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ شلوار یا تہبند بطور تکبّر کے ٹخنوں سے نیچے رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اسلیئے ایسی حالت میں نماز پڑھنا بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ نماز میں فساد نہیں آتا۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیٰمۃ۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ (کلاھما فی الصحیح البخاری ج۲ ص۸۶۱ کتاب اللباس)[1]

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا

سوال:۔ نماز میں التحیات کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

الجواب:۔ نماز میں حضور انورؐ کا تصور آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ

---

[1] لما قال العلامۃ الملّا علی القاریؒ: قال ابن الملک: ویفھم منہ ان جرہ لغیر ذلک لایکون حرامًا لکنہ مکروہ کراھۃ تنزیہ۔

وایضًا قال: وقد نص الشافعی علی ان التحریم مخصوص بالخیلاء لدلالۃ ظواھر الاحادیث علیھا فان کان للخیلاء فھو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیہ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۱۳۸ کتاب اللباس، الفصل الاول)

ومثلہ فی مشکوٰۃ ج۲ ص۳۷۴،۳۷۲ کتاب اللباس۔

التحیات اور درود شریف میں انسان کو حضور انورؐ کا خیال آ ہی جاتا ہے البتہ خیال علیٰ سبیل التعظیم والعبادۃ لاناشرعاً جائز نہیں، کیونکہ نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ نماز میں غیر اللہ کے خیال سے اجتناب کیا جائے، اور محض خیال سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدرھا مالم تعمل بہ اوتتکلم۔ متفق علیہ۔
(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ) ۱

مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود چھت پر نماز پڑھنا

سوال: مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود بعض لوگ مسجد کی چھت پر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب: مسجد کی چھت پر انفرادی طور پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے لیکن بلاعذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں بشرطیکہ امام کی حالت اس پر مشتبہ نہ ہو اور نہ امام پر مقدم ہو، اور اگر امام کی حالت اس پر مشتبہ ہو یا امام پر مقتدی مقدم ہو جائے تو پھر جائز نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: سطح المسجد لہ حکم المسجد فھو کاقتدائہ فی جوف المسجد اذا کان لایشتبہ علیہ الامام...... ولھٰذا یصح اقتداء من علیٰ سطح المسجد بمن فیہ اذا لم یتقدم علی الامام۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد) ۲

---

۱ عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل تجاوز لامتی عما حدثت بہ نفسھا مالم تعمل او تکلم بہ۔ (الصحیح لمسلم ج ۱ ص ۷۸ باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس)

۲ لما قال العلامۃ فخر الدین حسن بن منصور الشھیر بقاضی خان: ولو قام علیٰ سطح المسجد واقتدی بامام فی المسجد ان کان للسطح باب فی المسجد ولایشتبہ علیہ حال الامام یصح الاقتداء وان اشتبہ علیہ حال الامام لایصح۔
(الفتاوی القاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص ۹۲ باب الامامۃ)
ومثلہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۸۸ باب الامامۃ الفصل الرابع فی بیان مایصح الاقتداء۔

پگڑی باندھنے میں اگر سر کا درمیانہ حصہ خالی رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے

سوال:۔ بعض بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ پگڑی باندھتے ہیں تو سر کا درمیانہ حصہ ننگا چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں تو اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پگڑی باندھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر پر پگڑی تو موجود ہو مگر اس کا درمیانہ حصہ خالی ہو، اس لیے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: یکرہ اشتمال الصماء والاعتجار... قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله والاعتجار) لنهي النبي صلى الله عليه وسلم عنه وهو شد الرأس أو تكوير عمامة على رأسه وترك وسطه مكشوفاً. (رد المحتار ج۱ ص۶۵۲ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ مطلب الکلام علی اتخاذ المسبحة)[1]

جالی والی ٹوپی میں نماز کا حکم

سوال:۔ آجکل چینی (جالی دار) ٹوپیوں کا رواج عام ہے اور نماز میں لوگ اکثر ان کو استعمال کرتے ہیں جبکہ سر کے بال اُن میں نظر آتے ہیں، کیا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ستر عورت ضروری ہے اور وہ بھی اُس کپڑے سے جو اس کیلئے مباح ہو، چونکہ سر مردوں کے ستر (عورت) میں داخل نہیں اور جالی دار ٹوپی بھی مردوں کے لیے مباح ہے اس لیے اس میں نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: (الجواب) جو کپڑا مردوں کو پہننا مباح ہو اگر وہ جالی دار ہو تو اس کی ٹوپی سے نماز درست ہے اور استعمال اس کا اس طریقہ پر کہ کشفِ عورت نہ ہو۔ (فتاوٰی دار العلوم دیوبند جلد۴ ص۱۰۹ باب مکروہات الصلوٰۃ)

چوری شدہ ٹوپی سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ میرا ایک دوست درزی ہے، اس کے پاس لوگ کپڑے سلوانے کیلئے لاتے ہیں

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ الاعتجار وهو شد الرأس بالمندیل أو تکویر عمامة على رأسه۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۴ فصل مکروہات الصلوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ الصلوٰۃ۔

اس سے کچھ کپڑا بچ بھی جاتا ہے، اُس کپڑے سے اگر ٹوپی وغیرہ بنا کر اس میں نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر یہ کپڑا جو درزی کے پاس بچ جاتا ہے اور مالک نے بطیبِ خاطر چھوڑ دیا ہو تو اس سے بنی ہوئی ٹوپی میں نماز پڑھنا بلاکراہت درست ہے، البتہ اگر مالک کی رضامندی کے بغیر اس نے اس کپڑے سے اپنے لیے ٹوپی بنالی تو اس چوری کردہ کپڑے کی ٹوپی میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وكذا تكره في اماكن كفوق كعبة........ وارض مغصوبة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ کتاب الصلوٰة قبیل باب الاذان ص۳۸۱) [1]

کباڑ (لنڈے) کے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال: بعض لوگ کباڑ (لنڈے) کے کپڑے استعمال کرتے ہیں، کیا بغیر دھوئے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: کباڑ (لنڈے) کا اکثر حصہ یہود و نصاریٰ یا فساق کے استعمال شدہ کپڑوں کا ہوتا ہے، فقہاء کرام نے ان کی شلوار، پتلون وغیرہ کے علاوہ دیگر کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز لکھا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسے کپڑے دھو کر استعمال کیے جائیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة۔ قال ابن عابدينؒ: قال في الفتح قال بعض المشائخ تكره الصلوٰة في ثياب الفسقة لانهم لا يتقون الخمور، قال المصنف يعني صاحب الهداية الاصح انه لا يكره لانه لم يكره من ثياب اهل الذمة الا السراويل مع استحلالهم الخمر فهذا اولى۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۵۰ فصل فی الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰة) [2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وتكره في ارض الغير بلا رضاه۔ (مراقی الفلاح على صدر الطحطاوی ص۲۹۱ باب مکروه الصلوٰة)

[2] قال العلامة السيد احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله وثياب الفسقة واهل الذمة) مثلهم اهل الحرب (قوله طاهرة) ظاهره جواز الصلوٰة فيهما من غير كراهة في التجنيس ان الصلوٰة في سراويل اهل الذمة مكروهة۔ قال الحلبيؒ: ولعله لانهم لا يستنزهون من البول ولا يستنجون۔ (الطحطاوی على حاشية الدر المختار ج۱ ص۱۶۸ فصل فی الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰة)
ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۴ ص۱۲۵ باب مکروهات الصلوٰة۔

باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال:۔ آجکل ایسے کپڑوں کا استعمال عام ہے جن میں سارا بدن واضح طور پہ نظر آتا ہے، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ آزاد عورت کا تمام بدن عورت (ستر) ہے اور مردوں کا ناف سے لے کر گھٹنوں تک، نماز میں بدن کے ان حصوں کا چھپانا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عورت کے بدن کا کوئی حصہ ان کپڑوں میں نظر آتا ہو یا مرد کا ستر والا حصہ چھپا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

ولما قال العلامة الحصکفیؒ: وللحرة ولو خنثیٰ جمیع بدنها حتیٰ شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوٰة)۔

وقال ابن عابدینؒ: تحت قوله ولا یصف ما تحته بان لا یریٰ منه لون البشرة احترازاً عن الرقیق ونحو الزجاج۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۱۰ باب شروط الصلوٰة مطلب فی النظر الی وجه الامرد) [۱]

سجدہ میں جاتے وقت شلوار اوپر اٹھانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت اپنی شلوار وغیرہ کو اوپر کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کی حالت میں بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ اگر ضرورت ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وعبثه

---

[۱] وفی الهندیة: وبدن الحرة عورة الا وجهها وکفیها وقدمیها۔ کذا فی المتون وشعر المرأة وما علی رأسها عورة واما المسترسل ففیه روایتان الاصح انه عورة۔ کذا فی الخلاصة وهو الصحیح وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه الفتویٰ.... والثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا تجوز الصلوٰة فیه کذا فی التبیین۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۸ الباب الثانی فی شروط الصلوٰة)

ومثله فی تبیین الحقائق ج۱ ص۹۶ باب شروط الصلوٰة۔

به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة ولا بأس به خارج صلوٰة ۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قوله وعبثه) قال فی النهایة وحاصله ان کل عمل هو مفید للمصلی فلا بأس به...... فاما ما لیس بمفید فهو العبث ۔ (رد المحتار ج ا صفحہ ۶۴۲ باب مایفسد الصلوٰة ومایکره فیها) لہ

غیر مسلموں کے بنائے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال:۔ بازاروں اور مارکیٹوں میں آجکل جاپان اور دیگر یورپی ممالک کا تیار کردہ کپڑا فروخت کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کپڑا کفار کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہوتا ہے، کیا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غیر مسلم کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑوں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، جہاں تک اس میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اگرچہ ایسے کپڑے کے نجس ہونے کا احتمال ہے لیکن اس میں طہارت کی جانب راجح ہے اسلئے اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہے ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لو شك فی نجاسة ماء او ثوب لم یعتبر۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله من شك) فی انائه وثوبه فهو طاهر الخ کذا ما یتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والاطعمة ۔

(رد المحتار ج ا صفحہ ۱۵۱ کتاب الطهارة مطلب ابحاث الغسل) ۲ہ

آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال:۔ بعض لوگ آنکھیں بند کرکے نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس طرح نماز

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وکف ثوبه ای رفعه بین یدیه اومن خلفه اذا اراد السجود وقیل ان یجمع ثوبه ویشده فی وسطه لما فیه من التجبر المنافی للخشوع لقوله صلی الله علیه وسلم امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اکف شعرا ولا ثوبا ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی صفحہ ۲۸۴ باب مکروهات الصلوٰة)

ومثله فی الهندیة ج ا صفحہ ۱۰۵ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة ۔

۲ہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: قال ابو حفص البخاری رحمه الله من شك فی انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة ام لا فهو طاهر ما لم یستیقن ۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج ا صفحہ ۱۴۶ کتاب الطهارة ۔ نوع فی مسائل الشك ۔

ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۴ صفحہ ۱۰۰ باب مکروهات الصلوٰة ۔

پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اس لیے آنکھیں بند کرکے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے تاہم اگر خشوع و خضوع کے لیے نماز میں آنکھیں بند کرلی جائیں تو بلا کراہت جائز ہے بعض علماء نے اس کو اولیٰ بھی قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکره ..... تغمیض عینیه للنهی الا لکمال الخشوع۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله (للنهی) ثم الظاهر ان الکراهة التنزیهیة:

(رد المحتار ج ۱ ص۶۴۵ باب ما یفسد وما یکره فیها) [1]

منہ ڈھانپ کے نماز پڑھنا

سوال:۔ سردیوں کے موسم میں لوگ چادر یا رومال سے منہ ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ناک اور منہ کا چھپانا مکروہ ہے، اس لیے سردیوں یا گرمیوں میں اس طرح کرنے سے اجتناب کیا جائے اس سے نماز میں کراہت آتی ہے۔

لما فی الهندیة: ویکره التلثم وهو تغطیة الانف والفم فی الصلوٰة والتثاؤب الخ

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة) [2]

نسوار اور سگریٹ کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ نسوار کی پڑیا یا ڈبیہ نماز پڑھتے وقت جیب میں ہی رکھتے ہیں۔ کیا نسوار یا سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

الجواب:۔ تمباکو کا استعمال شرعاً مباح ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکره تغمیض عینیه الا لمصلحة لقوله صلی الله علیه وسلم اذا قام احدکم فی الصلوٰة فلا یغمض عینیه لانه یفوت النظر للمحل المندوب ولکل عضو وطرف حظ من العبادة وبرؤیة ما یفوت الخشوع ویفرق الخاطر ربما یکون التغمیض اولیٰ من النظر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۸ باب مکروهات الصلوٰة)

[2] لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکره ..... وتغطیة انفه وفمه لما روینا قال السید احمد الطحطاویؒ (تحت قوله لما روینا) من انه صلی الله علیه وسلم نهی عن ان یغطی الرجل فاه کذا فی الشرح۔ (الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۲۸۹ فصل فی مکروهات الصلوٰة)

نماز پڑھنا بھی درست ہے ، البتہ اگر نسوار یا سگریٹ میں کوئی نجس چیز ملائی گئی ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی تاہم یہ یاد رہے کہ گوبر کی بنی ہوئی راکھ اگر نسوار میں ملائی گئی ہو تو چونکہ یہ راکھ پاک ہے اس لیے اس سے نسوار کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ (واللہ اعلم)

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: فانه لم یثبت اسکاره ولا تفتیره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لا یلزم منه تحریمه علی کل احد الخ ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۵ کتاب الاشربة)[1]

نماز میں تھوک آجائے تو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کسی کو نماز میں تھوک اور بلغم آجائے تو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر دوران نماز کسی کو بلغم یا تھوک آجائے اگر اس کو نگلنا ممکن ہو تو نگل کر نماز پڑھے ورنہ کپڑے کے کونے میں تھوک لے ۔

لما اخرج الامام محمد البخاریؒ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تبزقن احدکم فی قبلته ولکن عن یساره او تحت قدمه ثم اخذ طرف ردائه فبزق فیه ثم رد بعضه علی بعض فقال او یفعل هکذا ۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص ۵۹ باب اذا تدرۃ البزاق فلیأخذ بطرف ثوبه)[2]

بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: آجکل اکثر خواتین سر کے بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ لیتی ہیں جس کو جوڑا کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ عورتوں کا بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ کر (جوڑا کرکے) نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ

---

[1] لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسیؒ: لما سئل عنه الدخان الذی شاع فی زماننا وعمت به البلوی وحکم اللہ فیه ۔ قال الجواب: ان المجتهدین لم یتکلمون علیه لانه انما حدث بعدهم والمتاخرون اختلفوا فیه فمنهم من یقول بتحریمه ومنهم من یقول باباحته ومنهم من توسط وقال بکراهته احسن ما رأیت فیه قول شیخ مشائخنا خاتمة المحققین العلامة الاسیر المالکی واختلف فی الدخان واورع ترکه ۔ (فتاوی کاملیة ص ۲۶۹ کتاب الحظر والاباحة)

ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۱۰۸ باب مکروهات الصلوٰة ۔

[2] قال النبی صلی اللہ علیه وسلم فلا یبزقن احدکم قبل قبلته ولکن عن یساره او تحت قدمه ثم اخذ طرف ردائه فبصق فیه ثم رد بعضه علی بعض ۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص ۷۲ باب المساجد)

بدون حالتِ نماز بوقتِ ضرورت بالوں کا جوڑا بنانا مباح ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعقص شعرہ اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وعقص شعرہ) ای ضفرہ وفتلہ والمراد بہ ان یجعلہ علی ھامتہ ویشدہ بخیط او ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء فی بعض الاوقات او یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویشدہ بخیط او خرقۃ وجمیع ذلک مکروہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۲ باب المکروھات) ؎۱

اگر مسجد میں قبر ہو تو نماز کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک پرانی قبر ہے کبھی کبھی بعض لوگ قبر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نمازیں درست ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قبر کے سامنے نماز پڑھنا چاہے فرض ہو یا نفل، مکروہ ہے البتہ اگر قبر کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں تاہم اس صورت میں بھی قبر پرستی کی تہمت سے بچنے کے لیے وہاں نماز نہ پڑھی جائے، جبکہ مسجد کے دوسرے حصوں میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ۔۔۔۔ ومقبرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: واختلف فی علتہ فقیل لان فیھا عظام الموتیٰ وصدیدھم وھو نجس وفیہ نظر، وقیل لان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد، وقیل لانہ تشبہ بالیھود وعلیہ مشی فی الخانیۃ ولا بأس بالصلوۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ ولا قبلتہ الی قبر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۸۰ کتاب الصلوۃ قبل باب الاذان) ؎۲

؎۱ وفی الھندیۃ: ویکرہ عقص شعرہ وھو جمع الشعر علی الرأس ویشدہ بشئ حتی لا ینحل کذا فی التبیین واختلف الفقھاء فیہ علی اقوال فقیل ان یجمعہ وسط رأسہ ثم یشدہ وقیل ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء وقیل ان یجمعہ من قبل القفا ویمسکہ بخیط او خرقۃ وکل ذلک مکروہ کذا فی البحر الرائق۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳ باب یفسد فی الصلوۃ وما یکرہ۔

؎۲ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ وامثالھا۔ قال الطحطاویؒ: (تحت قولہ فی المقبرۃ) لانہ تشبہ بالیھود والنصاریٰ ـــــ وفی زاد الفقیر وتکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیھا موضع اعد للصلوۃ لا نجاسۃ فیہ ولا قذر فیہ۔ قال الحلبیؒ: لان الکراھۃ معللۃ بالتشبہ وھو منتف حینئذٍ۔ وفی القھستانیؒ عن جنائز المضمرات لا تکرہ الصلوۃ الی جھۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۹۹ باب مکروھات الصلوۃ)

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا

سوال:۔ اگر امام مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ کیا امام کا یہ عمل جائز ہے؟

الجواب:۔ امام کا مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہونا صحیح نہیں اس سے نماز پر برا اثر پڑتا ہے، اس لیے امام کو چاہیئے کہ محراب سے باہر کھڑا ہو اگرچہ رکوع، سجدہ محراب کے اندر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ .... وقیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقاً وان لم یشتبہ حال الامام۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۵ باب مکروھات الصلوٰۃ)[1]

قضاء حاجت کی شدید ضرورت کے باوجود نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض اوقات انسان کو قضاء حاجت کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اس کو روک کر نماز پڑھتا ہے، اس طرح پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جب قضاء حاجت کی شدید ضرورت ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے بہتر یہ ہے کہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھی جائے تاہم اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وصلوٰتہ مع مدافعۃ الاخبثین) قال فی الخزائن: سواء کان بعد شروعہ او قبلہ فان شغلہ قطعھا ان لم یخف فوت الوقت وان اتمھا اثم ۔ یفید ما اذا خشی فوت الجماعۃ ولا یجد جماعۃ غیرھا فصل یقطعھا کما یقطعھا اذا رای علی ثوبہ نجاسۃ قدرھا دون الدرھم لیغسلھا اولا کما اذا کانت النجاسۃ قدر الدرھم اقل من الدرھم والصواب الاول۔ (رد المحتار ج ۱ ص۶۴۱ باب مکروھات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ قیام الامام بجملتہ فی المحراب لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۹۴ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ۔

[2] لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومدافعاً لأحد الأخبثین البول والغائط اوالریح ... الا اذا خاف فوت الوقت وفوت الجماعۃ فحینئذٍ یصلی بتلک الحال لأن اخراج الصلوٰۃ عن وقتھا حرام والجماعۃ مؤکدۃ واجبۃ۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ الا اذا خاف فوت الوقت) ظاھرہ أنھا تنتفی الکراھۃ عند ذلک۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۹۲ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

لہسن، پیاز وغیرہ کھاکر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ لہسن، پیاز یا مولی کھاکر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ لہسن، پیاز یا مولی وغیرہ کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے بہتر ہے کہ اس کو زائل کرکے نماز پڑھی جائے، اس بدبو کے ساتھ نماز پڑھنا مسجد کے علاوہ ہر جگہ مکروہ ہے اس لیے کہ حدیث میں ان کو کھاکر نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال نھی عن اکل الثوم الا مطبوخاً۔

(الجامع الترمذی ج ۲ ص۳ باب ماجاء فی الرخصۃ فی اکل الثوم مطبوخاً)[1]

نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے نماز میں اپنے پاؤں صحیح طریقہ سے نہیں رکھ سکتے اس لیے وہ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھتے ہیں، کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوگی؟

الجواب:۔ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنا مکروہ ہے البتہ اگر کسی کو بیماری ہو تو اس کی نماز اسی حالت میں (یعنی ایڑیوں کے بل بیٹھ کر) بلاکراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ واقعاؤہ) والکرخی بان ینصب قدمیہ و یقعد علی عقبیہ ویضع یدیہ علی الارض ..... قال فی البحر وینبغی ان تکون الکراھۃ التحریمیۃ علی الاول تنزیھیۃ علی الثانی۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۴۳ باب مکروھات الصلوٰۃ)[2]

مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیوں میں نماز کا حکم

سوال: بعض مساجد میں ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں، کیا ان میں نماز پڑھنا

---

[1] عن علی رضی اللہ عنہ قال نھی عن اکل الثوم الا مطبوخاً۔

(ابوداؤد ج ۲ ص۱۸۰ کتاب الاطعمۃ باب فی اکل الثوم)

وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ ج ۲ ص۳۶۷ کتاب الاطعمۃ۔ الفصل الثانی۔

[2] قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ کرہ الاقعاء) وقال الکرخی ھو ان ینصب قدمیہ ویقعد علی عقبیہ واضعا یدیہ علی الارض۔ قال الزیلعی..... لان ماقالہ الکرخیؒ غیر مکروہ بل یکرہ ذلک ایضاً۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۸۳ باب مایکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲۲ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ۔

جائز ہے جبکہ انہیں پہن کر انسان کو باہر پھرنا معیوب معلوم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ نمازی کو چاہیئے کہ نماز کے لیے ٹوپی یا رومال ایسا ہو جس کو پہن کر وہ کسی مجلس میں بغیر شرمائے ہوئے جا سکتا ہو، موجودہ ٹوپیاں جو مساجد میں پڑی ہوتی ہیں چونکہ نمازی ان کو پہن کر دوسری مجالس میں نہیں جا سکتا ہے اس لیے ثیاب بذلہ کے حکم میں ہو کر ان کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وکرہ...... وصلاتہ فی ثیاب بذلۃ یلبسہا فی بیتہ۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ.... وفسرہا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذھب بہ الی الاکابر والظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ۔ (رد المحتار ج ۱ صـ۶۴۱ باب مکروھات الصلوٰۃ)[1]

نماز میں کندھوں سے چادر کا گر جانا

سوال:۔ کبھی نماز کی حالت میں نمازی کے کندھوں سے چادر گر جاتی ہے، اس صورت میں نمازی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر نماز کے اندر کندھوں سے چادر گر جائے اور سدل کی صورت اختیار کرلے تو اس کی اصلاح عملِ قلیل سے اگر ممکن ہو تو چادر کو ایک ہاتھ سے کندھوں پر ڈال لینا چاہیئے کیونکہ نماز میں سدل مکروہ ہے، اسی طرح اس اصلاح سے ذہنی تشویش بھی ختم ہو جائے گی جو چادر کے گرنے سے پیدا ہو چکی تھی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ...... سدل تحریمًا للنھی ثوبہ أی ارسالہ بلا لبس معتاد وکذا القباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی کشد منديل ويرسله من كتفيه۔

(الدر المختار علی صـ۶۳۹ رد المحتار ج ۱ صـ۶۳۹ باب مکروہات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ الصلوٰۃ فی ثیاب البذلۃ..... ما لا یذھب بہ الی الکبراء ورأی عمرؓ رجلا فعل ذلک فقال ارأیت لو کنت ارسلتک الی بعض الناس أکنت تمر فی ثیابک ھذہ فقال لا فقال عمرؓ اللہ احق ان تتزین لہ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی صـ۲۹۲ فصل مکروہات الصلوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ سدلہ تکبرا او تہاونا وبالعذر لا یکرہ وھو ان یجعل الثوب علی رأسہ وکتفیہ او کتفیہ فقط ویرسل جوانبہ من غیر ان یضمھا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی صـ۲۸۵ باب فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

(وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ صـ۲۴ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ)

ٹائی باندھ کر نماز پڑھنا

سوال: بعض بالو قسم کے لوگ ٹائی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں کیا ٹائی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ٹائی غیر مسلموں کی علامت ہے۔

الجواب: ٹائی (صلیب کا نشان) عیسائیوں کے دینی شعائر میں سے ہے، چونکہ ٹائی باندھنے سے اُن کے اس مذہبی نشان کی تائید ہوتی ہے اس لیے تشبہ بالکفار کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لقوله عليه السلام: من تشبه بقوم فهو منهم قال الطيبيؒ: قوله من تشبه بقوم هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار اظهر في التشبيه ذكر في هذا اللباب۔
(طيبي شرح مشكوٰة ج۸ ص۲۱۹ كتاب اللباس الفصل الثاني)[1]

تشہد میں دامن صحیح کرنا

سوال: بعض لوگ جب التحیات میں بیٹھتے ہیں تو اپنا دامن صحیح کرتے رہتے ہیں انکے اس عمل سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: نماز میں تشہد یا دوسرے مواقع میں اپنے کپڑوں یا بدن یا کسی اور چیز سے کھیلنا شرعاً مکروہ ہے اگرچہ اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی مگر مکروہ ضرور ہوتی ہے اس لیے صورت مسئولہ میں تشہد میں دامن کا صحیح کرنا عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، تاہم اگر دامن گھٹنوں کے نیچے آکر تکلیف کا باعث بنتا ہو تو بدون عمل کثیر کے درست کر سکتا ہے۔

لما قال الحصكفيؒ: وكره كفه اى رفعه ولو لتراب كمشمر كم او ذيل وعبثه به اى بثوبه وبجسده للنهى الا لحاجة ولا بأس به۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ا ص۶۴۰ باب مكروهات الصلوٰة)[2]

---

[1] قال العلامة ملا على القاريؒ: عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم اى من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره او بالفساق او الفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار فهو منهم اى في الاثم والخير۔ قال الطيبيؒ: هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار اظهر من التشبه ذكر في هذا اللباب۔ (مرقاة شرح مشكوٰة ج۸ ص۲۵۵ كتاب اللباس الفصل الثاني)
ومثله في مشكوٰة ص۳۷۵ كتاب اللباس، الفصل الثاني۔

[2] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وكره عبثه بثوبه وبدنه وقلب الحصا الا للسجود مرة وفرقعة الاصابع۔ (كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۹ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها)
ومثله في مراقي الفلاح على صدر طحطاوي ص۲۸ فصل في مكروهات الصلوٰة۔

مالی نقصان ہونے کی صورت میں نماز کا توڑنا

سوال:۔ اگر کسی کی کوئی چیز ضائع ہو رہی ہو اور وہ نماز میں مشغول ہو تو کتنی مالیت تک کی چیز کے لیے نماز توڑی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے ایک درہم کی مالیت والے سامان کے ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنے کو جائز کہا ہے، جبکہ ایک درہم تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے، اس لیے دورِ حاضر میں تین ماشہ ایک رتی چاندی کی قیمت کے برابر مالیت کی چیز ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنا جائز ہے۔

لما فی الھندیۃ: رجل قام الی الصلوٰۃ فسرق منہ شئ قیمتہ درھم لہ ان یقطع الصلوٰۃ ویطلب السارق سواء کانت فریضۃ او تطوعاً لان الدرھم مال۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکرہ الصلوٰۃ) [۱]

سینٹ (سپرے) میں الکحل کی ملاوٹ ہو تو اس کے استعمال کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض ایسے خوشبودار اسپرے (سینٹ) ملتے ہیں جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، کیا ایسے اسپرے کو استعمال کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شراب جو کھجور اور انگور سے بنائی گئی ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہے، البتہ جو شراب اس کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کی گئی شراب پاک ہے، متاخرین فقہاء نے عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

لما قال الشیخ المفتی محمد تقی العثمانی: وأما غیر الاشربۃ الاربعۃ فلیست نجسۃ عند الامام ابی حنیفۃؒ..... وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویۃ والعطور وغیرھا لا تتخذ من العنب أو التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیرہ کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذٍ ھناک فسحۃ فی الاخذ بقول ابی حنیفۃؒ عند عموم البلوی۔ (تکملۃ فتح الملھم ج۳ ص۶۰۸ کتاب الاشربۃ)۔

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویباح قطعھا لنحو قتل حیۃ وند دابۃ وفور قدر وضیاع ما قیمتہ درھم لہ او لغیرہ۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قولہ وضیاع ما قیمتہ درھم) قال فی مجمع الروایات: لان ما دونہ تصیر فلا یقطع الصلوٰۃ لاجلہ الخ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۶۵۴ باب مکروہات الصلوٰۃ قبیل فی احکام المسجد)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۰۳ فصل فیما لا یکرہ۔

سوئے ہوئے شخص کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نمازی کے آگے کوئی شخص سو رہا ہو تو اس نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سویا ہوا شخص قبلہ رُخ ہو کر سویا ہو اور نمازی کی طرف اس کی پشت ہو تو اس کے سامنے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، تاہم اگر اس کا رخ نمازی کی طرف ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: ولا یکرہ صلوٰۃ الی ظہر قاعد او قائم ولم یتحدث الا اذا خیف الغلط بحدیثہ۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الی ظہر قاعد) قید بالظہر احترازاً عن الوجہ فانہا تکرہ الیہ کما مر...... وفی شرح المنیۃ: فادیہ نفی قول من قال بالکراہۃ بحضرۃ المتحدثین وکذا بحضرۃ النائمین ...... وفی النائمین اذا خاف ظہور شئ یضحکہ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۵۱ باب مکروہات الصلوٰۃ)[۱]

نماز میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں دعائیں مانگنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں عربی کے علاوہ اردو، پشتو وغیرہ زبانوں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کردے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز میں صرف عربی زبان میں دعا کی جائے، اگر کسی اور زبان میں دُعا کی جائے تو نماز کراہت سے خالی نہ ہوگی۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وظاہر التعلیل ان الدعاء بغیر العربیۃ خلاف الاولیٰ وان الکراہۃ تنزیہیۃ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۱ مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ)[۲]

---

[۱] قال ابراھیم الحلبیؒ: ولا بأس بان یصلی متوجہاً الی ظہر رجل قاعداً لظاہر ان التقیید بہ باعتبار الغالب وانہ لا فرق بین کونہ قاعداً او قائماً وقولہ یتحدث لافادۃ نفی قول من بالکراہۃ بحضرۃ المتحدثین وکذا بحضرۃ النائمین۔
(کبیری ص ۳۵۸ کراھیۃ الصلوٰۃ)

[۲] قال العلامۃ عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ: ومنہا ان یدعوا بالعربیۃ لیکون اقرب الی الاجابۃ فان للسان العربی من الفضل مالیس لغیرہ .... فی غرر الافکار شرح درر البحار فی بحث الدعاء بعد التشہد کرہ الدعاء بالاعجمیۃ الخ
(السعایۃ ج ۲ ص ۲۲۵ باب صفۃ الصلوٰۃ)

دورانِ نماز بچے کا گود میں بیٹھ جانا

سوال:۔ نماز کی حالت میں اگر بچہ سامنے آجائے یا گود میں بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بچہ خود قصداً گود میں آکر بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ایسے ہی اگر بچے کے رونے یا گر جانے کا خطرہ ہو اور اس مقام میں کوئی دوسرا نہیں جو اس کی حفاظت کرسکے، اس صورت میں بھی بچے کو گود میں لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ان مذکورہ شرائط کے علاوہ قصداً بطورِ محبت بچے کو اٹھا کر نماز پڑھتا ہے تو اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

صلی وھو حامل صبیًا جازت صلوٰتہ ویکرہ لو لم یکن ھناک من یحفظہ ویتعھد وھو یبکی فلا یکرہ ھٰکذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۷ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ) [۱]

آستین کہنیوں سے اوپر کرکے نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر نماز میں آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کپڑا موجود ہوتے ہوئے آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کرنا مکروہ ہے، البتہ کپڑا موجود نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (و) کرہ (کفہ) ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وفی ردّ المحتار فیہ الکراھۃ فی الخلاصۃ والمنیۃ بان یکون رافعا کمیہ الی المرفقین۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۶۴۰ مکروھات الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: یکرہ...... وحمل الطفل وما ورد نسخ بحدیث ان فی الصلوٰۃ شغلاً۔ (الدرالمختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۶۳۵ مکروھات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۵۹ الجنس فیما یکرہ۔

[۲] ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین کذا فی فتاوٰی قاضی خان۔

(الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی ما یکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲۴ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا)

امام سے پہلے سلام کہنا | **سوال**:۔ امام کے سلام سے قبل سلام پھیرنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے۔

الجواب:۔ تتبع کتب سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوا، البتہ احادیث کی رُو سے مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔

عن انس قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی صلوٰتہ اقبل علینا بوجھہ فقال ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱ ما علی المأموم من المتابعۃ) [۱]

چادر بچھاکر نماز پڑھنا | **سوال**:۔ مسجد میں چادر بچھاکر اس پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں چادر بچھاکر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین کی صلابت موجود رہے، اگر زمین کی صلابت معلوم نہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔

رجل یصلی علی الارض ویسجد علی خرقۃ وضعھا بین یدیہ لیتقی بھا الحر لا بأس بہ کذا فی الظھیریۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ) [۲]

مکروہ وقت میں نماز پڑھنا | **سوال**:۔ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو یہ مکروہ کی کون سی قسم ہے؟ فرض اور نفل پڑھنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

---

[۱] عن انسؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی الصلوٰۃ اقبل علینا بوجھہ فقال ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۸۰ باب تحریم سبق الامام برکوع وسجود ونحوھا)

[۲] قال طاھر بن عبد الرشید البخاری: ولو سجد علی ذیلہ اوکمہ اوکور عمامتہ یتقی بذلک حر الارض وبردھا یجوز عندنا۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۵۹ جنس آخر فیما یکرہ)

الجواب:۔ مکروہ اوقات یعنی طلوع وغروب اور استوائِ شمس کے دوران نماز پڑھنا شرعاً مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ غروبِ شمس کے وقت اُسی دن کی عصر کی نماز جائز مع الکراہت ہے۔ تاہم فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ مکروہ اوقات تین قسم پر ہیں: ۱۔ طلوع الشمس ۲۔ نصف النہار ۳۔ اور عند غروب الشمس۔

قال الحصکفیؒ: (وکرہ) تحریما وکل مالایجوز مکروہ (صلوٰۃ) مطلقاً (ولو) قضاء اوواجبۃ اونفلاً (علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو) لاشکر قنیۃ (مع شروق) الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولیٰ من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا۔ (واستواء) الا یوم الجمعۃ ...... (وغروب الاعصر یومہ)

(الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۱ ص۳۷۰ کتاب الصلوٰۃ)

نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرکے بغیر عذر کے دوسری سورۃ شروع کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں ایک سورۃ کی قرأت پر ابتداء کرے لیکن پھر قصداً بغیر کسی وجہ کے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کر دے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرنے کے بعد اس کے مکمل ہونے سے قبل بغیر کسی عذر کے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کر دینا شرعاً مکروہ ہے، البتہ اس سے نماز جائز ہے۔

افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخریٰ فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ۔ وکذا اقرأ اقل من آیۃ وان کان حرفاً ولوکبر للرکوع فی الصلوٰۃ ثم بدا لہ ان یزید فی القراءۃ لاباس بہ مالم

---

[1] قال قاضیخانؒ: یجوز قضاء الفوائت فی وقت شاء الا فی ثلاث ساعات لا تجوز فیہا المکتوبۃ ولا صلوٰۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ اذا طلعت الشمس حتیٰ ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارھا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذٰلک فانہ یجوز اداء عند الغروب۔

(الفتاوی قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۴۷ باب الاذان)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ص۶۹ ج۱ الفصل ۱ ج فی المواقیت۔

یرکع۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۹۸ فصل فی القرأۃ)۔[1]

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ سستی اور بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ آجکل کے بعض فیشن ایبل حضرات کا وطیرہ ہے، البتہ عذر اور تذلل کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وصلوٰتہ حاسرا) ای کاشفا (راسہ للتکاسل) و(لا) بأس بہ (للتذلل) اما للاہانۃ بہا فکفر۔

(الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص ۶۴۱ مکروہات الصلوٰۃ)۔[2]

جس قالین پر صلیب کی تصویر ہو اُس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض قالین یا دریاں ایسی بنائی جاتی ہیں جن میں صلیب کی صورتیں بنی ہوتی ہیں، کیا ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے غیر مسلموں کے دینی شعائر سے تشبہ کو مکروہ قرار دیا ہے جن کے چند نظائر فقہاء کرام نے بیان بھی فرمائے ہیں۔ لہٰذا صلیب چونکہ عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے اس لیے صلیب کے نشان والے قالین یا دری پر نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ ہے، اس لیے ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنے سے اجتناب لازمی ہے ــــ لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم

---

[1] وفی الہندیۃ: افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخریٰ فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا وکذا اقرأ اقل من آیۃ وان کان حرفا ولوکبر للرکوع فی الصلوٰۃ ثم بدا لہ ان یزید فی القرأۃ لا بأس بہ مالم یرکع۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۷۹ فصل فی القرأۃ)

[2] تکرہ الصلوٰۃ حاسرا راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذٰلک تکاسلاً او تہاونًا بالصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعلہ تذللا وخشوعا بل ھو حسن کذا فی الذخیرۃ۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا۔

فھو منہ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۵۵۹ کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ) ؎۱

نماز میں کپڑوں کو صحیح کرنا

سوال:۔ رکوع سے سجدہ کو انتقال کے وقت شلوار کو اوپر کی طرف کھینچنا، ایسے ہی سجدہ سے اٹھتے وقت اپنے کپڑوں کو صحیح کرنا، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بغیر حاجت کے کپڑوں کو صحیح کرنا جب عملِ کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے اور حاجت کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے، اور اگر عملِ کثیر تک نوبت پہنچے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: (و) کرہ (کفہ) ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۰ مکروھات الصلوٰۃ) ؎۲

امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ امام کا بحالتِ نماز بالکل محراب کے اندر کھڑا ہونا جس سے امام کی وضع قطع مقتدیوں سے بالکل مخفی ہو جائے، یا اس کا برآمدہ میں کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا صحن میں ہونا، اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کا محراب میں اس طرح سے کھڑا ہونا کہ اس کے افعال مقتدیوں سے

؎۱ قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: (قولہ او شمع او سراج) لانھما لایعبدان والکراھۃ باعتبارھا وانما تعبدھا المجوس اذا کانت فی الکانون وفیھا الجمر وفی التنور فلا یکرہ التوجہ الیھا علی غیر ذلک الوجہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۱۶۷ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۲ باب مکروھات الصلوٰۃ۔

؎۲ ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ وان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایۃ ولا بأس بان ینفض ثوبہ کیلا یلتفت بجسدہ فی الرکوع ولا بأس بان یمسح جبھتہ من التراب والحشیش۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۵ الفصل الثانی مکروھات الصلوٰۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۹ مکروھات الصلوٰۃ۔

مخفی رہیں مکروہ ہے، البتہ اگر امام ایسی صورت میں کھڑا ہو کہ اس کی ساری ہیئت مقتدیوں سے مخفی نہ ہو تو اس صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

ایسے ہی اگر امام برآمدہ میں اور مقتدی صحن میں ہوں، اگر ان کو امام کی ساری ہیئت کا علم ہوتا ہے تو نماز بلاکراہت جائز ہے اور عدم علم میں مکروہ ہے۔

وقال الحصکفیؒ: (قیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ) وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم (مطلقاً) وان لم یتشبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۵ باب مایفسد الصلوٰۃ)[1]

نماز میں ذی روح چیز کی تصویر پاؤں تلے رکھنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی جاندار کی تصویر سے منقش مصلّٰی پر نماز پڑھ رہا ہو اور پاؤں اس تصویر پر رکھے ہوں تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز مکروہ ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- جس کمرے میں کسی ذی روح (جاندار) کی تصویر آویزاں ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے تصویر سامنے ہو یا پیچھے، دائیں ہو یا بائیں۔ فقہاء کرام نے اس کراہت کی وجہ صنم پرستی سے مشابہت اور تعظیم بیان کی ہے لیکن اگر کسی مصلّٰی پر جاندار کی تصویر اس طرح بنی ہو کہ اس پر پاؤں رکھے جاتے ہوں تو ایسے مصلّٰی پر نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے، اس لیے کہ اس عمل سے اس تصویر کی تذلیل ہوتی ہے نہ کہ تعظیم، کیونکہ اسلام نے تصویر کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا بأس بان یصلّی علٰی بساط فیہ تصاویر لان فیہ استہانۃ بالصور ولا یسجد علی التصاویر لانہ یشبہ عبادۃ الصور واطلق الکراہیۃ فی الاصل لان

---

[1] قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: (لا) یکرہ (قیام الامام) بجملۃ (فی المحراب) لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ مستقی محراباً لانہ یحارب النفس والشیطٰن بالقیام الیہ والکراہۃ لاشتباہ الحال علی القوم واذا ضاق المکان فلا کراہۃ۔

(الطحطاوی ص۲۹۴ فصل فی المکروھات)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ ۔۔۔ الخ۔

المصلی معظم ویکرہ ان یکون فوق رأسہ فی السقف وبین یدیہ او بحذائہ تصاویر او صورۃ معلقۃ ... الخ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۲۶ باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصاویر سے منقش جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک استفتاء کا جواب نظر سے گذرا جس کی وجہ سے بہت تشویش لاحق ہوئی، استفتاء کا جواب یہ تھا کہ جس جائے نماز (مصلّٰی) پر کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس کی تصویر منقش ہو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمان ان منقش جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے ہیں، بڑی بڑی مساجد میں بڑے بڑے علماء و مفتیانِ عظام کو ایسے جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے دیکھا گیا ہے، اور خصوصاً تشویش کی بات یہ ہے کہ ایسے منقش جائے نماز لوگ بڑے شوق سے سعودی عرب سے لاتے ہیں۔ اب اگر مذکورہ استفتاء کے جواب کے مطابق ایسے جائے نمازوں پر نماز پڑھنا جائز نہیں تو ہماری پڑھی گئی نمازوں کا کیا بنے گا؟ کیا ہم ساری نمازوں کو دوبارہ قضاء کریں گے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر ہمیں اس تشویش سے نکالیں؟

الجواب:۔ جائے نماز (مصلّٰی) پر غیر ذی روح شے کی تصویر کا ہونا مانع صلوٰۃ نہیں اور نہ اس سے کوئی کراہت لازم آتی ہے۔

لما قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: واما صورۃ غیر ذی روح فلا خلاف فی عدم کراھۃ الصلوٰۃ علیھا او الیھا۔ (کبیری ص۳۴۶ مکروھات الصلوٰۃ)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر بھی غیر ذی روح میں داخل ہیں اس لیے جس مصلّٰی پر اس قسم کی تصاویر ہوں اس پر نماز پڑھنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر جائز ہے۔

(۱) عین کعبہ یا اس کی دیواروں پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الھندیۃ: لو صلّٰی علٰی جدار الکعبۃ فان کان وجھہ الٰی سطح الکعبۃ یجوز والا فلا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۶۳ باب صلوٰۃ فی الکعبۃ)

لما قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو صلّٰی فی جوف الکعبۃ او علٰی سطحھا جاز الٰی ای جھۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱ ص۴۳۵ باب صلوٰۃ فی الکعبۃ)

البتہ ایسا کرنے سے بوجہ اساءۃ ادب صرف کراہت تنزیہی ہے۔

لما قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: صح فرض ونفل فوقھا وان لم یتخذ

مصلیھا ستوۃ لما ذکرنا لکنہ مکروہ لا سارۃ الادب باستعلائہ علیھا وترک تعظیمھا یفید ان الکراھۃ التنزیہ ۔ (الطحطاوی ص ۳۳۹ باب صلوٰۃ فی الکعبۃ)

(۲) تصویر کا حکم عین شے کا حکم نہیں ہوتا ۔

(۳) نماز پڑھنے کے دوران ان تصاویر پر سر رکھا جاتا ہے پاؤں نہیں جو کہ موجب تعظیم ہے ، یہی وجہ ہے کہ جو تصاویر نماز میں پاؤں تلے آتی ہوں تو نماز بلاکراہت جائز ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او محل جلوسہ لانھا مھانۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۸ مکروہات الصلوٰۃ)

لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر سے منقش جائے نماز (مصلّی) پر نماز پڑھنا جائز ہے، تاہم اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان تصاویر پر پاؤں نہ آئے تاکہ بے ادبی کا شبہ پیدا نہ ہو ۔ جہاں تک اداشدہ نمازوں کا مسئلہ ہے تو وہ بلاکراہت جائز ہیں دوبارہ قضاء کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔جن حضرات نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کا فتویٰ قابلِ غور ہے، اس لیے کہ جب عین کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا جائز ہے تو منقش جائے نماز پر بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔[1]

---

[1] لما قال العلامۃ المفتی محمود حسن گنگوہیؒ : (سوال) جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر ہے اُس پر نماز پڑھنا کیسا ہے، آیا اس تصویر کو دوسرا کپڑا چڑھاکر چھپادیا جائے یا کیا کیا جائے، اگر فروخت کرتے ہیں تو چوتھائی قیمت ملتی ہے اور مسجد کو نقصان ہے ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ان مصلوں پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں نہ ان پر کپڑا چڑھانے کی ضرورت ہے نہ ان کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے ۔ فی منیۃ المصلی : واما صورۃ غیر ذی روح فلا خلاف فی عدم کراھۃ الصلوٰۃ علیھا (الیھا ص ۳۱۴) اور اس تصویر سے خانہ کعبہ کی تعظیم میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ تصویر کا حکم عین شئی کا حکم نہیں ہوتا، دوسرے خود خانہ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریق اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ فقط ، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔ (الفتاویٰ المحمودیہ جلد ۲ ص ۱۱۱ کتاب الصلوٰۃ)

باب مفسدات الصلوٰۃ

(نماز کے مفسدات کے بیان میں)

نماز میں پاؤں ہلانا

سوال:۔ کیا نماز میں پاؤں ہلانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ نماز میں پاؤں ہلانا جب تک عملِ کثیر کے درجے میں نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم بلا ضرورت پاؤں ہلانے سے اجتناب کرنا چاہیئے، البتہ دونوں پاؤں کا ہلانا عملِ کثیر کے زمرے میں داخل ہے۔

ان حرک رجلاً واحدۃ لا علی الدوام لا تفسد صلوٰتہ وان حرک رجلیہ تفسد و اعتبر ھذا القائل العمل بالرجلین بالعمل بالیدین والعمل برجل واحدۃ بالعمل بید واحدۃ قال بعضھم ان حرک رجلیہ قلیلاً لا تفسد صلوٰتہ کذا فی المحیط وھو الاوجہ ھکذا فی البحرالرائق۔ (الہندیۃ ج ۱ ص۱۰۳ الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ)[1]

نماز میں کھانسنا

سوال:۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض نمازی نماز میں کھانستے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو کھانسی میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، کیا نماز میں کھانسنا شرعاً جائز ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر نماز میں کھانسی بلا اختیار مع العذر ہو تو شرعاً جائز ہے اور بغیر عذر محض تحسینِ صوت کے لیے ہو تو بھی جائز ہے۔ البتہ نماز میں کھانسنے کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں تاہم بلا عذر کھانسنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس سے حروف پیدا ہوجائیں اور بغیر اظہارِ حروف کے بلا عذر کھانسنا مکروہ ہے۔

---

[1] قال ابن نجیم: ان حرک رجلاً واحدۃ لا علی الدوام لا تفسد صلوٰتہ وان حرک رجلیہ تفسد فمشکل لان الظاھر ان تحریک الیدین فی الصلوٰۃ لا یبطلھا متی یلحق بھما تحریک الرجلین فالاوجہ قول بعضھم ان حرک رجلیہ قلیلاً لا تفسد صلوٰتہ وان کان کثیراً فسدت کما فی الذخیرۃ۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۱۳ باب مفسدات الصلوٰۃ)

قال الحصکفیؒ : (والتنحنح) بحرفین (بلا عذر) اما بہ بان نشأ طبعہ فلا (او) بلا (غرض صحیح) فلو لتحسین صوتہ او یہتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۸ مطلب المواضع التی لایجب الخ) ؎۱

بحالتِ نماز قرآن سے دیکھ کر قرأت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بحالتِ نماز قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ نیز اس میں حافظ اور غیر حافظ کا فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصحف شریف سے دیکھ کر بحالتِ نماز قرأت کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا مفسدِ نماز ہے جبکہ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مفسدِ نماز نہیں، البتہ صحیح قول یہی ہے کہ مفسدِ نماز ہے، اس میں حافظ اور غیر حافظ دونوں برابر ہیں۔

ویفسدھا قرأتہ من مصحف عند ابی حنیفۃؒ وقال لایفسد ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیہ عمل کثیر وللصلوٰۃ عنہ بتدٌ وعلی ھذا لوکان موضوعًا بین یدیہ علی رحل وھو لایحمل ولا یقلب اوقرأ المکتوب فی المحراب لاتفسد ولان التلقن من المصحف تعلم لیس من اعمال الصلوٰۃ وھذا یوجب التسویۃ بین المحمول وغیرہ فتفسد بکل حال وھو الصحیح ھکذا فی الکافی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۱ مفسدات الصلوٰۃ) ؎۲

؎۱ ویفسد الصلوٰۃ التنحنح بلا عذر بان لم یکن مدفوعًا الیہ وحصل منہ حروف ھکذا فی التبیین ولو لم یظہر لہ حروف فانہ لایفسد اتفاقًا لکنہ مکروہ کذا فی البحر الرائق۔ (الھندیۃ سعیدی ج ۱ ص ۵۲ الباب السابع الفصل فیما یفسد الصلوٰۃ)

؎۲ قال ابن نجیم: (قولہ وقرأتہ من مصحف) ای یفسدھا عند ابی حنیفۃؒ وقالا ھی تامۃ لانہا عبادۃ انضافت الی عبادۃ الا انہا یکرہ لانہ تشبہ بصنیع اھل الکتاب ولابی حنیفۃؒ وجہان احدھما ان حمل المصحف والنظر فیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر الثانی انہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ وعلی ھذا الثانی لافرق بین الموضوع والمحمول عندہ وعلی الاول یفترقان وصحح المصنف فی الکافی الثانی وقال انہا تفسد بکل حال تبعًا لما صححہ شمس الائمۃ السرخسی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰ مایفسد الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۳ مفسدات الصلوٰۃ۔

نماز میں قبلہ سے منحرف ہوجانا

سوال:۔ نماز پڑھنے کے دوران کسی شخص کے دھکا دینے سے نمازی کا سینہ قبلہ سے کچھ منحرف ہوگیا، تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر قبلہ سے تھوڑی سی مقدار میں منحرف ہوجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر من کل الوجوہ منحرف ہوگیا تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولغیرہ) ای غیر معاینیھا (واصابۃ جھتھا) بان یبقی شئ من سطح الوجہ مسامتا للکعبۃ اولھوائھا. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۲۸ شروط الصلوٰۃ) [1]

لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھنا

سوال:۔ آجکل اکثر مساجد میں لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھائی جاتی ہے، آیا شرعاً اس آلہ کے ذریعہ نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ لاؤڈ سپیکر ایک جدید آلہ ہے اس سے مکبر یا امام کی آواز دور تک پہنچتی ہے۔ فنی لحاظ سے چونکہ یہ آواز اس امام ہی کی آواز ہوتی ہے اسلئے محققین علماء کرام کا اتفاق ہے کہ لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھانا جائز ہے لیکن بلا ضرورت لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق چونکہ یہ آواز امام کی اپنی نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے اس لیے اس (لاؤڈ سپیکر) سے نماز درست نہیں۔

قال المفتی کفایت اللہ:۔ میں کئی مرتبہ اس آلہ کے نماز میں استعمال کا حکم لکھ چکا ہوں اور اخبارات میں شائع کروا چکا ہوں، وہ یہ کہ فی حد ذاتہ اس آلہ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اس لیے خطبہ جمعہ وعیدین اور وعظ وتقریر کی مجالس میں اس کا استعمال مباح ہے، نماز کے بڑے مجمعوں میں جو لوگ تبلیغ تکبیر کرتے ہیں اُن کی آواز کو بلند کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ (کفایت المفتی ج۹ ص۳۰ کتاب الحظر والاباحۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم: (قولہ ولغیرھا اصابۃ جھتھا) لغیر المکی فرضہ اصابۃ جھتھا وھو الجانب الذی اذا توجہ الیہ الشخص یکون مسامتا للکعبۃ اولھوائھا۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۰۰ شروط الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۶۳ الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ۔

[2] امداد الفتاویٰ ج۱ ص۶۰۵ تا ۶۰۸ وآلاتِ جدیدہ ص۵۳ کی تحریر سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے۔

عورت کے محاذات کا مسئلہ

سوال:۔ اگر نماز میں ایک عورت مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے اور مرد اس کی اقتدا کی نیت بھی کرے اور عورت بالغہ بھی ہو تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا مسئلہ محاذات میں محرمہ اور اجنبیہ میں کوئی فرق ہے؟ اور محاذات کے شرائط کیا ہیں؟

الجواب:۔ اگر بالغہ عورت کسی مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے تو چند شرائط کے ساتھ اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مثلاً بغیر کسی حائل ورکاوٹ کے مکان ایک ہو، عورت بالغہ عاقلہ ہو جس کی نماز صحیح ہو، مجنونہ نہ ہو، امام عورت کی اقتدا کی نیت کرے، محاذات رکن کامل میں ہو، ان دونوں کی جہت متحد ہو۔

اور محاذات میں پنڈلی اور ٹخنوں کا اعتبار ہوتا ہے، اس میں محرمہ اور غیر محرمہ کا کوئی فرق نہیں، دونوں برابر ہیں۔

(ومنها) ان یکون فی مکان واحد حتی لو کان الرجل علی الدکان والمرأۃ علی الارض والدکان مثل قامۃ الرجل لا تفسد صلوتہ (ومنها) ان یکون بلا حائل حتی لو کانا فی مکان متحد بان کانا علی الارض او علی الدکان الا ان بینهما اسطوانۃ لا تفسد صلوتہ ھکذا فی الکافی وادنی الحائل قدر مؤخر الرحل وغلظہ غلظ الاصبع والفرجۃ تقوم مقام الحائل وادناہ قدر ما یقوم فیہ الرجل کذا فی التبیین (ومنها) ان تکون ممن تصح منها الصلوۃ حتی ان المجنونۃ اذا حاذتہ لا تفسد صلوتہ (ومنها) ان ینوی الامام امامتها او امامۃ النساء وقت الشروع لا بعدہ ولا یشترط حضور النساء لصحۃ نیتهن (ومنها) ان تکون المحاذات فی رکن کامل حتی لو کبرت فی صف ورکعت فی اخر وسجدت فی ثالث فسدت صلاۃ من عن یمینها ویسارها خلفها من کل صف (ومنها) ان تکون جهتهما متحدۃ حتی لو اختلف لا تفسد ولا یتصور اختلاف الجهۃ الا فی جوف الکعبۃ او فی لیلۃ مظلمۃ وصلی کل بالتحری الی جهۃ والمعتبر فی المحاذات الساق والکعب علی الصحیح ھکذا فی التبیین والمرأۃ تنتاول الاجنبیۃ والمحرمۃ والحلیلۃ والصغیرۃ المشتهاۃ والکبیرۃ التی ینفر عنها الرجال ھکذا فی الکفایۃ۔ (الهندیۃ ج ۱ ص ۸۹ باب الامامۃ۔ الفصل الخامس)

قال الحصکفیؒ: (واذا حاذته) ولو ببعضو واحد وخصه الزیلعی بالساق والکعب (امرأة) ولو امة (مشتهاة) حالاً کبنت تسع مطلقاً وثمان وسبع لو ضخمة او ماضیا کعجوز (ولا حائل بینهما) اقله قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة تسع رجلاً (فی صلوٰة) وان لم تتخذ کیفتها ظهرا بمصلی عصر علی الصحیح سراج فانه یصح نفلاً علی المذهب بحر وسیجی (مطلقة) خرج الجنازة (مشترکة) فمحاذاة المصلیة لمصل لیس فی صلاتها مکروهة لا مفسد فتح (تحریمة) وان سبقت ببعضها (واداء) ولو حکما کلاحقین بعد فراغ الامام بخلاف المسبوقین والمحاذاة فی الطریق (واتحدت الجهة) فلو اختلفت کما فی جوف الکعبة ولیلة مظلمة (فسدت صلوٰته) لو مکلفاً والا لا (ان نوی) الامام وقت شروعه لا بعده (امامتها) وان لم تکن حاضرة علی الظاهر ولو نوی امرأة معینة او النساء الا هذه عملت نیته (والا) تنوها (فسدت صلوتها)۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۷۵ باب الامامة)

بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض اوقات بس میں سفر کے دوران نماز کا وقت ہوتا ہے لیکن نماز کے لیے بس کا ڈرائیور کسی مقام پر بس کو نہیں روکتا۔ اگر بس میں بیٹھ کر نماز پڑھ لی جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا مع العذر جائز ہے جب قبلہ کا رُخ ابتداً میں صحیح ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ انتظار کرے، ممکن ہے کہ باقاعدہ نماز کا وقت مل جائے، بشرطیکہ پہلے ڈرائیور سے بات کرلی ہو اور ڈرائیور گاڑی نہ روکنے پر مُصر ہو، البتہ ڈرائیور اگر گاڑی کھڑی کردے تو پھر جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (صلی الفرض فی فلک) جار (قاعداً بلا عذر صح) لغلبة العجز (واساء) وقالا لا یصح الا بعذر وهو الاظهر برهان۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۱ باب صلوٰة المریض)

(اما الصلوٰة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة وهی تسیر او لا تسیر (فهی صلوٰة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر) المذکور فی التیمم (لا فی غیرها)

ومن العذر المطر وطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱ باب النوافل ، مطلب الصلوٰۃ علی الدابۃ) لـه

مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوکانوں میں نماز پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد چھوٹی ہے، بعض اوقات نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہیں رہتی خصوصاً جمعہ کے دن، تو بعض لوگ مسجد کے باہر ہی دوکانوں میں کھڑے ہو کر نیت باندھ لیتے ہیں جسکی بناء پر ظاہراً صفوف میں اتصال نہیں رہتا کیا ایسی صورت میں امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر مسجد میں جگہ نہ ہو تو مسجد کے باہر دوکانوں میں نماز پڑھنا اس وقت درست ہے جس وقت مسجد اور دوکانوں کے درمیان کا راستہ بند کیا جائے اور صفوف میں اتصال ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ ان مقتدیوں کو امام کی حالت کا علم بھی ہو۔ اگر صفوف میں اتصال نہ ہو یا کافی راستہ درمیان میں خالی ہو اور ایسے ہی امام مسجد کی حالت کا بھی علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اقتداء درست نہیں۔

قال الحصکفیؒ : (ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیه عجلة) الة یجرها الثور (او نهر تجری فیه السفن) ولو زورقا ولو فی المسجد (او خلاء) ای فضاء (فی الصحراء) او فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس (یسع صفین) فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقا کان قام فی الطریق ثلاثة وکذا اثنان عند الثانی لا واحد اتفاقا لانه لکراهة صلاته صار وجوده کعدمه فی حق من خلفه (والحائل لا یمنع) الاقتداء (ان لم یشتبه حال امامه بسماع او رؤیة) ولو من باب مشبك یمنع الوصول فی الاصح (ولم یختلف المکان) حقیقة کمسجد

لـه ولا یجوز المکتوبة علی الدابة الا من عذر ------ اما الصلوٰة علی العجلة فان کان طرفها علی الدابة وهی تسیر اولا فهی صلوٰة علی الدابة وقد مر حکمها ۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۳ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)

ومثلُهٗ فی معارف السنن ج۳ ص۳۹۵ باب الصلوٰة علی الدابة حیث توجهت به ۔

ویبیت فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۸۴ باب الامامۃ) ۱؎

نماز میں واجبات کا چھوٹ جانا

سوال:۔ اگر کسی شخص سے نماز کے واجبات چھوٹ جائیں اور وہ سجدہ سہو بھی نہ کرے تو اس سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قصداً و عمداً واجبات کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے، البتہ واجبات چھوٹ جانے پر اگر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو پھر نماز کا اعادہ واجب ہے، اگر نماز کا اعادہ نہ کیا تو نماز کراہۃ تحریمہ کے باوجود جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (لها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوبًا فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقًا اثمًا وکذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحریم یجب اعادتها والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا یتکرر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۵۶ واجبات الصلوٰۃ) ۲؎

زلزلہ کے وقت نماز کا توڑنا

سوال:۔ بحالت نماز اگر زلزلہ آجائے تو نماز کو توڑ کر باہر کسی محفوظ جگہ پر جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۱؎ ومنها طریق عام یمر فیه العجلة والاوقار هکذا فی شرح الطحاوی۔ اذا کان بین الامام وبین المقتدی طریق ان کان ضیقًا لا یمر فیه العجلة والاوقار لا یمنع وان کان واسعًا یمر فیه العجلة والاوقار یمنع کذا فی فتاوی قاضی خان والخلاصة هذا اذا لم تکن الصفوف متصلة علی الطریق اما اذا اتصلت الصفوف لا یمنع الاقتداء ولو کان علی الطریق واحد لا یثبت به الاتصال وبالثلاث یثبت بالاتفاق۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۸۷ باب الامامة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء ... الخ)

۲؎ فلا تفسد الصلوٰۃ بترکها عامدًا او ساهیًا بل یجب علیه سجود السهو فی السهو جبرا للنقصان الحاصل بترکها سهوًا والاعادة فی العمد والسهو اذا لم یسجد لتکون مؤداة علی وجه لا نقص فیه فاذا لم یعدها کانت مؤداة اداء مکروها کراهة تحریم وهذا هو الحکم فی کل واجب ترکه۔

(البحر الرائق ج ۱ ص۲۹۵ شروط الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۱۳۴ فی بیان واجبات الصلوٰۃ۔

الجواب:۔ زلزلہ کے باعث باجماعت نماز توڑ کر باہر نکلنے کے بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا، مگر فقہی ذخائر میں بعض ایسے جزئیات موجود ہیں کہ مالی نقصان سے بچنے کے لیے نماز کو توڑا جاسکتا ہے تو جانی نقصان سے بچنے کے لیے نماز توڑنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، چونکہ زلزلہ میں جانی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے نماز چھوڑ کر باہر نکلنا جائز ہے ۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تتمۃ) نقل عن خط صاحب البحر علیٰ ھامشہ: ان القطع یکون حرامًا ومباحًا ومستحبًا وواجبًا فالحرام لغیر عذر، والمباح اذا خاف فوت مال والمستحب القطع للاکمال والواجب لاحیاء النفس۔[1]

(رد المحتار ج ۱ ص۶۵۲ باب ادراك الفریضۃ مطلب قطع الصلوٰۃ یکون حرامًا ومباحًا۔الخ)

نماز میں امام کی غلطی پر لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب سے صبح کی نماز میں غلطی ہوگئی جس پر ایک مقتدی نے لقمہ دیا لیکن امام صاحب نے اس کا لقمہ نہیں لیا بلکہ اپنی نماز جاری رکھی، سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب نے کہا کہ جس نے لقمہ دیا ہے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہے لہٰذا وہ اپنی نماز لوٹا دے۔ کیا اس طرح لقمہ دینے سے واقعی نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ نماز میں امام کے غلطی کرنے سے اگر مقتدی لقمہ دے دے تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی امام کے لقمہ نہ لینے سے نماز فاسد ہوتی ہے، البتہ لقموں کی کثرت سے اجتناب کیا جائے ۔

قال الحصکفیؒ: (بخلاف فتحہ علیٰ امامہ) فانہ لا یفسد (مطلقًا) لفاتح واخذ بکل حال الّا اذا سمعہ المؤتم من غیر مصلٍّ ففتح بہ تفسد

---

[1] وفی الھندیہ: وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح اوتحرقہ النار اویغرق فی الماء واستغاث بالمصلی وجب علیہ قطع الصلوٰۃ رجل قام الی الصلوٰۃ فسرق منہ شئ قیمتہ درھم لہ ان یقطع الصلوٰۃ ویطلب السارق سواء کانت فریضۃ اوتطوعًا لان الدرھم مال.... الخ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ ومما یتصل بذلك مسائل)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۷۱ باب ادراك الفریضۃ ۔

صلوٰۃ الکل وینوی الفتح لا القرأۃ ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۲۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ) [1]

نماز میں باتیں کرنا

سوال :۔ نماز میں اگر ایک شخص بھول کر بات کرے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :۔ نماز میں باتیں کرنا خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو مفسدِ صلوٰۃ ہے، ایسی صورت میں نماز دوبارہ پڑھی جائے ۔

قال ابن عابدینؒ : (یفسدها التکلم) ای یفسد الصلوٰۃ ومثلها سجود السهو والتلاوۃ والشکر علی القول عن الحموی (قوله هو النطق بحرفین الخ) ای ادنی ما یقع اسم الکلام علیه المرکب من حرفین کما فی القهستانی عن الجلابی۔

(رد المحتار ج ۱ ص۶۱۳ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها) [2]

نماز کے دوران عورت کے دوپٹے میں سے بال نظر آنا

سوال :۔ آجکل بعض عورتیں ایسے دوپٹہ کا استعمال کرتی ہیں

---

[1] وان فتح علی امامه لم تفسد ثم قیل ینوی الفاتح بالفتح علی امامه التلاوۃ والصحیح ان ینوی الفتح علی امامه دون القرأۃ قالوا هذا اذا ارتج علیه قبل ان یقرأ قدر ما تجوز به الصلوٰۃ او بعد ما قرأ و لم یتحول الی آیة اخری واما اذا قرأ وتحول ففتح علیه تفسد صلوٰۃ الفاتح والصحیح انها لا تفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال ولا صلوٰۃ الامام لو اخذ منه علی الصحیح هکذا فی الکافی۔ (فتاوی هندیة ج ۱ ص۱۱۳ الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۶ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۔

[2] اذا تکلم فی صلوٰته ناسیاً او عامداً خاطئاً او قاصداً قلیلاً او کثیراً تکلم لاصلاح صلوٰته بان قام الامام فی موضع القعود فقال له المقتدی اُقعد اَوْ قعد فی موضع القیام فقال له قم او لا لاصلاح صلوٰته ویکون الکلام من کلام الناس استقبل الصلوٰۃ عندنا کذا فی المحیط ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۹۸ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها۔

جس سے عورت کی ہیئت بالکل نمایاں ہوتی ہے خاص کر جب نماز میں ہو تو عورت کے بال اور جسم کے اعضاء واضح دکھائی دیتے ہیں، کیا اس طرح بالوں کے ظاہر ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ آزاد عورت کا جملہ بدن نماز میں بلکہ تمام اوقات میں مخفی رہنا ضروری ہے اور عورت کے سر کے بال بھی ستر میں سے ہیں اُن کا چھپانا لازم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت نماز میں ایسا دوپٹہ استعمال کرتی ہو جس سے سر کے تمام بال نہیں چھپتے بلکہ ظاہر رہتے ہیں تو اس سے نماز نہیں ہوتی بلکہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وللحرة) ولو خنثی (جمیع بدنها) حتی شعرها النازل فی الاصح (خلا الوجه والکفین) فظهر الکف عورة علی المذهب (والقدمین) علی المعتمد۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوٰۃ)

لما قال ابن عابدینؒ: تحت قوله (ولا یصف ما تحته) بان لا یریٰ منه لون البشرة احترازاً عن الرقیق ونحو الزجاج۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۱۱ باب شروط الصلوٰۃ۔ مطلب فی النظر الی وجه الامرد)[1]

نماز میں درود و دعا کے الفاظ دل میں پڑھنا

سوال:۔ میری زبان میں لکنت ہے جس کی وجہ سے نماز میں الفاظ کو صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا ہوں، خصوصاً جب تشہد میں ہوتا ہوں تو درود و دعا کے الفاظ بالکلیۃ میری زبان پر نہیں آتے جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، تو میں دل ہی دل میں الفاظ و معانی پہ غور و فکر کر کے پڑھ لیتا ہوں۔ تو کیا اس سے نماز میں فساد وغیرہ لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں تشہد کا پڑھنا واجبات الصلوٰۃ میں سے ہے اس کا ترک کرنا

---

[1] وبدن الحرة عورة الا وجهها وکفیها وقدمیها کذا فی المتون وشعر المرأة ما علیٰ رأسها عورة واما المسترسل ففیه روایتان الاصح انه عورة کذا فی الخلاصة وهو الصحیح وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه الفتویٰ ـــ والثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا تجوز الصلوٰۃ فیه کذا فی التبیین۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۵۸ الباب الثانی فی شروط الصلوٰۃ)
ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص۹۶ باب شروط الصلوٰۃ۔

گناہ ہے، اور نہ ہی دل میں غور و فکر کرنے سے تشہد ادا ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنی طاقت کے مطابق ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ الفاظ صحیح ادا نہ ہوں لیکن اتنا یقین ہو کہ میں نے ان الفاظ کو ادا کیا ہے۔ تاہم درود شریف اور دعا چونکہ سنت ہے اس لیے اگر بصورتِ مجبوری رہ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ پڑھنا مناسب ہے۔

فان کان لاینطق لسانہ فی بعض الحروف ان لم یجد آیۃ لیس فیہا تلک الحروف یجوز صلوٰتہ ولا یؤم غیرہ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۷۹ زلۃ القاری)

ویجب التشہد فی القعدۃ الاخیرۃ وکذا فی القعدۃ الاولیٰ وھو الصحیح ھکذا فی السراج الوھاج وھو الاصح کذا فی محیط السرخسی۔

(الھندیۃ ج ۱ ص۷۱ واجبات الصلوٰۃ)[1]

نمازی کے آگے کتا اور عورت کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: اگر بحالتِ نماز سامنے سے عورت یا کتا گذر جائے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت اور کتے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا مفسدِ نماز نہیں۔

قال ابن عابدین: (قولہ ولو امرأۃ اوکلب) بیان للاطلاق والاشارۃ الی الرد علی الظاھریۃ بقولھم یقطع الصلوٰۃ مرور المرأۃ والکلب والحمار وعلی احمد فی الکلب الاسود۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۲۹ باب ما یفسد الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: لھا واجبات ... (قولہ والتشہد ان) ای تشہد القعدۃ الاولیٰ وتشہد الاخیرۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۶۶ واجبات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۱۸ واجبات الصلوٰۃ۔

[2] (مار فی موضع سجودہ لا تفسد) سواء المرأۃ والکلب والحمار لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع الصلوٰۃ شیء وادرءوا ما استطعتم فانما ھو شیطان (وان اثم المار)

(مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص۱۸۷)

نماز میں سری ذکر کرنا

سوال:۔ بعض لوگ نماز میں ذکرِ سری کرتے ہیں، اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: نماز مخصوص اذکار کا نام ہے، ان اذکار کے علاوہ نماز میں دوسرے اذکار کا ورد کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے، اس لیے جو شخص مخصوص مقامات میں مخصوص اذکار کے علاوہ ذکر کرے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

لما قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: ذکر فی المتقط ان المصلی اذا سمعتہ الحیۃ فقال بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم تفسد صلوٰتہ الخ وذکر فی الذخیرۃ انہ اذا قال المریض یا ربّ او قال بسم اللّٰہ لما یلحقہ من المشقۃ اما عندھما ای الطرفین فتفسد۔ (کبیری ص۴۳۷ فصل فیما یفسد الصلوٰۃ)[1]

کپڑوں پر نجاست ہو تو نماز کا حکم

سوال:۔ دہقان (کاشتکار) لوگ بعض اوقات جلدی میں کھیتوں میں کام کرنے والے کپڑوں میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں جبکہ کبھی کبھی ان کو اپنے کپڑوں پر نجس اشیاء مثلاً گوبر وغیرہ کی موجودگی کا علم نہیں ہوتا، کیا ان اشیاء کے باوجود نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ نجاست درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو ہر حال میں نماز درست نہیں چاہے سہواً ہو یا قصداً اس کا اعادہ لازمی ہے، البتہ اگر درہم کی مقدار سے کم ہو اور اس کو پتہ ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر علم نہ ہو تو نماز درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعفی الشارع عن قدر درھم وان کرہ تحریمًا... وفوقہ مبطل۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وان کرہ تحریمًا) ففی المحیط یکرہ ان یصلی ومعہ قدر درھم او دونہ من النجاسۃ عالمًا بہ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۱۶ باب الانجاس)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی صفوں پر نماز کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص مسجد کے لیے زکوٰۃ کے پیسوں سے صفوں کا انتظام کرے تو کیا

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن فی جواب ھذہ المسئلۃ قال: ظاہر ہمیں است کہ نماز فاسد شود لہٰذا احتیاط دریں امر واجب است۔ (فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۴ ص۴۶ فصل فیما یفسد الصلوٰۃ)

[2] قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: ویعفی فی النجاسۃ المغلظۃ عن امور منھا قدر الدرھم ویقدر فی النجاسۃ الکثیفۃ بما یزن عشرین قیراطًا وفی النجاسۃ الرقیقۃ بعرض مقعر الکف ... فان الصلوٰۃ تکون بہ مکروھًا کراھۃ تنزیہ ... والمشھور عند الحنفیۃ کراھۃ التحریم۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۱۸ مبحث مایعفی عنہ من النجاسۃ)

ان صفوں پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے لیے مکان (جگہ) کا پاک ہونا شرط ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ صفیں چونکہ پاک ہیں اس لیے ان پر نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ لانے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لیے کہ تملیک کی شرط مفقود ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: یشترط ان یکون الصرف ..... تملیکاً لا اباحۃ کما مر لا یصرف الیٰ بناء نحو مسجد ولا الیٰ کفن میت۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

زیرِ ناف بالوں کی موجودگی میں نماز کا حکم

سوال:۔ اکثر لوگوں سے یہ سننے میں آیا ہے کہ جس شخص نے زیرِ ناف بال چالیس دن تک صاف نہ کیے ہوں تو اس کی نماز نہیں ہوتی، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ زیرِ ناف بالوں کو ہفتہ میں ایک بار صاف کیا جائے، چالیس دن تک بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے لیکن اس کراہت کے باوجود نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ یہ عمل بذاتِ خود مناسب نہیں۔

لما فی الھندیۃ: والافضل ان یقلم اظفارہ ویحفی شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ بالاغتسال فی کل سبوع مرۃ فان لم یفعل ففی کل خمسۃ عشر یوماً ولا یعذر فی ترکہ وراء الاربعین فالاسبوع ھو الافضل والخمسۃ عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۳۵۸ کتاب الکراھۃ الباب التاسع عشر)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات..... وکل ما لا تملیک فیہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لا یجوز۔

[2] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحلق عانتہ وتنظیف بدنہ بالاغتسال فی کل اسبوع مرۃ والافضل یوم الجمعۃ وجاز فی کل خمسۃ عشر وکرہ ترکہ وراء الاربعین۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ (وکرہ ترکہ) ای تحریماً لقول المجتبیٰ ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۰۷ کتاب الکراھۃ فصل فی البیع)

نماز میں اللہ یا انا للہ کہنا

سوال:۔ اگر دورانِ نماز کوئی ناگہانی سانحہ پیش آجائے یا کوئی ہولناک خبر سنے اور زبان سے بے اختیار اللہ یا انا للہ کے الفاظ نکل جائیں تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں، ایک رائے کے مطابق یہ نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ دوسری رائے کے مطابق چونکہ یہ الفاظ کلام الناس سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ علامہ ابن عابدینؒ وغیرہ محققین نے قولِ ثانی کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله لو سقط شئ من السطح فبسمل) یشکل علیہ ما فی البحر لو لدغته عقرب او اصابه وجع فقال بسم الله قیل تفسد لانه کالانین وقیل لا لانه لیس من کلام الناس وفی النصاب وعلیه الفتویٰ وجزم به فی الظهیریة وکذا لو قال یا رب کما فی الذخیرة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۲ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره۔ الخ) [1]

پاگل (مجنونہ) خاتون کے محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال:۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ عورت کا نماز میں مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے تو کیا اگر کوئی پاگل (مجنونہ) عورت کسی مرد کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں اگرچہ اجنبی عورت کا مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے مگر یہ فساد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جس میں تکبیرِ تحریمہ کا ایک ہونا بھی شامل ہے جو کہ مکلف سے متوقع ہے چونکہ مجنونہ عورت کی نماز سرے سے صحیح نہیں اس لیے اس سے فسادِ صلوٰۃ بھی لازم نہیں آتا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله فی صلوٰة وان لم تتحد)..... قال وفیه اشارة الی ان محاذاة المجنونة لا تفسد لان صلوتها لیست

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ذکر فی الفتاویٰ الظهیریة فی بعض المواضع انه لو اجاب بالقول بان یخبر بخبر یسره فقال الحمد لله رب العالمین او بخبر یسوءه فقال انا لله وانا الیه راجعون تفسد صلوته والاصح انه لا تفسد صلوته وهو تصحیح مخالف للمشهور۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۶ باب ما یفسد الصلوٰة الخ)

وَمِثْلُهُ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۶۵ فصل مفسدات الصلوٰة۔

بصلاۃ فی الحقیقۃ ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۷۳ باب الامامۃ) [۱]

زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال :- جب کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے تو خون کو بند کرنے کے لیے زخم پر اسپرٹ لگایا جاتا ہے، تو کیا زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب :- اسپرٹ میں چونکہ الکحل استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اگر الکحل عنب، زبیب اور کھجور سے بنایا گیا ہو تو بالاتفاق اس کا استعمال جائز نہیں اور نہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے اور اگر ان چار کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کیا گیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے اور اس کے استعمال میں رخصت کی گنجائش ہے۔

چونکہ آجکل کا الکحل ان چاروں اشیاء کے علاوہ دیگر حبوب اور چھلکوں، پٹرول وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اس لیے عموم بلویٰ کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ کے مطابق نماز درست ہے۔

لما قال الشیخ المحقق المفتی محمد تقی عثمانی : وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویۃ والعطور وغیرھا لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیرہ کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذٍ ھناك فسحۃ فی الاخذ بقول ابی حنیفۃؒ عند عموم البلوی ۔ (تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۶۰۸ کتاب الاشربۃ حکم الکحول المسکرۃ) [۲]

آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال :- کیا بلا ضرورت صرف آدھی آستین والے

---

[۱] لما فی الھندیۃ : ومنھا ان تکون ممن تصح منھا الصلوٰۃ حتی ان المجنونۃ اذا حاذتہ لا تفسد کذا فی الکافی ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۸۹ باب الامامۃ، الفصل الخامس)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ۱ ص ۵۶ باب مفسدات الصلوٰۃ ۔

[۲] لما قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ : اسپرٹ اگر عنب، ذبیب، رطب، تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق ۔

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۲ باب الانجاس)

بنیان میں نماز پڑھنا جائز ہے ؟

الجواب: نماز میں بلا ضرورت کہنیوں کو کھلا رکھنا مکروہ ہے چونکہ بنیان میں کہنیاں کھلی رہتی ہیں اس لیے بلا ضرورت اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تاہم اگر کسی کے پاس قمیض نہ ہو تو اس صورت کے پیش نظر صرف بنیان میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۰ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره) [1]

نماز میں تنحنح (کھانسنے) کا حکم

سوال: سردی کے ایام میں یا کبھی ویسے ہی بعض لوگ گلا صاف کرنے کے لیے تنحنح کرتے (کھانستے) ہیں ، تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب: تنحنح یعنی گلا صاف کرنے کیلئے یا تحسینِ صوت یعنی آواز کی وضاحت کیلئے یا بوجہ مجبوری ایسا کیا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہے ، البتہ اگر بغیر ضرورت کے کیا جائے تو مکروہ ہے ۔

لما قال الحصکفیؒ : التنحنح بحرفین بلا عذر اما به بان نشأ من طبعه فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته او لیهتدی امامه او للاعلام انه فی الصلوٰة فلا فساد علی الصحیح ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۸ باب مفسدات الصلوٰة) [2]

---

[1] قال العلامه حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وکره ۔۔۔۔ وتشمیر کمیه عنهما للنهی عنه لما فیه من الجفاء المنافی للخشوع ۔ قال السید احمد الطحطاویؒ : (تحت قوله تشمیر کمیه) ای عن ذراعیه سواء کان الی المرفقین اولا علی الظاهر ۔

(طحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص ۲۸۳ فصل فی مکروهات الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۵۵۴ باب مفسدات الصلوٰة ۔ الخ

[2] قال العلامه حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : ویفسدها التنحنح بلا عذر لما فیه من الحروف وان کان لعذر کمنعه البلغم من القرأة لا یفسد ۔ قال السید احمد الطحطاویؒ : (تحت قوله وان کان لعذر الخ) منه التنحنح لاصلاح الصوت وتحسینه او لیهتدی امامه من خطیئته او للاعلام بانه فی الصلوٰة علی الصحیح ۔ (طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۲۶۳ باب مفسدات الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره ۔

نماز میں بار بار جسم کو کھجلانے کا حکم

سوال:۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی نماز کے اندر تین بار اپنے جسم کو کھجلائے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، آیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو خارش کے مریض کے لیے اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کے ایک رکن کے اندر بلا عذر شرعی مسلسل بدن کو کھجلانا نقصان دہ ہے، البتہ عذر شرعی کی بناء پر ایسے کرنے سے نماز پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا، اس لیے لوگوں کی بات صحیح ہے لیکن خارش کے مریض کے لیے عذر کی بناء پر ایسا کرنا مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنھی الا لحاجۃ ولا بأس بہ۔ قال ابن عابدینؒ (قولہ الا لحاجۃ) کحک بدنہ لشیء اکلہ واضرہ وسلت عرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لو بدون عمل کثیر قال فی الفیض الحک بید واحدۃ فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوٰۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۴۲ فصل فیما یفسد وما یکرہ الصلوٰۃ)[۱]

نماز میں بار بار تعوذ پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص کو نماز میں بکثرت وسوسے آتے ہیں اگر وہ ان کو دفع کرنے کے لیے بار بار تعوذ پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب:۔ دفع وساوس کے لیے بار بار تعوذ پڑھنا مفسد صلوٰۃ نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں دفع وساوس کیلئے بار بار اعوذ باللہ الخ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی ہے۔

لما قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: ولو تعوذ لدفع الوسوسۃ لا تفسد مطلقاً...... ولو تعوذ لدفع الوسوسۃ لا تفسد مطلقاً نظراً اذ لا فرق بینھا وبین الحوقلۃ۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص۲۶۱ باب ما یفسد الصلوٰۃ ویکرہ بہا)

---

[۱] لما قال السید احمد الطحطاویؒ: انما یکرہ العبث فی الصلوٰۃ اذا لم تدع الحاجۃ الیہ دعت فلا بأس بہ کسلت العرق عن وجھہ والتراب عند الایذاء۔
(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹۹ باب ما یکرہ الصلوٰۃ)

باب الوتر
(وتر کے مسائل)

وتر کا باجماعت پڑھنا رمضان کی خصوصیت ہے

سوال:۔ ایک شخص بوجہ عذر یا بلا عذر روزہ نہیں رکھتا ہے لیکن نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے، کیا ایسا شخص عشاء کی نماز کے بعد وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کا باجماعت پڑھنا روزے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خود رمضان کی خصوصیت ہے۔ پس جو شخص کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو وہ رمضان المبارک میں وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے روزہ رکھنے پر مکلف نہ ہونے کے باوجود وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

قال مولانا جلال الدین الخوارزمی الکرلانی:۔ وفی رمضان الصحیح ان الجماعة افضل لان عمر رضی اللہ عنہ کان یؤمھم فی الوتر ولانه لما جاز الاداء بالجماعة کانت الجماعة افضل اعتبارًا بالمکتوبة کذا فی فتاوی قاضی خان۔

(الکفایة فی ذیل فتح القدیر فصل فی قیام رمضان ج۱ ص۳۴۹) [1]

وتر کی رکعات میں شک پڑ جانا

سوال:۔ اگر ایک شخص کو وتر پڑھتے وقت دوسری رکعت میں تیسری رکعت ہونے کا شک ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ دوسری رکعت تیسری رکعت ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعی یہ دوسری رکعت ہو؟

الجواب:۔ اگر کسی کو وتر پڑھتے ہوئے شک پیدا ہو جائے کہ یہ اس کی دوسری یا

---

[1] وقال ابن عابدین: والصحیح ان الجماعة فیھا افضل الّا ان سنیتھا لیست کسنیة جماعة التراویح اھ (رد المحتار باب الوتر والنوافل ج۲ ص۴۹)
ومثلهٗ فی البحر الرائق باب الوتر والنوافل ج۱ ص۶۹)

تیسری رکعت ہے تو یہ شخص اُسی رکعت میں دعاءِ قنوت پڑھے گا جس رکعت میں اُسے شک پیدا ہوا ہے اور اُسی رکعت میں بیٹھ کر قعدہ کرے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ اُس کی تیسری رکعت ہو، قعدہ کے بعد جب تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو دوبارہ دعاءِ قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

قال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: لو شك في الوتر وهو قائم انها ثانية أم ثالثة يتم تلك الركعة ويقنت فيها ويقعد ثم يقوم فيصلي ركعة أخرى ويقعد ثم يقوم فيصلي ركعة أخرى ويقنت فيها ايضاً ويسجد للسهو هو المختار۔

(خلاصة الفتاوی، فصل في سجود السهو ج ۱ ص۱۷۱،۱۷۲) [1]

وتر میں مشہور دعاءِ قنوت پڑھنا بہتر ہے

سوال:۔ وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنے کی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص سے دعاءِ قنوت رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر ایک شخص کو مشہور دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو ایسی حالت میں وتر میں متبادل کیا پڑھنا چاہیئے؟

الجواب:۔ وتر میں نفسِ قنوت واجب ہے، لہٰذا جو دعاء بھی پڑھی جائے تو وتر کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص بالکل کچھ نہ پڑھے تو ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ مشہور دعاءِ قنوت کا پڑھنا بہتر ہے۔

والقنوت واجب على الصحيح (وفيه) وليس في القنوت دعاء مؤقت۔ والاولى ان يقرأ اللّٰهم انا نستعينك۔ الخ (الهندية ج ۱ ص۱۱۱ باب الوتر)

اور جس شخص کو دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھے اور اگر "یا ربّ" یا "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"

---

[1] وفي الهندية: ذكر الناطفي في اجناسه۔ لو شك احد في الوتر انه في الاولى او الثانية او الثالثة۔ فانه يقنت في الركعة التي هو فيها ثم يقعد ثم يقوم فيصلي ركعتين بقعدتين ويقنت فيهما احتياطاً۔ وفي قول آخر لا يقنت في الكل اصلاً۔ والاول اصح لان القنوت واجب وما تردد بين الواجب والبدعة يأتي به احتياطاً كذا في محيط السرخسي۔ (الهندية ج ۱ ص۱۱۱ باب الوتر)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۴۳ باب الوتر والنوافل۔

تین دفعہ پڑھے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :۔ ومن لا یحسن القنوت بالعربیۃ او لا یحفظہ ففیہ ثلاثۃ اقوال مختلفۃ قیل یقول یا رب ثلاث مرات ثم یرکع وقیل یقول اللھم اغفرلی ثلاث مرات وقیل اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۲ باب الوتر والنوافل)[1]

رمضان میں تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر منفرداً پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص تراویح باجماعت پڑھے لیکن کسی عذر یا بغیر عذر کے وتر انفراداً ادا کرے تو کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کی نماز تراویح کی طرح نہیں بلکہ اس میں توسع ہے باجماعت اور انفراداً دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں اس شخص کے لیے وتر انفراداً پڑھنے میں کوئی حرج نہیں تاہم جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

قال الحصکفیؒ: ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ: رجح الکمال الجماعۃ الی ان قال وفی شرح المنیۃ والصحیح ان الجماعۃ فیھا افضل الا ان سنیتھا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹ مبحث صلوٰۃ التراویح)[2]

---

[1] قال الامام علاؤالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ: واما دعاء القنوت فلیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا ذکرہ الکرخی فی کتاب الصلوٰۃ لانہ روی عن الصحابۃ ادعیۃ مختلفۃ فی حال القنوت ولان الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاج الی احضار قلبہ وصدق الرغبۃ منہ الی اللہ تعالیٰ فیبعد عن الاجابۃ۔ ولانہ لا توقیت فی القراءۃ لشیٔ من الصلوٰۃ ففی دعاء القنوت اولی۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۳ فصل فی القنوت)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۷۱ باب الوتر والنوافل)

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: فالوتر کالتراویح فکما ان الجماعۃ فیھا سنۃ فکذٰلک فی الوتر (البحر الرائق ج ۲ ص ۷۲ باب الوتر والنوافل)

ومثلہ فی فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۹ فصل فی قیام رمضان۔

رمضان کے بغیر وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ شرح الیاس میں لکھا ہے کہ:۔ "اَن الاقتداء فی الوتر بالامام خارج رمضان جائز" (شرح الیاس علیٰ ھامش شرح الوقایۃ۔ ج ۱ ص ۲۴۲) کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر مسئلہ واقعی ایسا ہو تو پھر رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ کیوں نہیں پڑھی جاتی ہے؟

الجواب:۔ وتر کی جماعت رمضان میں بالاتفاق سنت ہے، اور رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی جماعت مسنون نہیں، سنت نہ ہونے کی وجہ سے وتر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی ہے۔ شرح الیاس کی عبارت سے نفسِ جواز معلوم ہوتی ہے، عام فقہاء بھی نفسِ جواز کے قائل ہیں لیکن اگر علیٰ سبیل التداعی ہو کر اس پر دوام اختیار کیا جائے تو یہ صورت مکروہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو کان علیٰ سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۸ مطلب فی کراھۃ الاقتداء فی النفل)

قال ابن عابدینؒ: ویمکن ان یقال الظاھر ان الجماعۃ فیہ (ای الوتر) غیر مستحبۃ ثم ان کان ذٰلک احیاناً کما فعل عمرؓ کان مباحاً غیر مکروہ۔ وان کان علیٰ سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۸ مطلب فی کراھیۃ الاقتداء فی النفل) [1]

ماہِ رمضان میں فرض نماز باجماعت نہ پڑھنے کی صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص سے

---

[1] قال ابن نجیمؒ: لو صلوا الوتر بجماعۃ فی غیر رمضان فھو صحیح مکروہ کالتطوع فی غیر رمضان بجماعۃ وقیدہ فی الکافی بان یکون علیٰ سبیل التداعی۔ اما لو اقتدیٰ واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثۃ بواحد اختلفوا فیہ وان اقتدیٰ اربعۃ بواحد کرہ اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۷۰ باب النوافل)

ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۲۰ باب قیام رمضان۔

رمضان المبارک میں فرض نماز باجماعت فوت ہوجائے تو کیا یہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں انفراداً فرض پڑھنے کے بعد وتر کی جماعت میں شرکت کے بارے میں فقہاء کرام کا آپس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے قول سے شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

قال الشیخ ابراهیم الحلبی، واذا لم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمة الکرابیسی انه لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یتابع فی التراویح لا یتابعه فی الوتر وقال ابو یوسف البلاطی اذا صلی مع الامام شیئاً من التراویح یصلی معه الوتر وکذا اذا لم یدرك معه شیئاً منها۔ وکذا اذا صلی مع غیره له ان یصلی الوتر معه وهو الصحیح ذکره ابو اللیث اھ (کبیری ص۴۵۹ باب التراویح)

جبکہ علامہ محمد امین المعروف بابن عابدینؒ عدم جواز کی طرف مائل ہیں، لیکن متاخرین فقہاءؒ نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: لکن فی التتارخانیة عن التتمة انه سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحده او التراویح فقط۔ هل یصلی الوتر مع الامام فقال لا اھ۔ ثم رأیت القهستانی ذکر تصحیح ما ذکره المصنف۔ ثم قال لکن [illegible] لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر اھ۔ فقوله ولو لم یصلها ای وقد صلی الفرض معه [illegible] ینبغی ان یکون قول القهستانی "معه" احترازاً عن صلاتها منفرداً۔ اما لو صلاها بجماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لا کراهة۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۸ باب التراویح) [1]

---

[1] لما قال الشیخ عبد الحیؒ: در قنیہ از عین الائمہ و در تاتارخانیہ [illegible] علی بن احمد مرقوم کہ ہر فرض باجماعت ادا نکردہ باشد وتر ہم بجماعت ادا نہ سازد وہم چنیں در غنیہ وغیرہ مذکور شدہ لیکن قدامی وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم می شود۔ واللہ اعلم

(مجموعۃ الفتاوی علی هامش خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۳۲ فصل فی الوتر)

ومثلہ فی امداد الاحکام ج۱ ص۶۰۰ فصل فی الوتر ودعاء القنوت

وتر کی جماعت میں مقتدی کیلئے دعاء قنوت کے اتمام کے بغیر رکوع کا حکم

سوال:۔ رمضان شریف میں اگر مقتدی سے وتر میں دعاءِ قنوت میں غلطی یا کوئی خلل واقع ہو جائے اور دعاءِ قنوت لوٹا کر پڑھے، اسی اثنا میں امام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے۔ نیز اگر امام سے دعاءِ قنوت رہ گئی اور امام رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کو یاد ہونے کی صورت میں کیا عمل اختیار کرنا ہوگا؟

الجواب:۔ جب امام رکوع میں چلا جائے اور مقتدی ابھی دعاءِ قنوت سے فارغ نہیں ہوا ہو تو اگر مقتدی کو رکوع کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو امام کی متابعت کرے اور اگر رکوع میں کسی قدر ملنے کا امکان ہو تو اس اندازہ سے دعاءِ قنوت پڑھ کر رکوع میں جائے تاکہ دونوں اعمال کی رعایت ہو سکے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: فلو ركع الامام فی الوتر قبل ان یفرغ المقتدی من القنوت فانه يتابع الامام۔ ولو ركع الامام ولم يقرأ القنوت، يقرأ المقتدی من القنوت شيئًا ان خاف الركوع فانه يركع وان كان لا يخاف يقنت ثم يركع۔ (خلاصة الفتاوى ج ا ص۱۶۱ النوع من يتابع الامام)[۱]

عید الفطر کے شک کی صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جب عید الفطر میں شک واقع ہو یعنی چاند دیکھنے کا حتمی ثبوت میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں عشاء کے وقت تراویح اور وتر باجماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز وتر باجماعت پڑھنے کے بعد اگر چاند کا ثبوت مل جائے تو کیا وتر کی دوبارہ قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی وتر باجماعت پڑھنا ہے تاہم مواظبت اور مداومت مکروہ ہے، جب وتر کی جماعت ایسی صورت میں ہو کہ عید کا ثبوت یقینی نہ ہو

---

[۱] قال قاضی خانؒ: ولو ركع الامام فی الوتر قبل ان يفرغ المقتدی من القنوت فانه يتابع لان القنوت ليس بموقت ولا مقدر، ولو ركع الامام فی الوتر ولم يقرأ المقتدی من القنوت شيئًا ان خاف فوت الركوع فانه يركع۔ وان كان لا يخاف يقنت ثم يركع۔ (فتاوى قاضی خان علی هامش العالمگیریہ ج ا ص۱۹۷ باب الوتر)

تو وتر کی جماعت بلا کراہت جائز ہے اور دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ : ثم قال ویمکن ان یقال الظاھر ان الجماعۃ فیہ (ای الوتر) غیر مستحبۃ۔ ثم ان کان ذالک احیاناً کما فعل عمرؓ کان مباحاً غیر مکروہ وان کان علیٰ سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۴۸ باب الوتر والنوافل) [۱]

وتر کی آخری رکعت میں رکوع یا رکوع سے پہلے ملنے والے کیلئے قنوت پڑھنے کا حکم

سوال :۔ رمضان المبارک میں ایک شخص وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور دعاءِ قنوت امام کے ساتھ پڑھی، اب باقی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پایا اور مسبوق نے دعاء نہیں پڑھی تو ایسے مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ دونوں صورتوں میں مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، پہلی صورت میں اس نے دعاءِ قنوت حقیقۃً اور دوسری صورت میں حکماً پڑھی ہے۔

قال الحصکفیؒ : واما المسبوق فیقنت مع امامہ فقط ویصیر مدرکا بادراک رکوع الثالثۃ۔

وقال ابن عابدینؒ : تحت ھٰذہ العبارۃ (فیقنت مع امامہ فقط) لانہ آخر صلوٰتہ وما یقضیہ اولھا حکماً فی حق القرأۃ وما اشبھہا وھو القنوت۔ واذا وقع قنوتہ فی موضعہ بیقین لا یکرر لان تکرارہ غیر مشروع شرح المنیۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰ باب الوتر والنوافل) [۲]

---

[۱] قال ابن الھمامؒ : وفی بعض الحواشی قال بعضھم لو صلاھا بجماعۃ فی غیر رمضان لہ ذالک وعدم الجماعۃ فیھا فی غیر رمضان لیس لانہ غیر مشروع بل باعتبار انہ یستحب تاخیرھا الیٰ وقت یتعذر فیہ الجماعۃ۔ (فتح القدیر ج۱ ص۴۰۹ فصل فی قیام رمضان)

[۲] قال ابن نجیمؒ : المسبوق برکعتین فی الوتر فی شھر رمضان اذا قنت مع الامام فی الرکعۃ الاخیرۃ من صلوٰۃ الامام حیث لا یقنت فی الرکعۃ الاخیرۃ اذا قام الی القضاء فی قولھم جمیعاً والفرق ان تکرار القنوت فی موضعہ لیس بمشروع الیٰ ان قال۔ فاما المسبوق فھو مأمور بان یقنت مع الامام فصار ذالک موضعاً لہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۱ باب الوتر والنوافل)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۶۱ الفصل السادس عشر فی سجود السھو۔

ایک رکعت وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء درست ہے

سوال:۔ غیر حنفی امام کی اقتداء میں ایک وتر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غیر حنفی امام اگر دو رکعت کے بعد بغیر سلام کے تین وتر پورا کرتا ہو تو اس کی اقتداء درست ہے۔

اِسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متاخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔

لما قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی: یجوز اقتداء الحنفی بمن یسلم علی الرکعتین فی الوتر ویصلی معہ بقیۃ الوتر لان امامہ لا یخرج بسلامہ عندہ لانہ مجتہد فیہ۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج۲ ص۱۲ باب صلوٰۃ الوتر)[1]

عشاء کی فرض نماز فاسد ہونے کی صورت میں وتر کی قضاء کا حکم

سوال:۔ ایک روز صبح صادق طلوع ہونے کے بعد معلوم ہُوا کہ نماز عشاء کی فرض رکعتیں فاسد ہوئی ہیں جبکہ وتر اور سنن صحیح تھے۔ کیا قضاء کی صورت میں عشاء کی نماز میں سے صرف فرض پڑھے جائیں گے یا سنن و وتر کی قضاء بھی ضروری ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال آپس میں مختلف ہیں لیکن اصولِ افتاء کی رُو سے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ مناسب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الفتاوی السراجیۃ: ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفۃؒ۔ ثم قول ابی یوسفؒ الخ۔ وقیل اذا کان ابوحنیفۃؒ فی جانب وصاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار۔ والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتہداً انتہی۔ (شرح عقود رسم المفتی ص۲۷،۱)

لہٰذا صرف فرض نماز کی جائے اور وتر کی نماز قضاء نہیں کی جائے، کیونکہ ترتیب تو صرف

---

[1] قال العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیریؒ: نعم لو اقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعۃ الثانیۃ کما ھو مذھبھم ثم اتم الوتر الحنفی عند ابی بکر الرازی و ابن وھبان ... الخ (عرف الشذی علی الترمذی جلد ۱ ص۱۰۲ باب ما جاء فی فصل الوتر)

ومثلہ فی معارف السنن ج۴ ص۱۷۱ باب ما جاء فی الوتر۔

تذکر کی حالت میں واجب ہے، نسیان یا وقت نکل جانے سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔
واللہ اعلم۔ اور دو رکعت سنت کی قضا کسی کا مذہب نہیں۔

وفی الهندية : لو تبين ان العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر اعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لانها تبع للعشاء هذا عند ابی حنیفةؒ فان الوتر غير تابع للعشاء فی الوقت عنده والتقديم انما وجب لاجل الترتيب وذالك يسقط بعذر النسيان. فيصح اذا ادى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فان وقتها بعد اداء العشاء فلا يعتد بما ادى قبل العشاء وعندهما الوتر كالتراويح وبالجملة اعادة الوتر مختلف فيها. واما اعادة التراويح وسائر سنن العشاء فمتفق عليها اذا كان الوقت باقية۔ (الهندية ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراويح) [1]

---

[1] قال الامام الكاسانی الحنفیؒ : اما اصل الوقت (للوتر) فوقت العشاء عند ابی حنيفةؒ الا انه شرع مرتبا عليه حتى لا يجوز اداؤه قبل صلوٰة العشاء مع انه وقته لعدم شرطه وهو الترتيب الا اذا كان ناسيا كوقت اداء الوقتية وهو وقت الفائتة لكنه شرع مرتبا عليه۔ وعند ابو يوسفؒ ومحمدؒ والشافعیؒ وقته بعد اداء صلوٰة العشاء وهذا بناء على ما ذكرنا. ان الوتر واجب عند ابی حنيفةؒ وعندهم سنة۔ ويبنى على هذا الاصل مسئلتان احداهما ان من صلى العشاء على غير وضوء وهو لا يعلم ثم توضأ فاوتر ثم تذكر اعاد صلوٰة العشاء بالاتفاق ولا يعيد الوتر فی قول ابی حنيفةؒ۔ وعندهما يعيد ووجه البناء على هذا الاصل انه لما كان واجبا عند ابی حنيفةؒ كان اصلاً بنفسه فی حق الوقت لا تبعا للعشاء فكما غاب الشفق دخل وقته كما دخل وقت العشاء الا ان وقته بعد فعل العشاء الا ان تقديم احدهما على الآخر واجب حالة التذكر فعند النسيان يسقط۔ (بدائع الصنائع جلد۱ ص۲۷۱ باب الوتر)۔ ومثله فی الزيلعی ج۱ ص۱۷۸ باب الوتر والنوافل۔

باب السنن والنوافل
(سنن اور نوافل کے مسائل)

فجر کی سنتیں زیادہ مؤکدہ ہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سنا ہے کہ صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں، کیا پانچوں نمازوں کی سنتیں ایک جیسی ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ وقتہ نمازوں کی سنتوں میں سب سے زیادہ فجر کی دو رکعت سنتیں مؤکدہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاص مواظبت فرمائی ہے، اس کے بعد ظہر کی چار رکعت سنتیں ہیں جبکہ باقی سنتیں برابر ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: والسنن آكدها سنة الفجر اتفاقاً ثم الاربع قبل الظهر في الاصح لحديث من تركها لم تنله شفاعتي ثم الكل سواء۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲ باب النوافل)[1]

سنن مؤکدہ کا ثبوت

سوال:- فجر، ظہر، مغرب، عشاء اور جمعہ کی نماز میں سنن مؤکدہ کا ثبوت کس حدیث سے ثابت ہے اور کون سی کتاب میں موجود ہے؟

الجواب:- سنن مؤکدہ کے بارے میں متعدد قولی اور فعلی احادیث وارد ہیں۔ نسائی کی

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اقوى السنن المؤكدة ركعتا الفجر حتى روى عن ابي حنيفةؒ انها لا تجوز مع القعود بغير عذر لقوله عليه الصلوٰة والسلام صلوها ولو طردتكم الخيل .... والاصح ان التي قبل الظهر آكد بعد الفجر ثم الباقي سواءٌ۔ (منحة الخالق حاشية البحر الرائق ج۲ ص۴۸ باب النوافل)

ومثله في مراقي الفلاح على صدر طحطاوي ص۲۱۴ باب النوافل۔

روایت کے مطابق بارہ رکعات سنن یومیہ ہیں، اور جمعہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق چودہ سنتیں ہیں اور یہی راجح ہے، جبکہ صاحبینؒ کے ہاں سولہ ہیں جس کو امام طحاویؒ نے راجح کہا ہے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ثابر علی اثنتی عشرۃ رکعۃ فی الیوم واللیلۃ دخل الجنۃ اربعاً قبل الظہر ورکعتین بعدہا ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر۔

(النسائی ج۱ ص۲۵۶ باب ثواب من صلی فی الیوم واللیلۃ)

وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا صلی احدکم فلیصلّ اربعاً۔ (النسائی ج۱ ص۲۱۱ باب عدد الصلوۃ بعد الجمعۃ)

وعن ابن عمر انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی بعد الجمعۃ حتّٰی ینصرف فیصلّی رکعتین۔ (النسائی ج۱ ص۲۱۱ باب صلوۃ الامام بعد الجمعۃ) لیکن یہ دو رکعت صرف سنت ہیں مؤکدہ نہیں۔

والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعۃ مارواہ مسلم مرفوعاً من کان مُصلّیاً قبل الجمعۃ فلیصل اربعاً۔ (البحر الرائق باب النوافل ج۲ ص۴۹)[1]

جمعہ کے سنن کی تعداد اور آخری دو رکعات میں جمعہ کی نیت

سوال: جمعہ کی نماز میں آخری دو رکعت

---

[1] عن ام حبیبۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی لہ بیت فی الجنۃ اربعاً قبل الظہر ورکعتین بعدہا ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوۃ الغداۃ۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۹۴ باب ماجاء فی من صلّی فی یوم ولیلۃ ... الخ)

وروی عن ابن مسعود: انہ کان یصلی قبل الجمعۃ اربعاً وبعدہا اربعاً۔

وروی عن علی بن ابی طالب: انہٗ اَمَرَ اَنْ یُّصلّی بعد الجمعۃ رکعتین ثم اربعاً۔

(الجامع الترمذی ج۱ ص۱۱۴، ۱۱۸ باب ماجاء فی الصلوۃ قبل الجمعۃ وبعدہا)

وَمِثْلُہٗ فی فتح الملہم ج۲ ص۴۲۱ قبل کتاب العیدین۔

سنت مؤکدہ ہیں یا نہیں؟ اس میں جمعہ کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں جمعہ کے سنن قبلیہ و بعدیہ کی تعداد کتنی ہے؟ بعض لوگ جمعہ کی نماز کی کل تعداد سولہ، بعض لوگ بارہ اور بعض دس رکعات بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آخری دو رکعت نہ پڑھے تو نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جمعہ دو رکعت فرض، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض نماز سے پہلے، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض کے بعد اور اس کے بعد دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن مفتی بہ قول کی رو سے ان کا پڑھنا افضل ہے، اور ان دونوں رکعات میں بھی جمعہ کی نیت کی جائے گی، ان دو رکعتوں کو بلا عذر چھوڑنا خلافِ اولیٰ ہے لیکن جمعہ کی نماز درست ہے۔ رہی یہ بات کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کی تعداد دس رکعات کے قائل ہیں وہ آخری دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل نہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ) اور جو لوگ بارہ رکعات کے قائل ہیں (جیسے صاحبینؒ) اُن کے نزدیک آخری دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ اور جو لوگ سولہ رکعات بتاتے ہیں ممکن ہے کہ وہ اس میں نوافل یا احتیاطی نماز شمار کرتے ہوں۔

قال ابن نجیم المصریؒ:۔ والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعة ما رواہ مسلم مرفوعاً من کان مصلیاً قبل الجمعة فلیصل اربعاً مع ما رواہ ابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع من قبل الجمعة اربعاً لا یفصل فی شیءٍ منھن۔ وعلی استنان الاربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃؓ مرفوعاً اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدھا اربعاً وفی روایة اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا اربعاً۔ وذکر فی البدائع انہ ظاھر الروایة۔ وعن ابی یوسفؒ انہ ینبغی ان یصلی اربعاً ثم رکعتین۔ وذکر محمدؒ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعاً او ستاً اھ۔ وفی الذخیرة والتجنیس وکثیر من المشائخ علی قول ابی یوسفؒ۔ وفی منیة المصلی الافضل عندنا ان یصلی اربعاً ثم رکعتین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۴۹ باب السنن والنوافل)[1]

---

[1] قال الامام ابوبکر الکاسانی: فقد ذکر فی الاصل اربع قبل الجمعة واربع بعدھا کذا ذکر الکرخی وذکر الطحاوی عن ابی یوسفؒ انہ قال یصلی بعدھا ستاً وقیل ھو مذھب علیؓ وما ذکرنا انہ کان یصلی اربعاً مذھب عبد اللہ بن مسعودؓ............ ونحن لا نمنع من یصلی بعدھا کم شاء غیر انا نقول السنة بعدھا اربع رکعات لا غیر لما روینا۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۸۵ فصل اما الصلوٰة المسنون)

[1] ومثلہ فی کبیری ص۳۸۸ فصل فی النوافل۔

مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے

سوال مدیاکاری سے بچنے کی نیت سے دن میں سنن زوائد کے چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ریاکاری سنن، نفل اور فرائض تمام عبادات میں حرام ہے، ریاکاری سے بچنے کے بہانے سے چھوڑنا مناسب نہیں، اس کا احتمال تو فرض نماز میں بھی ہو سکتا ہے، جبکہ فرض کا ترک کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، نوافل رات دن میں مکروہ اوقات کے علاوہ ہر حالت میں مشروع ہیں جس کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

وفی الهندیه: ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة ولا صلوة الجنازة ولا سجدة التلاوة۔ اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارها الی ان تغیب الا عصر یومه ذلك۔ فانه یجوز اداؤه عند الغروب هکذا فی فتاوی قاضی خان۔

وقال بعد عدة اسطر:۔ والتطوع فی هذه الاوقات یجوز ویکره کذا فی الکافی وشرح الطحاوی۔ (الهندیة ج۱ ص۵۲ کتاب الصلوٰة الباب الاول فی مواقیت الصلوٰة)[1]

نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنے کا حکم

سوال: نماز عصر سے پہلے چار رکعات نفل کی فضیلت کسی روایت سے ثابت ہے؟ اس کے وقت کا صحیح تعین اور حکم بیان فرمائیں؟

الجواب: نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے اور اس کا صحیح وقت عصر کی نماز کے وقت سے شروع ہوتا ہے، البتہ یہ نفل عصر کی نماز سے قبل

---

[1] قال الامام الکاسانیؒ: اما الذی یکره التطوع فیها لمعنی یرجع الی الوقت ثلاثة اوقات احدها ما بعد طلوع الشمس الی ان ترتفع وتبیض والثانی عند استواء الشمس الی ان تزول والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها الی ان تغرب الشمس ففی هذه الاوقات الثلاثة یکره کل تطوع فی جمیع الازمان یوم الجمعة وغیره وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها وسواء کان تطوعاً مبتدأ لا سبب له او تطوعاً له سبب کرکعتی الطواف ورکعتی تحیة المسجد ونحوهما۔الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۹۶ فصل فی بیان ما یکره فی التطوع)

پڑھے جائیں گے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ امرأً صلی قبل العصر اربعًا۔ (الترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۸ باب ما جاء فی الاربع قبل العصر) [1]

نمازِ عصر سے پہلے نفل جماعت سے خاص نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر با جماعت ادا ہو جانے کے بعد انفراداً نماز پڑھنے سے پہلے نفل ادا کرے تو کیا اس کی نفل نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ اور نفل کی ادائیگی کے لیے جماعت میں شرکت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ عصر سے قبل چار سنتیں پڑھنا افضل ہے۔ چاہے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہو یا انفراداً پڑھ رہا ہو۔ شریعتِ مقدسہ میں جماعت یا غیر جماعت کی کوئی قید نہیں، تاہم اگر چار کے بجائے دو رکعت پڑھے تو بھی کافی ہے لیکن اصفرار کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویستحب اربع قبل العصر — وقال ابن عابدینؒ: تحت هذه العبارة لم یجعل للعصر سنة راتبة لانه لم یذکر فی حدیث عائشةؓ المار۔ قال فی الامداد وخیّر محمد بن الحسنؒ والقدوری المصلی بین ان یصلی اربعًا او رکعتین قبل العصر لاختلاف الآثار۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳ مطلب فی السنن والنوافل) [2]

عصر سے پہلے سنن توڑ کر نماز کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وندب الاربع قبل العصر ۔۔۔۔ الخ وقال بعد ثلاثة اسطر وروی ابو داؤد عنه (ای عن علی رضی اللہ عنه) ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی قبل العصر رکعتین فلذا خیّره فی الاصل بین الاربع وبین الرکعتین والا فضل الاربع الخ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۵۰ باب النوافل)

وَمِثْلُهُ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳ مطلب فی السنن والنوافل)

[2] وفی الهندیة: وخیّر محمدؒ (ای فی الاصل) بین الاربع والرکعتین قبل العصر والعشاء والافضل الاربع فی کلیهما۔ (الهندیة ج ۱ ص ۱۱۲ باب النوافل)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۵۰ باب النوافل۔

شروع کرے لیکن جماعت کھڑی ہونے کی وجہ سے اسے توڑ کر فرض نماز میں شامل ہوجائے تو کیا عصر کی نماز کے بعد یہ نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر لزم النفل بالشروع کے قاعدہ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ نفل نماز توڑنے سے بقاعدۂ لزم النفل بالشروع واجب ہوجاتی ہے، لیکن یہ واجب لغیرہ کے حکم میں ہے اور عصر کی نماز کے بعد جیسا کہ نفل نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے ایسا ہی واجب لغیرہ کی ادائیگی بھی جائز نہیں، لہٰذا کسی دوسرے صحیح وقت میں پڑھے۔

وفی الهندیة: لو افتتح صلوٰة النفل فی وقت مستحب ثم افسدها فقضاها بعد صلوٰة العصر قبل مغیب الشمس لا یجزیه هٰکذا فی المحیط السرخسی۔ انتهٰی۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳ کتاب الصلوٰة، فصل الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوٰة ... الخ) [1]

اصفرارِ شمس کے وقت نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

سوال:۔ اگر عصر اور مغرب کے درمیان وقت مختصر ہو تو ایسی صورت میں نماز عصر ضروری ہے یا اس سے پہلے نفل نماز پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:۔ جب تک سورج کی روشنی متغیر نہ ہوئی ہو بلکہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو تو ایسے وقت میں عصر کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے۔ البتہ اگر سورج کی روشنی میں زردی کے اثرات شروع ہوچکے ہوں تو پھر وقت کی نماز پر اکتفاء کرکے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها واصفرارها الی ان تغرب ففی هٰذه الاوقات الثلاثة یکره کل تطوع فی جمیع الاماکن یوم الجمعة وغیره۔ وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها۔ وسواء کان تطوعاً مبتدأً حینئذٍ لا سبب له۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۹۵ فصل فی بیان ما یکره من التطوع) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وکره نفل وکل ما کان لا لعینه بل لغیره کمنذور والذی شرع فیه فی وقت مستحب او مکروه ثم افسده ولو سنة الفجر بعد صلوٰة وصلوٰة عصر انتهٰی مختصراً۔ وقال ابن عابدینؒ تحت هٰذه العبارة والکراهة هٰهنا تحریمیة ایضاً کما صرح به فی الحلیة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۵ کتاب الصلوٰة)

[2] قال برهان الدین المرغینانیؒ: لا یجوز عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرة ولا عند غروبها لحدیث عقبة بن عامرؓ قال ثلٰثة اوقات نهانا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان نصلی فیها وان نقبر فیها موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالها حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ وقال بعد اسطر الا عصر یومه۔ (الهدایة ج ۱ ص ۶۸ فصل فی الاوقات یکره فیها الصلوٰة)

سنن قبل الظہر کی تعداد | **سوال**:۔ زوال کے بعد صحیح حدیث کے مطابق کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں؟

الجواب:۔ صحیح حدیث کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد چار رکعات کی ادائیگی فرماتے تھے جبکہ بعض روایات میں دو رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، لیکن ان دو رکعات کو امام محمد اور ابن الہمام رحمہما اللہ نے تحیۃ المسجد پر محمول کیا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعًا و بعدھا رکعتین۔

عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر رکعتین و بعدھا رکعتین و بعد صلوٰۃ المغرب رکعتین فی بیتہ و بعد صلوٰۃ العشاء رکعتین وکان لا یصلی بعد الجمعۃ فی المسجد حتی ینصرف فیسجد سجدتین۔

قال محمدؒ ھذا التطوع، وھو حسن، وقد بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل الظہر اربعًا اذا زالت الشمس... الخ (مؤطا امام محمد ص۱۶۲)

وقال ابن الھمامؒ: ثم کان یصلی رکعتین تحیۃ المسجد فکان ابن عمرؓ یراھا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۳۸۶ باب النوافل) ؎

؎ ذکر الامام ابو عیسٰی الترمذیؒ: عن علیؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعًا و بعدھا رکعتین۔ قال ابو عیسٰی والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من بعدھم یختارون ان یصلی الرجل قبل الظہر اربع رکعات وھو قول لسفیان وابن المبارک .... الخ

قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: تحت ھو قول لسفیان والیہ ذھب ابوحنیفۃ واصحابہ۔ (معارف السنن ج ۴ ص۱۰۴، ۱۰۵ باب ما جاء فی الاربع قبل الظہر)

وعن ابن عمرؓ قال صلیتُ مع النبیؐ رکعتین قبل الظہر و رکعتین بعدھا۔ (معارف السنن ج ۴ ص۱۰۶، ۱۰۳)

قال ابن عابدینؒ وما رآہ ابن عمر تحیۃ المسجد۔

(منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج ۲ ص۵ باب النوافل)

مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نمازِ مغرب کے بعد دو رکعات نفل ادا کرے تو ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نماز اوابین کے زمرے میں آسکتی ہے؟

الجواب:۔ نفل نماز مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت جائز ہے، مذکورہ وقت نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ دو رکعات صلوٰۃ اوابین میں شمار نہیں ہونگی، کیونکہ اوابین کی تعداد روایات میں چھ رکعات بتائی گئی ہے۔ تاہم اگر چار رکعات نفل سے دو سنن ملا کر چھ رکعات شمار کی جائیں تو یہ نماز اوابین میں شمار کی جا سکتی ہے، البتہ مستقلاً چھ رکعات اوابین پڑھنا بہتر ہیں۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوءٍ عُدِلن لہ بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب)

قال مُلّا علی قاریؒ تحت ھٰذہ الحدیث (قولہ ست رکعات) المفھوم ان الرکعتین الراتبتین داخلتان فی الست الی ان قال قالہ الطیبی فیصلی المؤکدتین بتسلیمۃ وفی الباقی الخیار الخ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۳ ص۱۱۴ باب النوافل الفصل الثانی)[1]

چار رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر نمازِ مغرب کی دو رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر پڑھنے اور آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص مغرب کی دو رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر دو رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ میں چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کرے اور پھر آخری دونوں رکعات کے لیے کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر پڑھے تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

[1] قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ: وان تطوع بعد المغرب ست رکعات فھو افضل۔ لحدیث ابن عمرؓ انہ علیہ السلام قال: من صلی بعد المغرب بست رکعات کتب من الاوابین وتلا انہ کان للاوابین غفورا۔ (کبیری ص۳۸۵ باب فصل فی النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع الخ۔

الجواب: صورتِ مذکورہ میں دو مسئلے قابلِ غور ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کیا سنت کی نماز کے ساتھ نفل نماز اکٹھا کر کے سنت کے قعدہ آخیرہ میں تاخیر کرنے سے اس کی نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نفل نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہاں تک دوسرے مسئلے کا حکم ہے تو نفل نماز ابتداءً یا بناءً قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے تاہم کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً لا مضطجعاً الا بعذر ابتداءً وکذا بناءً بعد الشروع بلا کراهة علی الاصح کعکسه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶ باب السنن والنوافل) [۱]

اور پہلے مسئلے میں سنت کی ادائیگی درست ہو جائے گی، البتہ سلام کی تاخیر سے سجدہ سہو واجب رہے گا۔

قال المرغینانیؒ: لا یجب السهو الا بترك الواجب او تاخیره او تاخیر رکن ساهیاً۔ (الهدایة ج۱ ص۱۳۷ باب سجود السهو)

تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا

سوال: نماز تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: نماز تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: یجلس ندبا بین کل اربعة بقدرها کذا بین الخامسة والوتر

---

[۱] وفی الهندیة: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواءٌ۔ وقال بعد اسطر۔ ولا یجب السجود الا بترك واجب او تاخیره او تاخیر رکن او تقدیمه او تکراره او تغیر واجب بان یجهر فیما یخافت۔ وفی الحقیقة وجوبه بشیء واحد وهو ترك الواجب۔ (الهندیة ج۱ ص۱۲۶)

وفی الهندیة: واذا فتح التطوع قائماً ثم اراد ان یقعد من غیر عذر فله ذلك عند ابی حنیفةؒ استحساناً۔ (الهندیة ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۸۹–۹۲ باب النوافل۔

ویخیرون بین تسبیح وقرأۃ وسکوت وصلوٰۃ فرادی۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶ بحث صلوٰۃ التراویح)[1]

وتر کے بعد دو رکعت نفل کی شرعی حیثیت

سوال:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کسی روایت سے ثابت ہیں یا نہیں؟ بصورتِ ثبوت کیفیت کا تعین فرمائیں؟ کیا دیگر نوافل کی طرح بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب میں کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کے بارے میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی روایات وارد ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے: عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۶۱ ابواب الصلوٰۃ الوتر)

اور ابن ماجہ میں اس پر یہ اضافہ ہے: "خفیفتین وھو جالس"۔ (ابن ماجۃ ص۸۵ باب ما جاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً)

لہٰذا یہ دو رکعات بلاشک وشبہ سنن زوائد ہیں، باقی ابن ماجہ کی روایت کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں رکعات بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام کا ان کے افضل ہونے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں جبکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اور دیگر محققین کی رائے کے مطابق چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر دو رکعت پڑھنا تعبداً اور قصداً تھا اس لیے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

لما فی قال الشیخ انور شاہ الکشمیریؒ: یعنی ان الجلوس فیہما اتفاقی او قصدی فاختار النووی الاول عندی المختار ھو الثانی لانھما لم تثبتا عنہ قائماً قط فحمل فعلہ فی جمیع عمرہ علی الاتفاق مما

---

[1] وقال ابن نجیم المصریؒ: وقد قالوا انہم مخیرون فی حالۃ الجلوس ان شاؤا سبحوا ان شاؤا قرؤا القرآن۔ وان شاؤا صلوا اربع رکعات فرادی وان شاؤا قعدوا ساکتین۔ واھل مکۃ یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واھل المدینۃ یصلون اربع رکعات فرادی۔ وبہذا علم انہ لو قال بانتظار بعد کل ترویحۃ بدل قولہ بجلسۃ لکان اولی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۶۹ باب النوافل)

ومثلہ فی غنیۃ المستملی ص۴۰۴ باب النوافل۔

یصادم المداهنۃ۔ رفیق الباری ج ۲ ص۴۲۶ باب المداومۃ علی رکعتی الفجر) لہ

نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نوافل اور سنن کے قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پر اکتفاء کرنا چاہیئے یا اس کے ساتھ درود شریف بھی ملانا ضروری ہے؟ ایسا ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد ثناء اور تعوذ ضروری ہے یا فرض نمازوں کی طرح فاتحۃ الکتاب سے شروع کیا جائے گا؟

الجواب:۔ سنن مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہیں پڑھا جائے گا، اس کے علاوہ دوسرے نوافل میں ہر شفع (یعنی دو دو رکعت) مستقل نماز ہے، اس لیے ہر شفع کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھنا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظهر والجمعۃ وبعدها الی ان قال ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منها لانها لتأکدها اشبهت الفریضۃ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرًا لان کل شفع صلاۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۶ باب السنن والنوافل) ؎۲

سنن زوائد میں قعدۂ اولیٰ کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نماز جمعہ و ظہر کی چار رکعات میں قعدۂ اولیٰ کے تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں کھڑے ہو کر ثناء

لہ قال العلامۃ محمد یوسف البنوری: لو ثبت الرکعتان بعد الوتر فالسنۃ فیهما الجلوس دون القیام فان الجلوس فیهما قصدی۔ (معارف السنن ج ۴ ص۲۵۹، بحث رکعتین بعد الوتر جالسًا) ومثلہ فی عرف الشذی علی الترمذی ج ۱ ص۱۰۷ باب ما جاء فی رکعتین بعد الوتر۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: وفی الاربع قبل الظهر والجمعۃ وبعدها لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۴۹ باب السنن والنوافل)

پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟ نیز سنن مؤکدہ اور زوائد میں کوئی فرق ہے یا دونوں یکساں ہیں ؟

الجواب :۔ ظہر اور جمعہ کی سنن کے علاوہ باقی تمام چار رکعت والی سنن ونوافل کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء وتعوذ پڑھنا چاہیئے، کیونکہ نوافل میں ہر شفع مستقل نماز ہے جبکہ سنن مؤکدہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

قال الحصکفیؒ : ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدہا۔ وقال بعد سطر واحدۃ۔ ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منہا۔ لانہا لتأکدہا اشبہت الفریضۃ۔ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرًا لان کل شفع صلوٰۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶ باب السنن والنوافل) [1]

سنن اور فرائض کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص گھر میں ظہر کی سنن قبلیہ ادا کرکے مسجد جائے اور مسجد میں جماعت کھڑے ہونے سے پہلے دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھے تو کیا شرعاً اس کی کوئی ممانعت ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ سنن ظہر اور فرضوں کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے اور فقہاء کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس وقت نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں کی ہے، بلکہ بعض محققین کی رائے کے مطابق شارع علیہ السلام سے ظہر کی چار رکعت سنت قبلیہ کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد ثابت ہے۔ تحیۃ المسجد کی صحت کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں البتہ اوقات مکروہہ میں ایسی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ تاہم سنن اور فرائض کے درمیان بلا عذر کسی ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہیئے جو تحریمہ کے منافی ہو کیونکہ اس سے ثواب پر اثر پڑتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن الھمام: فالاولی الاستدلال بمجموع حدیثین حدیث

---

[1] قال ابن نجیمؒ : وفی المجتبیٰ وفی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدہا لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۹ باب النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل۔

ابن عمرؓ...... وحدیث عائشۃؓ...... فان الاربع کان یصلیها فی بیته فاتفق عدم علم ابن عمرؓ بهن وان علم غیرها مما صلی فی بیته لانه صلی الله علیه وسلم کان یصلی الکل فی البیت ثم کان یصلی رکعتین تحیة المسجد کان ابن عمرؓ یراها۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۶ باب النوافل)

قال العلامة الشرنبلالیؒ: سن تحیة المسجد برکعتین فی غیر وقت مکروه قبل الجلوس.... الخ۔ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص ۲۱۵ فصل فی تحیة المسجد)[1]

سننِ جمعہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنے کا حکم

سوال: جمعہ کی سنن مسجد کے ساتھ مختص ہیں یا کسی اور جگہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں؟

الجواب: سنن پڑھنے کے لیے مسجد کی کوئی تخصیص نہیں، یہ مسجد کے علاوہ گھر میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں جگہ (گھر اور مسجد) میں پڑھنا ثابت ہے، تاہم مسجد کی بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

بحدیث النبی صلی الله علیه وسلم: عن زید بن ثابتؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال افضل صلوتکم فی بیوتکم الا المکتوبة۔ (الترمذی ج ۱ ص ۱۰۲ باب ما جاء فی فضل الصلوٰة فی البیت)

عن ابن عمرؓ قال کان اذا کان بمکة فصلی الجمعة تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم فصلی اربعًا۔ واذا کان بالمدینة صلی الجمعة ثم رجع الی بیته فصلی رکعتین فقیل له فقیل کان رسول الله یفعل ذلک۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶۱ باب الصلوٰة بعد الجمعة)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: وهو الذی جمع به فی الفتح بین هذا الحدیث (ای حدیث ابن عمرؓ) وحدیث عائشة انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ کان یصلی اربعًا قبل الظهر بقوله اما بأن الاربع کان یصلیها علیه السلام فی بیته۔ وما راه ابن عمر تحیة المسجد او بأن ابن عمرؓ کان یری تلک ورد الآخر بسببه الزوال و هو مذهب بعض العلماء۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۵۰ باب الوتر والنوافل)

[2] قال الشیخ ابراهیم الحلبی الکبیریؒ: واما السنن التی بعد الفریضة فانه ان تطوع بها فی المسجد فحسن وتطوعه بها فی البیت افضل۔ وهذا غیر مختص بما بعد الفریضة بل بجمیع النوافل ما عدا التراویح وتحیة المسجد قال بعد عدة اسطر التطوع فی المسجد حسن و فی البیت حسن۔ کما قال المصنفؒ وبه افتی الفقیه ابوجعفر۔ قال الا ان یخشی ان یشغل عنها اذا رجع۔ (کبیری ص ۳۹۹، ۴۰۰ باب النوافل)

ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲ باب السنن والنوافل)

سُنن نہ پڑھنے والے کا حکم

سوال:۔ اگر سنن مؤکدہ یا غیر مؤکدہ نہ پڑھی جائیں تو نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سنن مؤکدہ سفر میں بعذر شرعی چھوڑنا جائز ہیں، ویسے سنن مؤکدہ کو چھوڑنا موجب عتاب ہے۔ سنن فرائض کے مکملات ہیں، گویا سنن نہ پڑھنے کی وجہ سے فرائض ادھورے رہ جاتے ہیں، اترک پر مداومت کرنا عملاً نافرمانی کے مترادف ہے۔

قال ابن نجیمؒ: رجل ترک سُنن الصلوٰۃ الخمس ان لم یرالسنن حقًا فقد کفر لانه ترك استخفافًا۔ وان رأى حقًا منهم من قال لا یأثم والصحیح انه یأثم لانه جاء الوعید بالترك۔ وقال بعد سطر، ان السّنّة المؤکدة بمنزلة الواجب فی الاثم بالترك الٰی ان قال وانه لا یجوز ترك السنن المؤكدة ولوصلّی وحدهٗ وهو احوط۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۴۹ باب الوتر والنوافل) ؎۱

نفل کی بجائے قضا نمازوں کی ادائیگی بہتر ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے ذمہ فوت شدہ فرض نمازیں ہوں تو اس کے لیے نفل پڑھنا افضل ہے یا قضاء نمازیں؟

الجواب:۔ جب فوت شدہ نمازوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز کی قضاء کرے، تو ایسی صورت میں نوافل پڑھنے سے قضاء نماز کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔

وفی الهندیة: وفی الحجه والاشتغال بالفوائت اولٰی واهم من النوافل اوالسنن المعروفة وصلوٰة الضحٰی وصلوٰة التسبیح والصلوٰة التی رویت فی الاخبار فیها سور معدودة واذکار معهودة فتلك بنیة النفل وغیرها

؎۱ وفی الهندیة: رجلٌ ترك السنن الصلوٰة ان لم یرالسنن حقًا فقدکفر لانه تارکها استخفافًا وان راها حقًا فالصحیح انه یأثم لانه جاء الوعید بالترك كذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۳۸۹ باب النوافل (فروع)

بنیّۃ القضاء کذا فی المضمرات۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۵ باب قضاء الفوائت) [۱]

تہجد کی رکعات کی تعداد

سوال:۔ نماز تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟

الجواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی نماز مختلف اوقات میں مختلف رکعات کے ساتھ ثابت ہے جس میں اقل (کم از کم) دو رکعت اور اکثر زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات مروی ہیں، کیونکہ اکثر اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھی ہیں اسلئے بعض محققین نے اکثر کی تعداد آٹھ رکعات نقل کی ہیں جبکہ زیادہ سے زیادہ بارہ تک بھی ثابت ہے۔

لما ذکرہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ انہٗ بات عند میمونۃ زوج النبیؐ وھی خالتہ الی قال عبد اللہ فقمت فصنعتُ مثل مَاصنع ثم ذھبتُ فقمت الی جنبہ فوضع رسول اللہ یدہ الیمنیٰ علی رأسی واخذ باُذُنِی یفتلھا فصلّی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلّی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلّی الصبح۔ (الجامع البخاری ج ۱ ص۱۳۵ ابواب الوتر، باب ماجاء فی الوتر) [۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: واما النفل فقال فی المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل۔ (رد المحتار ج ۲ ص۷۴ باب قضاء الفوائت)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۱ ص۷۷ کتاب الصلوٰۃ۔ باب قضاء الفائتۃ۔

[۲] قد ذکر الامام البیھقی عن کریب مولی ابن عباسؓ ان عبد اللہ بن عباسؓ اخبرہ انہ بات عند میمونۃؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ھی خالتہ الی قال عبد اللہ فقمتُ فصنعتُ مثل ما صنع ثم ذھبتُ فقمتُ الی جنبہ فوضع رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَدَہٗ الیمنٰی علی رأسی واخذ باُذُنِی یفتلھا فصلّی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین قال القعنبی ستّ مرار، ثمّ اوتر ثم اضجع حتّی جاء المؤذن فقام فصلّی رکعتین خفیفتین ثم خرج فَصَلَّی الصُّبْحَ۔

(السنن الکبرٰی ج ۳ ص۷ باب عدد رکعات قیام النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم وصفتھا)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۱ ص۳۰۹ نماز وتر۔

تہجد کی جماعت کا حکم

سوال:۔ تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہمیشہ کے لیے یا کبھی کبھار؟ اور کتنے لوگ جمع ہو کر بلا کراہت جماعت سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب:۔ تہجد کی نماز نفل ہے اور نفلی نماز میں ایک یا دو آدمی امام کے پیچھے اقتداء کریں تو کبھی کبھار بلا تداعی بغیر کراہت کے جائز ہے، البتہ اگر مقتدی تین سے زائد ہوں تو احناف کے ہاں بالاتفاق مکروہ ہے، اور تین کی صورت میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک تین سے کم کی طرح بلا کراہت جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ، ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلك لو علیٰ سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارة اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکرہ وثلاثة بواحد فیہ خلاف وایضاً قال فوق ھذہ العبارة ویمکن ان یقال الظاھر ان الجماعة فیہ غیر مستحبة۔ ثم ان کان ذلك احیاناً کما فعل عمر کان مباحاً غیر مکروہ۔ وان کان علیٰ سبیل المواظبة کان بدعة مکروھة خلاف المتوارث۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۸ بحث صلوٰۃ التراویح)[1]

نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے

سوال:۔ نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص رات کو صرف چند رکعات نفل پڑھے اور وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے تو اس سے تہجد پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ولا یصلی تطوعاً بجماعة الا قیام رمضان وحکی عن شمس الائمة السرخسیؒ، ان التطوع بالجماعة علیٰ سبیل التداعی مکروہ اما لو اقتدیٰ واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثة بواحد ذکر ھو رحمہ اللہ ان فیہ اختلاف المشائخ قال بعضھم واذا اقتدیٰ اربع بواحد کرہ بلا خلاف۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۱ ص ۶۱ باب الوتر)

ومثلہٗ فی کبیری ص ۴۰۸ باب التراویح۔

الجواب: تہجد وہ نفل نماز ہے جو عشاء کی نماز کے بعد نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے ساتھ آخر میں وتر ملا کر پڑھے جائیں تو بہتر ہے، تاہم اگر اس کے ساتھ آخر میں وتر نہ ملائے جائیں تو بھی تہجد پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

بحد یث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن نافعؓ انّ ابن عمرؓ قال من صلّٰی من اللّیل فلیجعل اٰخر صلٰوتہٖ وترًا فانّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یأمر بذالک۔ (النسائی ج ۱ ص۲۴۷ باب وقت الوتر) ؎۱

سوال ۲: اگر کوئی رات کے آخری حصہ میں نیند سے اٹھنے کے بعد قضاء نماز کی ادائیگی کرے تو اس کو تہجد کی نماز کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: کان التھجّد ازالۃ النوم۔ وقال بعد سطر واحد انّ التھجّد لا یحصل الّا بالتطوع فلو نام بعد صلٰوۃ العشاء ثمّ قام فصلّٰی فوائت لا یسمّٰی تھجّدًا وتردد فیہ بعض الشافعیۃ قلت والظاھر انّ تقییدہ بالتطوّع بناء علی الغالب وانہ یحصل بای صلٰوۃ کانت فی الحدیث المار وما کان بعد صلٰوۃ العشاء فھو من اللیل۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۷ مطلب فی صلٰوۃ اللیل)

سوال: اگر مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھنے ... **تحیۃ المسجد دوسری نماز کے ضمن میں بھی ادا ہو سکتی ہے؟**

؎۱ اخرج الامام الترمذی: عن مسروق انہ سأل عائشۃ عن وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت من کل اللیل قد اوتر اولہ واوسطہ واٰخرہ فانتھی وترہ حین مات فی وجہ السحر۔ (الجامع الترمذی جلد ۱ ص۱۰۳ باب ماجاء فی وتر من اول اللیل واٰخرہ۔

کان ابوبکر یوتر ثمّ ینام ثمّ یقوم ویتھجّد وعمر کان ینام قبل ان یوتر ثمّ یقوم ویصلّی ویوتر فقال النبیؐ لابی بکر اخذت بالحزم وقال لعمر اخذت بالقوّۃ۔ (مجموعۃ الفتاوٰی اردو ج۱ ص۳۳۱ کتاب الصلٰوۃ تراویح وتہجد الخ)

کی بجائے کسی دوسری نماز کی سنن یا قضا میں مشغول ہو جائے تو کیا اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس دوسری نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت نہیں کی گئی ہو، بہشتی زیور میں ثواب ملنے اور حنفی نماز کامل میں نہ ملنے کا لکھا ہے، لہٰذا جو راجح ہو وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ تحیۃ المسجد مسجد میں داخلہ کے وقت دو رکعات پڑھنے سے عبارت ہے، روایات کی رُو سے یہ سنّت ہے۔ اگر مستقل دو رکعات ادا کی جائیں تو بہتر ہے ورنہ سُنن وقتیہ کے ضمن میں بھی نماز تحیۃ المسجد ادا ہو سکتی ہے۔ خیال رہے کہ تحیۃ المسجد مکروہ اوقات میں فقہ حنفی کی رُو سے جائز نہیں، ایسے اوقات میں تحیۃ المسجد کی جگہ تسبیح و تہلیل اور درود شریف سے تحیۃ المسجد کا ثواب ملتا ہے۔

قال الحصکفیؒ، ویسن تحیۃ المسجد وھی رکعتان واداء الفرض اوغیرہٖ وکذا دخوله بنیۃ فرض او اقتداء ینوب عنها بلا نیۃٍ ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہٖ العبارۃ۔ اذ دخل فیه (ای المسجد) بعد الفجر او العصر فانهٗ یسبّح ویهلّل ویصلی علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فانهٗ حینئذٍ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل المکتوبۃ فانهٗ غیر مامور بها حینئذٍ کما فی التمرتاشی ۔ وقال بعد عدۃ اسطر قال فی الحلیۃ لو اشتغل داخل المسجد بالفریضۃ غیر ناوٍ للتحیۃ قامت تلك الفریضۃ مقام تحیۃ المسجد لحصول تعظیم المسجد کما فی البدائع ۔

(رد المحتار ج ۱ صـ۱۸ باب السنن والنوافل)[۱]

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنے کا حکم

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں تسبیحات پڑھنے میں کافی وقت لگتا ہے، ایسی حالت میں کیا دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ کھول کر چھوڑنا چاہیئے یا ہاتھ باندھنا بہتر ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون نہ ہو تو اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائینگے

---

[۱] قال العلامۃ الشرنبلالیؒ: سن تحیۃ المسجد برکعتین یصلیهما فی غیر وقت مکروہ قبل الجلوس الخ الی ان قال واداء الفرض ینوب عنها قاله الزیلعی وکذا کل صلوٰۃ اداها عند الدخول بلا نیۃ التحیۃ لانها لتعظیمه وحرمته وقد حصل ذٰلك بما صلوٰۃ ولا تفوت بالجلوس عندنا۔ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی صـ۳۲۰ فصل فی تحیۃ المسجد)

صلوۃ التسبیح کے قومہ میں اگرچہ ذکرِ مسنون یعنی تسبیحات ہیں لیکن قیام کے لیے قرار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے بلکہ ارسال ہوگا۔

قال العلامۃ الشیخ احمد الطحطاوی: تحت قول المصنف (ولیس وضع الرجل یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ) مانصہ (کما فرغ من التکبیر للاحرام بلا ارسال ویضع فی کل قیام من الصلوٰۃ ولو حکماً فدخل القاعد ولا بد فی ذالک القیام ان یکون فیہ ذکر مسنون وما لا فلا کما فی السراج وغیرہ. وقال محمد لا یضع حتی یشرع فی القرأۃ فھو عندھما سنۃ قیام فیہ ذکر مشروع وعندہ سنۃ للقرأۃ فیرسل عندہ حالۃ الثناء والقنوت وفی صلوٰۃ الجنازۃ وعندھما یعتمد فی الکل الیٰ ان قال فان قیل فی القومۃ من الرکوع ذکر مشروع وھو التسمیع والتحمید فینبغی ان یضع فیھا علیٰ قولھما اجیب بان المراد قیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون براجع۔

(طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص۱۴۰ فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ) [1]

استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ

سوال:۔ استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ کیا ہے اور کس وقت پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب:۔ نماز استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جس میں ضرر اور نفع دونوں کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں نمازِ عشاء کے بعد دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے، نماز کے بعد پوری توجہ سے یہ دُعا پڑھے

اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم. فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب. اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی ومعیشتی وعاقبۃ امری او قال فی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ قال ویسمی حاجتہ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۰۹ باب ماجاء فی الاستخارہ)

---

[1] قال الملا خسرو الحنفیؒ: فالحاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون ففیہ الوضع وکل قیام لیس کذلک ففیہ الارسال۔ (الدرر والغرر ج ۱ ص۶۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اور جب هٰذا الامر پر پہنچے تو متعلقہ کام کی طرف توجہ کر کے دل میں لائے، ایسے عمل کے بعد جس جانب دل کا میلان ہوا تو اس کو اختیار کرے۔ اگر ایک دفعہ کرنے سے اطمینان حاصل نہ ہو تو سات دفعہ تک یہ عمل کرے، متعدد بار کرنے سے تردد اور شک نہیں رہے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفی الحلیة ویستحب افتتاح هٰذا الدعاء وختمه بالحمد لله والصلوٰة۔ وفی الاذکار انهٗ یقرأ فی الرکعة الاولی الکافرون وفی الثانیة الاخلاص اھ۔ وعن بعض السلف انه یزید فی الاولیٰ "وربك یخلق ما یشاء ویختار الی "یعلنون"۔ وفی الثانیة "وما کان لمؤمن ولا مؤمنة (الآیة)" وینبغی ان یکررها سبعًا لما روی ابن السنی یا انس اذا هممت بامر فاستخر ربك فیه سبع مرات۔ ثم انظر الی الذی سبق الی قلبك فان الخیر فیه ولو تعذرت علیه الصلوٰة استخار بالدعاء اھ۔ وفی شرح الشرعة المسموع من المشائخ انهٗ ینبغی ان ینام علی طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذکور فان رأی فی منامه بیاضًا او خضرة فذلك الامر خیر وان رأی فیه سوادًا او حمرة فهو شر ینبغی ان یجتنب اھ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۶ مطلب فی رکعتی الاستخارة)

نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا

سوال:۔ نفل نماز پڑھنے کی کیفیت کیا ہے؟ کیا بعذر یا بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفل نماز بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، البتہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔

قال الامام البخاریؒ: عن عمران بن حصین قال سألت النبی صلی الله علیه وسلم عن صلوٰة الرجل وهو قاعدٌ فقال من صلّی قائمًا فهو افضل ومن صلّی قاعدًا فلهٗ نصف اجر القائم۔ (الحدیث)

(الجامع الصحیح البخاری ج۱ ص۱۵۰ ابواب تقصیر الصلوٰة)

جبکہ معذور کو بیٹھ کر پڑھنے سے پورا ثواب ملے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعدًا لا

مضطجعاً الا بعذر ابتداءً وكذا بناءً بعد الشروع بلا كراهة كعكسه ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳ باب السنن والنوافل) [1]

عالم دین کے لیے سنتیں چھوڑنا جائز ہے

سوال:۔ کیا کوئی عالم دین یا مفتی لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے سنتوں کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لوگوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی تعلیم و تعلم کے لیے شریعت مقدسہ نے ایک عالم دین کو اس مشغولیت کی بناء پر سنتیں چھوڑنے کی اجازت دی ہے لیکن فجر کی سنتیں چھوڑنے کی اس کو بھی اجازت نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعاً في الفتاوى بخلاف باقي السنن كله تركها لحاجة الناس الى فتواه ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵ باب النوافل) [2]

حاجی نفل نماز حرم شریف میں پڑھے یا ڈیرہ میں؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا حج پر جانے کا ارادہ ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک حاجی کیلئے نفل نماز حرم شریف میں پڑھنا افضل ہے یا وہ اپنے ڈیرہ میں نفل نماز ادا کرے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ نفل نماز اپنی رہائش گاہ میں ادا کی جائے لیکن حرمین شریفین کی شرافت و عظمت کی بناء پر حاجی کیلئے نفل نماز حرمین شریفین میں پڑھنا افضل ہے اسلئے کہ حاجی کو یہ شرف کسی اور جگہ حاصل نہ ہوگا۔

لما قال العلامة ملا على القارئ : والظاهر ان الكعبة والروضة الشريفة تستثنيان للغرباء لعدم حصولهما في مواضع آخر فتغتنم الصلوٰة فيهما قياساً على ما قاله أئمتنا ان الطواف للغرباء افضل من الصلوٰة النافلة ۔ (مرقاة ج۳ ص۱۸۱ كتاب الصلوٰة)

---

[1] قال ابن نجيم المصري رحمه الله : ويتنفل قاعداً مع قدرته على القيام ابتداءً وبناءً وقد حكى فيه اجماع العلماء وبعد عدة اسطر قال واما اذا صلاه مع عجزه فلا ينقص عن ثوابه قائماً ۔ (البحر الرائق جلد ۲ ص۶۲ باب النوافل)

[2] قال العلامة ابن عابدين : (فله تركها) الظاهر ان معناه انه يتركها وقت اشتغاله بالافتاء لاجل حاجة الناس المجتمعين عليه وينبغي انه يصليها اذ فرغ في الوقت وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۵)

عصر کی نماز کے بعد منذور نفل پڑھنا

سوال:۔ ویسے تو عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب نفل نماز کی ادائیگی مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے نفل نماز کی نذر مانی ہو تو ان نوافل کو واجب ہونے کی بناء پر بعد از نمازِ عصر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا مکروہ ہے چاہے ان نوافل کا تعلق نذر شدہ نوافل سے ہو یا عام نوافل سے، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عصر کی نماز کے بعد نفل نماز کی مانی ہوئی نذر کو کسی غیر مکروہ وقت میں ادا کیا جائے، عصر کے بعد ادا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ويكره ان يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد المغرب حتى تغرب لما روى انه عليه السلام نهى عن ذلك ولا بأس بان يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة لان الكراهة كانت لحق الفرض ليصير الوقت كالمشغول به لا لمعنى في الوقت فلم تظهر في حق الفرائض وفيما وجب لعينه كسجدة التلاوة وظهر في حق المنذور لانه تعلق وجوبه بسبب من جهته۔ (الهداية ج ۱ ص۸۳ فصل في الاوقات المكروهة۔ كتاب الصلوٰة) [1]

تحیۃ الوضوء پڑھنے سے قبل بیٹھنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور کچھ دیر کے لیے بیٹھ جائے پھر کھڑے ہو کر تحیۃ الوضوء پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کر کے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے قبل ہی دو رکعت نماز تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھے، تاہم اگر کسی عذر کی بناء پر پہلے بیٹھ کر پھر نماز پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

لقوله عليه السلام: اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس۔

---

[1] لما في الهندية: ولو نذر ان يصلي في الوقت المكروه فأدى فيه يصح ويأثم ويجب ان يصلي في غيره۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۲ كتاب الصلوٰة۔ الباب الاول في المواقيت۔ الفصل الثالث)

صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ رمضان المبارک میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھتے ہیں اور خواتین کو خصوصی طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرکے یہ نماز جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد میں بلایا جاتا ہے، تو صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صلوٰۃ التسبیح کا باجماعت پڑھنا شارع علیہ السلام سے منقول نہیں، اور چونکہ یہ نفل نماز ہے اور نفل نماز باجماعت پڑھنا خاص کر جب تداعی[1] کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشہید اَمّا اذا صلوا بجماعۃ بغیر اذان واقامۃ فی ناحیۃ المسجد لا یکرہ۔ وقال شمس الائمۃ الحلوانی: ان کان سوی الامام ثلاثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ۔ ھکذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۸۳ الباب الخامس الامامۃ الفصل الاول فی الجماعۃ من کتاب الصلوٰۃ)

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات رہ جانے سے نماز کا حکم

سوال: اگر کسی شخص سے صلوٰۃ التسبیح کی پہلی رکعت میں تسبیحات رہ جائیں اور سلام پھیرنے سے قبل یاد آجائے کہ مجھ سے فلاں رکعت میں تسبیحات رہ گئی ہیں تو کیا سجدۂ سہو کرنے سے یہ نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر سجدۂ سہو نہ کرے تو کیا شرعاً یہ نماز صلوٰۃ التسبیح شمار ہوگی یا صرف نفل؟

الجواب: سجدۂ سہو ترکِ واجب سے لازم ہوتا ہے جبکہ تسبیحات واجب نہیں اس لیے ان کے رہ جانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، البتہ تسبیحات رہ جانے سے یہ نماز صرف نفل شمار ہوگی صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ ھکذا فی فتاوٰی رحیمیہ ج۴ ص۳۲۱ باب النوافل۔

---

[1] تداعی کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی چار ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، اور اگر مقتدی دو ہوں تو بلا کراہت جائز ہے لیکن جماعت کا ثواب پھر بھی نہ ہوگا۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص۳۷۱: وفیہ قولہ علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ فاکثر بواحد)

باب التراویح
(تراویح کے احکام ومسائل)

سحری کو تراویح پڑھنے کا حکم

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تراویح سحری کے وقت پڑھتے ہیں، کیا سحری تک تراویح مؤخر کرنا مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب: مستحب یہ ہے کہ تراویح کو ثلث لیل یا نصف تک مؤخر کیا جائے، سحری تک مؤخر کرنا اگرچہ صحیح قول کے مطابق مکروہ تو نہیں مگر اس سے اجتناب کرنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویستحب تأخیرها الیٰ ثلث اللیل او نصفه ولا تکرہ بعدہ فی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل)[1]

تراویح سنت مؤکدہ ہیں

سوال: نماز تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ موجودہ وقت میں جس اہتمام سے ہم تراویح پڑھتے ہیں دورِ رسالت یا خلفاء راشدین کے دور میں اس کی حیثیت کیا تھی؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہیں البتہ باقاعدہ اہتمام کی رعایت نہیں کی ہے، کیونکہ آپ کے اہتمام سے امت پر لزوم کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے بوجہ عذر چھوڑ دیں البتہ خلفاء راشدین کے دور میں یہ عذر باقی نہ رہا تو خلفاء راشدین نے باقاعدہ اہتمام سے تراویح پڑھی ہیں، بناء بریں مواظبت تراویح سنتِ مؤکدہ ہے۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلی: التراویح سنة مؤکدة لان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اقامها فی اللیالی...... وواظب علیها الخلفاء الراشدین وجمیع المسلمین من زمن عمرؓ الی یومنا هذا۔ ان ابا یوسف سأل ابا حنیفة عنها وما فعله عمرؓ۔ فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرجه عمرؓ من تلقاء نفسه۔ ولم یکن فیه مبتدعاً۔ ولم یأمر به اِلّا عن اصل لدیه وعهد من

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وما فی البحر عن الصحیح انه لا بأس بالتاخیر لا یدل علی ثبوت کراهة التنزیه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۶۸ فصل فی التراویح) [1]

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال :۔ بیس رکعات تراویح کی دلیل کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کن وجوہات کی بناء پر اتنی اہمیت دی؟

الجواب :۔ رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے جس پر آج تک تعامل چلا آرہا ہے، جہاں تک تعدادِ رکعات کا تعلق ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے علاوہ اکثر خلفاء راشدین کا متوارث طریقہ ہے، جب خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح ایک قاری کی اقتداء میں پڑھنے کا حکم دیا تو اس دورِ صحابہؓ میں کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی گویا انہوں نے آپؓ کے فیصلہ پر اجماع کیا، اصولی طور پر یہ فیصلہ بھی مرفوع روایت کے حکم میں ہے، اس لیے کہ صحابی کا عبادات میں خلافِ قیاس بات کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نے یہ بات حضورؐ سے سُنی ہوگی، اس کے علاوہ جملہ امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ : وقد سنها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وندبنا الیہا واقامها فی بعض اللیالی ثم ترکها خشیة ان تکتب علی اُمتہ کما ثبت ذلک فی الصحیحین وغیرهما ثم وقعت المواظبة علیها فی اثناء خلافة عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] قال الحصکفیؒ : التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین ــــ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قولہ سنة مؤکدة صححہ فی الهدایة وغیرها وهو المروی عن ابی حنیفة و ذکر فی الاختیار ان ابا یوسف سأل ابا حنیفة عنها وما فعلہ عمر فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرجہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعاً ولم یامر بہ الا عن اصل لدیہ وعهد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضاً تحت قولہ لمواظبة الخلفاء الراشدین ای اکثرهم لان المواظبة علیها وقعت فی اثناء خلافة عمرؓ ووافقہ علی ذلک عامة الصحابة ومن بعدهم الی یومنا هذا بلا نکیر۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۴۳، باب التراویح)

ومثلہ الفتاوی التاتارخانیة ج ۱ ص۶۵۳ الفصل الثالث عشر فی التراویح۔

ووافقه علی ذٰلک عامۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم کما ورد ذٰلک فی السنن ثم ما زال الناس من ذٰلک الصدر الی یومنا ھٰذا علی اقامتہا من غیر نکیر وکیف لا وقد ثبت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیہا بالنواجذ، کما رواہ ابوداؤد۔ واطلقہ فشمل الرجال والنساء کما صرح بہ فی الخانیۃ والظہیریۃ۔ الخ

وقولہ عشرون رکعۃ بیان لکمیتہا وھو قول الجمہور لما فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً۔۔۔ وذکر العلامۃ الحلبیؒ: ان الحکمۃ فی کونہا عشرین ان السنن شرعت مکملات للواجبات وھی عشرون بالوتر فکانت التراویح کذٰلک لتقع المساواۃ بین المکمل والمکمل انتہی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۶۶ تراویح فی باب الوتر والنوافل) [1]

بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی حیثیت

سوال: بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی کیا حیثیت ہے؟ بعض اقوال سے تضعیف کی طرف میلان معلوم ہوتا

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: التراویح سنۃ مؤکدۃ توارثہا الخلف عن السلف من لدن تاریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھٰذا ھٰکذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ وقد واظب علیہا الخلفاء الراشدون وقال علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی، واقامہا ازواج النبی علیہ السلام۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۶۵۳ الفصل الثالث عشر فی التراویح)

وعن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔ رواہ البیہقی واسنادہ صحیح۔
(آثار السنن ص۲۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

ومثلہ فی فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۲۳۲ باب التراویح۔
آثار السنن ص۲۵۳ باب فی التراویح بعشرین رکعات۔

ہے، کیا اس کے ضعیف ہونے سے بیس رکعات کی حیثیت متاثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اگر کسی نے ضعیف بھی کہا ہو تو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر جب اس پر خیر القرون کے زمانے سے مسلسل عمل ہو رہا ہو تو امت کے تواتر عمل سے وہ حدیث مضمون کے اعتبار سے قوی بن جاتی ہے پھر وہ ضعیف نہیں رہتی، یہ اصولِ حدیث کا مسلّم اصول ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وأما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعند البیہقی من حدیث ابن عباسؓ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلّی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح اھ۔ قلت اما مخالفتہ للصحیح فقد یجاب عنھا بان ما فی الصحیح مبنی علی ما ھو الغالب من احوالہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذن اللیلتین فقط ثم ترکہ علیہ الصلوۃ والسلام فلذا لم تذکرہ عائشۃ رضی اللہ عنہا واما تضعیف من ذکر فقد یقال انہ بما مر من نقل الاجماع علی سنتھا من غیر تفصیل مع قول الامام رحمہ اللہ ان ما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ لم یتخرجہ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یأمر بہ الا عن أصلٍ لدیہ وعھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتامل منصفًا۔

(منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۶۷ باب السنن والنوافل)[1]

صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان جدا جدا نمازیں ہیں

سوال: صلوٰۃ اللیل (تہجد) یا قیام رمضان (تراویح) ایک ہی نماز

---

[1] وذکر العلامۃ عبد العلی بحر العلومؒ: وروی ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ قال الشیخ عبد الحق قالوا اسنادہ ضعیف وتعارضہ حدیث اُم المؤمنین۔۔۔۔۔۔ انہ لا معارضۃ لان اُم المؤمنین اخبرت لما علمت ولعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی عشرین فی بیت اُم المؤمنین میمونۃ وشاھدہ ذلک ابن عباس ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ۔ (رسائل الارکان ص۱۳۸ فصل فی التراویح)

کے نام ہیں یا جدا جدا نمازیں ہیں ؟

الجواب: صلوٰۃ اللیل اور تہجد کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے ۔

کما یعلم من قول ابن عابدینؒ: نعم صلوٰۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التهجد ۔ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۲۴ مطلب فی صلوٰۃ اللیل)

البتہ قیام رمضان اور تراویح دونوں ایک ہیں ۔

کما یعلم من صنیع برهان الدین المرغینانیؒ بفصل فی قیام رمضان: یستحب ان یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد صلوٰۃ العشاء فیصلی بهم امامهم خمس ترویحات کل ترویحة بتسلیمتین الخ ۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۳۴ باب النوافل، فصل فی قیام رمضان) [1]

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ تراویح کے متعلق ہے یا تہجد کے متعلق ؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کا مقصد

الجواب: یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق نہیں ہے کیونکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں پڑھی جاتی ہیں تراویح صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا غیر رمضان تہجد پر دال ہے ۔

بحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی سلمة انه اخبرہ انه سأل عائشةؓ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان ۔ فقالت ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة ثم یصلی اربعاً ۔ فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ۔ ثم یصلی اربعاً ۔ فلا تسئل عن حسنهن ثم یصلی ثلاثاً ۔ الخ

قال شیخ مشائخنا مولانا الجنجوهیؒ: کان السائل ظن ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعله کان یزید فی رمضان علی ما تهجد فی غیرہ فردته بقولها ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ ای فی غالب الاحوال والاوقات فالغرض الانکار علی زیادة رکعات التهجد لخصوصیته رمضان فلا ینافیه ما کان یصلیه

---

[1] قال العلامة السید محمد یوسف البنوریؒ: وبالجملة فالمراد بقیام رمضان التراویح ۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۵۴۳ باب ما جاء فی قیام رمضان)

فی بعض الاحیان فوق احدٰی عشرۃ رکعۃ وکذا لا تعلق له بصلوٰۃ التراویح نفیاً ولا اثباتاً۔ (فتح الملھم ج ۲ ص۲۹۱ باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبیؐ) [1]

فرض نماز پڑھے بغیر نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی امام رمضان المبارک میں فرض نماز پڑھے بغیر تراویح کی نماز پڑھائے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس امام نے خود فرض نماز نہیں پڑھی ہو تو تراویح میں اس کی اقتداء درست نہیں اور نہ خود اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے، کیونکہ تراویح سے پہلے عشاء کی نماز کا پڑھنا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: فان وقتھا ای التراویح بعد اداء العشاء فتجب الاعادۃ اذا ادی قبل العشاء۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح) [2]

تراویح میں شفع ثانیہ فاسد ہونے سے دو رکعات کی قضاء کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی اور پھر تیسری یا چوتھی رکعت کے دوران سلام پھیر دیا یا شفع ثانیہ میں نماز فاسد ہو گئی تو کیا وہ نفل کی طرح دو رکعت یا چار رکعت کی قضاء کرے گا؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ تراویح اگرچہ بذاتِ خود سنت ہیں لیکن چار چار رکعت پڑھنا سنت نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں صرف دو رکعت کی قضاء کرنا کافی

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان وغیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے.... الخ، تراویح کے متعلق نہیں بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے، یعنی آپ تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔
(امداد الاحکام جلد ۱ ص۶۴۷ باب التراویح)

[2] قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ: وقال القاضی الامام النسفی۔ الصحیح ان وقتھا (ای التراویح) بعد العشاء لا تجوز قبلھا سواء کانت بعد الوتر او قبله وھو المختار۔
(غنیۃ المستملی کبیری ص۴۰۳ باب التراویح)
ومثلهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۴۴ مبحث صلوٰۃ التراویح)

ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وقضیٰ رکعتین لو نوی اربعًا غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ۔ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای وتشہد للاول۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲ باب الوتر والنوافل)

لیکن شفع اولیٰ کا اعادہ ترک واجب کی وجہ سے ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ او الثانی) ای ولکن یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بقعدتہ۔ ثم شرع فی الثانی فنقضہ فی خلالہ قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاول لکن ینبغی اعادۃ الاول لترک واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سہو کما ھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع ترک الواجب۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۳ باب السنن والنوافل)[1]

چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھی جائیں اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا جائے، تو کیا یہ چار رکعات ہیں یا دو رکعات شمار ہوں گی؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں دوسرا شفع اور قرأت دوبارہ پڑھے گا، یہ صرف دو رکعات شمار ہوں گی۔

وفی الھندیۃ: عن ابی بکر الاسکاف انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیہ قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویسلم۔ وان تذکر بعد ما سجد للثالثۃ فان اضاف الیہا رکعۃ اُخریٰ کانت ھذہ الاربع عن تسلیمۃ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قولہ وقضیٰ رکعتین لو نوی اربعًا وافسدہ بعد القعود الاول او قبلہ یعنی فیلزمہ الشفع الثانی ان افسدہ بعد القعود الاول والشروع فی الثانی۔ والشفع الاول فقط ان افسدہ قبل القعود بناءً علی انہ لا یلزمہ بتحریمہ النفل اکثر من الرکعتین وان نوی اکثر منہا وھو ظاھر الروایۃ عن اصحابنا الا بعارض الاقتداء۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۵۸ باب النوافل)

ومثلہٗ فی الفتاویٰ القاضی خان علی ہامش الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۴ باب التراویح، فصل فی السجود۔

واحدة ۔ (الهندية ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح) [1]

ترویحہ خامسہ اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اولیٰ ہے

سوال: ۔ تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ قوم میں ضعیف لوگ بھی موجود ہوں اور تاخیر کرنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہو تو کیا نفل پڑھنا بہتر ہے یا ضعفاء کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب: ۔ اگر قوم کے ضعفاء کو انتظار کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو نفل پڑھنے کی بجائے جلدی وتر پڑھنے چاہئیں، کیونکہ نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اہم ہے ۔

وفی الهندیة : ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة وکذا بین الخامسة والوتر کذا فی الکافی و هکذا فی الهدایة ۔ ولو علم ان الجلوس بین الخامسة والوتر یثقل علی القوم لا یجلس هکذا فی السراجیه ۔ (الهندیة ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح) [2]

تراویح کے درمیان بیٹھنے کی صورت میں سکوت بھی جائز ہے

سوال: ۔ چار رکعات تراویح کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اگر کسی کو وہ دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص خاموش رہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ۔ چار رکعت تراویح کے بعد نفس بیٹھنا مستحب ہے، تسبیح وتہلیل ضروری نہیں البتہ اگر تین دفعہ یہ دعا پڑھے : سبحان ذی الملک والملکوت ....الخ تو اچھا رہے گا۔ اگر دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل بھی پڑھ سکتا ہے اور خاموش رہنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے ۔

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ : فلو صلی الامام اربعا بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة فاظهر الروایتین عن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ عدم الفساد۔ ثم اختلفوا هل تنوب عن تسلیمة او تسلیمتین ۔ قال ابو اللیث تنوب عن تسلیمتین ۔ وقال ابو جعفر وابن الفضل تنوب عن واحدة وهو الصحیح کذا فی الظهیریة والخانیة وفی المجتبیٰ وعلیه الفتویٰ ۔ (البحر الرائق جلد۲ ص۶۷)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی القاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۲۴۰ فصل فی السهو)

[2] قال الحصکفیؒ : یجلس ندباً بین کل اربعة بقدرها کذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقرأة وسکوت وصلوٰة فرادیٰ ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶ باب التراویح)

قال الحصكفیؒ: ویجلس ندباً بین کل اربعۃ بقدرہا وکذا بین الخامسۃ والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت وصلوٰۃ فرادیٰ۔ وقال ابن عابدینؒ: تحت ھٰذہ العبارۃ۔ قال القہستانیؒ: فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملٰئکۃ والروح لا الٰہ الا اللّٰہ نستغفر اللّٰہ نسألك الجنۃ ونعوذ بك من النار۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶ مبحث فی صلوٰۃ التراویح)[1]

چار رکعات تراویح اور ظہر کی سنن قبلیہ کی ادائیگی میں فرق

سوال: اگر کسی شخص نے نماز تراویح میں چار رکعت کی نیت باندھی، دو رکعت پر درمیانی تشہد بھول کر سجدۂ سہو کیا، کیا یہ چار رکعت شمار ہوں گی یا دو رکعات کے حکم میں رہیں گی؟ نیز ظہر کی سنن قبلیہ میں اگر قعدۂ اولیٰ رہ جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کیا جائے تو تراویح اور سنن مذکورہ کا ایک حکم ہے یا الگ؟

الجواب: نماز تراویح میں چار رکعات کی نیت باندھ کر قعدۂ اولیٰ کے رہ جانے سے مفتی بہ قول کے مطابق تراویح ایک تسلیمہ یعنی دو رکعت سے شمار کی جائیں گی۔ جبکہ سنن ظہر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز مکمل ہوجاتی ہے، گویا ظہر کے سنن کا حکم تراویح سے الگ ہے۔

لما فی الھندیۃ: ولو صلی اربعاً بتسلیمۃ ولم یقعد فی الثانیۃ ففی الاستحسان لا تفسد ھو اظھر الروایتین عن ابی حنیفۃ وابی یوسف واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ ھو الصحیح۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)

وفی الھندیہ: ولو صلی الاربع قبل الظھر ولم یقعد علیٰ رأس الرکعتین جاز استحساناً۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وقد قالوا انھم مخیرون فی حالۃ الجلوس ان شاؤا سبحوا وان شاؤا قرؤا القرآن۔ وان شاؤا صلوا اربع رکعات فرادیٰ۔ وان شاؤا قعدوا ساکتین۔ واھل مکۃ یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واھل المدینۃ یصلون اربع رکعات فرادیٰ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۶۹ باب الوتر والنوافل)

(وفی الھندیۃ : ومنھا القعدۃ الاولیٰ حتی لو ترکھا یجب علیہ السھو۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۷ باب سجود السھو) [1]

تیس ۳۰ رمضان کو شوال ہونے کے احتمال پر تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں اکثر تیس رمضان کو شوال ہوتا ہے، اگر صحیح شہادت نہ ملے تو اسی رات کو تراویح کی نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ اگر پڑھنی چاہیئے تو معمول کے مطابق یا رات کے آخری حصہ میں؟

الجواب:۔ تراویح رمضان المبارک کا وظیفہ ہے، جب عید الفطر کا حکم نہ ہوا ہو تو روزہ اور تراویح دونوں معمول بہ ہوں گے۔ لہٰذا اگر شوال کا احتمال بھی ہو تو تراویح اپنے مقررہ وقت پر ادا کی جائیں گی، تاہم اگر آخری شب میں عید الفطر کا چاند دیکھنے کی خبر آجائے تو تراویح نوافل میں تبدیل ہوجائیں گی۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔ (معارف السنن جلد ۵ ص۳۳۶ باب ما جاء ان الصوم لرؤیۃ الھلال والافطار) [2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن منصور الشھیر بقاضی خانؒ : اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوٰتہ وھو قول محمدؒ وزفرؒ یلزمہ قضاء ھٰذہ التسلیمۃ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ وفی الاستحسان ھو اظھر الروایتین عن ابی حنیفۃ وابی یوسف لا تفسد...... قال الفقیہ ابو جعفر والشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ۔ وکذا لو صلی الاربع قبل الظھر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحساناً۔

(الفتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۹، ۲۴۰ فصل فی التراویح)

قال العلامۃ قاضی خان : اذا ترک القعدۃ الاولیٰ من ذوات الاربع والثلاثۃ یلزمہ السھو ولو ترک فی التطوع لا تفسد صلوٰتہ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ ویلزمہ السھو۔

(الفتاویٰ القاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۱ باب سجود السھو)

[2] وعن رجل ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اختلف الناس فی اخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللہ لاھل الھلال امس عشیۃ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس ان یفطروا زاد خلف فی حدیثہ وان یغدوا الی مصلاھم۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص۳۲۰ باب شھادۃ رجلین علی رؤیۃ ھلال شوال)

ومثلہ فی رسائل الارکان ص۲۰۶ فصل یفترض علی المکلفین ان یطلبوا ھلال۔

حنفی المسلک آدمی کے لیے رمضان میں تراویح باجماعت پڑھانے کیلئے مستقل امام رکھنے کا حکم

سوال:۔ ہم بسلسلۂ روزگار متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں، وہ لوگ تراویح کی نماز بارہ رکعات پڑھتے ہیں، اگر ہم اپنے لیے یہاں رمضان میں حنفی امام رکھ کر مکان پر تراویح باجماعت پڑھنے کا انتظام کرلیں تو شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ اگر قانونی طور پر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایسا کرنا درست بلکہ بہتر ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ولوکان لکل مذهب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم او تأخر علی ما استحسنه عامة المسلمین وعمل به جمهور المؤمنین من اهل الحرمین القدس ومصر والشام ولا عبرة بمن شذ منهم۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۶۵ باب الامامة، مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ)

تراویح میں ختم قرآن کا حکم

سوال:۔ تراویح کی نماز میں ختم قرآن کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تراویح کی نماز میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے اور ایک سے زائد بار افضل ہے۔

قال الحصکفی رحمه الله: والختم مرة سنة ومرتین فضیلة وثلاثا افضل۔ (الدر المختار علی رد المحتار ج۲ ص۴۶ باب التراویح) [۱]

آٹھ رکعات تراویح میں مسنون ختم قرآن کا حکم

سوال:۔ جس قرأت سے بیس رکعات تراویح جلدی جلدی پڑھائی جاتی ہیں اگر وہی قرأت آٹھ رکعات میں آہستہ آہستہ پڑھا کر ختم کی جائے تو کیا اس سے کفایت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ سنت ختم قرآن تو ادا ہوجائے گی مگر تراویح کی سنت ادا نہ ہوگی وہ

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: والجمهور علی ان السنة الختم مرة... الخ۔ ومرتین فضیلة وثلاث مرات فی کل عشرة مرة افضل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۶۸)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۱۸ الباب التاسع فی النوافل۔ فصل فی التراویح۔

بیس رکعات پڑھانے سے ادا ہوگی۔

قال عبداللہ بن عمر النسفیؒ: وسن فی رمضان عشرون رکعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة والختم مرة بجلسة بعد کل اربع بقدرها۔
(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۶۶ فصل فی التراویح)[1]

آٹھ رکعات تراویح پڑھنے اور پڑھانے کا حکم

سوال: کیا آٹھ رکعات تراویح پڑھنے اور پڑھانے والا فاسق اور بدعتی ہے یا نہ؟

الجواب: بیس رکعات تراویح باجماعِ امت وبمواظبت خلفاء الراشدین سنتِ مؤکدہ ہیں لہٰذا بغیر عذر شرعی بیس رکعت کو چھوڑ کر آٹھ رکعات تراویح پڑھنا موجبِ ملامت ہے جبکہ بیس رکعات کا منکر ضال اور مضل ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: فقیام رمضان بعشرین رکعة والوتر هو السنة المؤکدة یضلل تارکها ویلام من نقص عنها۔ (اعلاء السنن ج۷ ص۷۲ کیفیة القرأة فی التراویح)[2]

ختمِ قرآن کا سنت ہونا تراویح کی نماز کے ساتھ خاص ہے

سوال: (۱) زید اور بکر دونوں حافظِ قرآن ہیں اور دونوں ایک ہی مسجد میں تراویح کی نماز میں قرآن مجید سنانا چاہتے ہیں، تو کیا ان کے لیے یہ درست ہے کہ پہلی دس رکعات نماز تراویح میں زید اپنی منزل (سوا پارہ) تلاوت کرکے سنادے، اور باقی دس رکعات

---

[1] قال ابن عابدینؒ: تحت قوله وهی عشرون رکعة هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقاً وغرباً۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵ باب النوافل والتراویح)
وَمِثْلُهٗ فی رسائل الارکان ص۱۳۸ فصل فی التراویح۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین للرجال والنساء..... وهی عشرون رکعة۔ قال ابن عابدینؒ تحت عشرون) هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقاً وغرباً۔ (رد المحتار والدر المختار ج۲ ص۴۳،۴۵ باب التراویح)
قال العلامة ابن عابدین: تارکها یستوجب اساءة ای التضلیل واللوم۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۷۴ باب صفة الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۱۷ باب قیام رمضان۔ ومنحة الخالق علی البحر الرائق ج۱ ص۳۲ باب صفة الصلوٰة

میں بکر اپنی منزل پڑھے، یوں ایک مسجد میں دو ختم قرآن ہو جائیں گے ؟

(ب) زید تراویح کی نماز میں قرآن مجید سناتا ہے جبکہ بکر فرض اور وتر کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتا ہے تاکہ دو ختم کرلیں، شرعاً ان دونوں صورتوں میں کون سی درست ہے ؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں پہلی صورت جائز ہے اور دوسری صورت خلافِ سُنّت ہے کیونکہ تراویح میں قرآن مجید کا ختم کرنا سُنت ہے، وتر یا فرائض میں یہ حکم نہیں، خاص کر یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ تطویلِ قرأت لوگوں کے لیے باعثِ زحمت ہو۔

قال الحصکفیؒ : والختم مرۃ سنۃ و مرتین فضیلۃ وثلاثاً افضل۔ وقال ابن عابدینؒ : تحت ھٰذہ العبارۃ ای قرأۃ الختم فی صلوٰۃ التراویح سنۃ۔ وصححہ فی الخانیۃ وغیرھا وقال بعد اسطر لکن فی الخانیۃ وغیرھا ما یفید تخصیص التراویح)۔ (الدر المختار ورد المحتار جلد ۲ صـ۴۷ مبحث صلوٰۃ التراویح)[له]

تراویح میں کئی بار قرآن ختم کرنے کا حکم

سوال :۔ ایک حافظ کسی مسجد میں ایک دفعہ ختم کرنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں ختم کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ہاں کرسکتا ہے، کیونکہ امام اور مقتدیوں سب کے لیے نمازِ تراویح سُنت ہے اس میں اقتداء المثل بالمثل ہے، لہٰذا مقتدیوں کی اقتداء درست ہے، اور یہ بات کہ ختمِ قرآن، امام کے حق میں دوبارہ کسی قوم کے لیے پڑھنا فضیلت کے درجہ میں ہے اور مقتدیوں کے حق میں سُنت ہے۔

علاوہ ازیں اقتداء سے پہلے قرأت نہ امام پر اور نہ مقتدیوں پر لازم ہے، اقتداء کرنے کے بعد امام پر بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ فرض ہے اور اب امام جتنی قرأت بھی پڑھے حتیٰ کہ دو ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کردے امام اور مقتدیوں کی سنت ادا ہوجاتی ہے۔ **حاصل یہ ہوا** کہ حافظ کو دوسری مسجد میں قرآن ختم کرنے سے مقتدیوں کے مسنون ختم پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

وفی خزانۃ الروایۃ : قد روی بعض اھل العلم عن کنز الفتاوی رجل امّ قوماً

له قال العلامۃ قاضی خان : ولو قرأ بعض القرآن فی سائر الصلوٰۃ بان کان القوم یملون من القرأۃ فی التراویح فلا بأس بہ لکن یکون لھم ثواب الصلوٰۃ لا ثواب الختم وقد ذکرنا ان السنۃ ھی الختم فی التراویح۔ (الفتاوی القاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ جلد ۱ صـ۲۳۸ فصل فی مقدار القرأۃ فی التراویح)

ومثلہٗ رسائل الارکان صـ۱۳۷ فصل فی التراویح۔

فی التراویح وختم فیہا ثم امّ قوماً اٰخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولہم ثواب الختم
(مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص۲۲۴ باب التراویح) [1]

تراویح کی دو رکعات فاسد ہونے سے مسنون ختم ادا نہیں ہوتا

سوال: اگر ایک شخص نے تراویح میں قرآن سنا دیا ہو، دو رکعات میں قرآن مجید کا معتد بہ حصہ پڑھ کر اس کی نماز فاسد ہو گئی جس کی وجہ سے دوبارہ یہ دو رکعات ادا کرنی پڑیں، تو کیا اس فاسد نماز میں پڑھی ہوئی تلاوت کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فاسد نماز میں جو قرأت کی گئی ہو اس کا ختم قرآن میں اعتبار نہیں ہوگا، اس کے لیے چاہیے کہ یہ قرأت دوبارہ کی جائے ورنہ ختم قرآن ناقص رہے گا۔

وفی الہندیۃ: واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوٰۃ الجائزۃ۔ قال بعضہم یعتد بہا کذا فی الجوہرۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح) [2]

ختم قرآن میں بسم اللہ پر جہر کا حکم

سوال: تراویح میں ختم قرآن مجید کی کسی سورت پر ایک دفعہ جہراً بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا تمام سورتوں کی ابتداء میں اخفاء ضروری ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک سورۃ النمل کی آیت بسم اللہ کے علاوہ بسم اللہ پورے قرآن مجید سے مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فاصلہ اور فرق کے لیے نازل ہوئی،

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: وسن ختم القرآن فیہا ای مرۃ فی الشہر علی الصحیح وہو قول الاکثر۔ قال الطحطاوی ومرتین فضیلۃ وثلاثۃ فی کل عشرۃ مرۃ افضل اھ قلت والاطلاق یدل علی فضیلۃ الختم ثلاثاً مطلقاً سواء کان فی مسجد واحد او فی ثلاث مساجد فی کل مسجد مرۃ۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص۶۲۰ باب التراویح)
ومثلہ فی کفایت المفتی ج ۳ ص۳۶۵ باب التراویح۔

[2] قال شیخ الاسلام ابوبکر الحداد: واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتمد بما قرأ فیہ ویعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوٰۃ الجائزۃ قال بعضہم یعتد بہا۔
(الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص۱۱۸ باب قیام رمضان)۔

خصوصی طور پر کسی ایک سورۃ کا جزء نہیں، لیکن قرآن سے نفس آیت ہونے کی وجہ سے کسی ایک مقام پر بسم اللہ پر جہر کرنا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کا کوئی حصہ بغیر جہر کے نہ رہے، ابنا بریں صورت اگر کسی ایک سورۃ کے سامنے بسم اللہ پر جہر نہ کی جائے تو سامعین کے حق میں قرآن کا ختم ایک آیت سے ناقص سمجھا جائیگا۔ تاہم اگر یہ سورت کے ابتداء میں سرًا پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (ولا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سریة ولا تکرہ اتفاقاً وما صححه الزاهدی من وجوبها ضعفه فی البحر (وهی آیة) واحدة (من القرآن) کله (انزلت للفصل بین السور) فما فی النمل بعض آیة اجماعاً (ولیست من الفاتحة ولا من کل سورة) فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۲ مطلب قرأة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن)[1]

رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باجماعت نفل نماز میں ختم قرآن کرنے کا حکم

سوال:۔ رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باقاعدہ نفل نماز میں شبینہ یعنی ختم قرآن کرانے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی حالت میں رمضان کی طرح وتر باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کے لیے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں، ایسی حالت میں شبینہ کے لیے لوگوں کو جمع کرکے تراویح کی طرح نفل نماز میں قرآن کریم سُننا کراہت سے خالی نہیں۔ تاہم اگر انفرادی طور پر ایک شخص نفل نماز میں قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرے یا بغیر کسی اہتمام اور تداعی کے کسی نفل نماز میں ایک یا دو آدمی کسی حافظ قرآن کی اقتداء کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ وتر کی نماز رمضان کے علاوہ دوسرے اوقات میں جماعت سے علیٰ سبیل التداعی پڑھنا مکروہ ہے۔

---

[1] قال الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: فالاولی ان تکون آیة تامة من القرآن من غیر سورة النمل لان التی فی سورة النمل لیست بآیة تامة والدلیل علیٰ انها آیة تامة حدیث ابن ابی ملیکة عن ام سلمةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قرأ فی الصلوٰة فعدّها آیة۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲ فصل اما القول فی انها آیة او لیست آیة)

وقال ایضاً وان قرأها مع کل سورة فحسن۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۴)

ومثله فی معارف السنن ج ۲ ص ۲۶۲ باب ما جاء فی ترک الجهر ببسم الله الخ

البتہ اگر ایک دو آدمی بغیر کسی التزام یا تداعی کے وتر باجماعت ادا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولو صلوا الوتر بجماعة فی غیر رمضان فھو صحیح مکروہ کالتطوع فی غیر رمضان بجماعة وقیدہ فی الکافی بان یکون علی سبیل تداعی۔ اما لو اقتدیٰ واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ۔ واذا اقتدیٰ ثلاثة بواحد اختلفوا فیہ وان اقتدیٰ اربعة بواحد کرہ اتفاقاً۔

(البحر الرائق ج۲ ص۷ باب الوتر والنوافل)[1]

تراویح باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! تراویح کی نماز الگ پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تراویح کی نماز بذاتِ خود سنتِ مؤکدہ ہے لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنا سنتِ کفایہ ہے، اگر محلے کے چند افراد اس سنت کو جماعت کے ساتھ ادا کریں تو سب کا ذمہ فارغ ورنہ سب گنہگار ہوں گے، اگر کوئی شخص انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھے تو اس سے سنت تو ادا ہو جائے گی مگر جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والجماعة فیھا سُنة علی الکفایة فی الاصح فلو ترکھا اھل مسجد اثموا الا لو ترک بعضھم وکل ماشرع بجماعة فالمسجد فیہ فضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۵ باب النوافل)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان۔ ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸ بحث صلوٰة التراویح)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۱ ص۴۰۹ فصل فی قیام رمضان۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: والجماعة فیھا سنة علی الکفایة الخ افاد ان اصل التراویح سنة عین فلو ترکھا واحد کرہ بخلاف صلاتھا بالجماعة فانھا سنة کفایة فلو ترکھا الکل اسآءُوا اما لو تخلف عنھا رجل من افراد الناس وصلّی فی بیتہ فقد ترک الفضیلة۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۵ باب النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۶۸ باب النوافل۔

صلوٰۃ التراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس؟

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین صلوٰۃ التراویح کی مقدار کے متعلق کہ اس کی تعداد آٹھ رکعت ہے یا بیس رکعت؟ بعض غیر مقلدین حدیثِ عائشہ صدیقہؓ کی بناء پر جو کہ بخاری شریف وغیرہ میں مروی ہے، آٹھ رکعات کو سنت قرار دیتے ہیں اور بیس رکعات کا انکار کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- واضح رہے کہ ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

كما صرح به فى الهندية وشرح التنوير و مراقى الفلاح والجوهرة من كتب الحنفية. وفى الروضة والتوشيح من كتب الشافعية، والشرح الكبير من كتب المالكية، والروض ونيل المآرب من كتب الحنابلة.

البتہ نماز تراویح کے عدد میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نماز کا عدد بیس رکعات ہے۔

كما صرح به فى البدائع وغيره من كتب الحنفية، و فى المجموع من كتب الشافعية وهى رواية عن مالك كما فى شرح المهذب، واختاره ابوعمر ابن عبدالبر المالكى كما فى شرح التقريب، وذكره ابن رشد فى البداية عن احمد، ورواه ابن قدامة فى المغنى عن احمد.

اور ابن قاسم نے مدونہ میں امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعات ہیں اور وتر تین رکعات ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی خاص عدد کے قائل نہیں ہیں اُن کے نزدیک اس میں توسع ہے، آٹھ رکعات، بیس رکعات، چھتیس رکعات تمام کی تمام جائز ہیں۔ اور حنفیہ کے مشائخ میں سے علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنتِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے مؤکدہ ہیں اور بیس رکعات سنت خلفاء راشدین ہونے کی وجہ سے سنتِ زائدہ ہیں۔ بہرحال ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین میں سے کسی نے بھی آٹھ رکعات سے زائد (مثلاً بیس رکعات) کو بدعت یا مکروہ قرار نہیں دیا ہے۔

البتہ بعض غیر مقلدین نے آٹھ رکعات کو مسنون قرار دیا ہے اور اس سے زائد تعداد پر انکار کیا ہے اور اس مسئلہ کو، طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ کی طرح بے علم اور کم علم لوگوں کے شکار کا دام بنا رکھا ہے۔ اعاذنا الله من شرور الفرق الشاذة المخالفة عن السواد الاعظم۔

یہ غیر مقلدین سید و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ البخاری ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ "یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو رمضان المبارک میں گیارہ رکعت پر اضافہ فرماتے تھے اور نہ غیر رمضان میں"۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب التہجد)

نیز یہ لوگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں:

وھو ما رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام بھم فی رمضان فصلی ثمانی رکعات والوتر۔ "(یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ کے ساتھ) رمضان میں قیام فرمایا اور آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی اور وتر بھی پڑھے")۔ قال النیمویؒ مدارہ علی عیسی بن جاریۃ۔ قال الذھبیؒ قال ابن معینؒ عندہ مناکیر۔ وقال النسائیؒ منکر الحدیث وعنہ ایضاً متروک۔ وقال ابو زرعۃ لا بأس بہ۔ وقال فی الخلاصۃ وثقہ ابن حبان۔ وقال ابو داؤد منکر الحدیث۔ انتھی

نیز یہ لوگ سائب بن یزید کی حدیث سے تمسک کرتے ہیں:

وھو ما رواہ مالک فی الموطا۔ انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

اور جمہور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:۔

وھو ما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی انہ علیہ الصلوۃ والسلام یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ انتھی "(یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں سوائے وتر کے بیسؔ رکعات نماز ادا فرمایا کرتے تھے")۔ قال الزیلعیؒ ھو معلول بابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ۔

اور اس حدیث کے معلول ہونے کے باوجود اس سے استدلال درست ہے کیونکہ اس حدیث کی امت نے تلقی کی ہے۔ اور امام ابن قیمؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ جس حدیث کی امت تلقی کرے تو اس کو صحیح قرار دیا جائے گا اگرچہ وہ حدیث سنداً غیر صحیح ہو۔ نیز اس حدیث کو خلفائے راشدینؓ کے تعامل سے عظیم تائید اور تقویت حاصل ہوئی ہے۔

نیز جمہور امام بیہقیؒ کی "سنن کبریٰ" کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ

وفی عہد عثمان وعلی[1]

اس حدیث سے واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ راشدین کے دور میں بیس ۲۰ رکعات پر استقرار آیا ہے اور اس پر تعامل اور توارث رہا ہے، اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ (رواہ ابن ماجہ وغیرہ) کی بناء پر جیسا کہ سنتِ رسول کا اتباع ضروری ہے اسی طرح سنت خلفاء راشدین کا اتباع بھی ضروری ہے اور اس سے اعراض یا اس پر اعتراض، حدیثِ رسول اور قولِ رسول سے اعراض اور اس پر اعتراض ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

نیز یہ سنتِ خلفاء راشدین وہ سنت ہے جس کا ادراک عقل اور اجتہاد سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی چیز کا عدد اور مقدار فکر اور رائے سے متعین نہیں ہو سکتا تو ایسی سنت درحقیقت سنت رسول ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ اہل ظاہر نے اس حدیث کو سنداً اور متناً معلول قرار دیا ہے، کیونکہ امام آجری رح نے امام ابوداؤد رح سے روایت کیا ہے کہ امام احمد رح نے یزید بن الخصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے، نیز اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ حدیث متناً مضطرب ہے، اس کی بعض روایات میں گیارہ رکعات پڑھنا بھی مروی ہے۔ کما رواہ مالک فی الموطا۔ نیز یہ حدیث حدیثِ عائشہ صدیقہ رض سے معارض ہے جو کہ اس حدیث سے قوی ہے۔

جمہور نے ان اعتراضات کے اہل ظاہر کو دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ اوّل یہ کہ ائمہ رح نے اس حدیث کی تلقی کی ہے اور اس پر اخذ کیا ہے، اور خطیب رح نے اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں اور ابن قیم رح نے اعلام الموقعین میں اور علامہ سیوطی رح نے تدریب الراوی میں اور ابن عبدالبر رح نے استذکار میں اور دیگر اہل فن نے اپنی تالیفات میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس حدیث کی اہلِ علم تلقی کریں تو یہ تلقی اس حدیث کی صحت کی شہادتِ عادلہ ہے۔

دوم یہ کہ یزید بن خصیفہ مشہور تابعی ہے اور اس سے امام مالک رح، امام بخاری رح اور امام مسلم رح وغیرہ نے روایت کیا ہے، ابن حبان رح نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، یحییٰ بن معین رح، ابوحاتم رح، نسائی رح، ابن سعد رح اور امام احمد بن حنبل رح نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ کما فی تہذیب التہذیب، وتہذیب الکمال للمزی، والہدی الساری، اور حافظ ابن حجر رح نے الہدی الساری میں آجری کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رح نے اثرم کی روایت میں اس کو ثقہ کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام احمد رح اس راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں کہ وہ اپنے اقران میں کسی حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہو اور یہ

---

[1] حضرت عمر فاروق رض کے عہد میں اولاً ۱۳ رکعات نماز پڑھی جاتی تھی پھر حضرت عمر رض نے ۲۳ رکعات پڑھنے کا حکم دیا، ۲۰ تراویح اور ۳ وتر، بعد میں اسی پر استقرار ہوا۔

قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثقہ راوی کا تفرد مقبول ہوتا ہے جب تک دلیل سے اس کا غلط ہونا ثابت نہ ہو پس اسی بناء پر یزید بن خصیفہ کی حدیث مقبول ہوگی۔

اور دعوٰی اضطراب کا جواب یہ ہے کہ ابن عبدالبر اور ابوبکر بن العربی نے روایت احدٰی عشر کو امام مالکؒ کا وہم قرار دیا ہے لیکن چونکہ عبدالعزیز بن محمد اور یحیٰی بن سعید القطان امام مالکؒ کے متابع ہیں، کما لایخفی علی من راجع الی سنن سعید بن منصور و مصنف ابن ابی شیبہ لہٰذا امام مالکؒ کا وہم میں پڑنا ناقابل تسلیم ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا ہے یعنی جب طویل قرأت کرتے تو آٹھ یا بارہ رکعتیں پڑھتے اور جب مختصر قرأت کرتے تو بیس رکعات پڑھتے۔ کما فی فتح الباری۔

اور بعض ائمہ نے اس اختلاف کو ترویح پر محمول کیا ہے، یعنی اولاً آٹھ یا بارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں اور بالعاقبت بیس پر استقرار ہوا۔ کما قال الشعرانی فی کشف الغمۃ کانوا یصلونھا فی اول زمان عمر ثلث عشر رکعۃ ثم عمر امر یفعلھا ثلاثا وعشرین رکعۃ، ثلاث لھا وتر، واستقر الامر علی ذالک. قالہ النیموی۔ کما استقر الامر فی خلافتہ علی ضرب الثمانین فی الخمر وکما استقر الامر علی النھی عن بیع امھات الاولاد وکما استقر الامر علی اربع تکبیرات الجنائز وکما استقر الامر علی القرأۃ فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی الاوجز۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ترجیح اور تطبیق سے اضطراب ساقط ہو جاتا ہے۔

اور اہلِ ظاہر کے اس اعتراض کا کہ یزید کی حدیث حدیثِ عائشہؓ سے معارض ہے جو کہ اقوٰی ہے، جواب یہ ہے کہ حدیثِ یزید اور حدیثِ عائشہ صدیقہؓ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیثِ عائشہؓ میں ان رکعات سے نمازِ تہجد مراد ہے نہ کہ قیامِ تراویح اور قیامِ رمضان، کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھی جاتیں، اور عندالتحقیق تراویح اور تہجد الگ الگ حقائق ہیں، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں نہیں ہیں تو اہلِ ظاہر کو کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں بھی اختلاف ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب ما یقرء فی رکعتی الفجر کے تحت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تیرہ رکعات کی حدیث روایت کی ہے۔

ولفظہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین۔

اس اختلاف اور تعارض کا اہلِ ظاہر کیا جواب دیتے ہیں؟

اگر اہلِ ظاہر یہ جواب دیں کہ احدیٰ عشر والی حدیث غالب پر محمول ہے اور زیادت بعض اوقات پر محمول ہے تو ان اہلِ ظاہر کا آٹھ رکعات پر جمود باطل ہوا اور خود اپنی تلوار سے قتل ہوئے، اور اگر اہلِ ظاہر اس تطبیق سے اعراض کریں تو اختلاف کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دونوں روایات ساقط ہوئیں اور یزید بن خصیفہ کی حدیث بلا تعارض رہ گئی اور واجب العمل ہوئی۔

واضح رہے کہ جمہور کا مسلک نظر اور شواہد کی رو سے بھی قوی ہے کیونکہ دن رات میں بیس رکعات فرائض اعتقادیہ اور فرائض عملیہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ تراویح بھی جو کہ فرائض کے مکملات ہیں بیس رکعات ہیں جیسا کہ سنن قبلیہ اور بعدیہ بھی بیس رکعات ہیں۔

اہلِ ظاہر کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ حدیثِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے نہ کہ تراویح پر، نیز غالب پر محمول ہے نہ کہ دائم پر، ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات متعارض ہوں گی، بلکہ امام احمد نے زیاداتِ مسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسنادِ حسن سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سولہ رکعات نفل پڑھتے تھے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ابتداء پر محمول ہے جبکہ بیس رکعات پر استقرار نہ ہوا تھا۔

اور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے: لانہ فعل جزئی فی لیلۃ واحدۃ لا یدل علی نفی الزیادۃ تلک اللیلۃ۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء الامر پر محمول ہے۔ وقد مر سابقا جواب حدیث السائب۔

واضح رہے کہ ابن الہمام رحمہ اللہ سے دیگر مشائخ نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیس رکعت پڑھنا فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نیز حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میں لفظ علیکم سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ خلفاء کو یکساں متوجہ ہے، تو دونوں میں فرق کرنا سمجھ سے بالا ہے، نیز یہ سنتِ خلفاء اگرچہ ظاہراً موقوف ہے لیکن درحقیقت مرفوع ہے۔

بعد منہ کونہ مدرکا بالرای والقیاس وھوالموفق والھادی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا

خیر خلقہ محمدٍ وّ آلہ

واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

باب ادراك الفريضة

(جماعت میں ملنے کے احکام و مسائل)

صرف اقامت سنتے ہی نماز نہ توڑے

سوال:۔ ایک شخص نے نفل کی نیت باندھ کر نماز شروع کی ہی تھی کہ مؤذن نے جماعت کیلئے اقامت شروع کردی، تو کیا یہ شخص نفل نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے یا نفل نماز پوری کرے؟

الجواب:۔ جماعت میں شرکت واجب ہے لہٰذا متنفل کو چاہیئے کہ جماعت فوت ہوجانے کی وجہ سے نفل توڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے تاہم صرف مؤذن کی اقامت سننے کی صورت میں دو رکعت پورا کرنے سے قبل نماز نہ توڑے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: شرع فيها اداء..... منفرداً ثم اقيمت أی شرع فی فريضة لا اقامة المؤذن ولا الشروع فی مكان وهو فی غيره يقطعها لعذر احراز الجماعة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۰ باب ادراك الفريضة)[1]

جماعت ملنے کی اُمید پر فجر کی سنتیں پہلے پڑھنے کا حکم

سوال:۔ صبح کی نماز باجماعت ہو رہی ہو اور مسجد کے صحن میں کوئی مستقل جگہ سنت پڑھنے کے لیے نہ ہو جبکہ امام کی قرأت بھی سنائی دیتی ہو تو ایسی حالت میں سنت پڑھنا ضروری ہے یا جماعت کے ساتھ شریک ہو کر سنت ترک کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ فجر کی سنتوں کی احادیث میں بہت تاکید وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تدعوهما ان طردتكم الخيل۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۸۶ فی باب فی تخفيفهما) اس لیے حتی الامکان سنت پڑھنے کی کوشش کی جائے اور جماعت میں شریک ہونے سے قبل کسی علیحدہ جگہ سنتیں پڑھی جائیں، جب تک جماعت میں دوسری رکعت کے رکوع کا ادراک ممکن ہو تو سنتیں ترک نہیں کی جائیں گی، اگرچہ بعض نے تشہد کے ادراک کے ممکن ہونے کا قول کیا ہے جبکہ ابن الہمام کے

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: اذا شرع المصلی فی اداء الفرض او قضائه منفرداً او فی نفل..... فاقيمت الجماعة فی محل ادائه..... قطع بتسليمة قائماً و بعده اقتدی على الصحيح۔ (مراقی الفلاح على صدر الطحطاوی ص۲۶۵ باب النوافل)

قول کے مطابق قبل سلام تک ادراک کی اُمید ہو تو سُنت پڑھی جائیں گی۔ تاہم اگر مسجد کے اندر جگہ نہ ہو تو دروازہ کے قریب پڑھنی چاہئیں۔

قال الحصکفیؒ: واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها لکون الجماعة اکمل۔ والا بان رجاء ادراک رکعة فی ظاهر المذهب وقیل التشهد۔ واعتمده المصنف والشرنبلالی تبعاً للبحر لکن ضعفه فی النهر لا یترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۵۶ باب ادراک الفریضة، مطلب هل الاساءة دون الکراهة الخ) ۔[1]

فجر کی سُنتوں کی قضاء کا حکم

سوال:۔ اگر فجر کی سُنت فرض نماز کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد ادا کرنی چاہئیں یا طلوعِ آفتاب کے بعد؟ بعض علماء سے سُنا ہے کہ اس کا سرے سے اعادہ ہے ہی نہیں؟

الجواب:۔ صبح کی سُنتوں کی اہمیت اور تاکید متعدد روایات سے ثابت ہے، بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان فرض نماز سے قبل پڑھی جائیں، البتہ اگر کسی سے بصورتِ مجبوری ترک ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک باتفاق علماء احناف قضاء نہیں کی جائیں گی، البتہ طلوعِ آفتاب کے بعد اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے ہاں قضاء نہیں جبکہ امام محمدؒ کے ہاں بحکم نفل قضاء کرنا افضل ہے، طلوعِ آفتاب کے بعد فرض کی تبعیت میں یہ دو رکعت ادا کی جاسکتی ہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: لم تقض سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفرض فتقضی تبعاً للفرض سواء قضاها مع الجماعة او وحده لان الاصل فی السنة ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب۔

والحدیث ورد فی قضائها تبعاً للفرض فی غداة لیلة التعریس فبقی ما وراءه

---

[1] قال برهان الدین المرغینانیؒ: ومن انتهی الی الامام فی صلوٰة الفجر وهو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوته رکعة ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل لانه امکنه الجمع بین الفضیلتین وان خشی فوتهما دخل مع الامام لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترک الزم بخلاف سنة الظهر الخ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۱ ص۴۱۲ باب ادراک الفریضة)

على الاصل۔ فافاد المصنف انها لا تقضیٰ قبل طلوع الشمس اصلاً ولا بعد طلوع اذا کان قد ادی الفرض وشمل کلامه ما اذا قضاهما بعد الزوال او قبله ولا خلاف فی الثانی۔ واختلف المشائخ فی الاول علیٰ قولهما والصحیح کما فی غایة البیان انها لا تقضیٰ تبعاً۔ لان النص ورد بقضائها فی الوقت المهمل بخلاف القیاس وما ورد علی خلاف القیاس فغیرہ علیه لا یقاس۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۴ باب ادراک الفریضة) ؎

چار رکعات ظہر کی سُنت رہ جانے کی صورت میں آخری دو رکعات سنت سے ترتیب کا مسئلہ

سوال:۔ اگر ایک شخص سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت فوت ہو جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد دو رکعات سُنت پڑھنے کے وقت ترتیب کیسے ہونی چاہیئے؟ کیا چار رکعت سنت پہلے پڑھی جائیں گی یا آخری دو رکعات کو مقدم کرے؟

الجواب:۔ جواز میں دونوں صورتیں برابر ہیں البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی تحقیق کو مدِنظر رکھ کر دو رکعات سنتیں پہلے پڑھنی چاہئیں، کیونکہ چار رکعات سنت کے فوت ہونے کی وجہ سے دو رکعات تو کم از کم اپنے مقام پر رہیں، ورنہ بصورتِ دیگر دونوں سنتوں کی ادائیگی اپنے مقام پر نہیں رہے گی۔

قال الحصکفیؒ: ثم یأتی بها رای علیٰ سنة الظهر القبلیة) علیٰ انها سنة فی وقته رای الظهر) قبل شفعه عند محمدؒ وبه یفتی۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذه العبارة: اقول وعلیه المتون لکن راجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انه المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انه الاصح لحدیث عائشةؓ علیه الصلوٰة والسلام اذا فاتت الاربع قبل الظهر یصلیهن بعد الرکعتین وهو قول ابی حنیفة

؎ قال الحصکفیؒ: ولا یقضیها رای سنة الفجر) الا بطریق التبعیة لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده فی الاصح لورود الخبر بقضائها فی الوقت المهمل بخلاف القیاس فغیره علیه یقاس۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۵۷ باب ادراک الفریضة)

کذا فی جامع قاضی خان۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۵۸ باب ادراک الفریضۃ)

جمعہ کے دوگانہ فرض سے قبل چار رکعت سُنتوں کا حکم

سوال: نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت رہ جانے کی صورت میں نماز جمعہ کے پڑھنے کے بعد فوت شدہ سنن کی قضاء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اس کی قضاء کے قائل ہیں اور کچھ لوگ انکار کر رہے ہیں۔ از رُوئے شرع مفتی بہ قول کا تعین کریں؟

الجواب: اس مسئلہ میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہی چار رکعت سنت جمعہ پڑھنے کے بعد پڑھی جائیں۔ قال ابن نجیم المصریؒ: وحکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع قبل الظھر۔ (البحر الرائق جلد ۲ ص ۶۵)
مگر بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ یہ چار رکعت سنت جو جمعہ سے پہلے ہیں جب وہ اپنے وقت سے فوت ہو جائیں تو فرض کے بعد نہیں پڑھی جائیں گی، ابن عابدینؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ظہر کی سُنتوں کے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے، اس بناء پر ظہر کی سُنن قبلیہ فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں مگر جمعہ کی سنن قبلیہ کے متعلق کہیں بھی روایات میں یہ ذکر نہیں کہ وہ جمعہ کے بعد پڑھی گئی ہیں۔ اور اصل

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: وقضی التی قبل الظھر فی وقتہ قبل شفعہ بیان لشیئین احدھما القضاء والثانی محلہ اما الاول ففیہ اختلاف والصحیح انھا تقضی کما ذکرہ قاضی خان فی شرحہ مستدلاً بما عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر قضاھن بعدہ۔ وظاھر کلام المصنف انھا سنۃ لا نفل مطلق۔ وذکر قاضیخان انہ اذا قضاھا فھی لا تکون سنۃ عند ابی حنیفۃ وعندھما سُنۃ وتبعہ الشارح۔ وتعقبہ فی فتح القدیر بانہ من تصرف المصنفین فان المذکور من وضع المسئلۃ الاتفاق علی قضاء الاربع وانما الاختلاف فی تقدیمھا او تاخیرھا۔ والاتفاق علی انھا تقضی اتفاق علی وقوعھا سنۃ الی اٰخر ما ذکرہ۔ واما الثانی فاختلف فیہ النقل عن الشیخین فذکر فی الجامع الصغیر للحسامی ان ابا یوسفؒ یقدم الرکعتین ومحمدؒ یؤخرھما۔ وفی المنظومۃ وشروحھا علی العکس۔ وفی غایۃ البیان ویحتمل ان یکون عن کل واحد من الامامین روایتان۔ ورجح فی فتح القدیر تقدیم الرکعتین لان الاربع فاتت عن الموضع المسنون فلا یفوت الرکعتین عن موضعھا قصداً بلا ضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۷۵ باب ادراک الفریضۃ)

سنتوں میں یہ ہے کہ ان کی قضاء نہ ہو، اس بناء پر جمعہ کی سنتیں فرض نماز کے بعد نہیں پڑھنی چاہئیں۔

قال ابن عابدینؒ: اقول قال شیخنا الشیخ محمد السراجی الحانوتی۔ وما کونہا هل تقضی اولا فعلی ما قالوہ فی المتون وغیرها من ان سنۃ الظهر تقضی یقتضی ان تقضی سنۃ الجمعۃ اذ لا فرق لکن فی روضۃ العلماء فی باب من سمع الاذان واذا جاء الرجل الی الجمعۃ فی وقت الامامۃ هل یصلی اربع رکعات التی یصلیها قبل الجمعۃ ام لا۔ قال لا یصلی بل یسکت ثم یدخل مع الامام فی صلوٰتہ وسقطت عنہ هذہ الاربع۔ لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہ قال اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ اھ ذکرہ فی فتاواہ التی وقعت لہ ـ واللہ اعلم خیر الدین الرملی۔ اقول فی هذا الاستدلال نظر فانہ یدل علی انہا لا تصلی بعد خروجہ لا علی انہا تسقط بالکلیۃ حتی انہا تقضی بعد فراغہ من المکتوبۃ والا لزم ان لا تقضی سنۃ الظهر ایضاً اذا جاء وجد الامام شارعاً فی الظهر مع انہ ورد النهی عن الصلوٰۃ عند الاقامۃ کما فی حدیث الصحیحین وغیرهما اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ نعم قد یقال ان الاصل عدم قضائہا اذا فاتت عن محلہا۔ واما السنۃ الظهر قاتما قالوا بقضائہا لحدیث عائشۃؓ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظهر قضاهن بعدہ کما قدمہ المؤلف فتکون سنۃ الظهر خارجۃ عن القیاس للحدیث المذکور فلا تقاس علیها سنۃ الجمعۃ فتأمل۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۷۵) [1]

---

[1] قال العلامۃ محمد امین الشهیر بابن عابدینؒ: قولہ وکذا الجمعۃ ای حکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع قبل الظهر کما لا یخفی بحر وظاهرہ انہ لم یرہ فی البحر منقولاً صریحاً وقد ذکرہ فی القهستانی لکن لم یعزہ الی احد وذکر السراج الحانوتی ان هذا مقتضی ما فی المتون وغیرها لکن قال فی روضۃ العلماء انها تسقط لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ اقول وفی هذا الاستدلال نظر لانہ انما یدل علی انها لا تصلی بعد خروجہ لا علی انها تسقط بالکلیۃ ولا تقضی بعد الفراغ من المکتوبۃ والا لزم ان لا تقضی سنۃ الظهر ایضاً فانہ ورد فی حدیث مسلم وغیرہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ نعم قد یستدل للفرق بینهما بشیء آخر هو ان القیاس فی السنن عدم القضاء کما مر وقد استدل قاضی خان لقضاء سنۃ الظهر بما عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظهر قضاهن بعدہ فیکون قضاؤها ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس کما فی سنۃ الفجر کما صرح بہ فی الفتح فالقول بقضاء سنۃ الجمعۃ یحتاج الی دلیل خاص وعلیہ فتنصیص المتون علی سنۃ الظهر دلیل علی ان سنۃ الجمعۃ لیست کذلک۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ باب ادراک الفریضۃ)

اداء کی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص ایک دفعہ فرض، واجب یا سُنّت ادا کرلے تو دوبارہ پڑھنے سے اس کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ جب فرض نماز ایک دفعہ ادا کر لی گئی تو اس سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے دوبارہ پڑھنا کسی سے منقول نہیں، بلکہ حدیث میں ایک فرض کو دو مرتبہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سلمان بن یسار یعنی مولٰی میمونۃ "قال اتیت ابن عمرؓ علی البلاط وھم یصلون فقلت الا تصلی معھم قال قد صلیت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین۔ (ابوداؤد ج۱ ص۹۳ فی باب اذا صلی فی جماعۃ ثم یدرک جماعۃ یعید)

البتہ ایک دفعہ انفراداً پڑھ لینے کے بعد جب جماعت میں شرکت کا موقعہ ملے تو ظہر اور عشاء کی نماز میں امام کے ساتھ شرکت بہتر ہے تاکہ جماعت سے مخالفت نہ آئے اور اس کی حیثیت نفل کی ہوگی، لیکن عصر، مغرب اور فجر میں اپنی نماز پر اکتفاء کرے گا، جماعت میں شرکت جائز نہیں، کیونکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مشروع نہیں اور مغرب کی نماز میں تین رکعات نفل پڑھنا شرعاً ثابت نہیں، اور اسی طرح وتر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ بناء بریں صورت سنن کا دوبارہ پڑھنا بطریق اولیٰ نفل ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لان الفرض لا یتکرر فی وقت واحد وصرح فی الحاوی القدسی ان ما یؤدی مع الامام نافلۃ یدرک بھا فضیلۃ الجماعۃ۔ وقال بعد عدۃ اسطر اما اذا أدی الامام الفرض والقوم التنفل فلا (یعنی فلا کراھۃ) لقولہ علیہ السلام للرجلین اذا صلیتما فی رحالکما ثم أتیتما صلوٰۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلوٰتکما معھم سبحۃ ای نافلۃ کذا فی الکافی۔

(البحرالرائق جلد۲ ص۷۱،۷۲ باب ادراک الفریضۃ)

وایضاً قال بعد صفحۃ واحدۃ: والتنفل بعدھا تین الصلاتین ای الظھر والعشاء لیس بمکروہ۔ واَمّا فی الفجر والعصر فلا یکرہ لہ الخروج لکراھۃ التنفل بعدھا۔ واَما فی المغرب فلما فیہ من التنفل بالثلاث او مخالفۃ الامام

ان اتمها اربعًا۔ وکل منهما مکروه کما سبق۔ (البحر الرائق جلد۲ ص۷۳ باب ادراک الفریضۃ)[1]

کسی کے امداد طلب کرنے یا والدین کے بلانے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال: اگر والدین بیٹے کو آواز دیں اور بیٹا فرض یا سنت نماز میں مشغول ہو تو کیا والدین کے بلانے پر بیٹا نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی اگر ایک شخص نماز میں مشغول کسی شخص کو مدد کے لیے بلائے تو یہ شخص تعاون اور امداد کرنے کے لیے اپنی نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر والدین یا اجداد صرف آواز دیں تو تعمیلِ حکم کے لیے نفل نماز توڑنا جائز ہے البتہ بلا ضرورت فرض نماز توڑنے کی اجازت نہیں، جبکہ بصورت استغاثہ (امداد طلبی) کے فرض نماز بھی توڑنا واجب ہے، بلکہ کسی شخص کی امداد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بن بلائے بھی فرض نماز توڑنا واجب ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولو دعاه احد ابویه فی الفرض لا یجیبهٗ الّا ان یستغیث به وفی النفل ان علِمَ انهٗ فی الصلوٰة فدعاه لا یجیبهٗ والّا اجابهٗ۔

وقال ابن عابدینؒ: تحت هٰذه العبارة ای یطلب منه الغوث والاعانة وظاهره ولو فی امر غیر مهلك واستغاثه غیر الابوین كذٰلك ۔ط والحاصل ان المصلّی متٰی سمع احدا یستغیث وان لم یقصده بالندا او كان اجنبیًّا وان لم یعلم ما حل به او علِمَ وكان لهٗ قدرة علی اعانته وتخلیصه

---

[1] لما قال العلامة الحسن بن عمار الشرنبلالی: وان صلی ثلاثًا من رباعیة فاقیمت اتمها اربعًا منفردًا ...۔ ثم بعد الاتمام اقتدٰی متنفلا ان شاء وهو افضل لعدم الكراهة الّا فی العصر والفجر للنهی عن التنفل بعدهما وفی المغرب للمخالفة لانه صلی الله علیه وسلم قال اذا صلّیت فی اهلك ثم ادركت الصلوٰة فصلّها الا الفجر والمغرب وقوله فصلّها یعنی نفلاً لانهٗ أمَرَ به نصًّا لرجلین لم یصلیا معه الظهر واخبرا بصلاتهما فی رحالهما فقال علیه السلام اذا صلیتما فی رحالكما ثم أتیتما صلوٰة قوم فصلّیا معهم واجعلا صلاتكما معهم سبحة ای نافلة قال السید احمد الطحطاوی تحت قوله (اقتدٰی متنفلا ان شاء) قال فی البحر عن الحاوی انه یدرك هٰذه النافلة فضیلة الجماعة۔ (الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۲۶۶ باب ادراك الفریضة)

وجب علیہ اعانتہ وقطع الصلوٰۃ فرضاً کانت اوغیرہ۔ [1]

(الدر المختار و رد المحتار ج۲ ص۵۱ باب ادراک الفریضۃ وایضاً فی ج۲ ص۷)

وتر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد فرض نماز پوری کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی آدمی چار رکعت فرض نماز کی نیت باندھے، تین رکعت پڑھ چکنے کے بعد وتر نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے، تو اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا یہ اپنی نماز پوری کرے یا نماز توڑ کر وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے؟

الجواب:۔ جو شخص وتر کی جماعت سے قبل فرض نماز کے لیے کھڑا ہو جائے اور پھر تین رکعت پڑھنے کے بعد وتروں کی جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ شخص اپنی چار رکعت فرض نماز پوری کر کے پھر نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جائے تاہم عصر کی نماز میں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ان صلی ثلاثاً منہا ای الرباعیۃ اتم منفرداً ثم اقتدی بالامام متنفلاً ویدرک بذلک فضیلۃ الجماعۃ الا فی العصر فلا یقتدی للکراہۃ التنفل بعدہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۲ باب ادراک الفریضۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی فتاوی الولوالجی۔ اذا دعاہ المصلی احد ابویہ فلا یجیبہ مالم یفرغ من صلوٰتہ الا ان یستغیث بہ۔ لان قطع الصلوٰۃ لایجوز الا لضرورۃ وکذلک الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقہ النار او یغرقہ الماء وجب علیہ ان یقطع الصلوٰۃ ھذا اذا کان فی الفرض۔ فاما فی النفل اذا ناداہ احد ابویہ ان عَلِمَ انہ فی الصلوٰۃ وناداہ لا باس بہ ان لایجیبہ۔ وان لم یعلم یجیبہ اھ

(البحر الرائق ج۲ ص۷ باب ادراک الفریضۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۰۹ الباب السابع فی یفسد الصلوٰۃ وما یتصل بذلک المسائل۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ان صلی ثلاثا من رباعیۃ فاقیمت اتمہا اربعاً منفرداً حکماً للاکثر..... ثم بعد الاتمام اقتدی متنفلاً ان شاء وھوافضل لعدم الکراہۃ الا فی العصر والفجر۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۴۶ باب ادراک الفریضۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۷ باب ادراک الفریضۃ۔

باب القضاء

(قضا نمازوں کے احکام ومسائل)

صاحبِ ترتیب کی بحالی

سوال :۔ اگر ایک شخص سے اتنی نمازیں قضاء ہوں جن سے یہ صاحبِ ترتیب نہ رہا تو کیا ان نمازوں کی قضاء کر لینے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب بن سکتا ہے؟ یا ایک دفعہ ترتیب ساقط ہونے سے دوبارہ صاحبِ ترتیب بننا ممکن نہیں؟

الجواب :۔ صاحبِ ترتیب درحقیقت ایک ایسی صفت ہے کہ اس شخص کے ذمہ شب وروز کی نمازیں باقی نہ ہوں۔ صورت مذکورہ میں قضاء سے چونکہ ذمہ فارغ ہو جاتا ہے لہٰذا پوری نمازیں لوٹانے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب متصور ہوگا تاہم اگر ذمے پر چھ نمازوں سے کم رہ جائیں تب ہی صاحبِ ترتیب بن جائے گا۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ ، وقیل بقضاء البعض لانہ لو قضی الکل عاد الترتیب عند الکل الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۰ باب قضاء الفوائت) [۱]

نفل کی جگہ قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے

سوال :۔ اگر کسی شخص کے ذمے نامعلوم نمازیں باقی ہوں تو کیا اس شخص کے لیے نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضاء نمازیں جبکہ قضاء نمازوں کی تعداد اور وقت بھی معلوم نہ ہو؟

الجواب :۔ اگرچہ نوافل پڑھنا بذاتِ خود موجبِ برکت اور باعثِ ثواب ہیں لیکن ایسے شخص کے لیے نوافل کی جگہ قضاء نمازوں کا پڑھنا بہتر ہے۔ اگر رکعات اور اوقات کا علم نہ ہو لیکن اجمالی طور پر اتنا معلوم ہو کہ مجھ سے اتنی عمر کی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو ہر وقتیہ نماز

---

[۱] قال صدر الشریعۃؒ : فانہ لما قضی صلوٰۃ الشھر الا فرضاً او فرضین قلت الفوائت بعد الکثرت فلا یعود الترتیب الا ان یقضی الکل: وقال ناکت فانہ اذا قضی جمیع الفوائت یلزمہ الترتیب جدید۔ (شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۱۹ قضاء الفوائت)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ قضاء الفوائت۔

کے ساتھ پہلی قضاء شدہ نماز پڑھے۔

قال فی الھندیۃ، وفی الحجۃ والاشتغال بالفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ الخ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۵ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت مسائل شتی)[۱]

نفل نماز میں شروع کرنے سے لزوم

سوال:۔ اگر کسی نے صبح کی سنت شروع کرکے اچانک باجماعت نماز میں شرکت کی غرض سے توڑ دیا، تو کیا اس سنت کی قضاء لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر تشہد ملنے کا بھی امکان ہو تو سنت پڑھی جائے گی، لیکن کسی صورت میں توڑنے پر اس کی قضاء لازم ہے کیونکہ نفل یا سنت میں شروع کرنے سے لزم النفل بالشروع کی رُو سے اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔

قال برھان الدین المرغینانیؒ: ومن شرع فی نافلۃ ثم افسدھا قضاھا الخ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۲۸ باب النوافل، فصل فی القراءۃ)[۲]

ظہر کی پہلی چار سنت رہ جانے سے فرض کے بعد پڑھنا

سوال:۔ اگر کسی سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد اس کی ادائیگی کا کیا حکم ہے اور کس طریقے سے پڑھی جائیں گی؟

الجواب:۔ فرض پڑھنے کے بعد سنت پڑھی جائیں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ اگر فرضوں سے پہلے سنت پڑھنے کی فرصت نہ مل سکے تو فرضوں کے بعد دو رکعات سنت سے پہلے بھی پڑھی جا سکتی ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بعد میں پڑھی جائیں۔

لما قال الحصکفیؒ: فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی ثم یاتی بھا

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ۔ (التاتارخانیۃ ج ۱ ص۶۷۲ کتاب الصلوٰۃ قضاء الفوائت) وَمِثْلُہٗ فی المبسوط ج ۱ ص۱۵۵ باب قضاء الفوائت۔

[۲] قال العلامۃ الکاسانیؒ: اما الاول فقد قال اصحابنا اذا شرع فی التطوع یلزمہ المضی فیہ واذا افسدہ یلزمہ القضاء الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۹۰ فصل فی صلوٰۃ التطوع) وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۳ الباب التاسع فی النوافل۔

علیٰ انہا سنۃ فی وقتہ ای الظہر قبل شفعہ عند محمدؒ وبہ یفتی ۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹ باب ادراک الفریضۃ)[۱]

سنن کی قضاء ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایسی نماز قضاء ہو جس کے ساتھ سنن بھی ہوں تو نماز قضاء ادا کرتے وقت فرض کے ساتھ سنن بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی نماز کا قضاء پڑھنا فرض یا واجب کے ساتھ مختص ہے، اس لیے اگر کسی سے سنن قضاء ہو جائیں تو ان کا قضاء کرنا دوسرے وقت میں جائز نہیں، تاہم صبح کی سنتیں تبعاً للفرض قضاء کرنا درست ہے ۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قولہ ولم تقض الا تبعاً) ای لم تقض سنۃ الفجر الا اذا فاتت مع الفرض فتقضی تبعاً للفرض سواء قضاھا مع الجماعۃ او وحدہ لان الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب ادراک الفریضۃ)[۲]

قضاء نمازوں میں ترتیب کی رعایت

سوال:۔ اگر فوت شدہ نمازیں متعدد ہوں تو پڑھتے وقت ان کی ترتیب کی کیفیت کیا ہوگی؟ کیا اس ترتیب سے پڑھی جائیں گی جس ترتیب سے قضاء ہوئی ہیں یا جیسا پڑھنے والے کو

---

[۱] وفی الھندیۃ: واما الاربع قبل الظہر اذا فاتتہ وحدھا بان شرع فی صلوٰۃ الامام ولم یشتغل بالاربع فعامتہم علیٰ انہ یقضیہا بعد الفراغ من الظہر ما دام الوقت باقیاً وھو الصحیح۔ وفی الحقائق یقدم الرکعتین عندھما وقال محمد یقدم الاربع وعلیہ الفتوٰی۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۱۲ الباب التاسع فی النوافل)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۷۵ باب ادراک الفریضۃ ۔

[۲] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: واذا فاتتہ رکعتا الفجر لا یقضیہا قبل طلوع الشمس ولا بعد ارتفاعہا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف ۔۔۔۔ ولھما ان الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب والحدیث ورد فی قضائہا تبعاً للفرض فبقی ما رواہ علی الاصل وانما تقضی تبعاً لہ وھو یصلی بالجماعۃ او وحدہ الی وقت الزوال وفیما بعدہ اختلاف المشائخ واما سائر السنن سواھا لا تقضی بعد الوقت وحدھا ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۳۲ باب ادراک الفریضۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البنایۃ ج۳ ص۱۲۷ باب ادراک الفریضۃ ۔

وقت میسر ہو؟

الجواب:۔ صاحبِ ترتیب کے لیے قضاء کرتے وقت ترتیب کی رعایت ضروری ہے تاہم جب وہ امور پائے جائیں جن سے ترتیب ساقط ہوتی ہے تو پھر ترتیب واجب نہیں رہتی تاہم اگر قضاء نمازیں ترتیب کے ساتھ ادا کی جائیں تو بہتر ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني ؒ: ولو فاتته صلوٰة رتبها في القضاء كما وجبت في الاصل الخ۔ وبعد اسطر قال الا ان يزيد الفوائت على ستة صلوٰة لان الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب الخ۔ (الهداية ج ۱ ص۱۳۴ باب قضاء الفوائت) [1]

دورانِ سفر فوت شدہ نماز کی قضاء

سوال:۔ سفر کی حالت میں اگر ایک شخص سے نماز فوت ہو جائے تو اقامت کی حالت میں کیا یہ نماز پوری پڑھی جائے گی یا قصر؟

الجواب:۔ نماز کی قضاء میں وجوب کی حالت معتبر ہوتی ہے، حالتِ سفر میں چونکہ قصر ہے اس لیے حالتِ اقامت میں اس کی قضاء کرتے وقت قصر پڑھی جائے گی۔

قال العلامه ابن العابدين ؒ: ولذا يقضي المسافر فائتة الحضر الرباعية اربعاً و يقضي المقيم فائتة السفر ركعتين الخ (رد المحتار ج ۲ ص۷۶ باب قضاء الفوائت مطلب اذا اسلم المرتد هل الخ) [2]

نمازِ فجر و عصر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے

سوال:۔ فجر و عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا تو غیر مشروع ہے، لیکن کیا ان اوقات میں قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا ان کا حکم بھی نوافل کی طرح ہے؟

---

[1] وقال محمد بن عبد الله التمرتاشي ؒ: الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر اداء و قضاء لازم الخ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۶۵ باب قضاء الفوائت)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت۔

[2] وفي الهندية: ومن حكمه ان الفائتة تقضى على الصفة التي فاتت عنه الا لعذر وضرورة فيقضي مسافر في السفر ما فاتته في الحضر من الفرض الرباعي اربعاً والمقيم في الاقامة ما فاته في السفر منها ركعتين۔ (الهندية ج ۱ ص۱۲۱ الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت۔

الجواب: نماز فجر کے بعد طلوع الشمس تک اور عصر کی نماز کے بعد قبل تغیر الشمس قضاء نمازوں کا پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لایکرہ قضاء فائتۃ الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار جلد ۱ ص ۳۷۵ کتاب الصلوٰۃ)[1]

قرأت میں اداء و قضاء کی یکسانیت

سوال: اگر رات و دن کی نمازیں قضاء ہوں اور وہ دیگر اوقات میں پڑھی جائیں تو قرأت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں اوقات کی قرأت کا سراً و جہراً حکم مختلف ہے؟

الجواب: قضاء نماز کا حکم اداء کی طرح ہے، جس نماز کی اداء میں قرأت کی جو کیفیت ہو تو قضاء میں اسی کیفیت کی رعایت مرخص ہے۔

قال فی الهندیۃ: ومن حکمہ ان الفائتۃ تقضی علی الصفۃ التی فاتت عنہ الخ۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۲۱ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)[2]

وتر کی قضاء

سوال: کیا وتر کی قضاء ضروری ہے یا عام سنن کی طرح ایک دفعہ فوت ہوجانے سے قضاء لازم نہیں؟

الجواب: وتر چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہیں اس لیے فوت ہونے کی صورت میں ان کی قضاء واجب ہے اور قضاء نہ کرنے والا گنہگار ہوگا۔

کما قال محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: وقضاء الفرض والواجب والسنۃ

---

[1] وفی الهندیۃ: فیجوز فیها قضاء الفائتۃ وصلوٰۃ الجنازۃ۔ الخ
(الهندیۃ ج۱ ص۵۲ الباب الاول فی المواقیت۔ الفصل الثانی الخ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۱ باب قضاء الفوائت۔

[2] وقال علاؤ الدین ابی بکر الکاسانیؒ: والاصل کل صلوٰۃ ثبت وجوبها فی الوقت وفاتت عن وقتها انہ یعتبر فی کیفیۃ قضائها وقت الوجوب وتقضی علی الصفۃ التی فاتت عن وقتها۔
(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۴۷ فصل فی بیان حکم الصلوٰۃ الفائتۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت۔

فرض وواجب وسنۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۶۶ باب قضاء الفوائت)[1]

قضاءِ عمری کی حقیقت

سوال:۔ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں بعض لوگ "قضاء عمری" کے نام سے دو رکعات باجماعت پڑھتے ہیں، پڑھنے والوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ اس سے عمر بھر کی قضاء شدہ نمازوں سے ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز کی قضاء بذاتِ خود امر مشروع ہے لیکن مروجہ قضاء عمری کی یہ رسم بعض پٹھانوں کے علاقہ تک محدود ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں بلکہ عام قواعد اور اصول سے متصادم ہے، علماء دیوبند نے اس کو بدعتِ سیئہ میں شمار کیا ہے جو کہ عوام کے لیے مہلک ہے اور خواص کو اس کی ضرورت نہیں، اس لیے کسی جگہ اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔

لما قال العلامۃ عزیز الرحمٰنؒ فی فتاوٰی: قضاء عمری عند الحنفیۃ مشروع نیست پس التزام آں خصوصاً در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چہار رکعت نفل بہ نیت قضاء عمری ادا کردہ شود شرعاً بے اصل است واین چنیں اعتقاد کردن کہ از چہار رکعت نفل صلوٰۃ فائتۃ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحۃ وصریحۃ وقواعد شرعیۃ ہست۔ (عزیز الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۴ المعروف بدار العلوم دیوبند، فصل فی خطأ الفوائت)[2]

چوروں کے خوف سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال:۔ کیا مسافر ڈاکوؤں اور راہزنوں کے ڈر سے نماز کو مؤخر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت نے فرض نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم دیا ہے تاہم شرعی عذر کی وجہ سے نماز مؤخر کی جاسکتی ہے، چوروں، ڈاکوؤں کا خوف بھی عذر شرعی میں داخل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: کما اذا خاف المسافر من اللصوص او قطاع الطریق جاز لہٗ ان یؤخر الوقتیۃ لانہ بعذر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶ باب قضاء الفوات)

---

[1] وفی الہندیۃ: والقضاء فرض فی الفرض وواجب فی الواجب وسنۃ فی السنۃ ۔ الخ
(الہندیۃ ج۱ ص۱۲۱ الفصل الحادی عشر فی صلوٰۃ قضاء الفوائت)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۸۰ باب قضاء الفوائت)

[2] لما قال المفتی کفایت اللہ: پس قضائے عمری کی نماز بے اصل ہے اور جماعت سے پڑھنا ناجائز ہے۔
(کفایت المفتی ج۳ ص۳۳۸ قضا نمازیں)

کیا قضاء نمازوں کی وجہ سے سُنن مؤکدہ ترک کی جاسکتی ہیں؟

سوال: اگر کسی کے ذمے قضاء نمازیں باقی ہوں تو کیا اُن کی ادائیگی کی وجہ سے سُننِ مؤکدہ کو ترک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ قضاء نمازوں کی ادائیگی میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مصروفیت سے بہتر ہے مگر یہ عام نوافل کے بارے میں مروی ہے، جہاں تک مخصوص نوافل یا سُننِ مؤکدہ کا تعلق ہے تو وہاں قضاء نمازوں کی وجہ سے سُنن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

وفی الھندیۃ: والاشتغال بالفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ وصلوٰۃ الضحٰی وصلوٰۃ التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سوَر معدودۃ واذکار معھودۃ فتلک بنیۃ النفل وغیرھا بنیۃ القضاء۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۲۵ فی آخر الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت) [۱]

قضاء نماز فوراً ادا کی جائے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے؟

سوال: اگر نماز قضاء ہو جائے تو کیا وہ علی الفور ادا کرنا ضروری ہے یا اس میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب: جب نماز قضاء ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا ضروری ہے بلا عذرِ شرعی اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ مکروہ اوقات میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثۃ المنھیۃ کما مر۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ وقت للقضاء) ای لصحتہ فیھا وان کان القضاء علی الفور الا لعذر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶ باب قضاء الفوائت) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ وصلوٰۃ الضحٰی وصلوٰۃ التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سوَر معدودۃ واذکار معھودۃ فتلک یصلی بنیۃ النفل وغیرھا بنیۃ القضاء۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۱ ص۷۷۲ باب صلوٰۃ الاستسقاء)

[۲] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وذکر اللولوالجی من الصوم ان قضاء الصوم علی التراخی وقضاء الصلوٰۃ علی الفور الا لعذر۔

(البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازیں باجماعت ادا کی جاسکتی ہیں

سوال: اگر چند اشخاص سے اجتماعی طور پر نمازیں قضاء ہوئی ہوں اور وہ لوگ ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: وقتی نمازوں کی طرح قضاء نمازیں بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں، اگر نمازیں جہری ہوں تو اُن میں جہراً قرأت کرنا ضروری ہے اگر سری نمازیں ہوں تو سراً قرأت کرنا لازمی ہے۔

قال القاضی خانؒ: اذا ترك صلوٰة الليل ناسياً فقضاها فی النهار وأمّ فيها وخافت ساهياً كان عليه السهو وينبغی ان يجهر ليكون القضاء علی وفق الاداء وان أمّ ليلاً فی صلوٰة النهار يخافت ولا يجهر فان جهر ساهياً كان عليه السهو۔ (فتاوی قاضيخان علی هامش الهندية ج۱ ص۱۲۳ باب سجود السهو) لـه

احتیاطاً عشاء کے وتر اور مغرب کی قضاء نمازیں کس طرح پڑھی جائیں

سوال: اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کس طرح پڑھے؟

الجواب: اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کی بھی چار چار رکعتیں پڑھے گا مگر اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ اور تیسری رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے گا اسی طرح دُعاء قنوت وتروں کی تیسری رکعت میں پڑھی جائے گی۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومن قضی صلوٰة عمره مع انه لم يفته شئ منها احتياطاً قيل يكره ...... ويقنت فی الوتر ويقعد قدر التشهد فی ثالثة ثم يصلی ركعة رابعة فان كان وتراً فقد اداه وان لم يكن فقد صلی التطوع اربعاً ولا يضره القعود وكذا يصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات۔ (طحطاوی حاشيه مراقی الفلاح ص۲۴۳ باب القضاء) لـه۲

لـه قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا قضی الفوائت ان قضاها بجماعة وكان صلوٰة يجهر فيها بالقرأة يجهر فيها الامام وان قضاها وحده يخير ان شاء خافت وان شاء جهر والجهر افضل ويخافت فيما يخافت حتماً وكذلك الامام۔ (الفتاوی التاتارخانية ج۱ ص۷۶۶ باب قضاء الفوائت) ــــ ومثله فی امداد الاحكام ج۱ ص۴۲۸ باب القضاء۔

لـه۲ قال العلامة ابن نجيمؒ: رجل يقضی صلوات عمره مع انه لم يفته شئ منها احتياطاً قال بعضهم يكره وقال بعضهم لا يكره لانه اخذ بالاحتياط لكنه لا يقضی بعد صلوٰة الفجر ولا بعد صلوٰة العصر ويقرأ فی الركعات كلها الفاتحة مع السورة قد قدمنا من مآل الفتاوی انه يصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات وكذا الوتر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۸۰ باب قضاء الفوائت) ــــ ومثله فی الهندية ج۱ ص۱۲۴ باب القضاء۔

وتر قضاء ہونے کے باوجود نمازِ فجر کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں فقہائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے عشاء کی نماز کے بعد وتر نہیں پڑھے، فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر کھڑا ہونے کے بعد اور نماز شروع کرنے سے پہلے اُسے یاد آ گیا کہ میں نے وتر نہیں پڑھے اس کے باوجود اس نے فجر کی نماز پڑھا دی، اسی طرح کئی دن نمازیں پڑھاتا رہا، جبکہ راقم السطور نے کہیں پڑھا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھے اور اس کی پہلی نماز ہی قضاء ہوئی ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر پانچ نمازیں اسی طرح پڑھ ڈالیں تو فساد رفع ہو جائے گا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ترتیب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس امام کی فجر کی نماز اور باقی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ اس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور باقی نمازیں اس کی اقتداء میں نہیں پڑھیں اُن کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- درمختار میں ہے: فلم یجز تفریع علی اللزوم فجر من تذکر انہ لم یوتر لوجوبه عندہ ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۵۳۷ باب قضاء الفوائت)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفساد اصل الصلوٰۃ موقوف عند ابی حنیفةؒ سواء ظن وجوب الترتیب اولا فان کثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستا ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التی هی سادسة الفوائت الخ - وفی رد المحتار (قوله فان کثرت) ای الصلوٰۃ التی صلاها تارکا فیها الترتیب بان صلاها قبل قضاء الفائتة ذاکرا لها وهذا التفریع لبیان قوله موقوف وتوضیحه انه اذا فاتته صلوٰۃ ولو وترا فکلما صلی بعدها وقتیة وهو ذاکر لتلک الفائتة فسدت تلک الوقتیة فسادا موقوفا علی قضاء تلک الفائتة فان قضاها بعد ان یصلی بعدها خمس صلوٰۃ صار الفساد باتا وانقلبت الصلوٰۃ التی صلاها قبل قضاء المقضیة نفلا وان لم یقضها حتی خرج وقت الخامسة وصارت الفواسد مع الفائتة ستا انقلبت صحیحة لانه ظهرت کثرتها و دخلت فی حد التکرار المسقط للترتیب وبیان وجه ذلک فی البحر وغیرہ ۔ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۴۱ باب قضاء الفوائت)

مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ امام مسجد قضاء شدہ وتر نماز کے یاد آنے کے باوجود جو نمازیں پڑھتا رہا وہ فاسد ہوں گی لیکن ان کا فساد موقوف

ہے اس پر کہ اگر اس نے اس طرح پانچ نمازیں ادا کیں حالانکہ اس کو وہ قضاء شدہ نماز یاد ہو اور پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضاء شدہ نماز کی قضاء لائی تو یہ ساری نمازیں فاسد ہوں گی اور اگر پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضاء شدہ نماز کی قضاء لائی تو سب نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

وقت کی کمی کی وجہ سے قضاء کی بجائے ادا نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی سے عصر کی نماز قضاء ہو جائے اور مغرب کا اتنا وقت باقی ہو کہ اگر وہ عصر کی قضاء نماز پہلے پڑھتا ہے تو مغرب کی نماز بھی قضاء ہونے کا خطرہ ہے۔ اس صورت میں اس شخص کو پہلے قضاء نماز پڑھنی چاہیئے یا ادا نماز؟

الجواب: جس آدمی سے کوئی نماز قضاء ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ دوسرے وقت میں اولاً قضاء نماز پڑھے بعدہٗ ادا نماز پڑھے لیکن اگر وقت کم ہو اور قضاء نماز پڑھنے کے بعد وقتی نماز کے لیے وقت نہ بچتا ہو تو اس صورت میں یہ شخص پہلے وقتی نماز پڑھے پھر قضاء نماز۔

لما فی الهندیة: ان کان بحیث اذا قطع الجمعة واشتغل بالفجر یفوته الوقت اتم الجمعة اجماعاً ثم یصلی الفجر بعدها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۲ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کسی شخص سے بہت ساری نمازیں قضاء ہو جائیں اور وہ ان کو ادا کرنا چاہے تو کیا قضاء نمازوں کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہے یا جب بھی فرصت ملے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

الجواب: قضاء نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں جب بھی فرصت ملے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں تاہم اوقاتِ مکروہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ثم لیس للقضاء وقت معین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۸۰ باب الفوائت)[1]

---

[1] لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: قضاء پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھے البتہ اتنا خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔ (بہشتی زیور ص ۱۳۳، قضاء نمازوں کے پڑھنے کا بیان)

باب صلوٰۃ الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کے احکام و مسائل)

بارش کے لیے سورۃ یٰسٓ پڑھ کر اذان دینا مسنون طریقہ نہیں

سوال:۔ بعض علاقوں میں بارش مانگنے کے لیے نمازِ استسقاء کی بجائے مندرجہ ذیل طریقہ رائج ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک آدمی سورۃ یٰسین ابتداء سے لے کر اول مُبین تک تلاوت کرتا ہے، اس کے بعد ایک شخص بآوازِ بلند نماز کے لیے مسنونہ اذان دینا شروع کر دیتا ہے، اس کی آواز کے ساتھ ہی مسجد کی ہر جانب میں لوگ اذان دینا شروع کر دیتے ہیں، بعد اذان قاری سورۃ یٰسین کی ابتداء سے جب دوسرے مبین تک پہنچتا ہے تو پھر اسی طریقہ سے اذانیں شروع ہوتی ہیں حتیٰ کہ آخر مُبین تک یہی طریقہ جاری رہتا ہے اور آخر میں ایک لمبی دعاء سے یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ کیا بارش کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء کی بجائے یہ طریقہ بطور سنت شریعت میں ثابت نہیں، نیز اذان کے مواضع مسنونہ میں بارش کے لیے اذان دینا ثابت نہیں۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ تحت قولہ لایسن لغیرھا کعید۔ ای ووتر وجنازۃ وکسوف واستسقاء الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) [1]

نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ نماز باجماعت پڑھنا بدعت ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک سنت اور

---

[1] وفی الھندیۃ: ولیس لغیر صلوٰۃ الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامۃ کذا فی المحیط وکذا المنذورۃ وصلوٰۃ الجنازۃ والاستسقاء والضحیٰ الخ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳ باب الاذان)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۸ باب الاذان۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے لیکن بغیر جماعت پڑھنا بھی درست ہے، کسی ایک کو بدعت کہنا فقہی ذخائر سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: فالحاصل ان الاحادیث لما اختلف فی الصلوٰۃ بالجماعۃ وعدمھا علیٰ وجہ لا یصح بہ اثبات السنیۃ لم یقل ابو حنیفۃؒ بسنیتھا ولا یلزم منھا قولہ بانھا بدعۃ کما نقلہ عنہ بعض المتعصبین بل ھو قائل بالجواز الخ۔ قلت والظاھر ان المراد بہ الندب والاستحباب۔
(رد المحتار ج۲ ص۱۸۴ باب الاستسقاء)[۱]

نمازِ استسقاء صحراء میں پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ نمازِ استسقاء کس جگہ پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:۔ استسقاء کے لیے صحراء کی طرف نکلنا بہتر ہے۔

لما ورد فی الحدیث: حدثنا ابوداؤد قال حدثنا مسدد قال حدثنا ھشیم عن یحییٰ بن سعید عن عبداللّٰہ بن ابی بکر عن عباد بن تمیم عن عبداللّٰہ بن زید ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج بالناس الی المصلی فاستسقیٰ فحول رداءہ واستقبل القبلۃ۔ (طحاوی ج۱ ص۲۲۵ باب الاستسقاء الخ)[۲]

نمازِ استسقاء کی دو رکعات ہیں

سوال:۔ استسقاء کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ کمی بیشی سے استسقاء کی نماز متاثر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص دو رکعات جماعت کے ساتھ اور دو رکعات انفرداً اس نیت سے پڑھے کہ صاحبین اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کے اقوال پر عمل ہو جائے

---

[۱] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ: والجماعۃ غیر مسنونۃ فی ھٰذہ الصلوٰۃ عندہٗ وعندھما سنۃ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۸۳ فصل فی بیان صلوٰۃ الاستسقاء)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۵۳ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء۔

[۲] وقال العلامۃ ابن العابدینؒ: ویخرجون ای الی الصحراء کما فی الینابیع۔ ھٰذا فی غیر اھل المساجد الثلاثۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلوٰۃ الاستسقاء)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۵۸ باب صلوٰۃ الاستسقاء۔

تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول مفتی بہ ہے اس لیے دو رکعات باجماعت پر اکتفاء کر کے انفراداً پڑھنے کی کوشش نہ کی جائے تاہم اگر مزید دو رکعات پڑھے تو اصل نمازِ استسقاء متاثر نہیں ہوتی ہے۔

قال العلامہ ابن العابدینؒ: ای بان یصلی بہم رکعتین یجہر فیہما بالقرائۃ بلا اذان ولا اقامۃ ثم یخطب بعدھا قائماً علی الارض معتمداً علی قوس او سیف او عصا خطبتین عند محمدؒ وخطبۃ واحدۃ عند ابی یوسفؒ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب الاستسقاء)[1]

نمازِ استسقاء کا مسنون طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نمازِ استسقاء پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ صلوٰۃ الاستسقاء پڑھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ نماز کے لیے نکلنے سے قبل تین دن متواتر روزے رکھیں اور توبۃ النصوح کریں اور چوتھے دن پیدل پرانے دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر تواضع اور عجز و انکساری کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا کر میدانِ استسقاء کی طرف چلیں، اور جانے سے پہلے صدقہ دیں، چھوٹے بچوں کو ماؤں سے جدا کریں اور نماز کے لیے اپنے ساتھ بچوں، بوڑھوں، کمزور، ضعفاء اور جانوروں کو بھی ساتھ لے جائیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویستحب للامام ان یأمرھم بصیام ثلاثۃ ایام قبل الخروج وبالتوبۃ ثم یخرج بہم فی الرابع مشاۃ فی ثیاب غسیلۃ او مرقعۃ متذللین متواضعین خاشعین للہ ناکسین رؤسہم ویقدمون الصدقۃ کل یوم قبل خروجہم ویجددون التوبۃ ویستغفرون للمسلمین ویستسقون بالضعفۃ والشیوخ والعجائز والصبیان ویبعدون الاطفال من امہاتہم ویستحب اخراج الدواب الخ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلوٰۃ الاستسقاء)

---

[1] وقال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: یصلی الامام رکعتین الخ
(الہدایۃ ج۱ ص۱۴۶ باب صلوٰۃ الاستسقاء)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۹ باب الاستسقاء۔

نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کرکے دعا مانگنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دن استسقاء کی نماز ہو رہی تھی کہ امام صاحب نے ہاتھ اُلٹے کرکے دُعا مانگنا شروع کر دی، کیا نمازِ استسقاء میں دعا مانگنے کا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کرکے دُعا مانگنا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لیے فقہاء اُمت نے نمازِ استسقاء کے دوران دعا کرتے وقت اُلٹے ہاتھوں کو مسنون قرار دیا ہے، لہٰذا آپ کے امام صاحب نے صحیح اور درست کام کیا ہے، تاہم استسقاء میں سیدھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔

اخرج امام مسلم بن حجاج القشیریؒ: عن انس بن مالك انّ النبی صلی الله علیه وسلم استسقى فاشار بظهر كفيه الى السمآء۔

قال النوویؒ: تحته قال جماعة من اصحابنا وغيرهم السنة فی كل دعاء الرفع بلاء كالقحط ونحوه ان يرفع يديه ويجعل ظهر كفيه الى السمآء واذا دعا لسؤال شئ وتحصيله جعل بطن كفيه الى السمآء۔ (صحیح مسلم مع شرح للنوویؒ ج۱ ص۲۹۳ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء)[1]

نمازِ استسقاء میں قلب رداء (چادر کا الٹانا) ثابت ہے

سوال:۔ کیا نمازِ استسقاء میں قلب رداء (چادر الٹانا) ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء میں صرف امام کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ نماز کے بعد قلب رداء اس طرح کرے کہ چادر کا اوپر والا حصہ نیچے آجائے اور نیچے والا حصہ اوپر کی طرف، جبکہ یمین شمال کی طرف اور شمال یمین کی طرف منتقل ہو جائے۔

قال العلامة ابن الھمامؒ: وعلم ان كون التحويل كان تفاؤلًا جاء مصرحا به فی المستدرك من حديث جابر وصححه قال وحول رداءه ليتحول القحط وفی طوالات

---

[1] اخرج ابو داؤد عن انس بن مالك ان النبی صلی الله علیه وسلم كان يستسقى هكذا يعنى ومدّ يديه وجعل بطونهما مما يلى الارض حتى رأيت بياض ابطيه۔ (ابو داؤد ج۱ ص۱۶۲ باب رفع اليدين فی الاستسقاء)
ومثله فی مشكوٰة المصابيح ج۱ ص۱۳۱ باب الاستسقاء۔

الطبرانی من حدیث انس وقلب رداءہ لکی ینقلب القحط الی الخصب۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۶۲ باب الاستسقاء) [1]

نمازِ استسقاء کے بعد کثرتِ بارش کی وجہ سے نقصان سے بچنے کے لیے دعا کرنا

سوال:۔ اگر نمازِ استسقاء کے بعد بارش اتنی زیادہ ہوجائے کہ وہ نقصان دہ ثابت ہو تو کیا اس کے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بارش اتنی زیادہ ہوجائے کہ لوگ اس سے تنگ آجائیں اور اس میں جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو تو اس کے روکنے کے لیے دعا کی جاسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذاتِ خود ایسا کرنا ثابت ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (فلا بأس بالدعاء بحبسہ) ای فیقول کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم حوالینا ولا علینا اللّٰھم علی الآکام والظراب وبطون الاودیۃ و منابت الشجر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۸۶ باب الاستسقاء) [2]

نمازِ استسقاء کے لیے تین دن سے زیادہ باہر نکلنے کا حکم

سوال:۔ عام طور پر لوگ نمازِ استسقاء کے لیے تین دن تک نکلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ نکلنا جائز نہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ سلف صالحین اور فقہی ذخائر سے تین دن تک نکلنا منقول ہے اس لیے

---

[1] قال العلامۃ الزیلعیؒ: قال محمد یقلب الامام رداءہ دون القوم (و بعد اسطرٍ) و ما رواہ محمد محمول علی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فعلہ تفاؤلاً ...... او عرف بالوحی تغیر الحال عند تغییر الرداء وکیفیۃ القلب علی قول من یراہ ان یجعل اعلاہ اسفلہ ما امکن وان لم یمکن کالجبۃ جعل یمینہ علی یسارہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۳۱ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۴ باب الاستسقاء۔

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: واذا دام المطر حتی خیف ضررہٗ قالوا اللّٰھم حوالینا ولا علینا اللّٰھم علی الاکام الی آخرہ۔ (کبیری ص ۴۲۵ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۲ ص ۴۲۷ باب الاستسقاء۔

زیادہ نہیں، اس لیے صرف تین دن تک مسلسل نکلنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویخرجون ثلاثۃ ایام لانه لم ینقل اکثر منھا متتابعات۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب الاستسقاء) [1]

نمازِ استسقاء کے لیے صرف دعا پر اکتفاء کرنا جائز ہے

سوال: کیا استسقاء کے لیے صرف نماز پڑھنا مسنون ہے یا فرض نمازوں کے بعد یا دیگر حالات میں بھی دعا کی جا سکتی ہے؟ ایک مولوی صاحب نے نمازِ استسقاء کی تقریر میں صرف دعا کو بدعت کہا ہے؟

الجواب: استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اعمال مروی ہیں جن میں دُعا بھی منقول ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ جماعت کے ساتھ استسقاء کو صرف جواز تک محدود رکھتے ہیں، لہٰذا اگر استسقاء کے لیے صرف دعا کی جائے تو بھی جائز ہے اس کو بدعت کہنا شرعی دلائل سے ناسمجھی کی دلیل ہے، البتہ امام دعا کے لیے قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو اور مقتدین بیٹھے رہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: هو دعاء واستغفار لانه السبب لإرسال الأمطار بلا جماعة مسنونة بل هی جائزة اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله هو دعاء) وذلك ان یدعو الامام قائما مستقبل القبلة رافعًا یدیه والناس قعود مستقبلین القبلة یؤمنون علی دعائه باللّٰهم اسقنا غیثًا مغیثًا هنیئًا مریئًا مریعًا غدقًا عاجلًا سحا طبقًا دائمًا الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۴ باب الاستسقاء) [2]

❋❋

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ: ثم المستحب ان یخرج الامام والناس ثلاثۃ ایام متتابعة لان المقصود من الدعاء الاجابة والثلاثة مدة ضربت لابلاء الاعذار۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۸۴ صلوٰۃ الاستسقاء)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۵۴ باب الاستسقاء۔

[2] قال العلامۃ برهان الدین المرغینانیؒ: قال ابوحنیفةؒ لیس فی الاستسقاء صلوٰۃ مسنونة فی جماعة فان صلی الناس وحدانا جاز، انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالی: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا (الهدایة ج۱ ص۱۵۸ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۵۳ باب الاستسقاء۔

باب سجود السّھو

(سجدۂ سہو کے احکام و مسائل)

سجدۂ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیرنا کافی ہے

سوال: سجدۂ سہو میں دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا یا ایک طرف؟ اور کیا اس میں امام اور منفرد کے لیے حکم یکساں ہے یا جدا؟

الجواب: امام، مقتدی اور منفرد کے لیے سجدۂ سہو میں تمام فقہاء کے ہاں ایک طرف یعنی دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرنا بہتر ہے لیکن بعض محققین مثلاً صاحب ہدایہ وغیرہ نے دونوں طرف سلام کو راجح قرار دیا ہے، اگرچہ بعض فقہاء کے ہاں دونوں طرف سلام پھیرنے سے بوجہ خروج عن الصلوٰۃ کے سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے، البتہ جائز دونوں ہیں لیکن ایک طرف سلام پھیرنا افضل ہے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ویأتی بتسلیمتین ھو الصحیح۔
(الھدایۃ ج ۱ ص۱۴۰ باب سجود السھو)

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یجب بعد سلام واحد عن یمینہ فقط۔ لانہ المعھود وبہ یحصل التحلیل وھو الاصح بحر عن المجتبٰی وعلیہ لو أتی بتسلیمتین سقط عنہ السجود۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۷۸ باب سجود السھو)[1]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: (ویکتفی بتسلیمۃ واحدۃ) قالہ شیخ الاسلام وعامۃ المشائخ وھو الاضمن للاحتیاط والاحسن ویکون (عن یمینہ) لانہ المعھود وبہ یحصل التحلیل فلا حاجۃ الی غیرہ خصوصاً وقد قال شیخ الاسلام خواھر زادہ لا یأتی بسجود السھو بعد التسلیمتین لان ذلک بمنزلۃ الکلام (فی الاصح)۔ وفی الھدایۃ ویأتی بتسلیمتین ھو الصحیح۔ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی تحت قولہ ویأتی بتسلیمتین ھو الصحیح) ایدہ العلامۃ خسرو بما لامزید علیہ۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۷۶، ۳۷۷ باب سجود السھو)
ومِثلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۵ الباب الثانی عشر فی سجود السھو۔

سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے

سوال:۔ نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ میں سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سہواً رہ جائے تو کیا نماز ہوجاتی ہے یا اس کا اعادہ واجب ہے؟

الجواب:۔ فرائض کی پہلی دو رکعت اور سُنن، وتر اور نفل کی تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر سجدہ سہو ادا نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال الحصکفیؒ: (قرأۃ فاتحۃ الکتاب) فیسجد للسھو بترک اکثرھا لا اقلھا لکن فی المجتبیٰ یسجد بترک اٰیۃ منھا وھو اولیٰ۔ قلتُ وعلیہ فکل اٰیۃ واجبۃ۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ ای وبناءً علیٰ ما فی المجتبیٰ فکل اٰیۃ واجبۃ وفیہ نظر لان الظاھر ان ما فی المجتبیٰ مبنی علیٰ قول الامام بانھا بتمامھا واجبۃ۔ وذکر الاٰیۃ تمثیل لا تقیید۔ اذ بترک شیٔ منھا اٰیۃ او اقل ولو حرفاً لا یکون اٰتیا بکلھا الذی ھو الواجب کما ان الواجب ضم ثلاث آیات فلو قرأ دونھا کان تارکا للواجب افادہ الرحمتی۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص ۴۵۸ مطلب کل صلوٰۃ ادیت مع کراھیۃ التحریم تجب اعادتھا)[1]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: الاوّل قرأۃ الفاتحۃ الخ الیٰ ان قال وان ترک اقلھا لا یجب (ای السجود) لان للاکثر حکم الکل کذا فی المحیط وسواء کان اماما او منفرداً کذا فی التجنیس وفی المجتبیٰ اذا ترک من الفاتحۃ اٰیۃ وجب علیہ السجود وان ترکھا فی الاخریین لا یجب ان کان فی الفرض وان کان فی النفل او الوتر وجب علیہ لوجوبھا فی الکل الخ۔

وقال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ (قولہ وفی المجتبیٰ اذا ترک الخ) قال فی النھر وھو اولیٰ ویؤیدہ ما سیاتی وحکاہ فی المعراج عن شیخ الاسلام ثم قال وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ اذا قرأ اکثرھا لا یجب اھ۔

(البحر الرائق علیٰ ص منحۃ الخالق ج ۲ ص ۹۳-۹۴ باب سجود السھو)

سورۃ فاتحہ کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

سوال:۔ زید فجر کی نماز با جماعت پڑھا رہا تھا، تکبیر اولیٰ کے بعد بجائے سورۃ فاتحہ کے کسی دوسری سورت کی تلاوت شروع کی، یاد آنے کی صورت میں اگر فاتحہ پڑھے تو کیا اس امام پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر متعلقہ رکعت میں یاد نہ رہے بلکہ دوسری رکعت میں کہیں علم ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو پر اکتفاء ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں اگرچہ امام نے یاد آنے پر سورۃ فاتحہ پڑھی ہے لیکن سورتِ فاتحہ کے ساتھ ساتھ ضم سورت اور فاتحہ کے درمیان یہ ترتیب بھی واجب ہے کہ سورتِ فاتحہ پہلے ہو اور ضم سورت بعد میں متصل ہو، چونکہ مذکورہ امام نے ترتیب اُلٹ دی ہے اس لیے اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، جیسا کہ سورت فاتحہ کے رہ جانے یا ضم سورت ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصریؒ: وقد قدمنا فی ذکر الواجبات انہٗ یجب تقدیم الفاتحۃ علی السورۃ وانہ یجب ان یؤخر السورۃ عن قرأۃ الفاتحۃ فکذا لو بدأ بالسورۃ ثم تذکر یبدأ بالفاتحۃ ثم یقرأ السورۃ ویسجد للسھو وان قرأ من السورۃ حرفاً کذا فی المجتبیٰ۔ وقیدہ فی فتح القدیر بان یکون مقدار ما یتأدی بہ رکن عن قرأۃ الفاتحۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۹۴ باب سجود السھو)

وایضاً قال ابن نجیمؒ: الاوّل قرأۃ الفاتحۃ فان ترکھا فی احدی الاولیین او اکثرھا وجب علیہ السجود۔ (البحر الرائق ج۲ ص۹۳ باب سجود السھو)[1]

ضم سورۃ رہ جانے سے سجدۂ سہو کا وجوب

سوال:۔ اگر ایک نمازی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد ضم سورۃ بالکل چھوڑ دے تو اس سے

---

[1] قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: منھا قرأۃ الفاتحۃ والسورۃ فلو ترک الفاتحۃ او اکثرھا فی الاولیین وجب علیہ السجود السھو۔۔۔۔ ولو قرأ الفاتحۃ وحدھا وترک السورۃ یجب علیہ سجود السھو کذا لو قرأ مع الفاتحۃ آیۃ قصیرۃ لان قرأۃ ثلاث آیات قصار او آیۃ طویلۃ مع الفاتحۃ واجبۃ ولو اخر الفاتحۃ عن السورۃ فعلیہ سجود السھو۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۱۹۳ باب سجود السھو)

ومثلہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۶ باب سجود السھو۔

نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر یہ نمازی سجدۂ سہو ادا کرے تو نماز تام ہوجائے گی یا اعادہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نماز میں نفس قرأت فرض ہے، البتہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملاکر پڑھنا واجب ہے، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھنے سے رہ جائے تو نماز ناقص ہوکر قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو ادا کرنے سے مکمل ہوجائے گی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو قصداً چھوڑ دے تو پھر سجدۂ سہو سے نماز مکمل نہ ہوگی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا، ایسا ہی نفس قرأت رہ جانے سے ترکِ فرض کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: منها قرأۃ الفاتحۃ والسورۃ فی صلوٰۃ ذات رکعتین وفی الاولیین من ذوات الاربع والثلاث حتی لو ترکهما او احدهما فان کان عامداً کان مسیئاً۔ وان کان ساهیاً یلزمه سجود السهو۔[1] (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۶۷ باب سجود السهو)

ضم سورۃ اور فاتحہ کے درمیان صلوٰۃ وتر میں تکبیر کہنے پر سجدہ سہو کا حکم

سوال: اگر ایک مصلّی وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرے لیکن فوراً ضم سورۃ یاد آنے پر سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرکے دعاء قنوت پڑھ لے، تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں حسبِ قواعد سجدہ سہو واجب نہیں، کیونکہ سجدۂ سہو کسی رکن میں اس قدر تاخیر پر واجب ہوتا ہے کہ جس میں مسنون طریقہ سے چھوٹا رکنِ صلوٰۃ مثلاً سجدہ یا رکوع ادا ہو، لہٰذا رکوع یا سجدہ میں تین بار سبحان ربی العظیم یا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: الاول قرأۃ الفاتحۃ فان ترکها فی احدی الاولیین او اکثرها وجب علیه السجود وان ترک اقلها لایجب لان للاکثر حکم الکل کذا فی المحیط وسواء کان اماماً او منفرداً کذا فی التجنیس۔ وان ترکها فی الاخریین لایجب ان کان الفرض وان کان النفل او الوتر وجب علیه لوجوبها فی الکل۔ قد قدمنا انه لو ترکها فی الاولیین لایقضیها فی الاخریین فی ظاهر الروایۃ۔ وایضاً قال فلو لم یقرأ شیئاً مع الفاتحۃ او قرأ آیۃ قصیرۃ لزمه السجود۔ (البحر الرائق ج۲ ص۹۳، ۹۴ باب سجود السهو)

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی پڑھنے پر ۴۲=۳×۱۴ حروف کے تلفظ کا وقت صرف ہوتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں اَللّٰہُ اَکْبَر میں صرف آٹھ حروف کے تلفظ کی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔

قال العلامہ الشیخ احمد الطحاویؒ: ومن الواجب تقدیم الفاتحۃ علی السورۃ وأن لا یؤخر السورۃ عنها بمقدار اداء رکن[1] الخ۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۷۵ باب سجود السہو)

سجدۂ ثانیہ صلوتیہ بھول جانے کی صورت میں سلام پھیرنے کے بعد پڑھ سکتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی رکعت میں سجدۂ ثانیہ ادا کرنا بھول گیا، سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدہ یاد آیا، تو کیا اس طرح سلام پھیرنے سے یہ شخص خارج صلوۃ متصور ہوگا یا نہیں؟ نیز نماز کے منافی کام کرنے کی صورت میں شرعاً اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جب تک نماز کے منافی کام نہیں کیا ہو تو سلام پھیرنے کے باوجود یہ شخص داخلِ صلوۃ متصور ہوگا، اس صورت میں یہ شخص سجدۂ ثانیہ صلوتیہ صلبیہ ادا کرے، پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو ادا کرے، پھر قعدہ پر بیٹھ کر نماز مکمل کرکے سلام پھیر دے۔ اور اگر کوئی ایسا کام کیا ہو جو نماز کے منافی ہو تو نماز سے خارج ہو کر سجدہ کے اعادہ سے نماز مکمل نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: وان کان ساهیًا عنهما أی عن سجدۃ صلبیۃ وسجدۃ التلاوۃ وسلّم لا یخرج عن الصلوۃ۔ وعلیه ان یسجد لکل واحدۃ منهما الاوّل فالاوّل منهما ثم یتشهد بعدهما ویسلّم۔ ثم یسجد سجدتی السهو ثم یتشهد ثم یسلّم الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۷۱)[2]

---

[1] وفی الهندیۃ: ولو اخر الفاتحۃ عن السورۃ فعلیه سجود السهو کذا فی التبیین۔ (الهندیۃ ج۱ ص۱۲۶ باب سجود السهو)

لیکن یہ جزئیہ مجمل ہے اور بالائی جزئیہ صریح ہے اسلئے مفتی بہ قول طحطاوی کا ہے۔ منہ (مرتب)

[2] قال الشیخ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وان سلّم وهو غیر ذاکر لهما أی سجدۃ صلبیۃ وسجدۃ التلاوۃ فان سلامه لا یکون قطعًا وعلیه أن یسجد للتلاوۃ ویسجد للصلوتیۃ الاوّل۔ فالاوّل ثم یتشهد ثم یسلّم ثم یسجد سجدتی السهو ثم یتشهد ثم یسلّم الخ (خلاصۃ الفتاوی جلد۱ ص۱۸۱ باب سجود السهو)

رکعتِ اُولیٰ وثالثہ کے بعد طویل جلسہ موجب سہو ہے

سوال:۔ دو یا چار رکعت فرض نماز میں امام پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں سجدہ ثانیہ کے بعد قعدہ پر اتنا بیٹھ گیا کہ مقتدی سب کھڑے ہو گئے، بکر (مقتدی) نے فتح دیا تب امام صاحب قعدہ سے اٹھ کر قیام میں گئے۔ تو کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ قعدہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد لمبی ہو یعنی اتنی تاخیر ہو کہ اُس جتنے وقت میں نماز کا کوئی رکن مسنون طریقہ سے ادا ہوتا ہو، مثلاً رکوع یا سجدہ میں تین دفعہ تسبیحات پڑھنے پر جتنا وقت خرچ ہو سکے اتنی مقدار تاخیر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

قال ابن عابدینؒ: وکذا القعدة فی آخر الرکعة الاولیٰ او الثالثة فیجب ترکھا۔ ویلزم من فعلھا ایضاً تاخیر القیام الی الثانیة او الرابعة عن محله۔ وھذا اذا کانت القعدة طویلة۔ اما الجلسة الخفیفة التی استحبھا الشافعیؒ فترکھا غیر واجب عندنا بل ھو الافضل کما سیأتی۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۷ واجبات الصلوٰة)[1]

مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کے بعد دوسری رکعت پر قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے سے سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایسے وقت شامل ہوا کہ امام صاحب دو رکعت پڑھ چکے تھے، عام اقوال کے مطابق یہ شخص ایک رکعت پڑھ کر قعدۂ اُولیٰ کرے گا، لیکن ایسی حالت میں اگر مسبوق سے یہ قعدہ جو امام سے فراغت کے بعد انفرادی طور پر ادا کر رہا ہے چھوٹ جائے

---

[1] قال صاحب ملتقی الابحر:۔ تحت ان قرأ فی رکوع او قعود او قدم رکناً او اخرہٗ او کررہٗ او غیر واجباً او ترکه کرکوع قبل القرأة وتاخیر القیام الی الثالثة بزیادة التشھد قال شارحه شیخ زادہ واختلفوا فی مقدار الزیادة فقال بعضھم بزیادة حرف وکلام المصنف الی ھذا وقال بعضھم بقدر رکن وھو الصحیح کما فی اکثر الکتب۔

(مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۴۸ باب سجود السھو)

ومثلهٗ فی حاشیة امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵۲ تا ۳۵۵ باب سجود السھو۔

تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قعدۂ اولیٰ اگرچہ واجب ہے جس کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن صورت مذکورہ میں مسبوق سے یہ قعدہ چھوٹ جانے پر سجدہ سہو استحساناً واجب نہیں اور نماز بھی درست ہے ۔

قال ابن عابدینؒ : (قولہ وعلیہ ان یقضی رکعۃ بتشھد الخ) یعنی الرکعۃ الاولیٰ من الرکعتین۔ قال فی شرح المنیۃ حتی لو ادرک مع الامام رکعۃ من المغرب فانہ یقرأ فی الرکعتین الفاتحۃ والسورۃ۔ ویقعد فی اولھما لانھا ثانیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السھو ولو سھواً لکونھا اولیٰ من وجہ اھ ولا یخالفہ مانقلہ العینیؒ عن المبسوط من ان ھٰذا استحسان والقیاس ان یصلی رکعتین ثم یقعد ووجہ الاستحسان ان ھٰذہ الرکعۃ ثانیۃ لھٰذا المسبوق۔ والقعدۃ بعد الرکعۃ الثانیۃ من المغرب سنۃ اھ ۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ا ص۳۷۹ باب الحدث فی الصلوٰۃ)[1]

قعدۂ اولیٰ رہ جانے یا اس پر زیادتی سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال ۱ :۔ کسی شخص نے ظہر کی چار رکعت سنتِ مؤکدہ میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا تو کیا سجدۂ سہو سے سُنتیں درست ہو جائیں گی ؟

سوال ۲ :۔ اگر کوئی چار رکعت سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے علاوہ درود شریف کے چند کلمات کی زیادتی کرے تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ :۔ فرض نماز کی طرح سنتِ مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ بھی چونکہ واجب ہے، اور واجب کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اس لیے سجدۂ سہو

---

[1] قال الحصکفیؒ ، فمدرک رکعۃ من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما۔ قال ابن عابدین تحت قولہ وتشھد بینھما) قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلتزمہ سجود السھو لکون الرکعۃ اولیٰ من وجہ۔ (رد المحتار ج ا ص۵۹۷ باب اللاحق والمسبوق)

وَمِثْلُہٗ فی کبیری ص۴۶۸ باب سجود السھو ۔

کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ : السادس القعود الاول وکذا کل قعدۃ لیست اخیرۃ سوائً کان فی الفرض او فی النفل فانہٗ یلزمہ سجود السھو بترکھا ساھیًا۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۹۵ باب سجود السھو) [1]

الجواب ۲ :۔ درود شریف پڑھنا بذاتِ خود موجب سجدہ سہو نہیں بلکہ درود شریف پڑھنے سے رکعتِ ثالثہ کے قیام میں تاخیر آتی ہے جو موجب سجدہ سہو ہے بلکہ قعدۂ اولیٰ کے تشہد پڑھنے کے بعد اگر ویسے بھی ایک شخص خاص مقدار میں تاخیر کرے تو پھر بھی سجدۂ سہو واجب رہے گا۔

قال ابن نجیم المصریؒ : ومنھا لو کرر التشھد فی القعدۃ الاولیٰ فعلیہ السھو لتاخیر القیام وکذا لو صلّٰی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھا لتاخیرٖ واختلفوا فی قدرہ والاصح وجوبہ باللّٰھم صلّ علی محمدٍ وان لم یقل وعلی اٰلہ۔ وذکر فی البدائع انہ یجب علیہ السجود عندہٗ وعندھما لا یجب لانہٗ لو وجب لوجب لجبر النقصان ولا یعقل نقصان فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ یقول لا یجب علیہ بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل بتاخیر الفرض وھو القیام الا ان التاخیر حصل بالصلوٰۃ فیجب علیہ من حیث انھا تاخیر لا من حیث انھا صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقد حکی فی المناقب ان اباحنیفۃ (رحمہ اللہ) رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لہٗ کیف اوجبت علی من صلّٰی عَلَیَّ سجود السھو فاجابہ بکونہ

---

[1] قال الحصکفیؒ : والقعود الاول ولو فی النفل علی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ لانہٗ وان کان کل شفع صلوٰۃ علیحدۃ حتی افترضت القرأۃ فی جمیعہ لکن القعدۃ انما فرضت للخروج من الصلوٰۃ۔ فاذا قام الی الثالثۃ تبین ان ماقبلھا لم یکن اوان الخروج من الصلوٰۃ فلم تبق الفریضۃ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۵ واجبات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۷۲ باب فی عشر الصلوٰۃ السھو۔

صلّی علیك ساھیًا فاستحسنه منه۔ (البحرالرائق ج۲ ص۹۷ باب سجود السھو)[1]

چار رکعت نفل میں قعدۂ اولیٰ کے ترک پر نماز کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص چار رکعت نفل نماز میں قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کے بجائے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، چونکہ نفل میں ہر شفع مستقل نماز ہونے کی وجہ سے قعدۂ اولیٰ فرض ہے اس لیے اُس کی نماز درست نہیں ہونی چاہیئے؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرماکر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ جب تک مصلّی (نمازی) نے تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہو تو بعض کے نزدیک قعدۂ اُولیٰ کو لوٹ کر بیٹھے گا اور تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے پھر اٹھے گا، اور بعض فقہاء کے نزدیک فرائض کی طرح تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد واپس نہیں لوٹے گا بلکہ نماز جاری رکھ کر قعدہ اخیرہ میں ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو کر کے اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور یہی آخری رائے علامہ شامیؒ کی بھی ہے اور یہی سہل ہے۔

قال الحصکفیؒ: سھا عن القعود الاوّل الی ان قال اما النفل فیعود مالم یقید بالسجدة۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارة (قوله اما النفل فیعود الخ) جزم به فی المعراج والسراج وعلّله ابن وھبان بان کل شفع منه صلٰوة علی حدہ۔ لاسیما علی قول محمدؒ بان القعدة الاولی منه فرض فکانت کالاخیرة وفیھا یقعد وان قام وحکی فی المحیط فیه خلافًا۔ وکذا فی شرح التمرتاشی قیل یعود وقیل لا یعود۔ وقال بعد

---

[1] قال العلامة ابراھیم الحلبیؒ: فان زاد علی القدر التشھد۔ قال المشائخؒ: ان قال اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ ساھیًا یجب علیه سجدتا السھو عن ابی حنیفةؒ فیما رواہ الحسن عنه ان زاد حرفًا واحدًا فعلیه سجدتا السھو۔ قال المص واکثر المشائخ علی ھذا ای علی انه یلزمه السھو بزیادة حرف واحدًا۔ وفی الخلاصة والمختار انه یلزمه السھو ان قال اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ۔ قال البزازیؒ: لانه ادی سنة وکیدة فیلزم بتاخیر الرکن یجب سجود السھو۔

(کبیری ص۴۳۳ باب سجود السھو)

ومثله فی خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۱۷۴ باب فی عشر الصلوٰة السھو، جنس آخر فی المقدمة۔

سطر واحدۃ۔ لکن فی التتارخانیۃ عن العتابیۃ قیل فی التطوع یعود مالم یقیدہ بالسجدۃ والصحیح انہ لایعود۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۳ باب سجود السہو)

وایضاً قال الحصکفیؒ: ولو ترک القعود الاول فی النفل سہواً سجد ای للسہو ولم تفسد استحساناً لانہ کما شرع رکعتین شرع اربعاً ایضاً وقد منا انہ یعود مالم یقید الثالثۃ بسجدۃ۔ وقیل لا۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۸۸ باب سجود السہو)

قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر قیام میں جانے سے واپس لوٹنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: اگر امام عشاء کی نماز میں قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کی بجائے قیام میں چلا جائے، پیچھے سے مقتدی فتح دیں اور امام مکمل کھڑے ہونے کے باوجود فوراً بیٹھ جائے تو کیا اس سے نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حسب قواعد قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور قیام فرض ہے، اس لیے واجب کے رہ جانے سے امام کو واپس نہیں آنا چاہیے تھا لیکن جب یہ امام دوبارہ واپس قعدہ پر بیٹھ گیا تو مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن نماز میں نقصان ہوگا، البتہ سجدہ سہو ادا کرنے سے نماز پوری ہو جائے گی، اور اگر سجدہ سہو ادا نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وان سہا عن القعود الاول وھو الیہ اقرب عاد والا لا۔ وقال بعد عدۃ اسطر۔ وذکر فی المبسوط ان ظاھر الروایۃ اذا لم یستتم قائماً یعود واذا استتم قائماً لایعود لانہ جاء فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قام من الثانیۃ الی الثالثۃ قبل ان یقعد فسبحوا بہ فعاد وروی انہ لم یعد وکان بعد ما استتم قائماً وھذا لانہ لما استتم قائماً اشتغل بفرض القیام فلا یترک ام وصححہ الشارح۔ وفی فتح القدیر انہ ظاھر المذھب والتوفیق بین الفعلین المرویین بالحمل علی حالتی القرب من القیام وعدمہ لیس باولی منہ بالحمل علی الاستواء وعدمہ ثم لو عاد

لہ قال ابن نجیم المصریؒ: اما فی النفل اذا قام الی الثالثۃ من غیر قعدۃ فانہ یعود ولو استتم قائماً مالم یقیدھا بسجدۃ کذا فی السراج الوھاج۔ وحکی فیہ خلافاً فی المحیط۔ قیل لایعود لانہ صار کالفرض۔ وقیل یعودھا لم یقیدھا بالسجدۃ۔ لان کل شفع صلوۃ علی حدہ فی حق القرأۃ فامرناہ بالعود الی القعدۃ احتیاطاً۔ ومتی عاد تبین ان القعدۃ وقعت فرضاً فیکون رفض الفرض لمکان فیجوز۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السہو)

فی موضع وجوب عدمه اختلفوا فی فساد صلوٰته فصحح الشارح الفساد لتکامل الجنایة برفض الفرض بعد الشروع فیه لاجل مالیس بفرض وفی المبتغیٰ بالغین المعجمة انه غلط لانه لیس بترك وانما هو تأخیر کما لو سهاً عن السورة فرکع فانه یرفض الرکوع ویعود الی القیام ویقرأ لاجل الواجب الخ ان قال لاتفسد علی الاصح۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السهو)[1]

عشاء کی آخری رکعات میں جہر موجب سجدہ سہو ہے

سوال: عشاء کی نماز میں فرضوں کی آخری دونوں رکعات میں جہراً قرأت کرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا اس میں نسیان اور عمد برابر ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب: عشاء کے فرضوں کی آخری دو رکعات میں اخفاء واجب ہے لہٰذا جہراً قرأت پڑھنے سے ترکِ واجب لازم آنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اور عمداً قرأت بالجہر پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو سے کفایت نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں اعادہ واجب ہوگا کیونکہ سہو سے جبیرہ نسیان کا ہوتا ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو جهر فیما یخافت فیه وهو امام علیه السهو قل ذلك اوکثر۔ وکذا اذا خافت فیما یجهر فیه قل ذلك اوکثر علیه السهو ان فعل ساهیًا فی ظاهر الروایة۔ وعلیه اعتماد شمس الائمة الحلوانیؒ لا علی روایة النوادر۔ ولا سهو علی المنفرد فی شیء من ذلك ولو جهر فی الاخرین لزمه السهو۔

(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۷۵ جنس فی القرأة والاذکار)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ، وقد نقل المقدسی عن شرحی القدوری للمذکورین بعد نقله تصحیح الصحة عن المعراج والدرایة۔ مانصه۔ ان عاد للقعود یکون مسیئًا ولا تفسد صلوٰته ویسجد لتاخیر الواجب۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السهو)

[2] قال الحصکفیؒ: والجهر فیما یخافت فیه للامام (وعکسه) لکل مصل فی الاصح۔ والاصح تقدیره (بقدر) ما تجوز به الصلوٰة فی الفصلین۔ وقیل قائله قاضی خانؒ۔ یجب السهو بهما ای بالجهر والمخافتة مطلقًا ای قل اوکثر وهو ظاهر الروایة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۰ باب سجود السهو)

تکرار دعاء قنوت سے سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ دعاء قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعاء قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے رُکن کی تاخیر لازم آتی ہے جو ترکِ واجب کے مترادف ہے۔

وفی الهندية: ولا يجب السجود الا بترك واجب او تاخيره او تاخير ركن او تقديمه او تكراره او تغيير واجب۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۲۶ باب سجود السهو)[له]

دُعاء قنوت سہواً ترک ہونے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر وتر میں دعاء قنوت بھول جائے تو سلام پھیرنے کے بعد یاد آجانے کی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر وتر کی نماز میں دعاء قنوت بھول جائے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آنے سے فوراً بعد سجدہ سہو کرے تو نماز مکمل ہوجائے گی، بشرطیکہ سلام کے بعد کوئی ایسا کام نہیں کیا ہو جو نماز کے منافی ہو ورنہ اعادہ واجب ہے، اسی طرح عمداً قنوت چھوڑنے کی صورت میں بھی اعادہ ضروری ہے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو سلّم وعليه السجدة الصلوتية او التلاوة او السهو۔ ان سلّم وهو غير ذاكر للكل او ذاكر للسهو لا يكون قطعاً۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۸۱ سجود السهو)

وايضاً ذكر:۔ وان سلّم وهو لا يريد ان يسجد لسهوه لم يكن تسليمه ذلك قطعاً حتى لو بدا له ان يسجد وهو في مجلسه ذلك قبل ان يقوم وقبل ان يتكلم فانه يسجد سجدتي السهو فان تكلّم او خرج من المسجد لا تاتي بهما ويسجد لسهوه بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام لا يجب عليه

[له] قال ابن نجيم المصريؒ: وفی فتح القدير ولو قرأ القنوت في الثالثة ونسى قرأة الفاتحة او السورة او كليهما فتذكر بعد ما ركع قام ولو قرأ او اعاد القنوت والركوع لانه رجع الى محله قبله ويسجد للسهو۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۹۶ باب سجود السهو)

ومثله في فتح القدير ج ۱ ص ۴۳۹ باب سجود السهو۔

اعادتهما بعد السلام ثم يتشهد ثانياً بعد السجدتين ويقرأ التشهد ـ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۲۳ سجود السهو)[1]

قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت ملانے سے نماز کی فرضیت نفل میں بدل جاتی ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے چار رکعت فرض کی نیت باندھ لی، قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملا کر پڑھ لیں، شرعاً اس نماز کی حیثیت کیا ہے؟ اور سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں جب مصلّی نے قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملائیں تو یہ چھ رکعات تمام کے تمام نفل ہوئے اور سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، فرض نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال الشیخ ابراهیم الحلبیؒ: وان سها عن القعدة الاخيرة فی ذوات الاربع وقام الی الخامسة الی ان قال وان قيد الركعة الخامسة بالسجدة بطل فرضه تحولت صلوته نفلاً عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔ وبطلت اصلاً عند محمدؒ۔ وعليه ان يضم اليها (ای الی الخامسة) ركعة سادسة عندهما خلافاً لمحمدؒ۔ قوله ويسجد للسهو۔ هو قول بعض المشائخ وفی النهاية والاصح انه لا يسجد وكذا قال ابن الهمام الصحيح انه لا يسجد لان النقصان بالفساد لا ينجبر بالسجود الخ۔ (کبیری ص ۴۶۲ باب سجود السهو)[2]

قعدہ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت رہ جانے کا ظن غالب یا شک

سوال: اگر کسی شخص کو

---

[1] قال قاضی خانؒ: ولو ترك القنوت فذكر فی القعدة او بعد ما قام من الركوع لا يقنت وعليه السهو۔ (الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندية ج ۱ ص ۱۲۱ باب سجود السهو)

[2] وفی الهندية: وان لم يقعد علی رأس الرابعة حتی قام الی الخامسة الی ان قال۔ وان قيد الخامسة بالسجدة فسد فرضه عندنا كذا فی المحيط وتحولت صلوته نفلاً عند ابی حنیفةؒ وابی یوسف رحمهما الله تعالی۔ ويضم اليها ركعة سادسة ولو لم يضم فلا شئ عليه كذا فی الهداية۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۱۲۹ باب سجود السهو)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰۴ باب سجود السهو۔

قعدہ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت چھوٹ جانے کا ظن غالب آئے اور وہ اس ظن غالب کی وجہ سے بنا کر کے ایک اور رکعت پڑھنے کے لیے اٹھ جائے اور اسی زائد رکعت کو پڑھتے ہوئے قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ سب رکعتیں پوری پڑھی جا چکی ہیں تو شرعاً اس شخص کو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ظن غالب پر قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے یا سلام کے متصلاً بعد کھڑا ہو جائے کہ اس کے ذمے کوئی رکعت باقی ہے اور پھر اس کو قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ اس نے نماز مکمل پڑھی ہے تو یہ شخص فوراً بیٹھ کر سلام پھیرے اور کھڑے ہوئے سلام پھیرا تو بھی جائز ہے مگر خلافِ سنت ہے ۔

لما قال العلامة حماد بن حسن الشرنبلالیؒ : وان قعد الجلوس الاخیر قدر التشهد ثم قام ولو عمداً وقرأ وركع عاد للجلوس لان مادون الركعة بمحل الرفض وسلّم فلو سلّم قائماً صح وترك السنة لان السنة للتسليم جالساً من غير اعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۸۳ باب سجود السہو)[1]

قعدہ اخیرہ کے بعد رکعت خامسہ پہ سجدہ کرنے یا نہ کرنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر امام قعدۂ اخیرہ کر کے کھڑے ہونے کی صورت میں پانچویں رکعت پڑھے اور اسی پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کرلے تو کیا امام اور مسبوق کی نماز درست ہوگی ؟

الجواب:۔ قعدہ اخیرہ کرنے سے اس کی نماز پوری ہوگئی، رکعتِ خامسہ کرنے سے سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو سے کفایت ہو سکتی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو کرنے کے بعد امام اور مقتدیوں کی نماز درست رہے گی، لیکن مسبوق کے لیے ضروری ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد امام

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ : وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم ولو سلّم قائماً صح ۔ قال العلامہ ابن عابدینؒ قوله عاد وسلّم ای عاد للجلوس لما مر ان ما دون الركعة محل الرفض وفيه اشارة الى انه لا يعيد التشهد وبه صرح فی البحر قال فی الامداد والعود للتسليم جالساً سنة لان السنة التسليم جالساً الخ ۔

(رد المحتار ج۲ ص۸۹ باب سجود السہو)

سے الگ ہوکر اپنی نماز پوری کرے، اگر مسبوق رکعتِ خامسہ میں امام کی اقتدا کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور عدمِ موافقت کی صورت میں مسبوق پر سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام پر سجدۂ سہو اُس وقت لازم ہوا جبکہ مسبوق منفرد ہو چکا تھا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (وان قعد فی الرابعة) الخ (ثم قام عاد وسلّم) ولو سلّم قائماً صح ثم الاصح ان القوم ینتظرونہ فان عاد اتبعوہ (وان سجد للخامسة سلّموا) لانہ تمّ فرضہ اذ لم یبق علیہ الّا السلام الخ۔ الی ان قال وسجد للسہو فی الصورتین (یعنی لم یسجد للخامسة او سجد) لنقصان فرضہ بتاخیر السلام فی الاولیٰ وترکہ فی الثانیة (یعنی بعد السجدة للخامسة)

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار بتغییر عبارةٍ قلیلٍ وکثیر ج ۱ ص ۵۵۳ باب سجود السہو)

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو قام امامہ لخامسة فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة۔ قال العلامة محمد امین قولہ تفسد ای صلوٰة المسبوق لانہ اقتدا فی موضع الانفراد وکان اقتداء المسبوق بغیرہ مفسد کما مر قولہ والا ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوٰتہ لان ما قام الیہ الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوٰة الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ باب اللاحق والمسبوق)

لہ قال ابن نجیم المصریؒ: (وان قعد فی الرابعة ثم قام عاد وسلّم) الخ وقال بعد سطر واحد ثم قیل القوم یتبعونہ فان عاد عادوا معہ وان مضی فی النافلة اتبعوہ لان صلوٰتہم تمت بالقعدة۔ والصحیح انہم لا یتبعونہ لانہ لا اتباع فی البدعة۔ فان عاد قبل تقیید الخامسة بالسجدة اتبعوہ بالسلام فان قید سلّموا فی الحال (وان سجد للخامسة تم فرضہ وضم الیہا سادسة) ای لم تفسد فرضہ بسجودہ کما فسد فیما اذا لم یقعد ہٰذا ہو المراد بالتمام والا فصلاتہ ناقصة کما سیاتی۔ وانما لم یفسد لان الباقی اصابة لفظ السلام وہی واجبة۔ وانما یضم الیہا اخری لتصیر الرکعتان لہ نفلاً للنہی عن الرکعة الواحدة۔ فاذا ضم فانہ یتشہد ویسلّم ثم یسجد للسہو کما سیاتی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰۳ باب سجود السہو)

وایضاً قال ابن نجیم المصریؒ: ولو قام الامام الی الخامسة فی صلوٰة الظہر فتابعہ المسبوق ان قعد الامام علی رأس الرابعة تفسد صلوٰة المسبوق وان لم یقعد لم تفسد حتی یقید الخامسة السجدة۔ فاذا قیدہا بالسجدة فسد صلوٰة الکل۔ لان الامام اذا قعد علی الرابعة تمت صلوٰتہ فی حق المسبوق فلا یجوز للمسبوق متابعتہ۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۸ باب الحدث فی الصلوٰة)

ومثلہ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲ الفصل فی سجود السہو

فرائض اور نوافل میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال:۔ نفل نماز کے اندر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سجدۂ سہو درحقیقت نماز میں کسی واجب کے ترک پر جو قصور رہ گئی ہو اس کا جبیرہ ہوتا ہے، اور ترک واجب صرف فرض سے خاص نہیں بلکہ نفل نماز میں بھی ہو سکتا ہے، اس لیے سجدۂ سہو کا حکم فرض اور نفل نماز میں یکساں ہے۔

وفی الهندية: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواء کذا فی المحیط۔[1]

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السهو)

نماز کے آخر میں سلام کا حکم

سوال:۔ ایک مصلی (نمازی) نے ایک طرف سلام پھیرا اور دوسری طرف سلام نہیں پھیرا بلکہ ویسے ہی اٹھ کھڑا ہوا، یا اگر دونوں طرف سلام نہ پھیریں تو ایسے نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے یا یہ کافی ہے؟

الجواب:۔ ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، کیونکہ جب پہلا سلام پھیر دیا تو نماز پوری ہو گئی، ہاں دوسری طرف سلام پھیرنا بھی واجب ہے۔ لہٰذا سینہ پھیرنے اور بات کرنے سے قبل یاد آنے پر دوسری طرف بھی سلام پھیر دے، اور اگر دونوں طرف سلام نہیں پھیرا، تو نماز سے منافی کام کرنے سے قبل یاد آنے کی صورت میں فوراً بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے تو نماز درست تصور ہوگی، ورنہ ترک واجب سے مکروہ تحریمی ہو کر نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ دونوں طرف قصداً سلام چھوڑنے پر سجدۂ سہو کرنے سے نماز پوری نہیں ہوگی بلکہ اعادہ واجب رہے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح برهان دون علیکم وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشهور

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: فان سجود السهو فی مطلق الصلوٰة۔ ولا یختص بالفرائض۔

(البحر الرائق جلد ۲ ص۹۱ باب سجود السهو)

عندنا وعليه الشافعي خلافاً للتكملة ۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص ۶۸۲) [۱]

سجدہ سہو کے سلام میں امام کی متابعت نہ کرنے سے نماز کا حکم

سوال:- اگر مدرک نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کا سلام پھیرنے کے وقت قصداً سلام نہیں پھیرا، صرف سجدۂ سہو میں شریک ہوا، تو کیا ترکِ واجب کی وجہ سے وہ اپنی نماز کو لوٹائے؟ اور اگر سہواً سلام نہیں پھیرا ہو تو مقتدی پر الگ سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اس لیے نماز ہو جائے گی، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:- سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے قبل ہو یا بعد میں ہر دو صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ روایات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریع عامہ کے لیے فرمایا ہے: لکلّ سهو سجدتان بعد السلام۔ اسلئے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا افضل ہے اور سلام پھیرنے سے قبل خواہ قصداً ہو یا سہواً، ہر دو صورتوں میں جائز ہے۔

قال ابن نجيم المصريؒ: وهذا الخلاف في الاولوية حتى لو سجد قبل السلام لا يعيده لانه لو اعاد يتكرر وانه خلاف الاجماع۔ الخ۔ وذلك كان مجتهداً فيه۔ وروى عن اصحابنا انه لا يجزئه يعيده كذا في المحيط وفي غاية البيان ان الجواز ظاهر الرواية وفي التجنيس لو كان الامام يرى السجدتي السهو قبل السلام والمأموم بعد السلام قال بعضهم يتابع الامام

---

[۱] قال ابن نجيم المصريؒ: انما من لفظ السلام ولا يتصور ايجاب السجود بتركه لانه بعد القعود الاخير اذا لم يأت بمنافٍ فانه يسلّم وان اتى بمنافٍ فلا سجود ولهذا قال في التجنيس والسهو عن السلام يوجب سجود السهو۔ والسهو عنه ان يطيل القعدة ويقع عنده انه خرج من الصلوة ثمّ يعلم ذلك فيسلّم ويسجد لانه اخر واجباً او ركناً على اختلاف الاصلين اھ۔ وانما يتصور ايجابه بتاخيره كما قدمناه وذكرنا في باب صفة الصلوة۔ ان الواجب منه التسليمة الاولى وهي السلام دون عليكم ورحمة الله۔ وفي البدائع انه لو سلّم عن يساره اولاً لاسهو عليه لانه ترك السنة۔ وفي الظهيرية واذا سلم الرجل عن يمينه وسها عن التسليمة الاخرى فما دام في المسجد يأتي بالاخرى وان استدبر القبلة وعامة المشائخ على انه لا يأتي متى استدبر القبلة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۹۵ باب سجود السهو)

لان حرمة الصلوٰة باقية فيترك رأيه برأى الامام تحقيقاً للمتابعة۔ وقال بعضهم لايتابع ولو تابعه لا اعادة عليه اھ وكان القول الاول مبنى على ظاهر الرواية والثانى على غيرها كما لايخفٰى۔ وذكر الفقيه ابو الليث فى الخزانة انه قبل السلام مكروه۔ والظاهر انها كراهة تنزيه الخ۔ (البحر الرائق باب سجود السهو ج ۱ ص۹۲) ؎۱

فاسد نماز واجب الاعادہ ہے

سوال:۔ اگر کسی نمازی سے ترک واجب کی صورت میں سجدہ سہو رہ جائے اور سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدہ سہو کا موقع نہ ملے تو اس کی نماز کا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ترکِ واجب کی صورت میں نماز کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے، مکمل فراغتِ ذمہ کے لیے دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

قال علاؤ الدين الحصكفىؒ: (لها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً فى العمد والسهو ان لم يسجد له۔

قال ابن عابدينؒ تحت هٰذه العبارة۔ وهل تجب بترك سجود السهو لعذر كما نسيه او طلعت الشمس فى الفجر لم اره تدبر لجح والذى يظهر الوجوب كما هو مقتضى اطلاق الشارح۔ لان النقصان لا ينجبر بجابر وان لم يأثم بتركه فليتأمل۔

(رد المحتار ج ۱ ص۴۵۶ مطلب واجبات الصلوٰة) ؎۲

امام کے سجدہ سہو سے فراغت کے بعد مسبوق کے لیے سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ اگر مسبوق امام کے ساتھ ایسی حالت میں آملے کہ امام سجدہ کر چکا ہو تو کیا مقتدی مسبوق سجدہ سہو کرے گا

؎۱ قال طاهر بن عبد الرشيد البخارىؒ: ولو سجد قبل السلام لا يجب عليه اعادتهما۔

(خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص۱۷۳ باب سجود السهو)

؎۲ لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوى: قوله واعادتهما بتركه عمداً اى ما دام الوقت باقيا وكذا فى السهو ان لم يسجد له وان لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم۔ (الطحطاوى حاشية مراقى الفلاح ص۱۳۳ باب واجبات الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى امداد الاحكام ج ۱ ص۲۸۱ كتاب الصلوٰة۔

یا نہیں ؟

الجواب:۔ اس صورت مقتدی مسبوق پر سجدہ سہو ادا کرنا واجب نہیں، بلکہ اگر یہ مسبوق دوسرے سجدہ میں شامل ہوا ہو تب بھی اس پر پہلے سجدہ کی قضاء واجب نہیں۔

وفی الهندیة: ولو دخل معه (ای مع الامام) بعد ما سجد سجدتی السهو یتابعه فی الثانیة ولا یقضی الاول وان دخل معه بعد ما سجدهما لا یقضیهما کذا فی التبیین۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۸ باب سجود السهو) [1]

عیدین وجمعہ کی نماز میں کثرت جماعت کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنے کا حکم

سوال:۔ عیدین کی نماز میں تکبیرات رہ جانے پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود چھوڑنے کی صورت میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور واجب کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن عیدین کی نماز میں ازدحام اور افراتفری کی وجہ سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کیا جائے تاکہ لوگوں میں فتنہ وفساد برپا نہ ہو، تاہم اگر سجدہ سہو ادا کیا گیا تو لوگوں کے اٹھ جانے سے ان کی نماز میں فساد لازم نہیں آتا کیونکہ سجدہ سہو کے بعد اگر کوئی شخص اٹھ کر چلا جائے تو اس کی نماز پوری شمار کی جائے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد قعدہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اس لیے سجدۂ سہو کے بعد بغیر قعدہ کے چلے جانے سے نماز مع الکراہت ادا ہوگی اور کل صلوٰۃ ادیت مع کراھة التحریم یجب اعادتها کا قاعدہ اس پر جاری ہوگا، اور اگر مجمع کثیر نہ ہو تو سجدۂ سہو کیا جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: والسهو فی صلوٰۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواءٌ۔ والمختار عند المتاخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر واقره المصنف وبه جزم

---

[1] قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامه مطلقاً سواءٌ کان السهو قبل الاقتداء او بعده۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله سواءٌ کان السهو الخ) بیان للاطلاق وشمل ایضاً ما اذا سجد الامام واحدة ثم اقتدی به قال فی البحر فانه یتابعه فی الاخری ولا یقضی قضاء الاولی کما لا یقضیهما لو اقتدی به بعد ما سجدهما۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۲ باب سجود السهو)

فی الدر، اھ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ (قولہ عدمہ فی الاولیین) الظاہر ان الجمع الکثیر فیما سواھما کذلک کما بحثہ بعضھم وکذا بحثہ الرحمتی۔ وقال خصوصاً فی زماننا وفی جمعۃ حاشیۃ ابی السعود عن العزمیۃ ان لیس المراد عدم جوازہ بل الاولیٰ ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ اھ قولہ وبہ جزم فی الدرر لکنہ قیدہ محشیھا الوانی بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی الترک۔ (ردّ المحتار ج۱ ص۵۵۶ باب سجود السہو)[1]

نماز میں زیادہ دیر خاموش رہنے کا حکم

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کے وتر باجماعت پڑھا رہے تھے جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو چند لمحے خاموش رہے پھر قرأت شروع کی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا، کیا امام مذکور کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں اتنی دیر بلا عذر خاموش رہنا کہ اس میں تین بار سُبحَانَ اللہ پڑھا جا سکتا ہو موجب سجدہ سہو ہے اسلئے صورت مذکورہ میں امام صاحب کا سجدۂ سہو کرنا درست اقدام ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: واعلم انہ اذا شغلہ ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشک بقراءۃ ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرۃ وجب علیہ سجود السہو۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۵۸ باب سجود السہو)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: قال فی الفتاوٰی القعدۃ بعد سجدتی السہو لیست برکن وانما اُمر بھا بعد سجدتی السہو لیقع ختم الصلوٰۃ بھا حتّٰی لو ترکھا فقام وذھب لا تفسد صلاتہ کذا قالہ الحلوانی کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۶ باب سجود السہو)

وفی الھندیۃ: السہو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۸ باب سجود السہو)

[2] وفی الھندیۃ: واذا شک فی صلوٰتہ فلم یدر اثلاثاً صلی ام اربعاً وتفکر فی ذلک کثیراً ثم استیقن انہ صلی ثلاث رکعات فان لم یکن تفکر شغلہ عن اداء رکن بان یصلی ویتفکر فلیس علیہ سجود السہو وان طال تفکرہ حتّٰی شغلہ عن رکعۃ او سجدۃ او یکون فی رکوع او سجود فیطول تفکرہ فی ذلک وتغیر حالہ بالتفکر فعلیہ سجود السہو استحساناً۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۳۱ باب سجود السہو)

باب صلوٰۃ المریض

(بیمار کی نماز کے احکام و مسائل)

بیماری کی حالت میں فوت ہوجانے والی نمازوں کی قضاء کا حکم

سوال:- ایک شخص شدید بیمار رہے اور کسی بھی صورت میں نماز پڑھنے پر قادر نہیں جس کی وجہ سے اس کی چند نمازیں فوت ہو گئیں، جبکہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا، اب اس کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر کسی بیمار سے شرعی عذر کی وجہ سے کچھ نمازیں فوت ہوجائیں تو صحتیابی کے بعد ان کی قضاء لازمی ہے، تاہم اگر اسی بیماری میں مریض کا انتقال ہوجائے تو شرعاً اس سے قضاء شدہ نمازیں ساقط ہوجائیں گی اور فدیہ وغیرہ دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فلومات ولم یقدر علی الصلوٰۃ لم یلزمہ القضاء حتی لایلزمہ الایصاء بہا کالمسافر اذا افطر ومات قبل الاقامۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۹ باب صلوٰۃ المریض) [۱]

مریض کو نماز کے لیے اٹھانا سنّت ہے

سوال:- اگر ایک شخص دل و دماغ کا مریض ہو اور اسی تکلیف کی وجہ سے ساری رات بے خوابی میں رہ کر صبح کے قریب سو جائے، تو ایسے بیمار کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص اُسے نماز کے لیے اٹھائے تو شرعاً یہ کیسا ہے؟

الجواب:- اگر یہ مریض نماز پر قدرت رکھتا ہو، خواہ اشارہ سے کیوں نہ ہو، تو اس مریض کو نماز کے لیے اٹھانا بہتر بلکہ نیکی کے کام میں امداد اور عبادت ہے۔

لقولہ تعالیٰ: تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ (سورۃ المائدہ پ۶، رکوع ۱ آیت ۲)

وبحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ عن ابیہ خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوٰۃ الصبح فکان لایمر برجل الا ناداہ بالصلوٰۃ

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: حتی لومات المریض ایضاً من ذلک الوجہ ولم یقدر علی الصلوٰۃ لایجب علیہ القضاء حتی لایلزمہ الایصاء قصارکالمسافر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۱۵ باب صلوٰۃ المریض)

اوحرکه برجله۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۷۹ باب الاضطجاع بعدها) ؎۱

نماز کے قیام کے سقوط میں ڈاکٹر کے مشورہ کی حیثیت

سوال:۔ ایک مریض کو ڈاکٹر کہتا ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیا کریں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے تمہاری بیماری بڑھ جائے گی، لیکن وہ ڈاکٹر کا کہنا نہیں مانتا اور کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھتا ہے، لہٰذا اس شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قیام فرض ہے، اگر مریض کو قیام پر قدرت حاصل ہو اور مرض کی زیادتی کا اندیشہ نہ ہو، کھڑے ہونے سے کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی ہو تو بلا عذر قیام ترک کرنا جائز نہیں، البتہ معذور شخص کو قیام ترک کرنا مرخص ہے۔ عذر کے تحقق کا دارومدار نفس الامر میں موجود ہونے پر ہے، اگر بیمار کو خود یہ احساس ہو کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے بیماری بڑھ جاتی ہے، علاوہ ازیں ڈاکٹر اگر متعلقہ بیماری میں ماہر ہو اور مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کی حقیقت کا بھی قائل ہو تو ایسے ڈاکٹر کے مشورہ پر مریض عمل کرسکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ: قوله اذا عجز المريض عن القيام صلّى قاعداً يركع ويسجد) المراد اعم من العجز الحقيقي حتى لو قدر على القيام لكن يخاف بسببه ابطاء برئ اوكان يجد الماً شديداً اذا قام جازله تركه۔ (فتح القدير ج ۱ ص۴۵۷ باب صلوٰة المريض)

قال ايضاً: ثم معرفته (اى ازدياد المرض) ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن امارة او تجربة او باخبار طبيب مسلم

؎۱ اخرج الامام ولى الدين ابو عبدالله بن محمد بن عبدالله الخطيب: عن ابى بكرة قال خرجت مع النبىؐ لصلوٰة الصبح فكان لايمر برجل الا ناداه بالصلوٰة اوحركه برجله۔

قال الملا على قاريؒ فى شرح الحديث: فيه حث على ايقاظ النائم ونحوه للصلوٰة ويؤخذ من تحريكه برجله جواز ذلك من غير كراهة۔

(المرقاة شرح مشكوٰة المصابيح ج ۲ ص۱۵۷ باب الاذان الفصل الثالث)

غیرظاهرالفسق۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۲ فصل ومن کان مریضاً فی رمضان الخ) [1]

رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ رکھنے والے کیلئے قیام کا حکم

سوال:۔ ایک مریض نے آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے، ڈاکٹر نے اُسے رکوع اور سجدہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن قیام پر وہ خوب قادر ہے۔ تو کیا اس صورت میں اسکی نماز بیٹھ کر قیام کے بغیر درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص سجدہ پر قادر نہیں تو اس سے قیام ساقط ہے تاوقتیکہ صحتیاب ہوجائے لہٰذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارے سے پڑھے کیونکہ کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر اشارہ کرنا زمین کے نزدیک ہے، اشارہ کرتے وقت سجدہ کیلئے رکوع کی بہ نسبت ذرا نیچے ہوکر اشارہ کرے۔

قال الحصکفیؒ: او صلّٰی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام قام وان تعذرا (ای الرکوع والسجود) لیس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود کاف (لاالقیام اومأ قاعداً) وهو افضل من الایماء قائماً لقربه من الارض۔ ویجعل سجوده اخفض من رکوعه لزوماً ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه فانه یکره تحریماً۔ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۹۷،۹۹ باب صلوٰة المریض) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: من تعذر علیه القیام لمرض قبلها او فیها (ای الفریضة) بان خاف زیادته او بطء برئه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه ألماً شدیداً صلّٰی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام ولو متکئاً علی عصا او حائط قام۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۹۵،۹۶ باب صلوٰة المریض)

وایضاً قال: او مریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بامارة او تجربة او باخبار طبیب حاذق مسلم مستور۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۴۲۲ فصل فی العوارض المبیحة للصوم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۳۶، ج۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار، صلوٰة المریض۔

[2] قال عبدالله النسفیؒ: او خاف زیادة المرض صلّٰی قاعداً یرکع ویسجد ومومیاً ان تعذر وجعل سجوده اخفض ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه۔ فان فعل وهو یخفض رأسه صح والا لا۔ وان تعذر الرکوع والسجود لا القیام اومأ قاعداً۔

(کنزالدقائق علی هامش البحرالرائق ج۲ ص۱۱۲،۱۱۳ باب صلوٰة المریض)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۱ ص۴۵۵ باب صلوٰة المریض۔

معذور کی نماز کا طریقہ

سوال:۔ ایک شخص کسی شدید حادثہ کا شکار ہوا ہے اب اس کی حالت یہ ہے کہ ناف کے نیچے بالکل بے حس ہو چکا ہے، حادثے کے بعد سے اس کا پیشاب پائپ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے، پیشاب کی نالی کے ساتھ دن رات پائپ لگا رہتا ہے جس کے ذریعے قطرہ قطرہ پیشاب رس رس کر بوتل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ قیام اور رکوع اور سجدہ پر بھی قادر نہیں، اس کے علاوہ خود وضوء کرنے سے قاصر ہو کر کسی دوسرے سے استنجاء اور وضو کرانا بھی مشکل ہے، تو ایسے شخص کے لیے تیمم اور وضو کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسے معذور شخص کا یہ عذر جب تک موجود ہو تو ایسی صورت میں یہ بغیر وضو کے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر تیمم کی قدرت بھی نہ ہو تو بغیر طہارت نماز ادا کرے گا اور اعادہ بھی واجب نہیں۔

قال الحصکفیؒ، (والمحصور فاقد) ای الماء والتراب الخ وکذا العاجز عنهما المرض (یؤخرها عنده وقالا یتشبه) بالمصلین وجوباً الخ وبه یفتی والیه صح رجوعه) ای الامام کما فی الفیض وفیه ایضاً (مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجهه جراحة یصلی بغیر طهارة ولا تیمم (ولا یعید علی الاصح)۔ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۱ ص۱۸۵ باب التیمم)

اور جب قیام، رکوع اور سجدہ پر بھی قادر نہ ہو تو یہ شخص اشارہ سے نماز ادا کرے گا۔ اشارہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ چارپائی پر لیٹ کر پاؤں قبلہ کی جانب کرے، پیچھے سے کوئی شخص بیٹھے یا پیٹ کے نیچے سرہانہ یا کوئی دوسری چیز رکھے تاکہ سر ذرا اونچا ہو کر اشارہ کر سکے۔ اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر جیسے بھی اشارہ ممکن ہو وہ کیفیت اختیار کر کے نماز پڑھے۔

قال الحصکفیؒ: (من تعذر علیه القیام) ای کله (لمرض) حقیقی وحده ان یلحقه بالقیام ضرر به یفتی۔ قبلها (وفیها) ای الفریضة (أو) حکمی بأن زخاف زیادته او بطء برئه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه ألماً شدیداً او کان لو صلی قائماً سلس بوله الخ (صلی قاعداً) ولو مستنداً الی وسادة او انسان فانه یلزمه ذلک علی المختار کیف شاء علی المذهب لأن المرض أسقط عنه الارکان فالهیئات اولی الخ۔ وایضاً قال (وان تعذر القعود) ولو حکماً (أومأ مستلقیاً علی ظهره (ورجلاه نحو القبلة) غیر انه ینصب رکبتیه لکراهة مد الرجل الی القبلة ویرفع رأسه یسیراً لیصیر وجهه الیها الخ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۹۷، ۹۸، ۹۹ باب صلوٰة المریض)[1]

---

[1] ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحرالرائق ج ۲ ص ۱۱۲ ۔ ۱۱۳ باب صلوٰة المریض۔

باب سجدة التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے احکام و مسائل)

سجدۂ تلاوت کے وجوب کیلئے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے

سوال: اگر سجدہ کی پوری آیت تلاوت نہ کی جائے بلکہ نصف یا اس سے زائد حصہ تلاوت کی جائے تو اس صورت میں سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے، اگر نصف یا اس سے زائد حصہ کی تلاوت کی ہو اور جس کلمہ میں حروفِ سجدہ واقع ہوئے ہوں اس کی تلاوت نہ ہوسکے تو سجدہ واجب نہیں رہے گا، البتہ ایسا کرنا صحیح نہیں کہ سجدہ کی جگہ پر پہنچکر اس کو چھوڑ دے۔

قال علامه ابن العابدینؒ: (تحت قوله یجب بسبب التلاوة آیة ای اکثرها مع حرف السّورة) والصحیح انهٗ اذا قرأ حرف السجدة وقبله کلمة اوبعده کلمة وجب. الخ

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۳ باب سجود التلاوة) [1]

سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے

سوال: قرآن مجید کو بن دیکھے تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، اس لیے بلا وضو تلاوت کرتے ہوئے اگر کہیں آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے تو سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تلاوتِ قرآن کے لیے اگرچہ طہارت (وضو) شرط نہیں لیکن سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط ہے، اور چونکہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں اس لیے بغیر وضو کے جو آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ ادا کیا جائے گا، بغیر وضو کے اگر سجدہ کیا گیا تو از روئے شرع اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما شرائط الجواز فکل ما هو شرط جواز الصلوٰة من

---

[1] لما فی الهندیة: ولو قرأ آیة السجدة الا الحرف الذی فی آخرها لا یسجد. الخ

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة)

طهارت الحدث وھی الوضوء والغسل وطهارت النجس وھی طهارت البدن ۔ الخ
(بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۶ فصل اما شرائط الجواز) ؎۱

آیتِ سجدہ پڑھنے اور سُننے سے سجدہ کا وجوب

سوال:۔ آیتِ سجدہ پڑھنے یا سُننے سے سجدہ کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟ بسا اوقات سُننے والے کا ارادہ نہیں ہوتا، کیا ارادہ نہ ہونے کے باوجود سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک آیتِ سجدہ پڑھنے یا سُننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے اس میں سننے یا پڑھنے والے کے قصد وارادہ کا کوئی دخل نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: اذا قرأ ابن آدم السجدۃ اعتزل الشیطٰن یبکی ویقول یاویلہ امر ابن آدم ۔ الخ (الصحیح المسلم ج ۱ ص۶۱ باب بیان اطلاق اسم الکفر الخ)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی طور پر بھی آیتِ سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا ثابت ہے، جبکہ اکثر روایات میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے جس سے خلاصی سجدہ کے بغیر ممکن نہیں۔ ؎۲

آیتِ سجدہ سُننے سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے

سوال:۔ کیا سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ پڑھنے کے علاوہ سُننے سے بھی واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز کیا سننے میں قصد وارادہ کا کوئی دخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت کے وجوبِ ادا کے لیے آیتِ سجدہ پڑھنے کے علاوہ سُننا بھی ایک سبب ہے، لہٰذا جب بھی آیتِ سجدہ سُنی جائے تو اس سے سجدہ واجب ہوجائے گا، تاہم اگر اس وقت

؎۱ وقال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویشترط لاداء السجدۃ مایشترط لاداء الصلوٰۃ من طهارۃ الثوب والبدن والمکان ۔ الخ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۱۸۹ باب سجود التلاوۃ)
ومثلہٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص۱۳۵ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ ۔

؎۲ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: قولہ فکان فی الحدیث دلیل علیٰ کون ابن آدم مامور بالسجود ومطلق الامر للوجوب الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۰ فصل اما سجود التلاوۃ)
ومثلہٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ ۔

سجدہ کرنے کی فرصت نہ ہو تو بعد میں ادا کیا جائے۔

قال برهان الدين المرغيناني ؒ: والسجدة واجبة في هذه المواضع على التال والسامع سواء قصد سماع القرآن او لم يقصد الخ (الهداية ج ۱ ص۱۴۳ باب سجود التلاوة) [۱]

ٹی وی، ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت کا عدم وجوب

سوال:۔ ٹیپ ریکارڈ ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعہ اگر آیتِ سجدہ سنی جائے تو کیا اس کے سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بسا اوقات کسی قاری کی آواز براہِ راست بھی سنی جاتی ہے، کیا ریکارڈنگ اور براہِ راست دونوں کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب:۔ ریڈیو، ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ریکارڈ شدہ تلاوت جب سنی جائے تو آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اگرچہ بعض کے نزدیک براہِ راست سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

قال علاؤ الدين الحصكفي ؒ: لا تجب بسماعه من الصدى والطير ومن كل قال حرفاً ولا بالتهجي۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوة) [۲]

اوقاتِ مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر اوقاتِ مکروہہ میں تلاوت کرتے ہوئے کہیں سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو کیا اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ خارج از صلوٰۃ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں، یہ جس وقت بھی ادا کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، پھر بھی مکروہ اور غیر مکروہ وقت کی رعایت ضروری

---

[۱] وقال علاؤ الدين الكاساني ؒ: واما سبب وجوب السجدة فسبب وجوبها احد شيئين التلاوة او السماع الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۰ باب سجود التلاوة، فصل سبب الوجوب)
ومثله في رد المحتار ج ۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوة۔

[۲] وقال علاؤ الدين الكاساني ؒ: فينظر الى اهلية التال واهليته بالتميز وقد وجد فوجد سماع تلاوت صحيحة فتجب السجدة بخلاف السماع من الببغاء والصدى فان ذلك ليس بتلاوت۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۶ باب سجود التلاوة، فصل بيان من تجب عليه)
ومثله في خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص۱۸۴ الفصل السابع عشر في وجوب سجدة التلاوت۔

ہے، جب سجدہ کا وجوب وقتِ مشروع میں ہو تو اس کی ادائیگی اوقاتِ مکروہہ میں جائز نہیں، البتہ اگر اوقاتِ مکروہہ میں جب آیتِ سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کی ادائیگی ان اوقات میں جائز ہے۔

لما فی الهندية: ولو تلاها فی وقت مباح فسجدها فی اوقات مکروهة لم تجز۔ الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۳۵ الباب الثالث عشر سجود التلاوة) لـه

متعدد آیاتِ سجدہ کے لیے ایک سجدہ کافی نہیں

سوال: اگر ایک مجلس میں ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت متعدد آیاتِ سجدہ پڑھے تو کیا یہ شخص ہر ایک آیتِ سجدہ کے لیے علیحدہ علیحدہ سجدہ کرے گا یا تمام آیات کے لیے ایک ہی سجدہ کافی ہے؟

الجواب: متعدد آیاتِ سجدہ پڑھتے وقت ہر سجدہ کے لیے سبب مختلف ہے، اس لیے ایسی صورتِ سجدات میں تداخل مرخص نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک آیت پر الگ الگ سجدہ کیا جائے گا، البتہ ایک آیتِ سجدہ کسی ایک مجلس میں بار بار پڑھنے سے جب تک مجلس برخاست نہ ہو تو ایک سجدہ کافی رہے گا۔

قال علامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله ولو کررها فی مجلسین تکررت) الاصل انه لا یتکرر الوجوب الا باحد امور الثلثة اختلاف التلاوة او السماع او المجلس الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۳ باب سجود التلاوة) ۲ـه

سجدہ صلوٰتیہ کی نیت رکوع میں جائز ہے

سوال: نماز میں سجدۂ تلاوت کے وجوب پر اگر مستقل سجدہ کی جگہ رکوع میں

لـه وقال علامة ابن العابدينؒ: (تحت قوله بشروط الصلٰوة) ولکن ایشترط لها الوقت حتی لو تلاها او سمعها فی وقت غیر مکروه فادّها فی وقت مکروه لا تجز۔ الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۲ باب سجود التلاوة)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۹۰ قبیل الفصل الثامن عشر فی الندّ وما یلزمه الخ

۲ـه وقال ملاؤالدین الکاسانیؒ: فنقول الاصل ان السجدة لا یتکرر وجوبها الا باحد امور الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۸۱ باب سجود التلاوة)

سجدہ کی نیت کرے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا مستقل سجدہ ضروری ہے ؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ سجدۂ صلوتیہ نماز سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو تو وہ نماز ہی میں ادا کیا جائے گا۔ اب اگر نمازی نماز میں مستقل سجدہ کرکے اپنی بقیہ نماز جاری رکھتا ہے تو شرعاً جائز ہے اور اگر رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کے لیے دل سے ارادہ کرے تو بھی مشروع ہے، البتہ نیت کے بغیر رکوع میں سجدۂ صلوتیہ ادا نہیں ہوگا، لیکن رکوع میں سجدہ کی نیت کے لیے یہ شرط ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کرنے کو تین آیات پڑھنے سے زیادہ فاصلہ نہ ہو ورنہ پھر رکوع میں نیت صحیح نہیں۔

قال حسن بن عمارؒ: ویجزی عنها ای عن سجدة التلاوت رکوع الصلوٰة ان نواها ای نوی ادائها فیه، وفیه وانقطاعه بان یقرأ اکثر من ایتین بعد اٰیة السجدة بالاجماع۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۶۴ باب سجود التلاوت)[۱]

عصر اور صبح کے وقت سجدۂ تلاوت جائز ہے

سوال:۔ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک یا عصر سے مغرب تک نوافل کا پڑھنا جائز نہیں، کیا ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے یا یہ بھی ممنوع ہے ؟

الجواب:۔ ان اوقات میں نوافل اگرچہ ممنوع ہیں لیکن قضا نمازوں کی طرح ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لایکون قضاء فائتة ولو وترًا اوسجدة تلاوت و صلوٰة جنازة۔ الخ (الدر المختار ج۱ ص۳۷۵ کتاب الصلوٰة)[۲]

---

[۱] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فینظر ان کانت اٰیة السجدة فی وسط السورة فینبغی ان یختم۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۸ فصل فی کیفیة ادائها)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۲ باب سجود التلاوة۔

[۲] وقال ابن همامؒ: وادائها لیس علی الفور حتی لو اداها فی ای وقت کان یکون مؤدیًا لا قاضیًا۔ (فتح القدیر ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصلوٰة فصل فی الاوقات التی تکره فی الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۳۳ الباب الثالث عشر باب سجود التلاوة۔

کیا بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص خارج صلوٰۃ (نماز کے علاوہ) آیت سجدہ پڑھ کر فوراً بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرے تو کیا یہ جائز ہوگا یا کھڑے ہوکر پھر سجدۂ تلاوت ادا کرے؟

الجواب:۔ نماز سے خارج سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہوکر نیت کرکے اللہ اکبر کہنے کے بعد سجدہ کے لیے بغیر رفع الیدین کے چلا جائے، سجدہ میں تسبیحات کا ورد کرکے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے بغیر سلام کے اٹھ جائے، البتہ اگر کوئی بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ومما یستحب لاداٴبہا ان یقوم فیسجد لان الخرور وسقوط من القیام والقرآن ورد بہ وھو مروی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا وان لم یفعل لم یضرہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۶ باب سجود التلاوۃ)[۱]

بلا وضو سجدۂ تلاوت کرنا

سوال:۔ ایک شخص بغیر وضو تلاوتِ قرآن مجید کر رہا تھا کہ اس دوران اس نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، تو کیا یہ شخص بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے سجدۂ تلاوت فوراً کرنا متعذر ہو تو آیت سجدہ پڑھنے کے بعد یہ کلمات پڑھ لیے جائیں، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ، اور پھر جب موقع ملے تو سجدہ ادا کر لیا جائے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ویستحب للتالی او السامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۸۹ کتاب الصلوٰۃ۔ فصل سجدۃ التلاوۃ)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن ھمامؒ: وقیل یکبر فی الابتداء بلا خلاف وفی الانتہاء علی قول محمدؒ نعم وعلی قول ابی یوسفؒ لا والظاھر الاول للاعتبار المذکور ویستحب ان یقوم فیسجد روی ذٰلک عن عائشۃؓ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۷۷ باب سجود التلاوۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۷۳ باب فی سجود التلاوۃ۔

[۲] قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: ویستحب للتالی والسامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اھ ثم یقضیھا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۴۰۷ باب سجود التلاوۃ)

سوئے ہوئے آدمی سے آیتِ سجدہ سُننا

سوال:۔ اگر کوئی شخص سوئے ہوئے آدمی کی زبان سے آیتِ سجدہ سُنے تو کیا اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت ہر اُس آیتِ سجدہ کی تلاوت کے سماع سے واجب ہوتا ہے جو مکلف شخص سے سُنی جائے چاہے وہ شخص بیدار ہو یا سویا ہُوا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سجدۂ تلاوت کرنا لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: متلا آیة السجدة وهو نائم فسمعه رجل تلزمه السجدة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۱ باب سجود التلاوة) ؎۱

سورۂ حج کی دوسری آیتِ سجدہ پر سجدہ کرنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قاری صاحب نے سورۂ حج (اقترب للناس) کی دوسری آیتِ سجدہ کے پڑھنے پر سجدہ کیا جو کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مقامِ سجدہ ہے، تو کیا فقہ حنفی کے مطابق اس مقام پر سجدہ کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ایسا کرنے سے نماز میں تو کوئی نقصان نہیں آیا البتہ اگر اس مقام پر سجدہ کرنے والا عالم ہو اور اس نے قوتِ دلیل سے راجح سمجھ کر سجدہ کیا ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اگر بلا دلیل کے سجدہ کیا ہو تو چونکہ حنفی فقہ کے مطابق موصوف نے بلا ضرورت تاخیر کی ہے اس لیے سجدۂ سہو واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والظاهر ان هذه السجدة من المجتهد فیه ای مما للاجتهاد فیه مساغ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۶۶ باب سجود التلاوة) ؎۲

سورۂ صٓ میں آیتِ سجدہ کون سی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے ایک مسئلہ درپیش ہے، وہ یہ کہ سورۂ صٓ میں ایک جگہ

؎۱ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ومن النائم الصحیح انها یجب ان سمعها منه۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۱۸۴ الفصل السابع عشر فی وجوب السجدة التلاوة)
ومثله فی التاتارخانیة ج۱ ص۴۴۳ سجدة التلاوة۔

؎۲ قال العلامة سید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله والحج) ای اولی الحج لا الثانیة وقال الشافعیؒ فیها سجدتان لنا ما عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ قالا سجدة التلاوة فی الحج الاولیٰ والثانیة سجدة الصلوٰة۔ (طحطاوی ص۲۹۲ باب سجدة التلاوة)

خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ آیا ہے اور ایک جگہ حسن ماٰب آیا ہے ان دونوں مقامات میں سے کس مقام کی تلاوت پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؟

الجواب:۔ سورۂ صٓ کے مقام سجدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام زیلعیؒ نے خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ کو سجدہ کی جگہ قرار دیا ہے مگر علامہ شرنبلالیؒ نے حسن ماٰب کو سجدہ کی جگہ قرار دے کر اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی صٓ عند حسن ماٰب هو اولی من قول الزیلعیؒ عند و اناب۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۴ باب سجود التلاوة) [۱]

آیت سجدہ کو ترک کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت سے بچنے کے لیے آیتِ سجدہ کی تلاوت چھوڑ دے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص تلاوت کے دوران سجدۂ تلاوت سے بچنے کی غرض سے آیتِ سجدہ کو ترک کرے تو ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، اسلیئے ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ویکره ان یقرأ سورة فی صلوٰة او غیرها ویترك آیة السجدة لانه یشبه الفرار عن السجدة والاستنكاف عنها وذا لیس من اخلاق المؤمنین۔ (کبیری ص۴۷۰ باب سجود التلاوة) [۲]

نماز سے خارج شخص کا آیتِ سجدہ پڑھنا اور نمازی کا سننا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو کر اچانک غیر نمازی

---

[۱] قال العلامه حسن بن عمارؒ:۔ (وصٓ) وظن داودُ انما فتناه فاستغفر ربه وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ فغفرنا له ذلك وان له عندنا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ وهذا هو الاولی مما قال الزیلعیؒ تجب عند قوله تعالیٰ: وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ، وعند بعضهم عند قوله تعالیٰ: وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔ (مراقی الفلاح ص۲۹۳ باب سجود التلاوة)

[۲] قال العلامة الكاسانیؒ: یكره للرجل ترك آیة السجدة من سورة یقرأها لان فیه قطعاً لنظم القرآن وتغییراً لتالیفه واتباع النظم والتالیف مأمور به قال الله تعالیٰ: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ ای تالیفه كا تغییره مكروها یقتضی كراهة ذلك۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۹۲ باب سجود التلاوة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۷ باب سجود التلاوة۔

نے آیتِ سجدہ تلاوت کی اور نمازی نے دورانِ نماز سنی تو سامع (نمازی) کب سجدۂ تلاوت ادا کرے گا؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ سنتے ہی ادا کرنا چاہیئے مگر جو آیتِ سجدہ غیر نمازی سے دورانِ نماز سنی جائے تو سجدہ کی ادائیگی بعد از نماز کی جائے گی، دورانِ نماز سجدۂ تلاوت نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو سمع المصلی السجدة من غیرہ لم یسجد فیها لانها غیر صلاتیة بل یسجد بعدها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۱۲ باب سجود التلاوة) [1]

صرف آیتِ سجدہ لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کوئی آدمی آیتِ سجدہ ہاتھوں سے لکھے مگر زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیتِ سجدہ کا زبانی پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی آدمی آیتِ سجدہ صرف کاغذ وغیرہ پر لکھے اور زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو ایسے آدمی پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: یجب بسبب تلاوة آیة السجدة۔ قال ابن عابدینؒ: احترز عما لو کتبها او تهجاها فلا سجود علیه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۳ باب سجود التلاوة) [2]

صرف آیتِ سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدۂ تلاوت لازم ہے

سوال:۔ کیا صرف آیتِ سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: اما اذا سمع المصلی ممن لیس معه فی الصلوٰة حیث یسجد خارج الصلوٰة لان السجدة وجبت علیه ولیست من افعال الصلوٰة لأن تلک التلاوة لیست من افعال الصلوٰة لعدم الشرکة بینه بین التالی فی الصلوٰة والوجوب علیه بسبب سماعه والسماع لیس من افعال الصلوٰة اذا لم یکن من افعال الصلوٰة امکن اداء خارج الصلوٰة فیؤدی اھ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۸ باب سجدة التلاوة)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۱ باب سجود التلاوة۔

[2] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ، وکذا لا تجب بالکتابة او النظر من غیر تلفظ لانه لم یقرأ ولم یسمع۔ (کبیری ص۴۶۴ باب سجود التلاوة)

سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قرآن چونکہ الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے اس لیے اگر کوئی شخص پوری آیتِ سجدہ کا ترجمہ پڑھے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا، البتہ مفہوم یا تفسیر بیان کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیة اذا اخبر۔ قال ابن عابدینؒ : (تحت قوله اذا اخبر) ای بانها آیة سجدة سواء فهمها اولا۔
(ردّ المحتار ج ۲ ص۱۰۵ باب سجود التلاوة) [1]

نماز میں سجدۂ تلاوت بلا تاخیر فوراً ادا کرنا ضروری ہے

سوال :۔ اگر کسی شخص نے نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی مگر فوراً سجدہ نہیں کیا بلکہ کچھ اور آیات تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھتے یا سنتے ہی اُسی وقت سجدۂ تلاوت ادا کیا جائے تاخیر کرنا موجب گناہ ہے البتہ بصورتِ مجبوری تاخیر کی جا سکتی ہے ۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وصفتها الوجوب علی الفور فی الصلوٰة وعلی التراخی ان کانت غیر صلوٰتیة ۔ قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ : (تحت قوله علی الفور) ای فور التلاوة وظاهره انه لو آخرها الی رکعة ثانیة اثم۔الخ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۶۱ باب سجود التلاوة) [2]

---

[1] قال العلامة فخر الدین الشهیر بقاضی خانؒ : ولو تلی بالفارسیة تجب علیه وعلی من سمعها السجدة فهم السامع او لم یفهم اذا اخبر السامع انه قرأ آیة السجدة ۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۱۵۷ فصل فی قراءة القرآن خطاء الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۳۳ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة ۔

[2] قال العلامة الکاسانیؒ : اما وقت ادائها فی الصلوٰة فوقتها فوراً الصلوٰة لما مر ان وجوبها فی الصلوٰة علی الفور وهو ان لا تطول المدة بین التلاوة وبین السجدة فاما اذا طالت فقد دخلت فی حد القضاء وصار آثماً بالتفویت عن الوقت ۔ (البدائع الصنائع ج ۱ ص۱۹۱ باب سجود التلاوة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۴ باب سجود التلاوة ۔

پرندے کی زبان سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص پالتو اور سدھائے ہوئے طوطے یا کسی دوسرے پرندے سے آیتِ سجدہ سن لے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:- وجوب سجدۂ تلاوت کے لیے ضروری ہے کہ تالی (تلاوت کرنے والا) مکلف اور اہل ہو، اگر آیتِ سجدہ کا ظہور کسی غیر مکلف شئے سے ہو جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص کسی سدھائے ہوئے پرندے یا کسی دوسرے غیر مکلف آلات (مثلاً ٹی وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ) سے آیتِ سجدہ کی سماعت کرے تو اس پر سجدہ تلاوت لازمی نہیں۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: ولو سمع اٰیة السجدة من حیوان صرحوا بعدم وجوبها علی المختار لعدم اهلیة القاری۔ (الاشباه والنظائر ج۱ ص۱۸۱ القاعدة الثانیة ص۲۴ خاتمة) [1]

پاگل اور مجنون سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص کسی پاگل یا سوئے ہوئے آدمی سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنے تو اس پر اور تالی پر سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ وجوب سجدۂ تلاوت کے لیے تالی کا اہل اور مکلف ہونا ضروری ہے اور پاگل چونکہ اس کا مکلف اور اہل نہیں اسلئے اس سے آیتِ سجدہ کی سماعت سے سجدہ لازم نہیں آتا۔ البتہ نائم (سویا ہوا) تو ایک حقیقت کی بناء پر مکلف ہے اس لیے اس سے آیتِ سجدہ سننے پر مختار قول کے مطابق سجدہ لازم ہے لیکن خود نائم پر عدمِ علم کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: والسماع من المجنون لا یوجبها ومن النائم یوجبها علی المختار۔ (الاشباه والنظائر ج۱ ص۱۸۱ القاعدة الثانیة خاتمة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: لکن ذکر شیخ الاسلام انه لا تجب بالسماع من مجنون ونائم وطیر لان السبب سماع تلاوة صحیحة وصحتها بالتمیز ولم توجد۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۷ باب سجدة التلاوة)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وتجب بتلاوتهم یعنی المذکورین خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوته لعدم اهلیته۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۷ باب سجدة التلاوة)

سورۂ حج کی آیتِ سجدہ کی تلاوت میں شافعی المسلک امام کی متابعت کرنا

سوال:۔ احناف کے نزدیک سورۂ حج کی آخری آیت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ سے تُفْلِحُوْنَ تک موجبِ سجدہ نہیں، لیکن اگر ایک شافعی المسلک امام کی اقتداء کی صورت میں جب امام صاحب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کریں تو حنفی المسلک مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ایسے اجتہادی اور اختلافی مسائل میں شدت سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ امام کی متابعت ضروری ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ سجدہ کر لینا چاہیئے۔

قال العلامة ابن العابدینؒ: (تحت قوله للمتابعة) وظاهره انه یتبعه فیها لوکان فی الصلٰوة لکونه تابعًا۔۔۔الخ

(ردالمحتار ج۲ ص۱۰۵ باب سجود التلاوۃ)

آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد پانچ چھ آیتیں پڑھ کر سجدہ کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور قرأۃ میں آیتِ سجدہ تلاوت کی لیکن اس پر سجدہ کرنا بھول گیا اور مزید پانچ چھ آیتیں پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا یاد آیا تو فوراً سجدہ کیا، تو کیا اس شخص کی نماز ہوگئی یا نہیں، جبکہ آخر میں اس نے سجدہ سہو بھی کر لیا؟

الجواب:۔ تلاوت آیتِ سجدہ کے فوراً بعد سجدہ کر لینا چاہیئے، اگر نماز میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے اور یاد آنے پر سجدہ کرے تو نماز ہوجائے گی مگر تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا اس لیے کہ سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہوچکا ہے اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فعلی الفور لصیرورتها جزءًا منها ویأثم بتاخیرها ویقضیها مادام فی حرمة الصلٰوة ولو بعد السلام۔ قال ابن عابدینؒ: ثم تفسیر الفور عدم طول المدة بین التلاوة والسجدة بقرأة اکثر من آیتین او ثلاث علی ماسیأتی حلیة قوله یأثم بتاخیرها الخ لانها وجبت بما هو من افعال الصلٰوة وهو القرأة وصارت من اجزائها فوجب اداؤها مضیقا کما فی البدائع ولذا کان المختار وجوب سجود السهو لو تذکرها بعد محلها۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۰۹، ۱۱۰ باب سجود التلاوۃ)

باب صلوٰۃ المسافر

(مسافر کی نماز کے احکام و مسائل)

قصر نماز کے لیے مقدارِ سفر

سوال:۔ کیا مطلق سفر کے ارادہ سے نکلنے پر نماز قصر کرنا ہوگی یا سفر کا کوئی اندازہ مقرر ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے مطلق سفر سے نماز قصر نہیں کی جائے گی بلکہ اس سے پہلے کم از کم تین دن کی مقدار سے سفر ضروری ہے۔ موجودہ وقت میں علماء نے اڑتالیس (۴۸) میل یا ستتر (۷۷) کلومیٹر اندازہ مقرر کیا ہے، اس سے کم مسافت کے ارادہ سے نکلنے والے کو شرعی مسافر نہیں کہا جائے گا۔

قال برهان الدين المرغيناني: السفر الذي يتغير به الاحكام ان يقصد مسيرة ثلاثة ايام ولياليها الخ (الهداية ج ۱ ص ۱۴۸ صلوٰة المسافر) لـه

قصر فرائض تک خاص ہے

سوال:۔ فرائض کے علاوہ سُنن میں قصر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر سُنن پڑھنے کے لیے موقع نہ ہو تو پڑھنے کی ضرورت نہیں البتہ جب وقت ہو تو سُنت کی نماز پوری پڑھی جائے گی۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: ويأتي المسافر بالسنن ان كان في حال امن وقرار والا لا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۱ باب صلوٰة المسافر) ـه۲

لـه وفي الهندية: اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام كذا في التبيين۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۳۸ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في الزيلعي ج ۱ ص ۲۰۹ باب صلوٰة المسافر۔

ـه۲ وقال علاؤ الدين الكاسانيؒ: وكذا لا قصر في السنن والتطوعات..... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۲ فصل الكلام في صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر۔

مسافت اڑتالیس[۴۸] میل کے مقابلے میں فراسخ معتبر نہیں

سوال:۔ بعض کتابوں میں فراسخ کے لیے اعتبار نہ ہوتے کے باوجود احناف اڑتالیس میل کو اعتبار کیوں دیتے ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے مذہب میں بنیادی طور پر فراسخ کے لیے اعتبار نہیں بلکہ تین دن کے سفر پر دار و مدار ہے، لیکن ایک دن میں انسان اوسطاً سولہ[۱۶] میل کی مسافت طے کر سکتا ہے اس لیے ہم نے ۱۶×۳ = ۴۸ میل کو اعتبار دیا۔

قال برهان الدين المرغيناني: ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح۔

(الهداية ج۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة المسافر) [۱]

مسافر کا پوری نماز پڑھنے کی صورت میں ذمہ فارغ ہونا

سوال:۔ اگر ایک مسافر نے قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر درمیان میں قعدے پر بیٹھ چکا تو نماز درست ہو کر فراغت ذمہ کے لیے کافی ہے، البتہ تاخیرِ سلام کی وجہ سے گنہگار رہے گا، لیکن اگر قعدۂ اولیٰ کے بغیر کھڑے ہو کر مسافر نے چار رکعات پڑھ لیں تو اس کی نماز باطل ہو کر دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال علاؤ الدين الحصكفي: فلو اتم مسافر ان قعد في قعدة الاولىٰ تم فرضه لكنه آساء الخ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۸ صلوٰة المسافر) [۲]

---

[۱] وقال علاؤ الدين الحصكفي: ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب ـــ الخ
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۱۲۹ باب المسافر۔

[۲] وفي الهندية: فان صلّى اربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته والاخريان نافلة ويصير مسيئًا لتاخير السلام وان لم يقعد في الثانية قدرها بطلت كذا في الهداية۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۱۳۱ باب المسافر۔

قصرِ نماز کے لیے سفر میں مشقت کا ہونا ضروری نہیں

سوال:۔ موجودہ دور کے اسفار میں کسی خاص مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، مثلاً ایک آدمی جب کراچی سے پشاور کا سفر کرتا ہے تو بغیر کسی تکلیف کے چند گھنٹوں میں منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں سہولت اور راحت کے باوجود نماز قصر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفر میں رخصت پر رعایت کسی مشقت کے ہونے پر مبنی نہیں بلکہ نفسِ سفر کے ہوتے ہوئے رخصت دی گئی ہے، خود سفر مشقت کے لیے سبب ہونے کی وجہ سے احکام اس پر مرتب ہوکر محض سفر کی موجودگی میں قصر کی جائے گی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۳ صلوٰۃ المسافر) [1]

وطنِ اصلی میں تعدد ممکن ہے

سوال:۔ کیا ایک شخص کے لیے متعدد مقامات وطنِ اصلی بنانا ممکن ہے یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک جگہ میں اس کا مستقل رہنے کا ارادہ ہو، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں چھ مہینے اور دوسرے گاؤں میں چھ مہینے رہتا ہو اور وہاں جملہ ضروریاتِ زندگی اس کو میسر ہوں؟

الجواب:۔ وطنِ اصلی میں تعدد ممنوع نہیں۔ صورتِ مذکورہ کے مطابق ہر ایک جگہ میں جب مستقل رہنے کا عزم اس طرح ہو کہ چھ مہینے ایک جگہ میں اور چھ مہینے دوسری جگہ میں رہتا ہو، مثلاً دونوں جگہ شادی کرکے گھر آباد کیا ہو تو دونوں جگہیں موصوف کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوں گی اور دونوں جگہوں میں پوری نماز پڑھی جائے گی۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ: ثم الوطن الاصلی یجوز ان یکون واحداً او اکثر من ذلک بان کان لہ اھل ودار فی بلدتین او اکثر ولم یکن من نیۃ اھلہ الخروج منھا وان کان ھو ینتقل من اھل الی اھل فی السنۃ حتی انہ لو خرج مسافر

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو کانت المسافۃ ثلاثاً بالسیر المعتاد فسار الیھا علی الفرس جریاً حثیثاً فوصل فی یومین او اقل قصر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۹ باب المسافر۔

من بلدة فيها اهله ودخل فی ای بلدة من بلاد التی فیها اهله فیصیر مقیماً من غیر نیة الاقامة ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۰۳ فصل فی بیان مایصیر به المسافر مقیماً) [1]

ایک وطن اصلی کا دوسرے وطن اصلی سے متاثر ہونا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر سفر کی مسافت کے اندازہ سے کسی دوسرے مقام میں اہل وعیال کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو یہ شخص اگر دو تین دن کے لیے اپنے آبائی وطن آجائے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ یہاں آبائی وطن میں مملوکہ زمین بھی موجود ہو؟

الجواب: کسی آدمی کا اپنے وطن سے مسافت سفر پر نکلنا اگر بہ نیت سفر ہو تو پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں نماز قصر کرنا واجب ہے، البتہ یہ شخص اگر اپنے آبائی وطن چلا جائے اور وہاں اس کی مملوکہ جائیداد بھی ہو تو یہ مقام اس کا وطن اصلی شمار ہو کر اتمام کرنا لازمی ہے، اس لیے کہ وطن اصلی متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔

لما قال صاحب مجمع الانهر: (تحت قوله) ويبطل الوطن الاصلی بمثله لو كان له اهل بالكوفة واهل البصرة فمات اهله بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لا تبقى وطناً له لانه انما كانت وطناً له بالاهل لا بالعقار الا ترى انه لو تأهل ببلدة ولم يكن له عقار صارت وطناً له وقيل تبقى وطناً له لانها كانت وطناً له بالاهل والدار جميعاً وال احدهما لا يرتفع الوطن كوطن الاقامة تبقى ببقاء الثقل ۔

(مجمع الانهر ج ۱ ص۱۶۲ باب المسافر) [2]

---

[1] وفی الهندية، ويبطل وطن الاصلی بالوطن الاصلی اذا انتقل عن الاول باهله واما اذا لم ينتقل باهله ولكنه استحدث اهلاً ببلدة اخرى فلا يبطل وطنه الاول ويتم فيها۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۴۲ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۶ باب المسافر۔

[2] لما فی الهندية: ولو انتقل باهله ومتاعه الی بلد وبقی له دور وعقار فی الاول قيل بقی الاول وطناً له واليه اشار محمد فی الكتاب ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۴۲ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۶ باب المسافر۔

شادی کے بعد والدین کا گھر عورت کیلئے وطنِ اصلی نہیں رہتا

سوال:۔ شادی کے بعد عورت اگر چند دنوں کے لیے والدین کے گھر آئے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ قصر کرے گی یا پوری نماز پڑھے گی؟ جبکہ مسافت اڑتالیس ۴۸ میل ہو؟

الجواب:۔ والدین کا گھر اگرچہ عورت کے لیے وطنِ اصلی تھا لیکن شادی کے بعد خاوند کے ہاں مستقل رہائش اختیار کرکے الوطن الاصلی یبطلہ بمثلہ کی وجہ سے اب یہ وطنِ اصلی نہیں رہتا، اس لیے یہاں پر اقامت کی نیت نہ کرنے کی صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه ای عزم علی القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتأهل فلو کان له ابوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتاهل به فلیس ذلک وطنا له الا اذا عزم علی القرار فیه وترک الوطن الذی کان له قبله۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۱ صلوٰۃ المسافر، مطلب فی الوطن الاصلی الخ)[1]

وطنِ اصلی کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا

سوال:۔ بسا اوقات وطنِ اصلی کے حدود ممتد رہتے ہیں، ایسی حالت میں سفر کی ابتداء کہاں سے ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ جائے اقامت کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا، بڑے شہروں میں محصول چونگی کے مراکز سے عموماً شہر کے حدود شروع ہوتے ہیں، تاہم بعض جگہوں میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے۔

قال عبد اللہ التمرتاشیؒ: مَنْ خرج من عمارة موضع اقامته قاصدًا مسیرة ثلثة ایام ولیالیها بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادۃ صلی الفرض الرباعی رکعتین الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۱ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: اما اذا کان له ابوان ببلدة وهو بالغ فلیس بوطن له... الخ

(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۰۲ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰۃ المسافر)

ومثلهٗ فی کبیری ص ۵۴۳ صلوٰۃ المسافر۔ الرابع فی الوطن۔

[2] وفی الهندیة: الصحیح ماذکر انه یعتبر مجاوزة عمران المصر الخ (الهندیة ج ۱ ص ۱۳۹ الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۸ باب المسافر۔

سامان کے ہوتے ہوئے انشاء سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا

سوال: بسا اوقات وطن اقامت سے سفر کے اندازہ سے باہر جانا پڑتا ہے لیکن وطن اقامت سے ترکِ تعلق کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پورا گھرانہ اور سامان اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اِنشاء سفر سے وطن اقامت باطل ہوکر واپس آنے پر دوبارہ نیت کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟ جبکہ بعض اوقات پندرہ دن کے اندر اندر دوبارہ بھی سفر کا ارادہ ہوتا ہے؟

الجواب: جب تک اہل وعیال یا سامان وطنِ اقامت میں موجود ہوں تو انشاء سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوتا، ایسی حالت میں دو تین دن وطن اقامت میں موقع ملنے کی صورت میں بھی پوری نماز پڑھی جائے گی، تاہم اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک دفعہ پندرہ دن رہنے کا باقاعدہ ارادہ کرکے قیام کرے تاکہ وطنِ اِقامت کی حقیقت ثابت ہوکر دوبارہ بطلان کی صورت سے بچ جائے۔

قال علامہ ابن نجیمؒ: کوطن الاقامۃ یبقی ببقاء الثقل وان قام بموضع آخر۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۶ باب المسافر)[1]

مسافر جس راستہ سے جارہا ہو اس کی مسافت معتبر ہوگی

سوال: اگر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہوں جن میں ایک قریب اور دوسرا راستہ دور ہو تو سفر کے لیے کون سے راستہ کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: جس راستے سے مسافر جارہا ہو اُسی راستہ کی مسافت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر اس راستہ کی مسافت سفرِ شرعی کے اندازہ سے پوری ہو تو چلنے والا مسافر شمار ہوگا، اگرچہ دوسرا راستہ قریب کا بھی ممکن ہو۔

لما فی الہندیۃ: فاذا قصد بلدۃ والی مقصدہ طریقان احدھما مسیرۃ ثلٰثۃ

---

[1] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویبطل بمثلہ اذا لم یبق لہ بالاول اھل فلو بقی لم یبطل بل یتم فیھا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۳۲ صلوٰۃ المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۴۲ الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

ایام ولیالیہا والآخر دونہا فسلک الطریق الا بعد کان مسافراعند نا۔الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۳۸ الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)[1]

دونمازوں کو بیک وقت پڑھنا

سوال:۔ سفر کی حالت میں اگر مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں اکٹھی پڑھی جائیں تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا اگر صوری ہو (یعنی ایک نماز مؤخر کر کے آخری وقت میں اور دوسری نماز پہلے وقت میں پڑھی جائے) تو بوقتِ ضرورت اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے علاوہ کسی دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا جس میں ایک نماز اپنے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے فقہ حنفی کی رو سے یہ ناجائز ہے۔ فقہ حنفی میں بجز عرفات اور مزدلفہ کے حقیقی طور سے جمع بین الصلوٰتین مشروع نہیں۔

قال محمد بن حسن الشیبانیؒ: لایجمع بین صلوٰتین فی وقت واحد فی حضر ولاسفر الابین العرفۃ والمزدلفۃ۔ (المبسوط ج۱ ص۱۴۷ مواقیت الصلوٰۃ)[2]

غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیّت

سوال:۔ بسا اوقات انسان کسی ایسی جگہ خیمہ زن ہوجاتا ہے جہاں پر کوئی آبادی نہیں ہوتی، یہ بھی ممکن ہے کہ ضروریاتِ زندگی کے فقدان کی وجہ سے یہ شخص نیت کے مطابق ایک دن بھی پورا نہ کرسکے تو کیا ایسے جنگل اور غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اقامت کی نیت کے لیے محل کی صلاحیت ضروری ہے، صورتِ مذکورہ

---

[1] وقال علامہ ابن نجیمؒ: وفی فتاوی قاضی خان، الرجل اذا قصد بلدۃ والی مقصدہ طریقان احدھما مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیہا والآخر دونہا فسلک الطریق الا بعد کان مسافراعند نا۔الخ (البحرالرائق ج۲ ص۱۲۹ باب المسافر)
وفی خلاصۃ الفتاوی ھکذا ج۱ ص۱۹۸ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰۃ المسافر۔

[2] وفی الہندیۃ: ولایجمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد لافی السفر ولافی الحضر بعذر ما ماعدا عرفۃ والمزدلفۃ کذافی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۲ الباب الاول فی المواقیت)
ومثلہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۴۰۷ کتاب الصلوٰۃ، المواقیت۔

ہیں ایسی غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت معتبر نہیں اسلئے نیت کے باوجود نماز قصر پڑھی جائے گی۔

کما فی الهندیة: حتی نوی الاقامة فی برّ او بحر او جزیرة لم یصح۔ الخ

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر) [1]

مدتِ اقامت کی نیت کے بغیر قصر واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص وطن اقامت سے ۴۸ میل کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے نکلے مگر پندرہ دن قیام یقینی نہ ہونے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی موزوں مقام پر باقاعدہ پندرہ دن کی اقامت کی نیت کے بغیر یہ شخص مسافر کے حکم میں رہے گا جس پر نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوماً او اکثر وان نوی اقل من ذٰلک قصر۔۔ الخ

(الهدایة ج ۱ ص ۱۲۹ باب صلوٰة المسافر) [2]

اقامت میں ماتحت افراد با اختیار افسران کے تابع رہیں گے

سوال:۔ عسکری تربیت کے دوران جب فوجی لوگ کسی جگہ اقامت کریں تو کیا پوری نماز پڑھیں گے یا قصر نماز ادا کریں گے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بالائی افسران کی نیت پر دار و مدار ہے، اگر با اختیار افسران نے مدت اقامت کی نیت کی ہو تو ماتحت عملہ نیت نہ کرنے کے باوجود بھی پوری نماز پڑھے گا ورنہ مدت اقامت سے کم پر فوجی مشقوں میں قصر کی جائے گی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والمعتبر نیة المتبوع لانه الاصل لا التابع کامرأة

---

[1] قال علامه ابن نجیمؒ: وقید بالبلد والقریة لان نیة الاقامة لاتصح فی غیرهما فلا تصح فی مفازة ولا جزیرة ولا بحر ولا سفینة۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۱ صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۸ فصل فی بیان ما یصیر المسافر به مقیماً۔

[2] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فالذی یصیر المقیم به مسافراً نیة مدة السفر والخروج من عمران المصر۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۳ فصل فی بیان یصیر به المقیم مسافراً)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر۔

وفاة مهرها المعجل وعبد غیر مکاتب وجندی اذا کان یرزق من الامیر او بیت المال الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۳۳ باب صلاۃ المسافر) [۱]

مہاجرینِ افغانستان کی نیتِ اقامت

سوال: افغانستان سے ہجرت کرکے آنے والے مسلمانوں نے دشت و بیابان میں خیمے لگا کر ڈیرے ڈال دیئے ہیں، کیا ان جنگلوں میں ان کی نیتِ اقامت درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اقامت کی نیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں رہائش ممکن ہو؟

الجواب: مہاجرین نے کیمپوں کے قریہ کبیرہ کی شکل اختیار کرکے جنگل میں منگل کا سا سماں پیدا کیا ہے لہٰذا جملہ ضروریاتِ زندگی میسر ہونے کی وجہ سے ان کی نیتِ اقامت جائز ہے، اس لیے یہ مستقل مقیم شمار ہوں گے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واختلف المتاخرون فی الاعراب والاکراد والترکمان الذین یسکنون فی بیوت الشعر والصفوف۔ قال بعضهم لا یکونون مقیمین ابدًا وان نوی الاقامة مدة الاقامة لان المفازة لیست موضع الاقامة والاصح انهم مقیمین لان عادتهم الاقامة فی المفاوز دون الامصار والقری فکانت المفاوز لهم کالامصار الخ
(بدائع الصنائع ج ۱ ص۹۹ فصل فی بیان ما یصیر المسافر به مقیما) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: وکل من کان تبعًا لغیره یلزمه طاعته یصیر مقیمًا باقامته ومسافرًا بنیته وبعد اسطر قال والجندی مع امیره فهٰؤلاء لا یصیرون مقیمین بنیة انفسهم فی ظاهر الروایة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۰۳ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰة المسافر۔

[۲] وفی الهندیة: اختلف المتاخرون فی الذین یسکنون فی الخیام والاخبیة فی المفازة من الاعراب والتراکمة هل صاروا مقیمین بالنیة عن ابی یوسفؒ فیه روایتان فی احداهما لا۔ وفی الاخری قال یصیرون مقیمین وعلیه الفتوی۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۳ صلاة المسافر۔

دائمی مُسافر کی نماز کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص عام زندگی میں مسافر رہے، کسی جگہ میں مستقل اقامت کا موقع بہت کم میسر ہو، مثلاً ڈرائیور یا پائلٹ جو کہ ہمیشہ کیلئے سفر میں رہتے ہیں، تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اقامت کے لیے باقاعدہ پندرہ دن کی نیت ضروری ہے، جہاں پر نیت نہ ہو تو مسافر شمار ہوگا۔ صورتِ مذکورہ میں ایسے لوگ جب بھی ایسی حالت میں اپنی ڈیوٹی پر رہیں تو نماز قصر کریں گے، البتہ اپنی سکونت کی جگہ اتمام کریں گے، اگرچہ چند نمازیں پڑھنے کا موقع کیوں نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ومن طاف الدنیا بلاقصد لم یقصر مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا صلی الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامہ او ینوی اقامۃ نصف شھر۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ باب صلوٰۃ المسافر) ۱؎

مقیم امام کی اقتداء میں پوری نماز پڑھی جائے گی

سوال:۔ اگر ایک مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر مقتدی قصر نہیں کر سکتا بلکہ اتمام کرے۔

قال برھان الدین المرغینانیؒ: وان اقتدی المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعًا لانہ یتغیر فرضہ الی اربع للتبعیۃ کما تتغیر بنیۃ الاقامۃ لاتصال المغیر بالسبب وھو الوقت۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۴۹ باب صلوٰۃ المسافر) ۲؎

مسافر امام کی اقتداء میں مقیم کیلئے بقیہ نماز میں قرأت نہیں

سوال:۔ اگر ایک مقیم مقتدی نے کسی مسافر امام

۱؎ وقال علامہ ابن نجیمؒ: واما الثانی فھو ان یقصد مسیرۃ ثلثۃ ایام فلو طاف الدنیا من غیر قصد الی قطع مسیرۃ ثلثۃ ایام لا یترخص۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۸ باب المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی الزیلعی ج۱ ص۲۰۹ صلوٰۃ المسافر۔

۲؎ وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰۃ المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۴ صلوٰۃ المسافر۔

کرتے پیچھے اقتداء کی تو امام کی فراغت کے بعد مقتدی باقی رکعات میں قرأت کرے گا یا نہیں ؟

الجواب:- امام کی فراغت کے بعد مقیم مقتدی کے لیے اپنی بقیہ نماز کا پڑھنا ضروری ہے لیکن چونکہ یہ امام کے پیچھے شمار ہوتا ہے اس لیے مقتدی کے ذمے آخری رکعات میں قرأت ضروری نہیں ہے بلکہ فاتحہ کی مقدار سے خاموش کھڑے ہو کر رکوع کرے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہ فاذا قام المقیم الی الاتمام لا یقرأ۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۹ باب صلوٰۃ المسافر)[1]

مسافر امام کے اتمام کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہونا

سوال:- اگر مقیم نے مسافر امام کی اقتداء کی، اس حالت میں مسافر امام نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھ لی اور اس کے ساتھ مقتدیوں نے بھی پوری نماز پڑھ لی تو مقیم مقتدیوں کی نماز کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب:- مسافر امام کے حق میں آخری دو رکعات نفل رہیں گی جبکہ مقیم مقتدیوں کے لیے پوری نماز فرض ہے، لہٰذا مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے لازم ہو کر مقتدیوں کی نماز فاسد کرتی ہے اس لیے اس کا اعادہ ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لم یصر مقیمًا) فلو اتم المقیمون صلوٰتہم معہ فسدت لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل۔ الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

امام کی حالت سے واقفیت کی ضرورت

سوال:- کسی امام کے سفر یا اقامت کے بارے میں جب مقتدی کو علم نہ ہو تو مقتدی کی ذمہ داری کیا ہے اور اس کی نماز پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے ہیں ؟

---

[1] وفی الھندیۃ: وصاروا منفردین کالمسبوق الا انھم لا یقرؤن فی الاصح۔ الخ (الھندیۃ ج۱ ص۱۴۲ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: حتی لو اتم المقیمون صلوٰتہم معہ فسدت صلوٰتہم لان ھذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح۔ الخ (منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر)
ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۰۲ صلوٰۃ المسافر۔

الجواب:۔ امام کی حالتِ سفر یا اقامت سے ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات مقتدی شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے اس لیے امام کی حالت سے واقفیت مقتدی کے لیے ضروری امر ہے۔ اس لیے مقتدی کو امام کی حالتِ سفر و حضر معلوم کرنا چاہیئے تاکہ اس کی اقتداء درست ہو ورنہ لاعلمی کی صورت میں اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ان العلم بحال الامام شرط لکن) وحاصلہ تسلیم اشتراط العلم بحال الامام۔
(رد المحتار ج۲ ص۵۳۱ صلوٰۃ المسافر)[1]

میدانِ عرفات میں حنفی المسلک کے لیے مقیم امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حج کے دوران عرفہ کے دن اگر شرعی مسافت سے کم مسافت سے آنے والا امام قصر نماز پڑھائے تو کیا حنفی المسلک شخص کے لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک مسافتِ قصر سے کم سفر میں قصر نماز پڑھنا جائز نہیں لہٰذا جو امام مقیم ہونے کے باوجود قصر نماز پڑھائے گا حنفی مقتدی کی نماز اسکے پیچھے جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ لوکان مقیماً کامام مکۃ صلی بہم صلوٰۃ المقیمین لایجوز لہ القصر ولا للحجاج الاقتداء بہ۔ قال الامام الحلوانیؒ کان الامام النسفی یقول العجب من اھل الموقف یتابعون امام مکۃ فی القصر فانی یستجاب لہم اویرجی لہم الخیر وصلوتہم غیر جائز۔
(رد المحتار ج۲ ص۵۰۵ کتاب الحج۔ مطلب فی شروط الجمع بین الصلوٰتین بعرفۃ)[2]

---

[1] وقال علامہ ابن نجیم المصریؒ: وھذا مجمل ما فی الفتاوی اذا اقتدی بالامام لایدری أمسافر ھو ام مقیم لایصح لان العلم بحال الامام شرط الاداء بجماعۃ۔ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۵ باب المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی الکبیری ص۵۹۱ باب صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال العلامۃ عبدالرحیم لاجپوریؒ: عرفات میں حنبلی امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ادا نہ ہوگی خواہ مقیم ہو یا مسافر۔
(فتاویٰ رحیمیہ ج۱ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ المسافر)

مسافر کا غلطی سے چار رکعت کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر مسافر غلطی سے دو رکعت کی بجائے چار رکعت کی نیت کرے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا وہ نیت کے مطابق چار رکعت ہی پڑھے یا دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کی نیت میں نماز اور وقت کا تعین ضروری ہے تعداد کی تعیین ضروری نہیں یہ ضمناً خود بخود آجاتی ہے، چونکہ مسافر کے ذمے صرف دو رکعت فرض ہے اس لیے نماز کی نیت بھی مسافرانہ ہوگی اگر زبان پر غلطی سے تعداد رکعات میں زیادتی ہوئی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں؟

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لابد من التعیین عند النیة .... لفرض ...... دون تعیین عدد رکعاته لحصولها ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۸ تا ۴۲۰ باب شروط الصلوٰة مطلب فی النیة)[1]

باپ بیٹا مختلف شہروں میں رہتے ہوں تو ان کی نمازوں کا حکم

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دو مختلف شہروں میں مقیم ہوں اور باپ بیٹے کے ہاں یا بیٹا باپ کے ہاں چلا جائے تو کیا یہ دونوں نماز قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر شخص کے الگ الگ وطن کا اعتبار ہے، صورتِ مسئولہ میں جب دونوں کے وطن اصلی الگ الگ ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے پاس جانے سے مقیم نہیں ہوں گے بلکہ مسافر ہو کر قصر کریں گے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه یبطل بمثله اذا لم یبق له بالاول اهل (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ باب صلوٰة المسافر)[2]

عمرہ کیلئے سعودی عرب جانے والوں پر قصر نماز کا حکم

سوال:۔ جو لوگ عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں اُن کا ویزہ صرف

---

[1] وفی الهندیة: النیة ارادة الدخول فی الصلوٰة والشرط ان یعلم بقلبه ای صلوٰة یصلی وادناها مالو سئل لامکنه ان یجیب علی البدیهة. ...ولا عبرة للذکر باللسان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۶۵ الباب الرابع)

وفیه ایضاً: عزم علی الظهر وجری علی لسانه العصر۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۶۶ الفصل الرابع فی النیة)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: الوطن الاصلی هو الذی ولد فیه او تزوج او لم یتزوج وقصد التعیش فیه لا الارتحال عنه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۳۲ العودة الی محل الاقامة الدائم)

پندرہ دن کا ہوتا ہے ان ایام میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں بھی قیام کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں بھی، تو کیا ایسے لوگ وطنِ اقامت کی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی نمازیں قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب:۔ نیتِ اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت کا ایک ہی مقام پر ہونا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق چونکہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں پندرہ دن گذارتے ہیں اس لیے انکی نیتِ اقامت کا اعتبار نہیں بلکہ یہ لوگ قصر کرکے نمازیں پڑھیں گے ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لو دخل الحاج مکة ایام العشر لم تصح نیته لانه یخرج الیٰ منیٰ وعرفة فصار کنیته الاقامة فی غیر موضعها ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۶ کتاب المسافر)[1]

مجاہدین غلبہ کے دوران قصر کریں گے یا اتمام

سوال:۔ جہادِ افغانستان میں بعض علاقے افغان مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو گئے ہیں مگر ابھی انہیں مکمل کنٹرول حاصل نہیں ہو سکا تو کیا یہ مجاہدین وہاں غلبہ کے دوران پوری نماز ادا کریں یا قصر؟

الجواب:۔ مسلم افواج جب کسی علاقہ میں فاتحانہ داخل ہوں تو جب تک وہاں پورا کنٹرول ان کے ہاتھوں میں نہ ہو تو یہ افواج وہاں نماز قصر کریں گی، البتہ جب پوری طرح کنٹرول حاصل ہو جائے اور اس علاقے کو اپنا علاقہ سمجھا جائے تو پھر نیتِ اقامت کی صورت میں نماز پوری ادا کرنا ہوگی ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله (للتردد بین القرار والفرار) وفی البحر عن التجنیس اذا غلبوا علیٰ مدینة الحرب ان تخذ وها دارا اتموا والا بل ارادوا الاقامة بها شهراً واکثر قصروا لیقاتلها دار حرب وهم محاربون فیها بخلاف الاول ۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۲۷ کتاب المسافر)[2]

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا نوی المسافران یقیم بمکة ومنیٰ خمسة عشر یوماً لم یتم الصلوٰة لان الاعتبار النیة فی موضعین یقتضی اعتبارها فی مواضع وهو ممتنع ۔ (الهدایه ج۱ ص۱۴۷ کتاب المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا دخل العسکر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وکذا اذا حاصروا فیها مدینة او حصناً لان الداخل بین ان یهزم فیقر وبین ان ینهزم فیفر فلم تکن دار اقامة ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر ۔

دورانِ جہاد کمانڈر کا کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرنا

سوال:۔ افغان مجاہدین اگر کسی علاقہ میں روسی افواج سے برسرِ پیکار ہوں تو کیا وہ اپنے کمانڈر کی پندرہ روزہ اقامت کی نیت کی بناء پر وہاں اتمام کریں گے یا کہ قصر؟

الجواب:۔ تابعین کے لیے اگرچہ متبوع کی نیت کا اعتبار ہے کہ وہ جہاں اقامت کی نیت کرے تو تابعین پوری نماز ادا کریں گے مگر محاذِ جنگ ایسی جگہ ہے جہاں امیرِ جماعت کی نیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں وہاں قصر کرنا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی جنگ کی صورت ہے اس لیے مجاہدین وہاں قصر نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ: اذا دخل العسكر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وكذا اذا حاصروا فيها مدينة اوحصناً لان الداخل بين ان يهزم فيقر وبين ان يهزم فيفر فلم تكن دار اقامة۔ (الهداية ج ۱ ص۱۴۶ كتاب المسافر) [1]

مسافر کا سہواً پوری نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی مسافر سہواً قصر نماز کی بجائے پوری نماز پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسافر کے ذمے چار رکعت والی نمازوں میں صرف دو رکعت سفر انہ لازم ہے، اگر کوئی مسافر سہواً پوری چار رکعت پڑھ لے اور اس نے قعدۂ اولیٰ بھی کیا ہو تو نماز درست ہے اگرچہ سجدۂ سہو اس کے ذمہ واجب ہے، اور اگر قعدۂ اولیٰ اس سے رہ گیا ہو تو نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔

لما قال العلامة علاؤالدين الحصكفي رحمه الله :۔ فلو اتم مسافر ان قعد في القعدة الاولى تم فرضه ولكنه اساء لو عامداً لتاخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض

---

[1] وفي الهندية : حاصر قوم مدينة في دار الحرب او اهل البغي في دار الاسلام في غير مصر ونووا الاقامة خمسة عشر لم يقصروا لان حالهم متردد بين قرار وفرار فلا تصح نيتهم وان نزلوا في بيوتهم۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)
ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۷ كتاب المسافر۔

وھذا لا یحل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۸ کتاب المسافر) لـه

مسافر قصداً پوری نماز پڑھے تو اس کا حکم

سوال: ۔اگر کوئی مسافر قصداً و عمداً پوری نماز پڑھ لے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب: ۔سفر میں نماز قصر کرنا شرعاً عزیمت ہے اس میں اپنی طرف سے قصداً و عمداً زیادتی کرنا موجب گناہ ہے اس لیے جو شخص قصداً سفر میں پوری نماز پڑھے تو گنہگار ہو گا جس سے توبہ کرنا لازم ہے ۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وان صلى اربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد اجزته الاوليان عن الفرض والاخريان له نافلة اعتبارًا بالفجر ويصير مسيئًا لتاخير السلام ۔ (الهداية ج ۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر) ٢ـه

قیدی مجاہدین قصر کریں گے یا اتمام

سوال: ۔ہمارے بعض مجاہدین افغانستان میں دشمن کی قید میں ہیں جو اپنے گھروں سے مسافتِ شرعی سے زیادہ دُور ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ دشمن کب انہیں یہاں سے نکالیں گے تو کیا یہ قیدی قصر (سفرانہ) نماز پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں ؟

الجواب: ۔اگر قیدیوں کو اپنے گھر جانے یا کسی دوسرے شہر منتقل ہونے کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ دشمن کب اور کتنے دنوں بعد ان کو رہا کرے گا یا کتنے دنوں کے بعد دوسرے شہر منتقل کرے گا، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ قیدی قصر (سفرانہ) نماز پڑھیں گے اگرچہ

لـه قال العلامة برهان المرغيناني رحمه الله: ان صلى اربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته الاوليان عن الفرض والاخريان له نافلة اعتبارًا بالفجر ويصير مسيئًا لتاخير السلام ۔
(الهداية ج ۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر ۔

٢ـه قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فلو اتم مسافر ان قعد في القعدة الاولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامدًا لتاخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۸ کتاب المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر ۔

کئی سال اُسی جگہ گذر جائیں۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولو دخل مصراً علی عزم ان یخرج غداً او بعد غد ولم ینو مدۃ الاقامۃ حتی بقی علی ذلک سنین قصر لان ابن عمرؓ اقام باذربیجان ستۃ اشھر وکان یقصر وعن جماعۃ من الصحابۃ مثل ذلک۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر) [1]

قصر و اتمام میں فوجی سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہیں

سوال:۔ میں ایک فوجی ملازم ہوں جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو میرے علاوہ دوسرے ساتھیوں کے بھی ٹھکانے کا کوئی علم نہیں ہوتا کبھی کہاں اور کبھی کہاں کبھی کسی جگہ کئی کئی مہینے تک قیام کرتے ہیں اور کبھی دو دن کے بعد ہی روانہ ہوجاتے ہیں، تو ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ہم نمازیں قصر کریں یا پوری پڑھیں؟

الجواب:۔ فوجی ملازم یا سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہوتے ہیں اگر افسرانِ بالا کسی جگہ پندرہ دن کے قیام کی نیت کریں تو وہاں دیگر ماتحت فوجیوں کو بھی پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور جس جگہ پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو وہاں قصر کریں، البتہ اگر کسی فوجی افسر کی نیت کا علم نہ ہو تو صحیح معلومات تک قصر کریں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا بد من علم التابع بنیۃ المتبوع فلو نوی المتبوع الاقامۃ ولم یعلم التابع فھو مسافر حتی یعلم علی الاصح۔ وفی الفیض وبہ یفتی کما فی المحیط وغیرہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۳۴ کتاب المسافر) [2]

کیا سنتِ مؤکدہ کی رکعتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟

سوال:۔ حالت سفر میں چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو بقی فی المصر سنین علی عزم انہ اذا قضی حاجتہ یخرج ولم ینو الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً قصر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوۃ المسافر)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۶ کتاب المسافر۔

[2] وفی الھندیۃ: ان لم یعلم التبع باقامۃ الاصل قیل یصیر مقیماً وقیل لا یصیر مقیماً وھو الاصح لان فی لزوم الحکم قبل العلم بہ حرجاً وضرراً وھو مدفوع شرعاً۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوۃ المسافر)

ہو جاتی ہے تو کیا سنت مؤکدہ میں بھی کچھ تخفیف ہے یا کہ وہ چار ہی پڑھی جائیں گی ؟

الجواب:۔ اس بات پر تو سب فقہاء متفق ہیں کہ فرض نمازوں کے علاوہ کسی نماز میں بھی قصر نہیں البتہ ترک اور عدم ترک میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ اگر موقع ہو اور قافلہ چھوٹنے یا مقصود میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں۔

لما فی الهندية : ولا قصر فی السنن كذا فی المحيط السرخسی وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار أنه لا يأتی بها فی حال الخوف ويأتی بها فی حال القرار والامن هكذا فی الوجيز للكردری۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر) [۱]

مسافر کا مقیم امام کے ساتھ نماز کے آخر میں ملنا

سوال:۔ اگر مسافر نے مقیم امام کی اقتداء نماز کے آخر میں کی تو کیا اس صورت میں بھی مسافر پر اتمام کرنا (پوری نماز پڑھنا) ضروری ہے یا قصر کرے گا؟

الجواب:۔ مسافر مقتدی جب مقیم امام کی اقتداء کی نیت کرے تو اتباعِ امام کی وجہ سے اُسے پوری نماز ادا کرنی ہوگی اگرچہ وہ بالکل آخر میں شامل ہوا ہو۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وان اقتدی مسافر مقيما يصلی رباعية ولو فی التشهد الاخير۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۴۷ کتاب المسافر) [۲]

بحری جہاز کے ملازمین کپتان کے تابع ہیں

سوال:۔ بحری جہاز کے ملازمین ہمیشہ جہاز کے کپتان کے تابع ہوتے ہیں، کپتان جس ملک میں جتنے ایام گذارنا چاہے گذارتا ہے، کیا سفر کی نیت میں بھی ملازمین اپنے کپتان کی نیت کے تابع ہوں گے یا کہ ہر ملازم کو اپنی نیت کرنی ہوگی ؟

---

[۱] قال العلامة الحصكفیؒ : ويأتی المسافر بالسنن ان كان فی حال أمن وقرار وإلا بأن كان فی خوف وقرار لا يأتی بها هو المختار لأنه ترك لعذر۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۱ کتاب المسافر)
ومثله فی الفقه الاسلامی وأدلته ج ۲ ص ۳۴۹ سابعاً صلوٰة السنن فی السفر۔

[۲] قال العلامة الحصكفیؒ : واما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح فی الوقت ويتم۔ قال ابن عابدينؒ : (تحت قوله او القراءة) فی السراج الی الحواشی فيدخل فيه ما لو اقتدى به فی القعدة الاخيرة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۰ باب صلوٰة المسافر)

الجواب:۔ بحری جہاز کے ملازمین جس طرح چلنے پھرنے اور کسی ملک میں قیام کرنے میں اپنے کپتان کے تابع ہوتے ہیں تو اسی طرح احکام سفر میں بھی کپتان کی نیت کا اعتبار ہوگا ملازمین جتنے بھی ایام کی نیت کریں معتبر نہیں، کتب فقہ میں اس کی نظیر امیر الجیش یا آقا کی ہے۔

وفی الھندیة: وکل من کان تبعاً لغیرہ یلزمه طاعته یصیر مقیما باقامته ومسافراً بنیته وخروجه الی السفر۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر) ؎۱

سفر کی نیت نہ ہونے کے باوجود مہینوں سفر کرنا

سوال:۔ بعض لوگ مہینوں سفر کرتے ہیں مگر ان کی نیت سفر کی نہیں ہوتی تو کیا وہ لوگ قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب:۔ مسافر کے لیے تین دن کے سفر (موجودہ دور میں ۴۸ میل یا ۷۵ کلومیٹر کے برابر مسافت) کی نیت ضروری ہے، بغیر سفر کی نیت کے سفر کرنے والا آدمی مسافر شمار نہیں ہوگا اگرچہ وہ مہینوں یا سالوں تک سفر کرتا رہے، اس لیے ایسے شخص کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله:۔ ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ باب صلوٰۃ المسافر) ؎۲

سفر میں شاگرد یا مرید اپنے استاد اور مرشد کا تابع ہے

سوال:۔ شاگرد یا مرید اپنے استاد یا پیر (مرشد) کے ساتھ سفر میں ہوں تو کیا شاگرد یا مرید اپنے استاذ یا مرشد کے تابع ہونگے یا نہیں؟

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ: والمعتبر نیة المتبوع لأنه الاصل لا التابع کامرأة وفاھا مھرھا المعجل وعبد غیر مکاتب وجندی اذا کان یرتزق من الامیر او بیت المال واجیر و اسیر و غریم۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۴۵ کتاب المسافر۔

؎۲ قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: والثانیة بنیته مدة السفر لان الانسان قد یخرج من مصرہ الی موضع لاصلاح الضیعة ثم تبدو له حاجة اخری الی المجاوزة عنه الی موضع آخر لیس بینھما مدة السفر ثم وثم الی ان یقطع مسافة بعیدة اکثر من مدة السفر۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۳ کتاب المسافر)

الجواب:۔ اگر شاگرد یا مرید کا سفری خرچہ اُستاد و مُرشد برداشت کر رہا ہو تو اس صورت میں شاگرد و مرید تابع ہو کر استاد کی نیت سے مقیم اور اس کی نیت سے مسافر ہونگے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : تحت قوله (وتلمیذ) اذا کان یرتزق من استاذه والمراد به مطلق المتعلم مع معلمه الملازم له لا خصوص طالب العلم مع شیخه۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۴ کتاب المسافر) [1]

فرمانبردار بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے

سوال:۔ کیا سفر میں بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیٹا فرمانبردار ہو اور وہ باپ کے اشارے پر چلتا ہو تو بالغ ہونے کے باوجود سفر میں باپ کے تابع ہوگا اور باپ کی نیتِ اقامت سے مقیم اور نیتِ سفر سے مسافر شمار ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : قلتُ وَمِثْلُهُ بالاولی الابن البار البالغ مع ابیه۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۴ کتاب المسافر)

پشاور کا رہنے والا کراچی میں سسرال کے ہاں دورانِ قیام قصر کریگا یا اتمام؟

سوال:۔ پشاور کے رہنے والے ایک شخص نے کراچی میں شادی کی ہوئی ہے، اب اگر یہ شخص اپنے سسرال کے ہاں کراچی جائے جبکہ اُس کی نیت بھی پندرہ دن سے کم کی ہو تو یہ شخص کراچی میں نمازیں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب:۔ صرف شادی کرنے سے سسرال کا وطن وطنِ اصلی نہیں بنتا بلکہ شادی کے بعد وہاں مستقل سکونت کی نیت بھی ضروری ہے چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص نے کراچی میں صرف شادی کی ہے وہاں اپنا مسکن نہیں بنایا اس لیے یہ شخص جب کراچی میں پندرہ دن سے کم قیام کرنے کی نیت کرے گا تو وہاں مسافر متصوّر ہو کر قصر کرے گا۔

---

[1] وفی الھندیة : والتلمیذ مع استاذہ والاجیر مع مستاجرہ والجندی مع امیرہ فهؤلاء لا یصیرون مقیمین بنیة انفسهم فی ظاهر الروایة ...... (ما اذا کانت ارزاقهم من اموال انفسهم فالعبرة لنیتهم۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۸ باب صلوٰة المسافر۔

قال الامام فخرالدین الشہیر بقاضی خانؒ: المسافر اذا جاوز عمران مصرہ.... وان کان ذلک وطناً اصلیاً بان کان مولدہ وسکن فیہ اولم یکن مولدہ لکنہ تأھل بہ وجعلہ دارا۔

(فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الہندیہ ج۱ ص۱۶۵ باب صلوٰۃ المسافر)[1]

اغوا ہونے والا شخص قصر کرے گا یا اتمام

سوال:۔ جو شخص اغوا ہو جائے اور اسے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر محبوس کر دیا جائے تو اس شخص کے لیے نماز میں قصر یا اتمام کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو شخص اغوا کر کے مسافت شرعی کی مقدار پر لے جایا گیا تو وہ اغوا کرنے والے کا تابع ہے اگر اغوا کرنے والا وہاں مقیم ہے تو یہ شخص اتمام کرے گا اور اگر متبوع بھی مسافر ہو تو یہ شخص بھی قصر کرے گا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (واسیر) ذکر فی المنتقی أن المسلم اذا أسرہ العدو ان کان مقصدہ ثلاثۃ ایام قصر وان لم یعلم سألہ فان لم یخبرہ و کان العدو مقیماً أتم وان کان مسافراً قصر۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر)[2]

کیا مفرور شخص کی نیت اقامت صحیح ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی جرم میں گرفتار ہونے کے خوف سے مفرور ہو کر کسی دور دراز شہر میں چلا جائے اور وہاں نیت اقامت کی کرے تو کیا اس شخص کی نیت کا اعتبار صحیح ہو گا یا نہیں؟ جبکہ کسی وقت بھی اس کو گرفتار کر کے وہاں سے لے جایا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص مفرور ہو کر کسی ایسے مقام میں ہو جہاں کی انتظامیہ یا پولیس سے مجرم کے اپنے وطن کی پولیس یا انتظامیہ کا مجرموں کو پکڑنے یا چھاپہ مارنے کا معاہدہ ہو تو اس شخص کے

---

[1] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: فالاصلی ھو مولد الانسان او موضع تأھل بہ ومن قصدہ التعیش بہ لا الارتحال۔ (کبیری ص۵۴۵ فصل فی صلوٰۃ المسافر)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۶ کتاب المسافر۔

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: أن المسلم أسرہ العدو وان کان مقصدہ ثلاثۃ ایام قصر وان لم یعلم سألہ فان لم یخبرہ وکان العدو مقیماً أتم وان کان مسافراً قصر۔

(کبیری ص۵۴۱ فصل فی صلوٰۃ المسافر)

نیّت کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ اس قرار وفرار کے مابین شک وتردد ہے، البتہ اگر اس مقام کی انتظامیہ کے ساتھ مجرم (مفرور) کے وطن کی انتظامیہ کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو تو نیّت کا اعتبار کرکے مقیم متصوّر ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : لان حالهم يخالف عزيمتهم للتردد بين القرار والفرار۔ (البحرالرائق ج ۱ ص۱۳۳ باب صلوٰة المسافر) [۱]

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مقیم بلوچستانی طلبہ پشاور میں قصر کریں گے یا اتمام؟

سوال:۔ ہم چند ساتھی بلوچستان سے یہاں دارالعلوم میں حصولِ تعلیم کیلئے آئے ہوئے ہیں، دورانِ تعلیم اگر ہم مدرسہ سے کسی کام کے لیے پشاور جائیں تو کیا ہم وہاں قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب:۔ آپ لوگوں کا سفر یہاں تک ختم ہوا ہے اب یہاں آپ لوگ مقیم متصوّر ہوں گے، اگر آپ یہاں سے کسی ایسے مقام کو جائیں جو اکوڑہ سے شرعی حدِ مسافت سے کم مسافت پر واقع ہو تو پوری نماز پڑھیں گے اور اگر مسافتِ شرعی پر یا اس سے زیادہ پر واقع ہو تو پھر قصر کرنا واجب ہے اس لیے کہ آپ لوگوں کا دوسرا سفر اکوڑہ سے شروع ہوگا بلوچستان سے نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : والحاصل ان انشاء السفر يبطل وطن الاقامة اذا كان منه اما لو انشاءه من غيره فان لم يكن فيه مرور على وطن الاقامة او كان ولكن بعد سير ثلثة ايام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته ۔ والله اعلم۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ : (وحاصر أهل البغي في دارنا في غير مصر مع نية الاقامة مدّتها للتردد بين القرار والفرار۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۱۲۷ کتاب المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۴۶ فصل فی صلوٰة المسافر۔

[۲] لما قال الشیخ وهبة الزحیلی : وقد اتفق الفقهاء على ان اول السفر الذي يجوز به القصر ونحوه هو ان يخرج المسافر من بيوت البلد التي خرج منها ويجعلها وراء ظهره۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۲۴ ثانیاً الموضع الذی یبدأ منه المسافر) ــــ وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح ص۸۵ باب صلوٰة السفر

سفر کے چند مسائل کے بارے میں معلومات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:۔

(۱) مسافر اور مسافت کی توضیح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیا ہے اور کتنی اور کس چیز پر؟ کیا وقت حاضرہ کی سواری اور سفر کی دیگر سہولیات کے پیش نظر حکم شرع میں تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسافر کے لیے نماز قصر پڑھنا ضروری ہے، اگر پوری پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا ثواب ملے گا؟

(۳) کیا کوئی آثار موجود ہیں کہ مجاہدین اسلام (حالت جنگ میں) قصر کیا کرتے تھے؟ اور اس کی قید پندرہ دن یا دس سال تک بھی کیوں نہ ہو انہیں قصر نماز پڑھنے کا حکم تھا کیونکہ قیام کی غرض تو نہ تھی۔ ایسے ہی موجودہ دور میں اگر عساکر اسلامی کو کسی ایسی مہم پر بھیجا جائے، کوئی سریہ کی شکل میں کوئی حفاظت کی شکل میں، تو کیا نماز قصر کریں گے؟ اور کیا سنت مؤکدہ ادا کرنا ان کے لیے ضروری ہے یا چھوڑ دینے کی اجازت ہے؟ کیا اطمینان شرط ہے؟

(۴) ایسا مسافر جو غیر مطمئن ہو اور اس کو کسی قسم کا علم نہ ہو کہ میں نے کتنے دن قیام کرنا ہے اور ایسی صورت میں انفرادی ارادہ کام دے گا یا اجتماعی؟ کیا نقل و حرکت کا اعتبار فرد پر ہے یا حاکم کے حکم پر؟

(۵) ایسے مجاہدین جو افسران بالا کے حکم کے منتظر ہوں اور انتظار میں ان کا چاہے کتنا ہی عرصہ قیام کریں وہ نماز قصر ادا کریں گے یا نہیں؟

(۶) کیا ایسے عساکر کو ہر وقت مسافر تصور کیا جائے گا یا اطمینان کی حالت میں مقیم مسافر امام نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو گویا ضروری نہیں کہ جمعہ ترک کیا جائے بلکہ باعث اجر ہے اور نہ پڑھنے میں گناہ نہیں۔

(۷) عساکر اسلامی اگر مسجد کا سامان اپنے ساتھ پھرائیں تو کیا یہ جائز ہے؟ کیونکہ مقامی مسجد کا سامان سفر چلتا پھرتا ہے تو کیا حکم ہے ایسے سامان کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں؟

الجواب:۔ مسافت کی توضیح میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ رشیدیہ" میں تحریر فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے: "چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں،

حدیث مؤطا امام مالکؒ سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہٰذا تین منزل کا سفر سب کے ہاں متفق ہے، یہی مقدار سفر شرعی ہے جس کی وجہ سے احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ اور جس کو فقہاء کرام نے مختلف عبارات میں اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اقل مسافة تتغیر فیها الاحکام مسیرة ثلاثة ایام کذا فی التبیین هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۶) اس قدر سفر کا قصد کرنے والے کو شرعاً مسافر کہا جاتا ہے اور جو احکام اس قدر سفر سے متغیر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: الاحکام التی تتغیر بالسفر هی قصر الصلوٰة واباحة الفطر وامتداد مدة المسح الی ثلاثة ایام وسقوط وجوب الجمعة والعیدین والاضحیة وحرمة الخروج علی الحرة بغیر محرم کذا فی العتابیة۔ (فتاویٰ عالمگیری) اور اس مقدار سفر کو طے کرنے میں درمیانی رفتار معتبر ہے: والمعتبر السیر الوسط کذا فی السراجیة۔ اور فقہاء اس درمیانی رفتار کی وضاحت یوں کرتے ہیں: وهو سیر الابل ومشی الاقدام فی اقصر ایام السنة کذا فی التبیین۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتبار مسافت کا ہے اگرچہ سواری کے تیز رفتار ہونے سے وہ جلدی طے ہو جائے، جیسا کہ ریل اور ہوائی جہاز وغیرہ کے سفر میں یہی حکم ہے مثلاً ایک منزل مقصود کو آدمی اگر پیدل یا اونٹ پر سوار ہو کر تین دن میں پہنچ جاتا ہے اور ریل کے ذریعہ ایک دن میں اور ہوائی جہاز کے ذریعہ پچیس تیس منٹ میں، تو یہ آدمی قصر کرے گا، کیونکہ اعتبار مسافت کا ہے اور فقہاء نے بھی یہی ذکر کیا ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ ولو کانت المسافة ثلاثاً بالسیر المعتاد فسار الیها علی الفرس جریاً فوصل فی یومین او اقل قصر، کذا فی الجوهرة النیرة (فتاویٰ عالمگیری) اس سے ثابت ہوا کہ وقت حاضرہ کی تیز رفتار سواریوں سے حکم شرع میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی امداد الفتاویٰ جلد ۱ میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قصر واجب ہے۔ والقصر واجب عندنا کذا فی الخلاصة۔ اب جس نے اتمام کیا تو ضرور گنہگار ہوگا: فان صلی اربعا وقعد فی الثانیة قدر التشهد اجزائه والاخریان نافلة ویصیر مسیئاً — اخیر السلام الخ

كذا فى الهداية ـــــ درمختار میں ہے: صلى الفرض الرباعى ركعتين وجوبًا ـــــ
علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: فيكره الاتمام عندنا حتى روى عن أبى حنيفةؒ
لانهٗ قال من اتم الصلوٰة فقد اساء وخالف السنة۔ (شرح منیہ ـــ شامی ج ۱ ص ۵۳۲)

(۳) (الف) عسکر اسلامی اگر دارالحرب میں داخل ہوجائے یا دارالحرب میں ایک شہر یا ایک قلعہ کا محاصرہ کریں اور وہ نیتِ اقامت کر بھی لیں تو ان کی نیتِ اقامت درست نہیں بلکہ وہ قصر کریں گے کیونکہ وہ بین القرار والحضرار ہیں۔ ھدایہ میں ہے: واذا دخل العسكر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروكذا اذا حاصروا فيها مدينة او حصنًا لان الداخل بين ان يهزم فيقر وبين ان ينهزم فيفر فلم تكن دار اقامة۔ (شامی اور عالمگیری میں بھی اسی طرح لکھا ہے) اور ایک شخص مسافر اس وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ کسی شہر یا گاؤں میں کم از کم پندرہ دن کی نیت اقامت نہ کرے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اور اگر پندرہ دن سے کم نیتِ اقامت کرے گا تو وہ مقیم نہ ہوگا اور قصر کرے گا۔ اسی طرح امام طحاویؒ نے ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے نقل کرکے اخراج کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:
ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الاقامة فى بلدة او قرية خمسة عشر يومًا او اكثر ولو نوى اقل من ذلك قصر وهو ماثور عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ (اخرجه الطحاوى عنهما) والاثر فى مثله كالخبر لانه لا دخل للرأى فيه فالظاهر ان الصحابى رواه عن النبى صلى الله عليه وسلم۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۴۹ باب صلوٰة المسافر)
لہٰذا موجودہ دور میں اگر عساکر اسلامی ایسی مہم پر جاکر دارالحرب میں اتریں یا وہاں کے کسی شہر یا گاؤں کا محاصرہ کریں تو وہ اگر نیتِ اقامت کرلیں تو اتمام کریں گے نہیں۔

(ب) رہا سنتوں کا مسئلہ تو اس کے لیے سفر میں اطمینان شرط ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
ولا قصر فى السنن كذا فى محيط السرخسىؒ۔ وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار انه لا يأتى بها فى حال الخوف ويأتى بها فى حال القرار والامن هكذا فى الوجيز للكردى (فتاوىٰ عالمگيرى ج ۱ ص ۱۳۹) اور اسی طرح صاحب درمختار نے بھی لکھا ہے۔

(۴) ایسا مسافر جو کسی حاجت کے لیے کسی شہر میں داخل ہوجائے اور ارادہ یہ ہو کہ جب بھی حاجت پوری ہوجائے تو نکلے گا اور پندرہ یوم نیتِ اقامت نہیں کی ہے اور اسی طرح وہ کئی سال

وہاں رہا تو قصر کرے گا۔ عالمگیری میں ہے: ولو بقی فی المصر سنین علی عزم انہ اذا قضی حاجتہ یخرج ولم ینو الاقامۃ خمسۃ عشر یوما قصر کذا فی التہذیب (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹ باب صلوٰۃ المسافر) اسی طرح ہدایہ میں ہے: ولو دخل مصراً علی عزم ان یخرج غداً او بعد غد ولم ینو مدۃ الاقامۃ حتی بقی علی ذلک سنین قصر لان ابن عمرؓ اقام باذربیجان ستۃ اشہر وکان یقصر (رواہ عبدالرزاق) وعن جماعۃ من الصحابۃ مثل ذلک۔ (رواہ البیہقی عن سعد ابن ابی وقاص وانس وغیرھما)

(الہدایۃ ج ۱ ص ۱۳۹ باب صلوٰۃ المسافر)

ایسی صورت میں انفرادی یا اجتماعی ارادے کے متعلق فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ نیتِ اقامت کے لیے پانچ شرائط ہیں جن میں ایک شرط استقلال رائے بھی ہے۔ اگر مستقل بالرائے نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کا تابع ہو تو اس کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے:

الاصل ان من لا یمکنہ الاقامۃ باختیارہ لا یصیر مقیماً بنیۃ نفسہ حتی ان المرأۃ اذا کانت مع زوجہا فی السفر والرقیق مع مولاہ والتلمیذ مع استاذہ والاجیر مع مستاجرہ والجندی مع امیرہ فہؤلاء لا یصیرون مقیمین بنیۃ انفسہم فی ظاہر الروایۃ کذا فی المحیط۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فوج کی اقامت اور غیر اقامت کا مدار حاکم یا اعلیٰ افسر کی نیت پر ہے اور خود اس کی اپنی نیتِ اقامت کام نہیں دے گی۔

(۵) جس کے حکم کے انتظار میں ہیں اگر اس کی طرف سے نیتِ اقامت کا کچھ پتہ نہ ہو اور اس میں کئی سال کا عرصہ گذر جائے تو قصر ہی کرے گا۔

(۶) جب یہ معلوم ہو چکا کہ لیعنی فوجی سپاہی اپنے اختیار کا مالک نہیں ہے پس اگر وہ نیتِ اقامت کر بھی لے تو یہ نیت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ تو جب تک فوج کے حاکمِ اعلیٰ نے اقامت کی نیت نہیں کی ہے تو اس کے ماتحت سب مسافر ہیں اور مسافر پر اگرچہ اطمینان ہو نمازِ جمعہ نہیں ہے کیونکہ شرائطِ جمعہ میں ایک شرط اقامت کی بھی ہے۔ سفر کی حالت میں جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھے گا، اس کی تو شرعاً اجازت ہے لیکن اگر مسافرین نے نمازِ جمعہ ادا کی تو یہ باعثِ اجر ہے مگر فرضِ وقت سے حساب ہوگا۔

شرائط وجوبِ جمعہ میں فقہاء کرام لکھتے ہیں: وھی الحریۃ والذکورۃ والاقامۃ والصحۃ

كذا فى الكافى. حتى لا يجب الجمعة على العبد والنسوان والمسافرين والمرضى كذا فى المحيط ـــــ اس سے چند سطر آگے کی عبارت کچھ اس طرح ہے: ومن لا جمعة عليه ان اداها جاز عن فرض الوقت كذا فى الكنز۔

(فتاوٰی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۴ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ)

(۷) جس طرح کہ اور ضروری سفری سامان عساکرِ اسلامی اپنے ساتھ لیتے ہیں اسی طرح اگر مسجد کا سامان مثلاً چٹائی وغیرہ اپنے ساتھ لے لیں تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(فقط واللہ اعلم)

جس سفر کے درمیان وطنِ اقامت ہو، کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں سلسلہ ملازمت نوشہرہ کینٹ میں ملازم ہوں، ایک بار کسی کام کے لیے مردان گیا اور وہاں سے اسلام آباد جانے کی نیت کی، جب رسالپور پہنچا تو میں نے عصر کی نماز دو رکعت پڑھی، اس پر میرے ایک ساتھی نے کہا کہ آپ کو تو پوری نماز پڑھنی تھی، تمہارا قصر نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد شروع ہوگا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا میرے ساتھی کی بات درست ہے یا میرا عمل؟ قرآن وسنت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ کی رو سے سفر کا انشاء وطنِ اقامت سے ہوتا ہے کسی دوسرے مقام سے نہیں، چونکہ آپ کا وطنِ اقامت نوشہرہ ہے مردان نہیں، جبکہ مردان اور نوشہرہ کے درمیان مسافت سفر بھی نہیں اس لیے آپ کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے تھی، قصر کا حکم نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد متوجہ ہوتا۔ اس لیے آپ کے ساتھی کی بات درست ہے، اگر آپ نے دوبارہ نماز نہ لوٹائی ہو تو نماز کا اعادہ کریں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: والحاصل ان انشاء السفر يبطل وطن الاقامة اذا كان منه اما لو انشاه من غيره فان لم يكن فيه مرور على وطن الاقامة او كان ولكن بعد سير ثلثة ايام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته والله اعلم...... وقال فى الفتح ان السفر الناقض لوطن الاقامة ما ليس فيه مرور على وطن الاقامة او يكون فيه المرور به بعد سير مدة السفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۰ كتاب السفر)

پندرہ دن اقامت کی نیت کے بعد ارادہ بدلنے پر قصر ہے یا اتمام؟ | **سوال:۔** ایک شخص کسی شہر میں پندرہ دن کی نیت سے رہنے لگا لیکن اچانک نیت تبدیل کرکے تین چار دن کے بعد جانے کا ارادہ کر لیا حتیٰ کہ سفر کے لیے ٹکٹ بھی لے لی تو کیا یہ شخص اب قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب:۔ جس شخص نے ایک دفعہ اقامت کی نیت کرکے رہنا شروع کر دیا تو وہ اُس وقت تک اس شہر میں مقیم متصور ہوگا جب تک وہ اس شہر کی حدود سے باہر نہ نکلے اگرچہ درمیان میں اس نے نیت تبدیل کرکے مدتِ اقامت سے قبل جانے کا ارادہ کر لیا ہو۔

قال العلامة السرخسیؒ: ولا یکون مسافراً بالنیة کما یکون مقیماً بالنیة لانه لایکون مسافراً حتیٰ یسیر والاقامة تکون بالنیة لان الاقامة لیس بعمل۔ (المبسوط للسرخسی ج۱ صفحہ ۲۰۰) [1]

کرفیو کی وجہ سے قصر واتمام کا حکم | **سوال:۔** ایک شخص کسی شہر میں ضروری کام کے لیے گیا مگر اتفاق سے وہاں کرفیو نافذ تھا جس کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل وہاں سے نکلنا ممکن نہ رہا، تو کیا یہ شخص وہاں مقیم تصور ہوگا یا مسافر؟

الجواب:۔ جب کسی شہر میں پندرہ دن کا قیام یقینی ہو تو وہاں آدمی مقیم متصور ہوگا صورتِ مسئولہ میں چونکہ کرفیو کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل نکلنا ممکن نہ رہا اگرچہ یہ اتفاقیہ حادثہ ہے تب بھی یہ شخص مقیم متصور ہوگا۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یزال علی حکم السفر حتیٰ ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوماً او اکثر۔ (الهدایه ج ۱ ص۱۳۲ باب المسافر) [2]

کسی دوسرے شہر میں ذاتی مکان ہو تو اس میں قصر واتمام کا حکم | **سوال:۔** بعض مالدار لوگ موسم گرما کے ایام سوات، چترال،

---

[1] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: والثالث: الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافراً بمجرد نیة السفر ما لا یخرج من عمران المصر۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۴ فصل ما یصیر به المقیم مسافراً)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولا یزال المسافر علی حکم السفر حتیٰ ینوی الاقامة مدة معینة ستذکرها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۲۵ الثالث الموضع الذی یبدأ منه الخ)

ومثله فی کبیری ص۵۳۹ فصل فی صلوٰة المسافر۔

ایبٹ آباد، مری وغیرہ ٹھنڈے علاقہ جات میں گذارتے ہیں اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں اپنے ذاتی مکان بھی بنا رکھے ہیں، تو کیا یہ لوگ ان علاقوں میں مقیم متصور ہوں گے یا مسافر؟ خواہ وہ ایک دو دن کے لیے ہی جاتے ہوں؟

الجواب:۔ جو شخص کسی دوسرے شہر میں اپنا ذاتی مکان بنائے اور وہاں ایک دفعہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ موسم گرما گذارے تو وہ اس شخص کا وطن اصلی شمار ہوگا، اس طرح یہ شخص جب بھی اس شہر میں آئے گا مقیم ہو کر پوری نماز پڑھے گا جب تک اس کا مکان اس شہر میں ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے لوگ مقیم ہوں گے اور ان پر اتمام واجب ہے یعنی پوری نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخری اتخذها دارًا وتوطن بها مع اهله وولده ولیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۶ باب صلوٰة المسافر)[1]

---

[1] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: فالاصلی هو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعیش به لا الارتحال عنه۔ (کبیری ص۵۴۴ فصل فی صلوٰة المسافر)
ومثله فی بدائع الصنائع ج۱ ص۱۰۳ مطلب فی ان الاوطان ثلاثة۔

باب الجمعۃ والعیدین
(جمعہ وعیدین کے احکام ومسائل)

نمازِ جمعہ کی فرضیت سے منکر کا حکم

سوال: نماز جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص اسکی فرضیت سے انکار کرے تو کافر ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی فرضِ عین ہے، اس کی فرضیت سے انکار موجبِ کفر ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی فرض عین یکفر جاحدھا لثبوتھا بالدلیل القطعی۔
(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۳۶ باب الجمعۃ) [1]

جمعہ کے وجوب کے لیے حاکم کی اجازت کی شرعی حیثیت

سوال: فقہاء نے نماز جمعہ کے وجوب اداء میں بادشاہ کی اجازت کا ہونا ضروری لکھا ہے لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کا حاکم نہ ہو تو وہاں پر جمعہ پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: جہاں کہیں اسلامی سلطنت قائم ہو تو وہاں پر اجازت صراحتاً یا دلالۃً ضروری ہے لیکن اگر کہیں ایسا انتظام نہ ہو تو بعد از رعایتِ شرائط عام مسلمان خود اپنی ذمہ داری محسوس کرکے نمازِ جمعہ کا اہتمام کریں گے۔

لماذکر فی الھندیۃ: ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ باب صلوۃ الجمعۃ) [2]

---

[1] وقال علامہ ابن نجیمؒ: وھی فریضۃ محکمۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع یکفر جاحدھا الخ (البحرالرائق ج۲ ص۱۳۹ باب الجمعۃ)
ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۱ باب الجمعۃ)

[2] وقال الشبلی فی حاشیۃ الزیلعی: ولو اجتمعت العامۃ علی ان یقدموا رجلاً من غیر امر خلیفۃ المیت او القاضی لم یجز ولم تکن جمعۃ لانہ لم یفوض الیھم امرھم الا اذا لم یکن فیھم قاض ولا خلیفۃ المیت بان کان الکل میت فحینئذ یجوز للاجل الضرورۃ الخ (الزیلعی جلد۱ ص۲۲۰ باب صلوۃ الجمعۃ)
ومثلہ فی البحرالرائق ج۲ ص۱۴۳ باب صلوۃ الجمعۃ۔

مصر کے توابع میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:- اگر کسی قریۂ کبیرہ کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہو، اس کی اپنی آبادی تو کم ہو لیکن رسم و رواج، غمی اور خوشی میں اس کے تمام تعلقات بڑے گاؤں پر مبنی ہوں تاہم درمیان میں کچھ زمین خالی پڑی ہے جس میں تاحال کوئی آبادی نہیں۔ کیا اس چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر اس چھوٹے گاؤں کی حیثیت ایک محلہ کی طرح ہو تو پھر درمیان میں خالی زمین اس کے لیے مانع نہیں کہ اس کو اس بڑے گاؤں کے توابع میں شمار کیا جا سکے توابع ہونے کی صورت میں جمعہ وعیدین یہاں واجب رہیں گے اگرچہ اس کی مستقل آبادی کم ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وکذا لایصح اداء الجمعۃ الا فی المصر وتوابعہ فلا تجب علی اھل القری التی لیست من توابع المصر الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۵۹ فصل بیان شرائط الجمعۃ)[1]

فناء مصر کی مقدار

سوال:- کسی مصر یا قریۂ کبیرہ کے توابع اور فناء کا دائرہ کتنی مسافت تک ممتد رہتا ہے جبکہ بڑے بڑے گاؤں کا دائرہ میلوں تک رہتا ہے، کیا یہ تمام علاقہ مضافات میں شمار ہوگا؟

الجواب:- گاؤں یا مصر کے توابع کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق جہاں تک اذان کی آواز سنائی دیتی ہو تو وہ علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ دوسرے متعدد اقوال مسافت کے بارے میں بھی مروی ہیں، لیکن موجودہ وقت میں کسی بڑے گاؤں کا وہ علاقہ جو انتظامی طور پر نافذ العمل ہو وہی علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ مثلاً گاؤں کمیٹی کارپوریشن وغیرہ کا متعلقہ توابع سمجھا جاتا ہے اس لیے یہی علاقہ متعلقہ تنظیموں کی آمدنی اور مصارف کے لیے مخصوص سمجھے جاتے ہیں، البتہ یونین کونسل کا اس زمرہ میں آنا مشکل ہے، پھر بھی ایسے بڑے گاؤں علاقہ کے عرف کے تابع ہونے چاہئیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما تفسیر توابع المصر فقد اختلفوا فیھا روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ ان المعتبر فیہ سماع النداء ان کان موضعًا یسمع فیہ النداء الخ

---

[1] وقال محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: تقع فرضا فی القصبات والقری اوفنائہ وھو ما اتصل بہ لاجل مصالحہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۳۸ باب الجمعۃ)

[1] ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۵ صلوٰۃ الجمعۃ)

من المصر فهو من توابع المصر الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۰ فصل بیان شرائط الجمعۃ) ؎۱

متعدد آبادیوں پر مشتمل قریہ میں جوازِ جمعہ کا حکم

سوال: چند چھوٹے گاؤں جن کی مجموعی آبادی تو قریۂ کبیرہ تک پہنچتی ہے لیکن انفراداً ہر ایک کی آبادی دیہات کے حکم میں ہے، کیا ان متعدد آبادیوں کو ملا کر یہاں پر جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مذکورہ چھوٹی آبادیاں محلہ جات کی شکل میں ہوں اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک خالی جگہ پڑی ہو تو اس معمولی مسافت کی وجہ سے اگرچہ نام الگ ہوں لیکن پھر بھی باہمی تعلقات، غمی اور خوشی اور دوسرے امور میں شرکت کی وجہ سے ایک قریۂ کبیرہ شمار ہو کر ایسی جگہ میں نماز جمعہ وعیدین ادا کرنا درست ہے۔ اور اگر ایک گاؤں کا کسی دوسرے گاؤں سے کوئی خاص تعلق نہ ہو ہر ایک میں انفرادیت ہو اور ان متعدد جگہوں کی حیثیت الگ الگ دیہات کی ہو تو اس کو مجموعی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ دیہات کی صورت میں فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ وعیدین پڑھنا جائز نہیں۔

قال علامہ ابن العابدینؒ: تقع فرضُ فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا اسواق۔ الخ۔ (شامی ج ۲ ص ۱۳۸ باب الجمعۃ) ؎۲

ہنگامی حالات کے تحت بازار میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے

سوال: اگر کسی جگہ کی مقامی آبادی قریہ کبیرہ تک نہ پہنچتی ہو لیکن جمعہ کے دن کاروباری مرکز ہونے کی وجہ سے لوگوں کا اژدحام رہتا ہے۔ تو کیا اس وقتی کثرت کی وجہ

؎۱ وقال علامہ ابن عابدینؒ: وجملۃ اقوالھم فی تقدیرہ ثمانیۃ اقوال اوتسعۃ علوہ میل میلان ثلثۃ فرسخ فرسخان ثلثۃ سماع الصوت سماع الآذان الخ۔ (شامی ج ۲ ص ۱۳۹ باب صلوۃ الجمعہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۱ باب صلوۃ الجمعۃ۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: وجوب الجمعۃ علی ثلثۃ اقسام فرض علی البعض وواجب علی البعض وسنۃ علی البعض اما الفرض فعلی الامصار واما الواجب فعلی توابعھا واما السنۃ فعلی القری الکبیرۃ والمستجمعۃ للشرائط۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۱ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۵۰ باب الجمعۃ۔

سے اس جگہ میں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ سال بھر ہر جمعہ میں یہ کیفیت قائم رہتی ہے۔

الجواب:۔ ہنگامی حالات کے پیشِ نظر جمعہ کے دن یہ جگہ جب مصر یا قریہ کبیرہ بن سکے تو اس میں "منیٰ" کی طرح وقتی کثرت کی وجہ سے نمازِ جمعہ پڑھنا درست ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز بمنیٰ ان کان الامیر امیر الحجاز او کان الخلیفۃ مسافراً عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ وقال محمدؒ لاجمعۃ بمنیٰ لانہا من القریٰ حتیٰ لایعید بہا۔ ولہما انہا تتمصر فی ایام الموسم الخ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۶۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ) [۱]

متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی جگہ جمعہ کی شرائط پوری ہوں تو متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرائط پوری ہونے کے بعد جب ایک دفعہ جمعہ وعیدین واجب ہو جائیں تو متعدد مقامات پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ابتداء ہی سے متعدد جگہوں میں جمعہ شروع ہو، بلکہ ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ ضرورت محسوس ہو تو نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے۔ تاہم کسی فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے درمیان افتراق کے لیے آلۂ کار بن کر جامع مسجد سے علیحدگی کا بہانہ بنانا دانشمندی کا تقاضا نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتویٰ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۴ باب الجمعۃ) [۲]

فوجی چھاؤنی یا کسی ممنوعہ علاقہ میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ بعض حساس علاقوں یا فوجی چھاؤنیوں میں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ قانوناً ممنوع ہوتا ہے، ایسے مقامات پر جہاں ہر ایک کو آنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے "اذنِ عام" مفقود

---

[۱] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وجازت الجمعۃ بمنیٰ فی الموسم الخ۔ (رد المحتار جلد۲ ص۱۴۴ باب صلوٰۃ الجمعۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

[۲] وفی الھندیۃ: وتؤدی فی مصر واحد فی مواضع کثیرۃ وھو قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وھو الاصح۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۴۵ صلوٰۃ الجمعۃ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

ہوتا ہے نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی کتابوں میں ایک شرط "اذنِ عام" بھی لکھی گئی ہے۔

الجواب:۔ ایسے مقامات پر داخلہ کی پابندی انتظامی امور کا حصہ ہے تاکہ اشرار اور مفسدین کے شر سے محفوظ رہے، اس لیے اس پابندی سے جمعہ کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، تاہم یہاں پر بھی متعلقہ افراد کو داخلہ کی کھلی اجازت ہو کر "اضافی اذنِ عام" پایا جاتا ہے اس لیے یہ مقام جب ایسے علاقہ میں واقع ہو جہاں پر جمعہ وعیدین واجب ہو تو متعدد مقامات پر نماز مشروع ہونے کی وجہ سے یہاں پر جمعہ وعیدین پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: تحت قولہ "الاذن العام" فلا یضر غلق باب القلعۃ لعدو او لعادۃ قدیمۃ لان الاذن العام مقرر لاھلہ الخ۔ (درمختار ج۲ ص۱۵۲ باب الجمعۃ) [۱]

دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین کا حکم

سوال:۔ دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے نمازِ جمعہ کے وجوبِ ادا کیلئے دیگر شرائط کے علاوہ قریہ کبیرہ مصر یا فناءِ مصر کا ہونا ضروری لکھا ہے، اس لیے دیہات میں شرائط کے فقدان کی وجہ سے نمازِ جمعہ و عیدین کا پڑھنا واجب نہیں، عدمِ وجوب کے باوجود پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی القنیۃ صلوٰۃ العید فی القریٰ تکرہ تحریمًا ای لانہ اشتغال بما لا یصح الخ۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العیدین) [۲]

دیہات میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا

سوال:۔ جہاں پر جمعہ واجب نہ ہو اور مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود محض ہٹ دھرمی پر قائم رہ کر بعض لوگ جمعہ پڑھتے رہیں، تو کیا ان سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری چھوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

---

[۱] قال داماد آفندیؒ: وما یقع فی بعض القلاع من غلق ابوابہ خوفًا من الاعداء او کانت لہ عادۃ قدیمۃ عند حضور الوقت فلا بأس بہ لان الاذن العام مقرر لاھلہ الخ۔ (مجمع الانھر ج۱ ص۱۶۶ باب الجمعۃ)

[۲] وقال علامہ ابن نجیم المصریؒ: ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ۔ الخ۔ (البحرالرائق ج۲ ص۱۴۰ صلوٰۃ الجمعۃ)

ومثلہ فی الزیلعی ج۱ ص۲۱۷ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

الجواب:۔ جب جمعہ واجب نہ ہو تو ظہر کی نماز فرض ہوگی، ایسی حالت میں باوجود عدم وجوب جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہو کر ظہر کی نماز سے فراغت ذمہ کے لیے بے سود ہے۔

قال العلامہ ابن العابدینؒ: وفیما ذکرنا إشارة الی انہ لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیھا قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات والظاھر انہ أرید بہ الکراھة لکراھة النفل بالجماعة الا تری ان فی الجواھر لوصلوا فی القُرٰی لزمھم اداء الظھر الخ (شامی ج ۱ ص ۱۳۸) [له]

صحراء میں نمازِ جمعہ پڑھنا

سوال:۔ کسی صحراء میں (لوگ جمع ہوکر) نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر لوگ جب وہاں پر کثیر تعداد میں موجود تو ہوں لیکن مستقل طور پر وہاں آباد نہ ہوں؟

الجواب:۔ اگر یہ صحراء کسی مصر یا قریۂ کبیرہ کے توابع میں سے نہ ہو تو نمازِ جمعہ وعیدین ایسی جگہ میں ادا کرنا جائز نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا بعرفات لانھا مفازة۔ الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۲ باب الجمعة) [٢ه]

دیہات میں نمازِ جمعہ

سوال:۔ عام علاقوں میں جمعہ کی نماز میں احناف کے نزدیک مصر یا فناء مصر ہونے کے شرائط میں کافی کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگ چند گھرانوں پر مشتمل آبادی کو کافی جان کر جمعہ کی نماز شروع کر دیتے ہیں، جبکہ فقہ حنفی میں بیں مصر کی تعریف مختلف عبارات سے ہوتی ہے، کسی ایک تعریف کو دیکھ کر ہمارے لیے فیصلہ کرنے کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نمازِ جمعہ کے وجوب اداء کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ مصر یا فناء مصر ہونا مستقل شرط ہے، تاہم قریۂ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں داخل ہے، لیکن مصر

[له] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: قولہ شرطھا المصر ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لاتصح فی قریة ولا مفازة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب الجمعة)
ومِثْلُہٗ فی البنایة شرح الھدایة ج ۳ ص ۲۸۶ باب الجمعة۔

[٢ه] وفی الھندیة: ولاجمعة بعرفات اتفاقاً کذا فی الکافی۔ (الھندیة ج ۱ ص ۱۴۵)
ومِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۲ باب الجمعة۔

اور قریۂ کبیرہ کی کوئی خاص حد مقرر نہیں جس کو ہم اعتبار کا درجہ دے دیں۔ یہ ایک عرفی حقیقت ہے جو زمانے اور حالات سے متاثر ہوتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے اپنے زمانے کے اعتبار سے مصر کی تعریف کی ہے جو ہماری کتابوں میں مختلف عبارات سے نقل ہوئی ہے۔ یہاں تک تو اتفاق ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی۔ موجودہ وقت کے اعتبار سے جس گاؤں کی مستقل آبادی بشمول مرد وزن چھوٹے بڑے اور مسلم و غیر مسلم دو ہزار تک پہنچتی ہو تو وہ گاؤں بڑا سمجھا جاتا ہے اور اس میں ضروریاتِ زندگی کا سامان بھی موجود ہو۔ لہٰذا نماز جمعہ کے وجوب کے لیے ایک گاؤں کی آبادی کم از کم دو ہزار ہونا ضروری ہے لیکن واضح ہو کہ یہ گاؤں کی اپنی آبادی ہونی چاہیئے ورنہ قرب وجوار جو اس کے فناء میں نہ ہو" کی آبادی ملا کر اگر کئی ہزار تک ہو تو اسے دیہات ہونے کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: وفی القنیة صلوٰة العید فی القریٰ تکرہ تحریماً ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط لصحته۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العید) [۱]

مسافر کے لیے جمعہ کا حکم

سوال:۔ مسافر پر نماز جمعہ واجب نہ ہونے کے باوجود اگر ادا کرے تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نماز ظہر الگ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اقامت نماز جمعہ کے وجوب ادا کے شرائط میں سے ہے جن کی عدم موجودگی میں بھی نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے، اس لیے مسافر کی نماز جمعہ درست ہے، اس پر ظہر کی نماز جمعہ پڑھنے کے بعد لازم نہیں۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: تحت قولہ واقلھا ثلثة رجال اطلق فیھم فشمل العبید والمسافرین والمرضیٰ والامیین والخرسیٰ لصلاحیتھم للامامة الخ (شامی ج۲ ص۱۵۱ باب الجمعة) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریة ولا مفازة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۰ باب الجمعة)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۲۱۷ باب الجمعة۔

[۲] وفی الہندیة: وتنعقد الجمعة بأتمام العبید والمسافرین والمرضیٰ وکذا بالامیین والخرس الخ۔ (الهندية ج۱ ص۱۴۸ صلوٰة الجمعة)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۳ باب صلوٰة الجمعة۔

نمازِ جمعہ و عیدین کے لیے عورتوں کی حاضری

سوال: مساجد میں جمعہ و عیدین کے لیے عورتوں کی حاضری کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: عورتوں کے لیے مستقل طور پر جمعہ و عیدین کا اہتمام مشروع نہیں اور نہ ان پر واجب ہے، تاہم کسی جامع مسجد میں تبعاً شرکت بذاتِ خود ممنوع نہیں۔ لیکن دورِ حاضر میں عورتوں کا نکلنا فتنہ و فساد سے خالی نہیں اس لیے جمعہ کے لیے کسی مسجد میں حاضری کے بجائے خود گھر میں ظہر کی نماز پڑھیں، اور عیدین کی نماز ان (عورتوں) پر واجب نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وأما المرأة فلانها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الی محافل الرجال لکون الخروج سببًا للفتنة ولهذا لاجماعة علیهن ولاجمعة الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۵۸ فصل بیان شرائط الجمعة) [۱]

معذور پر نمازِ جمعہ واجب نہیں

سوال: ایسا شخص جو چلنے پھرنے پر قادر نہ ہو اُس کے لیے نمازِ جمعہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب کسی قریبی جامع مسجد تک نمازِ جمعہ کے لیے پہنچنے پر قادر نہ ہو تو ایسا شخص دوسرے معذورین کے حکم میں ہو کر نمازِ جمعہ کے وجوب سے مستثنیٰ ہے، تاہم اگر کسی طریقہ پر کہیں جا کر جمعہ پڑھے تو ادا صحیح ہے لیکن نہ جانے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

قال العلامه ابن العابدینؒ: (تحت قوله وقدرته علی المشی) فلا تجب علی المقعد وان وجد حاملًا اتفاقًا غانیة۔ لانه غیر قادر علی السعی اصلًا فلا یجری فیه الخلاف فی الاعمٰی کما نبه علیه القهستانی۔

(رشامی ج ۲ ص ۱۵۴، مطلب فی شروط وجوب الجمعة)

---

[۱] وذکر السرخسی: والمرأة کذلك مشغولة بخدمة الزوج منهیة عن الخروج شرعًا لما فی خروجها الی مجمع الرجال فتنة۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۲ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۲۸۱ باب الجمعة۔

[۲] وفی الهندیة: حتی لا تجب الجمعة علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضٰی کذا فی المحیط السرخسی ولا علی المقعد بالاجماع الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۴ باب صلوٰة الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص ۱۵۱ باب صلوٰة الجمعة۔

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے دینے کا حکم

سوال :۔ جمعہ کے لیے خطبہ کی اذان کہاں دی جائے گی ؟ کیا امام سے دائیں بائیں جانب اذان کہنا جائز ہے یا لازمی طور پر امام کے سامنے دی جائے گی ؟

الجواب :۔ اگرچہ اذان ایک اعلان ہونے کی حیثیت سے کسی مقام سے مخصوص نہیں لیکن خطبہ سے قبل اذان کے لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونی چاہیئے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ : ویؤذن ثانیاً بین یدیہ ای الخطیب۔

(رد المحتار ج ۲ ص۱۶۱ مطلب فی حکم الاذان بین یدی الخطیب) [۱]

جمعہ کے لیے ایک خطبہ پر اکتفاء خلافِ سُنّت ہے

سوال :۔ اگر کسی خطیب نے دو خطبوں کی جگہ ایک خطبہ پر اکتفاء کیا تو کیا اس سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ اور اسی حالت میں نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ایک خطبہ پڑھنے سے اگرچہ خطبہ کی شرط پوری ہو جاتی ہے لیکن دو خطبے پڑھنا مسنون ہے، اس لیے ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے تاہم نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال محمد بن عبداللہ التمرتاشی : ویسن خطبتان بجلسة بینھما۔

(تنویرالابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۴۸ باب الجمعة) [۲]

خُطبہ سُننے کیلئے بیٹھنے کی کیفیت

سوال :۔ خطبہ کے دوران بیٹھنے کی کیفیت کیسی ہونی چاہیئے ؟ کیا تشہد کی حالت بنانا ضروری ہے ؟

الجواب :۔ عام کتابوں میں تشہد کی سی کیفیت اختیار کرنے کو بہتر لکھا گیا ہے لیکن روایات کی رُو سے اس کے علاوہ طبعی کیفیت پر بیٹھنا بھی ممنوع نہیں۔

---

[۱] وفی الھندیة : واذا جلس علی المنبر اذن بین یدیہ ..... الخ (الفتاوى الھندیة جلد ۱ ص۱۴۹ صلوٰة الجمعة)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۵۷ باب صلوٰة الجمعة۔

[۲] قال برھان الدین المرغینانیؒ : ویخطب خطبتین یفصل بینھما بقعدة وبہ جرٰی التوارث۔ (الھدایة ج ۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة الجمعة)

ومثلہٗ فی الزیلعی ج ۱ ص۲۲۰ باب الجمعة۔

لما ورد فی الحدیث : حدثنا داؤد بن رشید نا خالد بن حیان الرقی نا سلیمان بن عبد اللہ بن الزبرقان عن یعلی بن شداد بن اوس قال شهدت مع معاویۃ بیت المقدس فجمع بنا فنظر فاذا اجل من فی المسجد اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہم محتبین والامام یخطب۔ قال ابوداؤد وکان ابن عمر یحتبی والامام یخطب ...الخ (ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۵۸) [1]

منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے

سوال :۔ منبر کے بغیر خطبہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :۔ منبر پر خطبہ دینا سنتِ نبوی ہے اس کے بغیر خطبہ دینا خلافِ سُنت ہے۔

قال العلامۃ جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی بکر السیوطیؒ :۔ واخرج ابن ابی شیبۃ عن الشعبیؒ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعۃ استقبل الناس بوجہہ الکریم فقال السلام علیکم ویحمد اللہ ویثنی علیہ ویقرأ سورۃ ثم یجلس ثم یقوم فیخطب ثم ینزل وکان ابوبکرؓ وعمرؓ یفعلانہ۔ (تفسیر درمنثور ج۶ ص۲۲۲) [2]

دورانِ خطبہ خلفاءِ راشدینؓ کے تذکرہ کا حکم

سوال :۔ عام کتابوں میں خطبۂ جمعہ میں حمد و صلوٰۃ اور وعظ و نصائح کا تذکرہ ملتا ہے، اس کے علاوہ خلفاءِ راشدینؓ کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :۔ اگرچہ خطبہ کا جواز خلفاءِ راشدینؓ کے تذکرہ پر موقوف نہیں لیکن پھر بھی صحابۂ کرامؓ اور خصوصاً خلفاءِ راشدین کا تذکرہ کرنا مستحسن فعل ہے۔

قال الحصکفیؒ :۔ ویندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین الخ (درمختار ج۲ ص۱۴۹ مطلب فی قول الخطیب الخ) [3]

---

[1] وفی الهندیۃ :۔ اذا شهد الرجل عند الخطبۃ ان شاء جلس محتبیاً او متربعاً او کما تیسر لانہ لیس بصلوٰۃ عملاً وحقیقۃ کذا فی المضمرات۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۴۸ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۶۳ باب الجمعۃ ، شرائط الجمعۃ۔

[2] وقال العلامۃ ابن العابدینؒ : ومن السنۃ ان یخطب علیہ اقتداً بہ صلی اللہ علیہ وسلم...الخ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۶۱ باب العیدین)

وَمِثْلُہٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ۔

[3] وفی الهندیۃ : وذکر خلفاء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث کذا فی التجنیس۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ)۔

دورانِ خطبہ درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دورانِ خطبہ آیتِ کریمہ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہ سُن کر درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل میں درود شریف پڑھے، البتہ زبان سے پڑھنے سے احتراز کرے تاکہ خطبہ کا سننا متاثر نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وروی عن ابی یوسفؒ انہ ینبغی ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ عند سماع اسمہ ...الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۴ فصل بیان شرائط الجمعۃ) [1]

دورانِ خطبہ باتیں کرنے کا حکم

سوال:۔ خطبہ کے دوران باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر خطیب دورانِ خطبہ کوئی بات کرے تو کیا اس سے خطبہ کی تاثیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورانِ خطبہ خطیب کے لیے امر بالمعروف کے علاوہ دوسری قسم کی باتیں کرنا مکروہ ہے تاہم خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری نہیں، البتہ سامعین کو سماعِ خطبہ کے وجوب کی وجہ سے مطلقاً کلام کرنا یا اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویکرہ تکلمہ فیہا الا لامر بمعروف لانہ منہا... الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۹ باب الجمعۃ)

وایضاً کل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم فیہا ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرہا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحاً او رد سلام او امراً بمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ مطلب فی شروط وجوب الجمعۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۸ باب الجمعۃ۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: تحت قولہ واذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام) ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا اذا کان امراً بمعروف فلا یکرہ.... اما وقت الخطبۃ قال کلام مکروہ تحریماً لو کان امراً بمعروف او تسبیحاً او غیرہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۰۶، الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰۃ الجمعۃ۔

دورانِ خطبہ دُعا کرنے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان خطیب یا سامعین کے لیے دعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دعا کا ثبوت مروی نہیں، اس لیے اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔

حدثنا احمد بن منیع، نا ھشیم، نا حصین قال سمعت عمارۃ بن رُوَیبَۃ وبشر بن مروان یخطب فرفع یدیہ فی الدعاء، فقال عمارۃ قبح اللہ ھاتین الیدیتین القصیرتین لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یزید علی ان یقول ھکذا واشار ھشیم بالسبابۃ قال ابو عیسیٰ ھٰذا حدیث حسن صحیح۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۱۱۴) لہ

نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں

سوال:۔ کیا مسجد سے باہر کسی مکان وغیرہ میں چند آدمی جمع ہو کر نمازِ جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ مقامی طور پر یہ جگہ قریۂ کبیرہ یا مصر کے حکم میں ہو؟

الجواب:۔ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں، اس لیے کسی بیرونی جگہ میں نمازِ جمعہ پڑھنا باعثِ الزام نہیں، جبکہ یہ جگہ قریۂ کبیرہ کے فناء میں ہو، تاہم بہتر یہ ہے کہ جمعہ جامع مسجد میں ادا کیا جائے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط لصحتھا۔۔۔ الخ المصر الخ او فنائہ وھو ماحولہٗ اتصل بہ او لا الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۷ باب الجمعۃ) ۲ہ

عیدین کی جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنا

سوال:۔ عیدین کی جماعت ہو جانے کے بعد جن لوگوں سے نماز رہ گئی ہو اُن کیلئے دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ ایک ہی شہر کے اندر متعدد مقامات پر ایک ہی وقت میں جمعہ وعیدین کی

لہ وقال الشیخ عبدالحق دھلویؒ: و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہر دو خطبہ لحظہ بنشستی چنانچہ در حدیث جابر بن سمرۃؓ آمدہ خاموش بودی ودعا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درین وقت بصحت نرسیدہ۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۲)
وَمِثْلُہٗ فی غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۷۳ باب الجمعۃ۔

۲ہ وقال ابن نجیمؒ المصرؒ اومصلاہ ای مصلی المصر لانہ من توابعہ فکان فی حکمہ والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیۃ المصر لانہا بمنزلۃ المصر۔۔۔ الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰، باب صلوٰۃ الجمعۃ۔
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴ باب الجمعۃ۔

نماز پڑھنا درست ہے، ایک ہی جگہ پر متعدد جماعات کرانا جائز نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں سے عید کی نماز رہ گئی ہو وہ کسی اور جگہ میں دوسرے امام کی اقتداء کرسکتے ہیں یا دوسرے مقام پر جماعت کا اہتمام کرسکتے ہو تو درست ہے، ورنہ اسی جگہ (مسجد یا عیدگاہ) میں دوبارہ نماز پڑھنا درست نہیں۔

وقال العلامة ابن نجیمؒ: والا اذا فاتت مع امام وامکنه ان یذهب الی امام اٰخر فانه یذهب الیه لانه یجوز تعددها فی مصر ولعد فی موضعین واکثر اتفاقًا۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۱۶۲ باب العیدین)

عیدین کی نماز میں مسبوق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے عیدین کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شرکت کی تو فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کی جائے گی؟

الجواب:۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق کھڑے ہو کر سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ پڑھ کر بعد میں اپنے مسلک کے مطابق تکبیراتِ زوائد کہہ کر اپنی رکعت مکمل کرے۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ: فاذا فرغ الامام من صلٰوته یقوم الی قضاء ماسبق به ثم ان کان رأیه یخالف رأی الامام یتبع رأی نفسه لانه منفرد فیما یقضی بخلاف اللاحق لانه فی الحکم کانه خلف الامام وان کان رأیه موافقًا لرأی امامه بان کان امامه یری رأی ابن مسعودؓ وھو کذالک بدأ بالقرأة ثم بالتکبیرات.....الخ

(بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۷۹ فصل بیان صلٰوۃ العیدین)[1]

عیدین کی نماز کے لیے باہر نکلنا بہتر ہے

سوال:۔ عیدین کی نماز محلہ یا گاؤں کی جامع مسجد میں پڑھی جائے یا اس کے لیے آبادی سے باہر عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟ جبکہ بعض مقامات پر عیدگاہ میسر نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ عیدگاہ کا گاؤں سے باہر ہونا کوئی ایسا امر نہیں جس کو واجب یا فرض قرار دیا جائے، اور نہ ہی فقہاء کرام نے اشتراط پر قول کیا ہے، نہ ہی عیدین کی نماز کی صحت اس پر موقوف

---

[1] وقال العلامة ابن العابدینؒ: یقرأ ثم یکبر ای اذا قام الی قضائها لئلا یتوالی التکبیر۔
(رشامی ج ۲ ص۱۷۴ باب العیدین، مطلب امر الخلیفة لایبقی بعد موته۔
ومثله فی الطحطاوی ص۲۹۳ باب احکام العیدین۔

ہے۔ تاہم بعض اقوال اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ صحرا میں ہونا بہتر ہے لیکن گاؤں کی جامع مسجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع...الخ۔ (در مختار ج۲ ص۱۶۹ باب العیدین) [۱]

نمازِ جمعہ کے لیے افضل وقت

سوال: فقہ حنفی کی رُو سے ظہر کی نماز میں سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد افضل ہے، لیکن جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وقت کے تعین اور افضلیت دونوں کے اعتبار سے جمعہ کا حکم ظہر کی نماز کی طرح ہے، اس لیے نمازِ جمعہ کے لیے بھی سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد مستحب ہے۔

قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: والجمعۃ کالظھر اصلاً واستحباباً فی الزمانین کذا ذکرہ الاسبیجابی۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۷ کتاب الصلوٰۃ فی المواقیت الصلوٰۃ) [۲]

عیدین کے لیے صاف ستھرے کپڑے پہننا

سوال: عیدین میں نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہننے کے اہتمام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایسے اجتماعی مواقع میں صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وندب یوم الفطر اکلہ الخ وبعد سطر۔ ولبس احسن ثیابہ ولو غیر ابیض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۸ باب العیدین) [۳]

---

[۱] وفی الھندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوٰۃ العید وان کان یسعھم المسجد الجامع علی ھذا عامۃ المشائخ وھو الصحیح ھکذا فی المضمرات۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۵۰ صلوٰۃ العیدین)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ العیدین۔

[۲] وقال برھان الدین المرغینانیؒ: ومن شرائطھا الوقت فتصح فی وقت الظھر ولا تصح بعدہ لقولہ علیہ السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعۃ۔ الخ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۷ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الزیلعی ج۱ ص۲۱۹ باب الجمعۃ۔

[۳] وفی الھندیۃ: ویستحب فی یوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس احسن ثیابہ ..... الخ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۴۹ صلوٰۃ العیدین)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۷ باب صلوٰۃ العیدین۔

جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کا وقت

سوال:۔ جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کس وقت ناخن کٹوانا مناسب ہے؟

الجواب:۔ بعض علماء نے جمعہ کی سعادتمندی کے حصول کی خاطر نماز جمعہ کے بعد ناخن کٹوانا موزوں جانا ہے، لیکن رسول اللہؐ سے نماز جمعہ سے قبل ناخن کاٹنے کے بارے میں روایت ثابت ہے، اگرچہ محدثین نے اس روایت پر کلام کیا ہے لیکن فضائل میں ایسی روایات کو اعتبار دیا جاتا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ: کان یقلم اظفارہ ویقص شاربہ یوم الجمعۃ قبل ان یخرج الی الصلوۃ
اخرجہ البزاز والطبرانی والبیہقی بسند حسن ھکذا فی الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲۔ [1]

جمعہ کی اذان کے بعد کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر جمعہ کے دن کھانا کھاتے کے دوران جمعہ کی اذان شروع ہو جائے تو کیا اس کے بعد کھانا کھانا جائز ہے یا خرید و فروخت کی طرح حرام ہے؟

الجواب:۔ اذان کے وقت اگر کھانے میں رغبت زیادہ ہو یا نماز سے فارغ ہوتے تک اس کے خراب یا بے لذت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا جاری رکھ کر فراغت کے بعد نماز پڑھی جائے، تاہم اگر کہیں نماز جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا بند کر کے نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، کیونکہ ہر وہ عمل جس سے جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو اذان کے بعد اس کا جاری رکھنا حرام ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: سمع الندا وھو یأکل ترکہ ان خاف فوت الجمعۃ او مکتوبۃ
وذکر الشامی تحت قولہ والا فلا ای الذی تمیل الیہ النفس ویخاف ذھاب لذتہ منہ
فی ترک الجماعۃ۔ (شامی ج ۲ ص ۱۶۳ قبل مطلب اذا شرك فی عبارتہ الخ) [2]

---

[1] وقال العلامۃ ابن العابدینؒ: قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقص شاربہ ویقلم اظفارہ یوم الجمعۃ قبل ان یخرج الی الصلوۃ۔ قال السیوطیؒ: وبالجملۃ فارجحھا ای الاقوال دلیلاً ونقلاً یوم الجمعۃ والاخبار الواردۃ فیہ لیست بواھیۃ جدا مع ان الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۸۹ فصل فی البیع)
ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۷، الفصل التاسع فی الحظر والاباحۃ۔ کتاب الطہارۃ۔

[2] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی کثیر من الکتب لو سمع الندا وقت الاکل یترکہ اذا خاف فوت الجمعۃ الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۷ باب الجمعۃ)
ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۸۰ باب صلوۃ الجمعۃ المتفرقات۔

عیدین کے لیے اذان دینا خلاف سنت ہے

سوال:۔ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے لیے اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اور نمازوں کے لیے اذان واقامت دینا خلافِ سنت ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: لا یسن لغیرھا کعید۔ الخ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص۳۸۵ باب الاذان)[1]

خطیب کی تقرری کا حق کس کو ہے

سوال:۔ اگر متعدد افراد کسی مسجد میں خطیب بننے کا دعویٰ کریں تو ان میں کون زیادہ حق دار ہے؟

الجواب:۔ جہاں پر قاضی یا حاکم ذمہ داری محسوس کرکے جس کسی کو بھی خطیب مقرر کرے تو وہ خطبہ دینے کا زیادہ حقدار ہے، البتہ جہاں پر ایسا انتظام نہ ہو تو پھر قوم کا مقرر کردہ خطیب جمعہ پڑھا سکتا ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: او القاضی الماذون لہ فی ذٰلک، الی ان قال: ونصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۱۴۳ باب الجمعۃ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین جمعہ پڑھنا

سوال:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولین جمعہ کہاں ادا فرمایا؟

الجواب:۔ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے مدینہ منورہ تشریف لائے

---

[1] وفی الھندیۃ: ولیس لغیر الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامۃ کذا فی المحیط۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۳ الباب الثانی فی الاذان)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۴۸ الفصل الاول فی الاذان۔

[2] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ المصریؒ: ولو اجتمعت العامۃ علی تقدیم رجل لم یامرہ القاضی والخلیفۃ المیت لم یجز ولم تکن جمعۃ ولو لم یکن ثمۃ القاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز للضرورۃ۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۱۴۳ باب الجمعۃ۔
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۴۶ صلوٰۃ الجمعۃ۔

اس وقت کوئی مسجد آباد نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بنی سالم بن عمرو میں جمعہ کا خطبہ پڑھا، یہ جمعہ کا اولین خطبہ تھا جو آپ سے سنا گیا۔

کما فی البداية والنهاية : قال ابن جرير حدثني يونس بن عبد الاعلى اخبرنا ابن وهب عن سعيد بن عبد الرحمن الجمحي انه بلغه عن خطبة النبي صلى الله عليه وسلم في اول جمعة صلاها بالمدينة في بني سالم بن عمرو بن عوف رضي الله عنهم الخ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۳) ۔ ؎۱

تکبیراتِ ایامِ تشریق کن پر واجب ہیں

سوال :۔ کیا تکبیراتِ ایامِ تشریق صرف مردوں پر واجب ہیں یا عورتیں بھی اس حکم میں شریک ہیں؟ جبکہ عورتیں عموماً انفراداً نماز پڑھتی ہیں؟

الجواب :۔ چونکہ صاحبینؒ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق کیلئے جماعت، اقامت اور مصر کی شرط نہیں بلکہ تمام نمازیوں پر یہ واجب ہیں خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا انفراداً ادا ہو، بنا بریں صورت مردوں کی طرح عورتوں پر بھی تکبیرات واجب ہیں، تاہم عورتوں کیلئے ضروری ہے کہ تکبیرات پڑھتے وقت اخفاء کریں۔ کتبِ فقہ سے صاحبینؒ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قال علاء الدين الحصكفيؒ : وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقاً ولو منفرداً او مسافراً او امرأة لانه تبع للمكتوبة الى عصر يوم الخامس آخر ايام التشريق وعليه الاعتماد والعمل والفتوى في عامة الامصار وكافة الاعصار ... الخ. (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۹ قبیل باب الکسوف مطلب المختار ... الخ) ؎۲

؎۱ قال العلامة السيوطيؒ : واخرج الزبير بن بكار في اخبار المدينة عن شهاب قال ركب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة من قباء فمر على بني سالم فصلى فيهم الجمعة ببني سالم وهو المسجد الذي في بطن الوادي وكانت اول جمعة صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۸ سورة الجمعة)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۹ باب الجمعة ۔

؎۲ قال حسن بن عمار الشرنبلالي : وقالا اي ابو يوسفؒ ومحمدؒ يجب التكبير فور كل فرض على من صلاه ولو كان منفرداً او مسافراً او قروياً لانه تبع للمكتوبة من فجر عرفة الى عقيب عصر اليوم الخامس من يوم العرفة فيكون الى آخر ايام التشريق وبه اي بقولهما يعمل وعليه الفتوى ۔

(مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۲۹۳ احكام العيدين)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۶ باب العيدين ۔

بحری جہاز میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ بعض عازمینِ حج بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ سب مل کر جہاز میں ہی نمازِ جمعہ ادا کرنا چاہیں تو کیا فقہ حنفی کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ فرضیتِ جمعہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا ضروری ہے اور جہاز چونکہ مصر کے حکم میں نہیں اگرچہ اس میں عازمینِ حج کافی تعداد میں موجود ہوں، اس لیے فقہ حنفی کی رُو سے بحری جہاز میں نمازِ جمعہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط لصحتها سبعة اشیاء المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها وعلیه فتوی اکثر الفقهاء۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص ۳۳۸ باب الجمعة)[1]

جیل میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ آج کل پاکستان میں اکثر جیلیں شہروں کے وسط میں واقع ہیں جن میں باہر سے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی جبکہ ان جیلوں میں قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک ہوتی ہے، اندریں صورت ایسی جیلوں میں نمازِ جمعہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کے مطابق جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذنِ عام شرط ہے چونکہ جیل کے اندر باہر سے لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے جیل میں جمعہ وعیدین ہر دو جائز نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: الشرط السادس الاذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فیؤذن بالناس کافة حتی ان جماعة لو اجتمعوا فی الجامع واغلقوا ابواب المسجد علی انفسهم وجمعوا لم یجزهم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۶۶ شرائط الجمعة)[2]

عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنا

سوال:۔ آجکل اکثر دیہاتوں (گاؤں) اور کئی شہروں میں بھی عیدین کی نماز مساجد میں ادا کی جاتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا

---

[1] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع

(الهدایة ج ۱ ص ۱۵۱ باب صلوة الجمعة)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة۔

[2] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صحت صلوٰۃ جمعہ کے شرائط میں سے اِذنِ عام بھی ہے اور صورت مذکورہ فی السوال وہ مفقود ہے لہٰذا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۷۶۵ فصل فی الجمعہ والعیدین)

ومثله فی کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۳۸۹ فصل شروط الجمعة۔

عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید باہر عیدگاہ میں ادا فرمائی ہے اس لیے عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ کو نکلنا مسنون ہے تاہم مساجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوٰۃ العید سنۃ وان کان یسعھم المسجد الجامع علی ھذا عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۵۰ الباب السابع عشر فی صلوٰۃ العیدین)[۱]

خطبہ میں تعوذ اور تسمیہ جہراً کہنا

سوال:۔ اگر کوئی خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہراً پڑھے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ خطیب کے لیے خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے بسم اللہ الخ منقول نہیں تاہم اگر پڑھ لیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ قال فی الدرر ویبداء بالتعوذ سراً) ای قبل الخطبۃ الاولیٰ بالتعوذ سراً ثم بحمد اللہ .... والثانیۃ کالاولیٰ الا ان یدعوا للمسلمین مکان الوعظ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۴۹ باب الجمعۃ، مطلب فی قول الخطیب)[۲]

دوسرے شخص کے تعاون کے بغیر نابینا آدمی کے لیے جمعہ کا حکم

سوال: زید کا بھائی بصارت سے محروم (نابینا) ہے مگر اس کو چلنے پھرنے میں وقت نہیں ہوتی بلکہ بغیر کسی دوسرے آدمی کی مدد کے دور دور تک چلتا پھرتا ہے، کیا اس نابینا پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ نابینا جو دوسرے شخص کی مدد کے بغیر اپنے دنیاوی کام کاج کرسکتا ہو اور اس کو چلنے پھرنے میں تکلیف نہ ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے اس کو جمعہ وعیدین کے لیے جانا ضروری ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واقول بل یظھر لی وجوبھا علی العمیان الذی یمشی فی الاسواق

---

[۱] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی التجنیس والخروج الی الجبانۃ سنۃ لصلوٰۃ العید وان کان یسعھم المسجد الجامع عند عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ العید)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۲ ص۳۶۷ رابعاً موضع اداء صلوٰۃ العید۔

[۲] لما قال الشیخ ظفر العثمانیؒ: پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے صرف اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم آہستہ پڑھے جہر کرے اور بسم اللہ کا پڑھنا منقول نہیں ...... اس عبارت کے اخیر جزء سے قیاساً حیث قال والثانیۃ کالاولیٰ معلوم ہوا کہ دوسرے خطبہ کو اعوذ باللہ الخ آہستہ پڑھ کر شروع کیا جائے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص۷۶۳ فصل فی الجمعہ والعیدین)

ویعرف الطرق بلا قائد ولا کلفة ویعرف ای مسجد اراده بلا سوال احد لانه حینئذٍ کالمریض القادر علی الخروج بنفسه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۵۴ مطلب شروط الجمعة) [۱]

خطبہ میں عصا پکڑنا

سوال: کیا جمعہ وعیدین کے خطبوں کے لیے ہاتھ میں عصا پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ کے لیے ہاتھ میں عصا پکڑنا مسنون ہے مگر اس کو مقصودی سنت نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ایک استحبابی امر تک محدود رکھا جائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ ان یتکی علی قوس او عصا۔ قال ابن عابدینؒ: نقل القہستانی عن عبد المحیط ان اخذ عصا سنة کالقیام۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۶۳ باب الجمعة۔ مطلب اذا شرك فی عبادته الخ) [۲]

نمازِ عید کے بعد دعا مانگنا

سوال: عیدگاہوں میں لوگ نمازِ عید کے بعد دعائیں مانگتے ہیں کیا نمازِ عید کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن وسنت نے دعا مانگنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا بلکہ دعا کے وقت کو مطلق رکھا ہے، جس وقت بھی کوئی دعا مانگے جائز ہے۔ نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنے پر اکابرینِ اُمت کا تعامل بھی چلا آرہا ہے اس لیے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ دعا مانگنا مستحب ہے۔

لما قال اللہ تبارك وتعالیٰ: اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶) [۳]

---

[۱] کتب الشیخ عبد الکریم وصححہ العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: الجواب: جو نابینا بدون دوسرے شخص کے ہمراہ ہوئے بھی پھرتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس کے ذمہ جمعہ واجب ہے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۷۶ فصل فی الجمعة والعیدین)

[۲] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام ما لا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔
(امداد الاحکام ج۱ ص۱۵۹ فصل فی الجمعة والعیدین)

[۳] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: پس عیدین کی نماز کے بعد مناجات و دعا کرنا عموماتِ حدیث سے مستحب ہے بلکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۱۴۲ فصل فی الجمعة والعیدین)

خطبۂ جمعہ کے بعد اقامت سے پہلے حدیث کا ترجمہ کرنا

سوال: ہماری مسجد کے خطیب صاحب خطبۂ جمعہ کے بعد اور اقامت سے پہلے کبھی کبھی خطبہ کی حدیث وغیرہ کا ترجمہ فرماتے ہیں، کیا ایسا کرنا ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ اور اقامت کے درمیان دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے البتہ دینی وعظ یا مسئلہ اگر مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل بامر الدنیا. ذکرہ العینی۔

قال ابن عابدینؒ: ..... اما بنھی عن منکر او امر بمعروف فلا۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۱ باب الجمعۃ) [۱]

جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا

سوال: فرض نماز کے لیے کہی گئی اذان کا جواب دینا تو ضروری ہے کیا جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ اذان کا جواب دینا ضروری امر ہے لیکن جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب زبان سے دینا فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے مناسب یہ ہے کہ جواب نہ دیا جائے، البتہ اگر دل ہی دل میں جواب دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقاً فی الاذان بین یدی الخطیب۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۹۹ باب الاذان) [۲]

نمازِ جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم

سوال: بعض خطیب صاحبان جمعہ اتنی دیر سے پڑھتے ہیں کہ مثلِ اول کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: ظہر کا وقت مثلِ ثانی کے اختتام تک ہے اور مثلِ اول سے مثلِ ثانی کا وقت

---

[۱] قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ ویکرہ الفصل بامر الدنیا) یفھم منہ انہ لا یکرہ الفصل بامر الآخرۃ کذکر۔ (حاشیۃ طحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۳۴۸ باب الجمعۃ)

[۲] قال الشیخ العلامة عبد الحی اللکھنویؒ: ینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقاً فی الاذان بین یدی الخطیب وان یجیب اتفاقاً فی الاذان الاول یوم الجمعۃ۔

(السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ج۲ ص۵۳ باب الاذان)

مکروہ ہے اس لیے جو جمعہ مثل اول کے بعد پڑھا جائے تو وہ مکروہ ہے، اگرچہ بعض علماء کے نزدیک مثلِ اول کے بعد جمعہ باطل ہے اس لیے جمعہ مثلِ اول سے پہلے پہلے پڑھنا چاہیئے۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ویستحب الابراد بالظهر) وفی الخزانة الوقت المکروہ فی الظهران یدخل فی حد الاختلاف واذا اخرہ حتی صار ظل کل شیء مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۰۵ کتاب الصلوٰۃ) [1]

ایک ہی دن میں جمعہ اور عید کے خطبہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں سے سُنا گیا ہے کہ اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں، کیا واقعی دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں یا کہ دونوں واجب ہیں؟

الجواب:۔ جمعہ و عید کی نمازیں دونوں الگ الگ واجبات ہیں، ایک کی ادائیگی سے دُوسرا ساقط نہیں ہوتا اس لیے دونوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اما مذهبنا فلزوم کل واحد منهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۶۶، باب العیدین مطلب فی الفأل والطیرۃ) [2]

جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف کی تلاوت کرنا

سوال:۔ ہمارے بعض احباب کا معمول ہے کہ وہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف ضرور تلاوت کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا ثبوت ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں جمعہ کے دن سورۃ کہف تلاوت کرنے کی بہت فضیلت

---

[1] قال الشیخ محمد یوسف البنوریؒ: قال شیخنا والحق ما قاله صاحب البحر والدر المختار فان المثل الثانی وقت الضرورۃ للظهر وحکی الشیخ السید احمد زینیؒ دحلان الشافعی فی رسالة له عن الفتاوی الظهیریۃ وخزانۃ المفتیین رجوع ابی حنیفةؒ الی المثل الاول اھ (معارف السنن ج۲ ص۱۲،۱۱ باب ما جاء فی مواقیت الصلوٰۃ)

[2] قال العلامۃ برهان الدین المرغینانیؒ، فی الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنۃ والثانی فریضۃ ولا یترک واحد منها. قال بدر الدینؒ تحته ای من العید والجمعۃ اما الجمعۃ فلانها فریضۃ واما العید فلان ترکها بدعۃ وضلالۃ۔ (البنایہ ج۳ ص۳۵ باب صلوٰۃ العیدین)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۱ ص۴۳۱ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔

آئی ہے کہ یہ دو جمعوں کے درمیان ایک نور ہوگا۔ شُراح حدیث نے اس کو دل، قبر، حشر کی چمک پر محمول کیا ہے۔

عن ابی سعیدؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضاءُ له النور ما بین الجمعتین۔ (رواہ البیہقی) ــــ قال العلامۃ الطیبیؒ: قولہٗ اضاء له فی قلبه او فی قبره او یوم حشره۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۹) لـه

بارش کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا ترک کرنا

سوال:۔ اگر عین جمعہ کی اذان کے بعد تیز بارش شروع ہو جائے تو کیا پھر بھی جمعہ کے لیے مسجد میں جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بارش اتنی شدید ہو کہ اس میں جمعہ کیلئے مسجد میں جانا ممکن نہ رہے تو اس مجبوری کی وجہ سے جمعہ کو ترک کرنا مرخص ہے تاہم کوشش کرکے جانا بہتر ہے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: اذا اصاب الناس مطر شدید یوم الجمعۃ فہم فی سعۃ من التخلف۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۱۱ باب الجمعۃ و ما یتصل بہٰذا) ۲ـه

مریض کی عیادت پر مامور تیمار دار کے لیے جمعہ کا حکم

سوال:۔ ہسپتال میں بیمار کی خدمت پر مامور تیمار دار سے جمعہ ساقط ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مریض کی حالت زیادہ خراب ہو اور تیمار دار کے جمعہ کیلئے جانے سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو تیمار دار سے جمعہ ساقط ہے، مریض کے پاس رہ کر صرف ظہر کی نماز

لـه عن ابی سعید الخدریؓ انه قال من قرأ سورۃ الکھف یوم الجمعۃ اضاء له من النور ما بینه و بین البیت العتیق ھٰکذا وقع موقوفاً۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۹ سورۃ الکھف)
ومثلہٗ فی الدر المنثور ج ۴ ص ۲۰۹ سورۃ الکھف۔

۲ـه قال الشیخ وھبۃ الزحیلیؒ: فلا بُدَّ لمن تجب علیه الجمعۃ من الصحۃ والامن والحریۃ والبصر والقدرۃ علی المشی وعدم الحبس وعدم المطر الشدید والوحل والثلج ونحوھا۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۲۶۲ باب الجمعۃ۔ السلامۃ من الاعذار)
ومثلہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۴ باب الجمعۃ۔

پڑھے اور اگر ہلاکت کا خطرہ نہ ہو تو جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ : الحق بالمریض الممرض ان بقی المریض ضائعًا بخروجہ علی الاصح۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۱۲ باب الجمعۃ) [1]

خطبۂ جمعہ کے دوران کسی کو منکر کام سے منع کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص دورانِ خطبۂ جمعہ کسی کو منکر کام کرتے دیکھے اور اس کو اشارہ سے منع کرے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورانِ خطبہ ہر ایسا عمل جو استماعِ خطبہ کے منافی ہو کرنا جائز نہیں البتہ اگر کسی کو منکر کام کرتے دیکھ کر اشارہ سے منع کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامہ ابراهیم الحلبیؒ : وکذا لو اشار برأسہ او عینہ او یدہ عند رؤیۃ المنکر ولم یتکلم بلسانہ الصحیح انہ لا یکرہ۔ (کبیری ص۵۶۰ باب الجمعۃ) [2]

خطبہ کے دوران خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا

سوال:۔ بعض خطباء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خطبہ کے دوران دائیں بائیں دیکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خطبہ کے دوران سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب سامنے کی طرف توجہ کرے اِدھر اُدھر نہ دیکھے، فقہاء کرام نے اس طرح کرنے (دائیں بائیں دیکھنے) سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وما یفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جهۃ الیمین وجهۃ الیسار عند الصلوٰۃ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الخطبۃ الثانیۃ لم ار له ذکرہ والظاهر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوهم انہ سنۃ ثم رأیت فی منهاج النووی

---

[1] قال الشیخ وهبۃ الزحیلی : فلا تجب الجمعۃ علی مریض لعجزہ عن ذلك ومُمَرِّضٍ ان بقی المریض ضائعًا وشیخ فانٍ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۲۷۰ باب الجمعۃ، السلامۃ من الاعذار)

ومثلہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۱۵۳ باب الجمعۃ۔ مطلب فی شروط وجوب الجمعۃ۔

[2] ذکر العلامہ ابن نجیمؒ : وعن ابی یوسفؒ انہ کان ینظر فی کتابہ ویصححہ وقت الخطبۃ ولو لم یتکلم لکن اشار بیدہ او بعینہ حین رأی منکرا الصحیح انہ لا بأس بہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۶ باب الجمعۃ)

ومثلہٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعۃ۔

ولا یلتفت یمیناً وشمالاً فی شئ منھا قال ابن حجر فی شرحہ لان ذلک بدعۃ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۴۹ باب الجمعۃ مطلب فی قول الخطیب الخ) [۱]

خطبے کے دوران سنتیں پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ عین خطبہ کے دوران جمعہ کے لیے مسجد آتے ہیں اور آتے ہی سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، کیا خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اس دوران ہر وہ عمل جو خطبہ سننے سے مشغول رکھے کرنا جائز نہیں اس لیے فقہ حنفی کی رُو سے دورانِ خطبہ سنتیں پڑھنا درست نہیں۔

لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام ــــ قال ابن نجیمؒ: فی شرحہ لما رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن علیؓ وابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہم کانوا یکرھون الصلوٰۃ والکلام بعد خروج الامام وقول الصحابی حُجّۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعۃ) [۲]

دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے محلے کی مسجد میں خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا اور اس کے لیے متوجہ ہو کر خاموش رہنا واجب ہے اس دوران نماز و کلام جیسے امور جائز نہیں، لہٰذا دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا صحیح نہیں، چندہ کیلئے

---

[۱] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اما سُنن الخطبۃ فھی عند الحنفیۃ ثمانی عشر سنۃ..... استقبال القوم بوجھہ دون التفات یمیناً وشمالاً سُنۃ بالاتفاق لما روی ابن ماجہ: عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ قال کان النبیؐ اذا قام علی المنبر استقبلہ الناس بوجوھھم۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۲۹۱ المطلب السادس سُنن الخطبۃ ومکروھاتھا)

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذا خرج الامام من الحُجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامھا۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ فلا صلوٰۃ) شمل السنۃ وتحیۃ المسجد۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۵۸ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۱۵۱ باب الجمعۃ۔

کوئی اور وقت مقرر کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: واذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام۔

(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۱۵۵ باب الجمعۃ) ۱؎

خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے وقت خطیب کا السلام علیکم کہنا

سوال:۔ ہمارے خطیب صاحب جب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے ہیں تو حاضرین کو السلام علیکم کہتے ہیں، کیا اس وقت سلام کرنا سنت ہے؟

الجواب:۔ جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو اس دوران اُس کا حاضرین کو سلام کہنا احناف کے ہاں درست نہیں، اگرچہ امام شافعیؒ نے جواز کا قول نقل کیا ہے مگر چونکہ یہ بھی کلام ہے جو بنصِ حدیث ممنوع ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

لما قال العلامۃ محمد ابراھیم الحلبیؒ: الخطیب اذا صعد المنبر لایسلم علی القوم عندنا وبہ قال مالک وقال الشافعی واحمد یسلم علیھم (المروی من سلام عندنا غیر مقبول) قال البیہقیؒ: لیس بالقوی۔ وقال عبد الحق فی الاحکام الکبرٰی ھو مرسل قال واسندہ ابواحمد من حدیث ابن لھیعۃ وھو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ۔

(کبیری ص۵۶۳ باب الجمعۃ البحث الثالث) ۲؎

کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ ہماری مسجد کے خطیب اتنی آواز کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہیں کہ بمشکل ایک دو صف والے سن سکتے ہیں، کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے یا آہستہ آواز سے؟

الجواب:۔ اصلاً تو کلماتِ خطبہ پر تلفظ ضروری ہے بمع صوت (آواز کے ساتھ) اگرچہ...

۱؎ قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذا خرج الامام من الحجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامھا وان کان فیھا ذکر الظلمۃ فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۵۸ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۱۵۱ باب الجمعۃ۔

۲؎ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ عن یمین المنبر ولبس ... وترک السلام من خروجہ الی دخولہ فی الصلوٰۃ۔ وقال الشافعیؒ اذا استوی علی المنبر سلم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۵۱ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۱ ص۶۳۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔

یہ ہے کہ خطبہ معتاد آواز سے اونچا پڑھا جائے۔

لما فی الهندية: ومن المستحب ان يرفع الخطيب صوته وان يكون الجهر فی الثانية دون الاولى۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة)[1]

خطبہ کے دوران بیٹھنے کا طریقہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ خطبہ سننے کے لیے کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ جبکہ بعض لوگ پہلے خطبے میں زیرِ ناف ہاتھ رکھتے ہیں اور دوسرے خطبے میں التحیات کی طرح گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:۔ خطبہ سننا واجب ہے، اس کے سننے کے لیے جیسے بھی سہولت ہو بیٹھنا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ خطبہ سننے کے لیے ایسے بیٹھنا چاہیے جس طرح نماز میں التحیات کے لیے بیٹھا جاتا ہے، باقی پہلے خطبہ میں ناف اور دوسرے میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا عامیانہ عمل ہے شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

وفی الهندية: إذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبيا او متربعا او كما تيسر لانه ليس بصلوة عملا وحقيقة كذا فی المضمرات ويستحب ان يقعد فيها كما يقعد فی الصلوة كما فی معراج الدراية۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة)[2]

خطبہ کے دوران وعظ کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض خطباء خطبہ کے دوران ہی خطبے کا ترجمہ بصورتِ وعظ شروع کر دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی سارے خطبے کا ترجمہ بھی کر جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ خطیب کے لیے دورانِ خطبہ گفتگو کرنا مکروہ ہے، علماء امت کا تعامل بھی آرہا ہے کہ وہ خطبہ میں عربی عبارت کے علاوہ دوسری کسی بھی زبان کے الفاظ کو ملحق نہیں

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ: ومن المستحب أن يرفع الخطيب صوته كما فی السراج الوهاج ومنه ان يكون الجهر فی الثانية دون الاولى۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۴۸ باب الجمعة)

[2] قال العلامة مفتی رشيد احمد لدهيانوی: اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ فعل بدعت ہے۔ دونوں کے دوران حالتِ تشہد میں بیٹھنا مستحب، دونوں میں ہاتھ رانوں پر ہی رکھے، یہ نشست مستحب ہے ویسے جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ (احسن الفتاوى ج ۴ ص۱۳۳ باب الجمعة)

کرتے، اس لیے خطبہ کے دوران خطبہ کا ترجمہ کرنا خلافِ سنت ہے تاہم مختصراً بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال الامام شاہ ولی اللہ المحدث الدھلویؒ: ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنھم وھلم جرا فتنقحنا وجود اشیاء منھا الحمد والشھادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقوٰی وتلاوۃ اٰیۃ والدعا للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ الی قولہ واما کونھا عربیۃ فلا ستمرار اھل المسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔ وقال النووی فی الاذکار رحمہ اللہ تعالیٰ ویشترط کونھا ای خطبۃ الجمعۃ وغیرھا بالعربیۃ۔

(المصفیٰ شرح مؤطا مالک بحوالہ الجواھر الفقہ ج۱ ص۳۵۴) ؎۱

خطبہ جمعہ کے بغیر نماز جمعہ کا حکم

سوال:- کیا بغیر خطبہ جمعہ کے نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب:- خطبہ جمعہ کے شرائط میں داخل ہے اس لیے بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست نہیں۔

وفی الھندیۃ: ومنھا الخطبۃ قبلھا حتی لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ) ؎۲

سلطان یا اسکے نائب کے بغیر نماز جمعہ کا حکم

سوال:- کتب فقہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ جمعہ کی امامت کے لیے

؎۱ قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل وتوارث رہا کہ خطبہ میں اور کوئی غیر چیز لاحق نہیں کرتے اس لیے فقط عربی خطبہ پر اکتفا کرنا چاہیئے ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت پر کسی واقعہ درپیش شدہ میں کر دے تو جائز ہے۔ (آگے ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں) ...... باقی اس کی عادت کر لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ کرنا یا طویل وعظ کہنا اتنا خطبہ میں خلافِ سنت ہے۔ (امداد الفتاوٰی ج۱ ص۴۳۵، ۴۳۶ باب صلوٰۃ الجمعہ والعیدین)

وَمِثْلُہٗ فی الجواھر الفقہ ج۱ ص۳۶۶ خلاصہ احکام الخطبۃ۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی فتح القدیر واعلم ان الخطبۃ شرط الانعقاد فی حق من ینشئ التحریمۃ للجمعۃ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۷ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۲۸۲ باب الجمعۃ الخطبۃ قبل الصلوٰۃ۔

امام (سلطان) یا اس کے مقرر کردہ نائب کا ہونا ضروری ہے جو زمانہ حال میں ناپید ہے جبکہ ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی، کیا امام یا اس کے نائب کے بغیر اقامتِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہی ذخائر کی عبارات پر غور کرنے سے اس شرط کے بارے میں معلوم ہوجائے گا کہ سلطان یا اس کے نائب کا وجود مقصود بالذات نہیں بلکہ فتنہ کے سدِ باب کے لیے ہے، لہٰذا اگر مسلمان باہمی رضامندی سے کسی اور شخص کو امامتِ جمعہ کے لیے مقرر کریں تو اس کی اتباع میں ادائیگی جمعہ میں کوئی شک نہیں، لہٰذا موجودہ زمانہ میں بھی جمعہ کی امامت اور دوسری نمازیں صحیح ہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولايجوز اقامتها الا للسلطان اولمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة فى التقدم والتقديم۔
(الهداية ج۱ ص۱۵۱ باب الجمعة) ؎۱

خطبۂ جمعہ اور نماز کیلئے علیحدہ علیحدہ اماموں کا حکم

سوال: بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ ایک آدمی نے دیا اور نماز دوسرے شخص نے پڑھائی، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سے جمعہ کی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا؟

الجواب: خطبۂ جمعہ اور نماز دونوں تقریباً ایک چیز ہیں اس لیے ان دونوں کے لیے ایک ہی شخص ہونا چاہیئے، البتہ اگر کہیں ایسا ہوجائے تو جمعہ ادا ہوجائے گا البتہ اس کو عادت نہیں بنانا چاہیئے، تاہم تقریر اور خطبہ ونماز الگ الگ آدمی پڑھائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لاينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشئ واحد فان فعل بان خطب صبي باذن السلطان وصلى بالغ جاز۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۲ باب الجمعة) ؎۲

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

سوال: دو خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا سُنّت ہے؟

؎۱ قال العلامة الحصكفيؒ: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۳ باب الجمعة۔ مطلب فى جواز استنابة الخطيب)
وَمِثْلُهٗ فى امداد الفتاوى ج۱ ص۴۳۴ باب صلوٰة الجمعة والعيدين۔

؎۲ وفى الهندية: ولاينبغي أن يصلي غير الخطيب كذا فى الكافى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فى الجمعة)
وَمِثْلُهٗ فى الفقه الاسلامى وادلته ج۲ ص۲۸۴ الخطبة قبل الجمعة۔

الجواب: دونوں خطبوں کے درمیان ایک مرتبہ اتنی دیر بیٹھنا کہ بدن کے اعضاء اپنی جگہ پر قرار پکڑ سکیں مسنون ہے۔

وفی الهندیة: والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین هکذا فی البحر الرائق ومقدار الجلوس بینهما مقدار ثلاث آیات فی ظاهر الروایة هکذا فی السراج الوهاج ناقلاً عن الفتاوی۔ قال شمس الائمة السرخسیؒ: فی تقدیر الجلسة بین الخطبتین انه اذا تمکن فی موضع جلوسه واستقر کل عضو منه فی موضعه قام من غیر مکث ولبث۔ کذا فی التاتارخانیة والمختار ما قاله شمس الائمة السرخسیؒ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة) [1]

جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! جمعہ اور عیدین کے خطبہ کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: جمعہ وعیدین کے خطبہ کو کھڑے ہو کر پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا بھی مرخص ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویسن خطبتان ...... وطهارته وستر عورة قائماً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵ باب الجمعة) [2]

غیر مستقل امام یا خطیب نماز جمعہ وعیدین پڑھا سکتا ہے

سوال: اگر کوئی عالم دین کسی مسجد کا امام یا خطیب نہ ہو اور وہ عید کی نماز پڑھائے تو عید کی نماز ادا ہو گی یا نہیں؟ جبکہ ایک عالم صاحب نے عدم ادائیگی

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ویسن خطبتان خفیفتان وتکره زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصل بجلسة بینهما بقدر ثلاث آیات علی المذهب وتارکها مسیئ علی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۸ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۲۸۳ الخطبة قبل الجمعة۔

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: قال الحنفیة ...... ویخطب قائماً ...... ولو خطب قاعداً او علی غیر طهارة جاز لحصول المقصود الا انه یکره لمخالفته المتوارث۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۲۸۳ باب الجمعة۔ الخطبة قبل الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۲۵ باب صلوٰة الجمعة والعیدین۔

کاکیا ہے؟

الجواب: مناسب اور بہتر یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز اُسی مسجد کا امام یا خطیب خود ہی پڑھائے اور اگر اس (امام وخطیب) کو کوئی شرعی عذر ہو تو کسی دوسرے عالم دین کا جمعہ وعیدین کی نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس صورت میں اگرچہ عیدین اور جمعہ کی نماز تو ادا ہو جائے گی مگر یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: الشرط الخامس للجمعة لكن سيجيئ انه لا يشترط الامام والخطيب (وقال بعد صفحات)... لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب...... جاز هو المختار۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۲،۱۵۱ باب الجمعة) [۱]

خطیب کا خطبہ کے دوران منکر سے منع کرنا

سوال: خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے صحن میں چند بچے شور شرابہ کر رہے تھے کہ اچانک خطیب نے بچوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ خاموش، آرام سے بیٹھ جاؤ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کیا خطبہ کے دوران خطیب صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ کے دوران اگرچہ باتیں کرنا جائز نہیں لیکن خطیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اگر وہ خطبہ کے دوران ہی کسی کو منکر و ناجائز کام سے منع کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس سے خطبہ پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

لما في الهندية: ويكره للخطيب ان يتكلم في حال الخطبة الا ان يكون امراً بالمعروف۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۹۴ باب الجمعة) [۲]

---

[۱] قال الشيخ وهبة الزحيلي: فلا يشترط اتحاد الامام والخطيب لكن لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشئ واحد۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۲۹۴ الخطبة قبل الصلوٰة۔ باب الجمعة)

ومثلهٗ في امداد الفتاوى ج۱ ص۴۲۶ باب صلوٰة الجمعة والعيدين۔

[۲] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: يكره للخطيب ان يتكلم في حالة الخطبة للاخلال بالنظم الا ان يكون امر بمعروف لقصة عمرؓ وعثمانؓ وهي معروفة۔

{فتح القدير ج۱ ص۳۰ باب الجمعة ومن شرائطها الخطبة}

عیدین کی نماز کا اصل وقت

سوال :- عیدین کی نماز طلوعِ آفتاب سے کتنی دیر بعد پڑھنی چاہیئے ؟

الجواب :- جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہوجائے اُس وقت سے لیکر زوال تک عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ : ووقتها من الارتفاع قدر رمح فلا يصح قبله بل تكون نفلا محرما الى الزوال باسقاط الغاية - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۱ باب صلوٰة العيدين) ؎۱

حنفی العقیدہ کیلئے شافعی العقیدہ امام کے پیچھے نماز عید پڑھنے کا حکم

سوال :- ہم لوگ بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم ہیں، عیدین کی نماز میں ہمارا امام شافعی المسلک ہوتا ہے جو تکبیراتِ زوائد چھ سے زیادہ (۱۲) پڑھتا ہے، کیا ہم اس امام کی اقتداء کر سکتے ہیں ؟

الجواب :- عیدین میں تکبیراتِ زوائد کی تعداد شرعاً مختلف ہے، احناف نے چھ کو ترجیح دی ہے جبکہ دیگر مذاہب والوں نے بارہ کو ترجیح دی ہے، چونکہ یہ اجتہادی ترجیح ہے اس لیے چھ سے زائد تکبیرات کہنے والے کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ : ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه مأثور. اھ قال ابن عابدينؒ : (تحت قوله الى ستة عشر) كذا في البحر عن المحيط وفي الفتح : قيل يتابعه الى ثلاث عشرة وقيل الى ستة عشر اھ ...... فهذا يؤيد القول الاول ولذا قدمه في الفتح ونسبه في البدائع الى عامة المشائخ على ان ضم الثلاث الاصلية الى الزوائد بعيد جداً لان القرأة فاصلة بينهما - (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۲ باب صلوٰة العيدين، مطلب امر الخليفة لا يبقى بعد موته) ؎۲

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ : وابتداء وقت صحة صلوٰة العيد ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحين حتى تبيض للنهي عن الصلوٰة وقت الطلوع إلى ان تبيض لانه صلى الله عليه وسلم كان يصلي العيد حتى ترفع الشمس قدر رمح او رمحين فلو صلوا قبل ذلك لا تكون صلوٰة عيد بل نفل محرما - (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۲۳۶ باب صلوٰة العيدين)

وَمِثْلُهٗ في خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۱۴ الفصل الرابع والعشرون في صلوٰة العيدين۔

؎۲ قال محمد في الجامع : اذا دخل الرجل مع الامام في صلوٰة العيد وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله عنهما فكبر الامام غير ذلك اتبع الامام الا اذا كبر الامام تكبيراً لم يكبره احد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۵۱ باب صلوٰة العيدين)

عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً پڑھے یا سراً

سوال:۔ کیا عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت راستے میں تکبیرات جہراً (بآوازِ بلند) پڑھے یا سراً (دل میں)؟

الجواب:۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً (بلند آواز سے) کہے جبکہ عیدالفطر کی نماز کے لیے جاتے وقت سراً (دل میں) پڑھی جائیں، یہی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور علامہ قاسم بن قطلوبغا نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ویوم الفطر لا یجهر به عنده وعندهما یجهر وهو روایة عنه والخلاف فی الافضلیة اما الکراهة فمنتفیة عن الطرفین۔ وقد ذکر الشیخ القاسم فی تصحیحه ان المعتدل قول الامام۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۴ باب صلوٰة العیدین مطلب یطلق المستحب علی السنة بالعکس) [1]

عید کی نماز اور خطبہ دو آدمیوں کے پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھاتے ہیں اور خطبہ دوسرے مولوی صاحب پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ اگر عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھائیں اور خطبہ کوئی اور دے تو اس سے نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ نماز صحیح اور درست ہوگی، البتہ مناسب یہ ہے کہ نماز اور خطبہ ایک ہی آدمی پڑھائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ما یُسَنُّ فی الجمعة ویکره یُسَنُّ فیها ویکره۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۷۵ باب صلوٰة العید)

وقال ایضاً: لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشئ واحد۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۶۲ باب الجمعة) [2]

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یغدوا الی المصلی جاهراً بالتکبیر فی عید الاضحیٰ فاذا انتهی الی المصلی ترك.... واما فی عید الفطر فلا یجهر بالتکبیر عند ابی حنیفة الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۷۹ باب صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ باب صلوٰة العیدین۔

[2] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ویسنّ فیها ما یسنّ فی خطبة الجمعة ویکره فیها ما یکره فیها۔

(کبیری ص۵۷۱ باب صلوٰة العیدین)

وفی الهندیة: ولا ینبغی أن یُصلی غیر الخطیب کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة)

وَمِثْلُهُ فی الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۲۸۴ الخطبة قبل الجمعة۔

تکبیراتِ زوائد بھول جانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی امام کو نمازِ عید میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے دوران یاد آئے کہ اس سے تکبیراتِ زوائد رہ گئی ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ عیدین کی نماز میں تکبیراتِ زوائد واجب ہیں اگر امام کو درمیان فاتحہ یا فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آئے بشرطیکہ سورۃ نہ پڑھی ہو تو اس صورت میں امام اوّلاً تکبیرات کہے اور پھر از سرِ نو فاتحہ و سورۃ پڑھے اور اگر سورۃ پڑھ چکا ہو تو تکبیرات ساقط اور سجدۂ سہو لازم ہو جائے گا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فی البحر عن المحیط بدأ الامام بالقرأۃ سہواً فتذکر بعد الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلوٰتہ وان لم یقرأ إلّا الفاتحۃ کبّر واعاد القرأۃ لزوماً لان القرأۃ اذا لم تتم کان امتناعا عن الاتمام لا رفضا للفرض۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۳ باب صلوٰۃ العیدین، مطلب أمر الخلیفۃ لا یبقی بعد موتہ) [۱]

تکبیراتِ زوائد پڑھنے کے بعد نماز میں شامل ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص تکبیراتِ زوائد کے بعد نماز میں شامل ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جو شخص تکبیراتِ زوائد کے بعد نماز میں شامل ہو اس کی چند صورتیں ہیں:۔

۱:۔ اگر پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو تو اس صورت میں پہلے از خود تین تکبیرات کہے۔

۲:۔ اور اگر دوسری رکعت میں امام کے ساتھ ملا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب قضاء شدہ رکعت کے لیے کھڑا ہو تو اوّلاً تکبیرات کہہ کر پھر قرأت وغیرہ پوری کرے۔

۳:۔ اور اگر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو تو اگر رکوع کے پانے کی اُمید ہو تو پہلے تکبیرات کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں ملے ورنہ نا امیدی کی صورت میں تکبیرات رکوع ہی میں ادا کرے۔

۴:۔ اور اگر تکبیرات کے دوران امام رکوع سے اُٹھ جائے تو جتنی تکبیرات کہہ چکا ہے وہ تو صحیح

---

[۱] قال العلامۃ الکاسانیؒ: فاما اذا تذکر قبل الفراغ منہا بان قرأ الفاتحۃ دون السورۃ ترک القرأۃ ویاتی بالتکبیرات لانہ اشتغل بالقرأۃ قبل اوانہا فیترکہا ویأتی بما ہو الاہم لیکون المحل محلا لہ ثم یعید القرأۃ لان الرکن متی ترک قبل تمامہ ینتقض من الاصل۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۷۸ باب صلوٰۃ العیدین، فصل بیان قدر صلوٰۃ العیدین وکیفیۃ ادائہا)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۷۱ باب صلوٰۃ العیدین۔

ہے اور باقی ساقط ہو جائیں گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو ادرک المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبّر کبّر فی الحال برأی نفسہ لانہ مسبوق ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی القیام) ای الذی قبل الرکوع اما لو ادرکہ راکعاً فان غلب علی ظنہ ادرکہ فی الرکوع کبّر قائماً برأی نفسہ ثم رکع والا رکع وکبّر فی رکوعہ خلافاً لابی یوسفؒ ولا یرفع یدیہ لان الوضع علی الرکبتین سنۃ فی محلہ والرفع لا فی محلہ وان رفع الامام رأسہ سقط عنہ ما بقی من التکبیر لئلا تفوتہ المتابعۃ ولو ادرکہ فی قیام الرکوع لا یقضیھا فیہ لانہ یقضی الرکعۃ مع تکبیراتھا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۳ باب صلوٰۃ العیدین) [1]

تکبیراتِ تشریق کی تعداد

سوال:۔ تکبیراتِ تشریق فرض نمازوں کے بعد کتنی مرتبہ پڑھی جائیں؟

الجواب:۔ فرض نماز کے بعد ایک دفعہ تکبیر یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھنا واجب ہے اس سے زائد یعنی تین دفعہ پڑھنا مستحب ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس کو خلافِ سنت کہا ہے۔ علامہ رافعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تین دفعہ پڑھنا نقل کیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: یجب تکبیر التشریق فی الاصح للأمر بہ مرۃ وان زاد علیھا یکون فضلاً۔ قالہ العینیؒ: صفتہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

---

[1] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وان ادرکہ بعد ما کبّر الامام الزوائد وشرع فی القراءۃ فانہ یکبر تکبیرۃ الافتتاح ویأتی بالزوائد برأی نفسہ لا برأی الامام لانہ مسبوق وان ادرک الامام فی الرکوع فان لم یخف فوت الرکوع مع الامام یکبر الافتتاح قائماً ویأتی بالزوائد ثم یتابع الامام فی الرکوع...... فان رفع الامام رأسہ من الرکوع قبل ان یتمھا رفع رأسہ لان متابعۃ واجبۃ وسقط عنہ ما بقی من التکبیرات لانہ فات محلھا..... ھذا اذا ادرک الامام فی الرکعۃ الاولیٰ فان ادرکہ فی الرکعۃ الثانیۃ کبّر للافتتاح وتابع الامام فی الرکعۃ الثانیۃ یتبع فیھا رأی امامہ لما قلنا فاذا فرغ الامام من صلوتہ یقوم الی القضاء ما سبق بہ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۸،۲۷۹ باب صلوٰۃ العیدین فصل بیان قدر صلوٰۃ العیدین وکیفیۃ ادائھا)

ومثلہ فی کبیری ص ۵۶۲ باب صلوٰۃ العیدین۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله وان زاد الخ) أفاد أن قوله مرة بیان للواجب لکن ذکر ابوالسعود ان الحموی نقل عن القراحصاری ان الاتیان به مرتین خلاف السنة۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۷۸ باب صلوٰۃ العیدین) [۱]

تکبیراتِ تشریق عید کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم

سوال:۔ فقہی ذخائر میں تکبیرات تشریق کے بارے میں ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کا حکم ہے، ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد میں بھی پڑھنے کا کہتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

الجواب:۔ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر کہنا واجب ہے اور عید کی نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مستحب ہے، فقہاء کرام نے اس کی تصریح کردی ہے اس لیے آپ کی مسجد کے امام صاحب کا عمل درست ہے اور فقہی ذخائر میں اس عمل کے ساتھ تعارض نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله لا بأس به) تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم قوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح علیه وفی البحر عن المجتبیٰ والبلخیون یکبرون عقب صلوٰۃ العید لانها تؤدی بجماعة فاشبهت الجمعة۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰۃ العیدین، مطلب کلمه لا بأس الخ) [۲]

تکبیراتِ تشریق بھول جانے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص تکبیراتِ تشریق بھول جائے تو کیا اس پر دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا کہ ذمہ سے

---

[۱] قال العلامة عبدالقادر الرافعیؒ: (تحت قوله خلاف السنة) لکن أخرج ابن المنذر ان ابن عمرؓ کان یکبر ثلاثا ولا دبر الصلوٰۃ ویقول لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر۔ (تقریرات الرافعی علی رد المحتار ج۱ ص۱۱۶ باب صلوٰۃ العیدین) ومثله فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۲۹۲ باب صلوٰۃ العیدین۔

[۲] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا بأس بالتکبیر عقب صلوٰۃ العیدین کذا فی المبسوط ابی اللیث لتوارث المسلمین ذلک۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۹۴ باب صلوٰۃ العیدین)

ساقط ہو جائیں گی ؟

الجواب: تکبیرات تشریق اگر کوئی شخص بھول جائے اور اسی حالت میں وہ مسجد سے باہر جا چکا ہو یا کسی کام میں مشغول ہو گیا ہو تو اس شخص کے ذمہ سے تکبیرات ساقط ہو جائیں گی البتہ اگر اپنی جگہ پر موجود ہو تو تاخیر کی صورت میں دوبارہ کہنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: عقب کل فرض عینی بلا فصل یمنع البناء فلو خرج من المسجد اوتکلم عامداً اوساھیاً او احدث عامداً سقط عنہ التکبیر وفی استدبار القبلة روایتان ولو احدث ناسیاً بعد السلام الاصح انہ یکبر ولا یخرج للطھارة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۹ باب صلوٰة العیدین) [۱]

تکبیرات تشریق میں مفتیٰ بہ قول

سوال: تکبیرات تشریق میں جو ائمہ احناف کا اختلاف ہے اس میں مفتیٰ بہ رائے امام صاحبؒ کی ہے یا صاحبینؒ کی؟ ازراہ کرم جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیرات تشریق عرفہ کی صبح سے لے کر عید والے دن (یعنی ۱۰ ذی الحجہ) کی عصر تک ہر اس شخص پر واجب ہیں جو فرض نماز جماعت سے ادا کرے اور صاحبین کے نزدیک عرفہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہر اس عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہیں جو فرض نماز پڑھے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، متاخرین فقہاء کرام نے صاحبینؒ کی رائے کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قالا بوجوبه فور کل فرض مطلقاً ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانہ تبع للمکتوبة الی عصر الیوم الخامس آخر یوم التشریق وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی فی عامة الامصار وکافة الاعصار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰة العیدین) [۲]

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وقالا ای ابو یوسف ومحمد رحمهما الله یجب التکبیر فور کل فرض علی من صلاه ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانہ تبع للمکتوبة من فجر عرفة الی عقب عصر الیوم الخامس من یوم عرفة فیکون الی آخر ایام التشریق وبه ای بقولهما یعمل وعلیه الفتوی۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۹۳ باب صلوٰة العیدین)

[۲] ایضاً (بحوالہ مذکورہ بالا) (" " " " " " ")

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۶ باب صلوٰة العیدین۔

تکبیراتِ زوائد کے وقت ہاتھ باندھنا خلافِ سُنت ہے

سوال:۔ کیا تکبیراتِ زوائد کے وقت ہاتھوں کو زیرِ ناف باندھا جائے گا یا کہ چھوڑ دیا جائے گا؟

الجواب:۔ تکبیراتِ زوائد کہنے کے دوران ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا مسنون ہے زیرِ ناف باندھنا خلافِ سنت ہے۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ويرفع يديه عند كل تكبيرة منهن ويرسلهما في اثنائهن ...... فاذا قام الى الركعة الثانية يبتدی بالقرأة ثم يكبر بعدها ثلث تكبيرات على هيئة تكبيرة الاولى۔ (كبيری ص۵۶۷ باب صلوٰة العيدين) [1]

دو یا تین سو افراد پر مشتمل گاؤں میں نمازِ عید کا حکم

سوال:۔ جس گاؤں کی آبادی دو تین سو افراد پر مشتمل ہو تو کیا اُس گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جمعہ کی طرح احناف کے ہاں عید کی نماز کے لیے بھی مصر یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس گاؤں پر مصر یا قریۂ کبیرہ کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے اس میں عید کی نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق ...... وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض وامیر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۱۳۸ باب الجمعة) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ویرفع یدیه فی الزوائد ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات کذا فی التبیین ویرسل الیدین بین التکبیرتین ولا یضع هکذا فی الظهیریة۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۵۰ الفصل السابع عشر فی صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص۲۲۸ مسائلِ نمازِ عیدین۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص۲۲۳ مسائل نمازِ عیدین۔

نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے

سوال:۔ نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا سُنت ہے یا سوار ہو کر جانا بہتر ہے؟

الجواب:۔ کتبِ فقہ میں بتصریح یہ بات موجود ہے کہ نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے البتہ اگر واپسی پر سوار ہو کر گھر آئے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ثم خروجه .... ماشياً الى الجبانة هي المصلى العام والواجب مطلق التوجه .... ولا بأس بعوده راكباً۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۶ باب العيدين)[1]

ایک ہی گاؤں میں دو عیدگاہوں میں نمازِ عید کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں دو عیدگاہیں ہیں جن میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیا دونوں عیدگاہوں میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک شہر یا گاؤں میں متعدد مقامات پر عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے، اسلئے آپ کے گاؤں کی دونوں عیدگاہوں میں نمازِ عید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: وتؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العيدين)[2]

ایامِ تشریق میں قضا نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص ایامِ تشریق میں قضاً نمازیں ادا کر رہا ہے تو کیا وہ اِن قضا نمازوں کے بعد بھی تکبیراتِ تشریق پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی مختلف صورتیں لکھی ہیں: (۱) ایامِ تشریق

---

[1] وفي الهندية: والخروج الى المصلى ماشيا والرجوع في طريق آخر كذا في القنية ولا بأس بالركوب في الجمعة والعيدين والمشي افضل في حق من يقدر عليه كذا في الظهيرية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۹ الباب السابع عشر في صلوة العيد)

ومثله في مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۴۳۵ باب صلوة العيدين۔

[2] وفي الهندية: وتؤدي الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة وهو قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وهو الاصح۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۵ الباب السادس عشر في صلوة الجمعة)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۵ ص۲۰۸ مسائل نماز عيدين۔

کے علاوہ ایام کی قضاء نمازیں ایام تشریق میں ادا کرے۔ (۲) ایام تشریق کی قضاء نمازیں غیر ایام تشریق میں قضاء کرے۔ (۳) ایک سال کے ایام تشریق کی قضاء نمازیں دوسرے سال قضاء کرے۔ (۴) ایک سال کے ایام تشریق کی قضاء نمازیں اسی سال کے ایام تشریق میں ادا کرے۔
ان جملہ صورتوں میں سے صرف اخیر صورت میں قضاء نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں گی باقی صورتوں میں نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او قضی فیها منها من عامه لقیام وقته کالاضحیة۔ قال ابن عابدینؒ تحته المسئلة رباعیة فائتة غیر العید قضاها فی ایام العید، فائتة ایام العید قضاها فی غیر ایام العید، فائتة ایام العید قضاها فی ایام العید عام آخر، فائتة ایام العید قضاها فی ایام العید من عامه ذلك لایکبر الا فی الاخیر فقط۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۹ باب العیدین)[1]

احناف کے نزدیک عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد

سوال:- احناف کے ہاں عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کی تعداد کتنی ہے؟

الجواب:- عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کا مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک چھ تکبیرات زائد ہیں یعنی ہر رکعت میں تین تکبیرات کہنی ہوں گی۔ یہی رائے عبد اللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کبار صحابہؓ کی ہے اور ایک روایت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویُصَلِّی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة۔ قال العلامة ابن عابدینؒ (تحت قوله ثلاث تکبیرات) هذا مذهب ابن مسعودؓ و کثیر من الصحابةؓ وروایة عن ابن عباسؓ وبه اخذ ائمتنا الثلاثة۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۲ باب العیدین قبیل مطلب...الخ)[2]

---

[1] قال السید احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله او قضی فیها) والمسئلة رباعیة فائتة غیر العید قضاها فی ایام العید فائتة ایام العید قضاها فی غیر ایام العید فائتة ایام العید قضاها فی ایام العیدین من عام آخر وفائتة ایام العید قضاها ایام العید من عامه ذلك ولایکبر الا فی الاخیر فقط۔ (الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج۱ ص۳۵۶ باب العیدین)

[2] قال برهان الدین المرغینانیؒ: ویصلی الامام بالناس رکعتین یکبر فی الاولی للافتتاح وثلاثا بعدها ثم یقرأ الفاتحة وسورة ویکبر تکبیرة یرکع بها ثم یبتدی فی الرکعة الثانیة بالقراءة ثم یکبر ثلاثا بعد ویکبر رابعة یرکع بها، وهذا قول ابن مسعودؓ وهو قولنا۔ اھ قال بدر الدین العینیؒ تحت قوله وهو قولنا ای قول ابن مسعودؓ مذهبنا وهو مذهب جماعة من الصحابة والتابعین علی ما ذکرناه آنفا۔ (البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۳۶۳، ۳۶۴ باب صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۶۹ باب صلوٰة العیدین۔

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر داماد ساس کے پستانوں کو ہاتھوں سے پکڑ لے تو اس پر بیوی حرام ہو جائے گی یا نہیں؟

ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے

الجواب:۔ اگر داماد نے بنظرِ شہوت ساس کے پستانوں کو بلا حائل ہاتھ لگایا یا حائل تھا مگر بہت باریک تھا جس کے ہوتے ہوئے بھی لذت حاصل ہو سکتی تھی تو اس شخص پر بیوی حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وحرم اصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو لشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ...... وفروعھن مطلقاً والعبرۃ للشھوۃ عند المس۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ بشھوۃ) ای ولو من احدھما (قولہ بحائل) ای لو بحائل..... فلو کان مانعاً لا تثبت الحرمۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) [1]

سوال:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ جس کی وجہ سے بوقتِ انکار دعویٰ ثابت کیا جا سکے؟

حرمتِ مصاہرت کے اثبات کیلئے گواہوں کی تعداد

الجواب:۔ زنا کے علاوہ دیگر حقوق اور دعاوی کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے لہٰذا حرمتِ مصاہرت بھی مذکورہ گواہوں کی گواہی سے ثابت کی جا سکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولغیرھا من الحقوق سواءکان الحق مالاً اوغیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ...الخ۔ رجلان أو رجل وامرأتان۔ (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۴ ص۵۱۲ کتاب الشہادۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فاعلی الرأس کالبدن بخلاف المسترسل والنصرف المس الیٰ ای موضع من البدن بغیر حائل واما اذا کان بحائل فان وصلت حرارۃ البدن الیٰ یدہ تثبت الحرمۃ والا فلا۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۷ فصل فی المحرمات)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولغیرھا رجلان اورجل وامرأتان للایۃ اطلقہ تشمل المال وغیرہ کالنکاح والطلاق والوکالۃ والوصیۃ والنسب۔ (البحرالرائق ج۷ ص۶۲ کتاب الشہادۃ)

مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص اپنے ناجائز تعلقات والی عورت کی بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے جبکہ مزنیہ کی یہ بیٹی اپنے شوہر سے ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت میں جانبین پر ایک دوسرے کے اصول و فروع حرام ہو جاتے ہیں، یہ حکم دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا، صورتِ مرقومہ میں چونکہ زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کے درمیان حرمت کا کوئی رشتہ نہیں اس لیے اِن دونوں کا نکاح زانی اور مزنیہ کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوگا۔

وفی الهندية: لا بأس بان يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها او امها كذا فی محيط السرخسی۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۷ القسم الثانی فی المحرمات بالصهرية) [۱]

مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے زانی کا نکاح کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زنا چونکہ حرمتِ مصاہرت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے جانبین پر ایک دوسرے کے اصول و فروع حرام ہو جاتے ہیں چاہے وہ نسبی ہوں یا رضاعی! اسلئے زانی کا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: حرمت المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [۲]

---

[۱] قال المرغینانیؒ: ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع لانه یجوز ان یتزوج باخت اخیه من النسب۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) ومِثلُهٗ فی

[۲] قال العلامة ابو البرکات النسفی رحمه الله: حرم تزوج اُمّه وبنته وان بعدتا واُخته وبنتها وبنت اخیه وعمته وخالته وام امرأته وبنتها ان دخل بها وامرأة ابیه وابنه وان بعدا والکل رضاعًا۔

(کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات)

ومِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جس میں لمس وتقبیل کے علاوہ زنا کا ارتکاب بھی ہوچکا ہے، اب یہ شخص اس عورت کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ لمس وتقبیل اور زنا کے ارتکاب سے مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر اور زانی کے اصول وفروع مزنیہ پر حرام ہوجاتے ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مزنیہ کی پوتی زانی کے لیے حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔

(الدر المختار علی هامش ردّ المختار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات)[1]

منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کی بیٹی (جو کہ اُسکے پہلے شوہر سے ہے) کے ساتھ زنا کیا، تو کیا اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوجائیگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کا اپنی منکوحہ کی ربیبہ بیٹی سے زنا کرنا موجب حرمتِ مصاہرت ہے اس لیے اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاهرۃ المحرمات الاربع حرمت المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ (ردّ المختار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] وفی الهندیۃ: فمن زنا بأمرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت الخ

(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الهندیۃ: فمن زنی بأمرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت۔ الخ

(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

منکوحہ غیر مدخول بہا کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی تک دخول نہیں ہوا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ اس عورت کی بیٹی جو کہ اسکے پہلے شوہر سے ہے کے ساتھ نکاح کرلے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں منکوحہ عورت کی بیٹی اگرچہ محرمات میں داخل ہے مگر اس کی حرمت بشرط دخول کے ساتھ معلق ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دخول نہیں ہوا ہے اس لیے یہ شخص اس عورت کو طلاق دینے اور عدت گذر جانے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وربائبکم التی فی حجورکم من نساءکم التی ان دخلتم بھن۔ (النساء ۲۳) [1]

بیٹے کی منکوحہ غیر مدخول بہا سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کی ایک جگہ منگنی کی جس میں باقاعدہ طور پر نکاح بھی باندھا گیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک حادثے میں انتقال کر گیا، اب اگر اس لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟

الجواب:۔ جب گواہان شرعی کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول بصورتِ نکاح صحیح ہو جائے تو یہ لڑکی اب شخص مذکور کے بیٹے کی منکوحہ ہے باپ کا اس کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے چاہے بیٹے نے دخول کیا ہو یا نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال المرغینانیؒ: ولا بامرأۃ ابنہ وبنی اولادہ — لقولہ تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۸ فصل فی بیان المحرمات) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وحرم بالمصاھرۃ بنت زوجتہ الموطوئۃ وام زوجتہ وجدتھا مطلقاً بمجرد العقد الصحیح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۲ فصل فی المحرمات) ۔ ومثلہ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال ابن نجیمؒ: اما حلیلۃ الابن فبقولہ تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم. فاعتبرت الحلیلۃ من حلول الفراش وحل الازار تنا ولت الموطوأۃ بملک الیمین او شبھۃ او زنی فیحرم الکل علی الآباء.... والفرض انھا بمجرد العقد تحرم علی الآباء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۶۸ فصل فی المحرمات۔

خُسر پر فقط دعویٰ زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ میرے ساتھ میرے خُسر نے زنا کیا ہے جبکہ خُسر اس سے انکاری ہو تو کیا یہ عورت اس کے بیٹے کے لیے حلال ہے یا حرام ؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں عورت کا دعویٰ بغیر شہادت معتبرہ یا خُسر کے اقرار کے ثابت نہ ہوگا اور نہ صرف دعویٰ کرنے سے میاں بیوی کے درمیان حرمت ثابت ہوگی جب تک کہ شوہر اس امر کو قبول نہ کرے، بغیر تسلیم الزوج اقرار کی صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں، تاہم واقعتاً عورت کے ساتھ ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو کسی مناسب طریقے سے جدائی اختیار کی جاسکتی ہے ۔

وفی الهندية: رجل تزوج امرأةً على انها عذراء فلما اراد وقاعها وجدها قد افتضت فقال لها من افتضك فقالت ابوك ان صدقها الزوج بانت منه ولامهر لها وان كذبها فهي امرأته ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۶ القسم الثانى المحرمات بالصهرية)

مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہوجاتے ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید ایک مطلقہ سے عدتِ طلاق ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کرلیتا ہے، پھر اپنی فاسد منکوحہ سے جماع کے کچھ عرصہ بعد اپنی ساس سے زنا کا مرتکب ہوجاتا ہے، مطلقہ منکوحہ سے زید کے بچے بھی ہیں اور اب بھی اس کا زید سے حمل ہے، تو دونوں کے نکاح کا کیا حکم ہے ؟ کیا دوبارہ کسی طریقہ سے وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ زید اور موصوفہ کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے کوئی حیلہ یا طریقہ اس نکاح کے جواز کا نہیں ۔

قال الحصکفیؒ: وحرم ايضا بالصهرية اصل مزنيته واصل ممسوسته بشهوة واصل ماسته وناظرة الى ذكره ـــ الى قوله وفروعهن مطلقا ۔ (الدرالمختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۰۳،۳۰۴ فصل فی المحرمات) [۱]

---

[۱] قال العلامة المرغينانیؒ: ومن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وبنتها ..... فيصير اصولها وفروعها كاصوله وفروعه الخ ۔ (الهداية ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بيان المحرمات)

وَ مِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ فصل فی المحرمات ۔

خون دینے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال:۔ اگر خاوند اور بیوی کے خون کا گروپ ایک ہو تو خاوند کا خون بیوی کو چڑھانے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کا بیوی کو خون دینے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس فعل کے حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ وہ دودھ جزوِ بدن بنے گا۔

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ اگر زید اپنی بیوی کی بہن سے زبردستی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سالی سے زبردستی زنا کرنے پر زید کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، البتہ سخت گنہگار رہوگا۔

قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: وفی الفتاوی النسفی رجل وطئ اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته اھ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۔ کتاب النکاح الفصل الثانی فیمن یکون محلاً للنکاح وفیما لا یکون) [1]

---

[1] قال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی الخلاصة وطئ اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته۔ قال ابن عابدینؒ (قوله فی الخلاصة) هذا محترز التقیید بالاصول والفروع وقوله لاتحرم ای لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنی لاتحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الی انقضاء عدة الموطؤة لوبشبهة۔ (رد المحتار علی صدر الدر المختار ج۳ ص۳۴ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

ومثلهٗ فی فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج۷ ص۳۴۴ کتاب النکاح۔ فصل فی حرمت مصاهرة۔

باب الحضانة

(چھوٹے بچوں کی پرورش کے مسائل)

چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال:۔ ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اس کے چھوٹے بچوں پر دادا اور دادی نے قبضہ کیا ہوا ہے جو بچوں کو والدہ کے پاس جانے نہیں دیتے، ایسی حالت میں تربیت کا حق ماں کو حاصل ہے یا دادا دادی کو؟

الجواب:۔ از روئے شرع مرقومہ صورت میں بچوں کی تربیت کا حق والدہ کو حاصل ہے خواہ والدہ نکاح میں ہو یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو گئی ہو، صورت مذکورہ میں جب بچوں کی والدہ انکی تربیت کے لیے بیتاب ہے تو باپ کے ورثاء کا بچوں کو اپنے پاس رکھ کر والدہ کے پاس نہ چھوڑنا ظلم وزیادتی کے مترادف ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الا ان تکون مرتدۃ۔

(تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۸۷۶ باب الحضانۃ) [1]

والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کو ہے

سوال:۔ ایک عورت کی وفات کے بعد اس کی چھوٹی بچی کی تربیت وپرورش کے بارے میں نانی اور دادی کے مابین تنازع پیدا ہو گیا ہے، ہر ایک بچی کی تربیت کرنے کا دعویدار ہے، ایسی حالت میں از روئے شرع کس کو تربیت کا حق پہنچتا ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع بچی کی پرورش کا حق ماں کے بعد اس کی نانی کو حاصل ہے، بالغ ہونے تک بچی نانی کے پاس رہے گی، بالغ ہونے کے بعد اس کی مرضی ہے کہ چاہے تو باپ کے گھر رہے یا نانی کے گھر، بشرطیکہ نانی کے گھر میں اس وقت اسکی عصمت

---

[1] وقال فی الہندیۃ :۔ احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الأم ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۷ باب الحضانۃ)

کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

لما قال فی الهندیة: وان لم یکن له أم تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة اومتزوجة بغیر محرم أوماتت فأم الأم اولیٰ من کل واحدة۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)[1]

والد کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاقِ ثلاثہ دے دی، مطلقہ کے بطن سے ایک بچی ہے جو طلاق کے بعد اس کے پاس رہی اور باپ اس بچی کا خرچہ دیتا رہا، کچھ عرصہ بعد مطلقہ مذکورہ نے نکاح ثانی کر لیا، اب نانی کہتی ہے کہ بچی کی پرورش کا مجھے حق ہے جبکہ باپ کہتا ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی۔ از روئے شرع بچی کی پرورش کا کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق مطلقہ کا نکاح ثانی کر لینے سے اس کا حقِ حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لیکن والد کی بجائے بچی کی تربیت کی نانی زیادہ حق دار ہے تاہم بچی کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: ثم ای بعد الأم أم الأم۔

(تنویر الابصار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۲ باب الحضانۃ)[2]

لڑکی کے حقِ پرورش کی مدت

سوال:۔ اگر ایک بچی کی تربیت اس کی والدہ کے ذمہ ہو تو والدہ کو کتنی مدت تک یہ حق حاصل ہے؟ کیا والد کو بچی اپنے ساتھ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

---

[1] وقال العلامة الحصکفیؒ: (ثم) ای بعد الأم بان ماتت اولم تقبل او سقطت حقها اوتزوجت بأجنبی (أم الأم)۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۲ باب الحضانة)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۷ باب الحضانة

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ثم أم الام ای بعد الام۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۷ باب الحضانة)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة۔

الجواب:۔ بچی کے بالغ ہونے تک والدہ اُسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے اور اس دوران اسی کو بچی کی تربیت کا حق حاصل ہے، جب تک حقِ تربیت کے اسقاط کے اسباب موجود نہ ہوں تو والد اس بچی کو والدہ سے نہیں لے جا سکتا، البتہ بالغ ہونے کے بعد بچی اپنی مرضی سے والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتی ہے۔

لما ذکر علاؤ الدین الحصکفیؒ: والام والجدۃ احق بھا حتی تحیض وغیرھا احق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۵ باب الحضانۃ) [1]

بیوہ کا نکاح ثانی کرنے سے شیرخوار بچی کی تربیّت کا مسئلہ

سوال:۔ ایک بیوہ عورت نے جب نکاحِ ثانی کیا تو اس کی گود میں چار ماہ کی شیرخوار بچی بھی تھی، نکاح کے وقت طرفین میں سے کسی نے بھی بچی کی تربیت کے استحقاق کا مسئلہ نہیں چھیڑا تھا، اب جبکہ بچی سات سال کی ہوگئی ہے تو اس کے عصبہ (ورثاء) واپسی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بچی کو عصبہ واپس لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ بچی کا سوتیلا باپ اس کی تربیت اور اخراجات کے تکفل کے لیے تیار ہے؟

الجواب:۔ جب خاوند ربیبہ کے اخراجات اور تربیت کی تبرعاً ذمہ داری قبول کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ ماں کے پاس رہنے سے بچی کو جو سکون و اطمینان حاصل ہوگا وہ عصبہ (یعنی ورثاء) کے پاس ممکن نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچی والدہ کے پاس رہے اور ورثاء کے پاس نہ جائے۔

قال الحصکفیؒ: وفی الحاوی تزوجت باجنبی وطلبت تربیتہ بنفقتہ والتزمہ ابن عمہ مجاناً ولا حاضنۃ لہ فلہ ذٰلک۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۰ باب الحضانۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وقدرہ ابو اللیث بتسع سنین وعلیہ الفتویٰ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۷۰ باب الحضانۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۴۲ الباب السادس عشر فی الحضانۃ۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: والصحیح انہ یقال للوالدۃ اما ان تمسکی الولد بغیر اجر واما ان تدفعیہ الی العمۃ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۲۰۳ باب النفقۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۴۳ الباب السادس عشر فی الحضانۃ۔

بیوہ کا کسی غیر محرم سے نکاح کرنے سے حق تربیت کا ساقط ہونا

سوال:۔ ایک بیوہ نے عدت گذارنے کے بعد کسی ایسے شخص سے نکاح کر لیا جو اس کے سابقہ خاوند کی بچی کا رشتہ دار نہیں بلکہ اجنبی ہے اور وہ بیوہ کی بچی کو اپنے پاس رکھنے اور تربیت کرنے پر کبیدہ خاطر بھی ہے لیکن عورت استحقاقِ تربیت کا دعویٰ کر کے اس پر مصر ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی، کیا یہ عورت بچی کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بچی کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے والدہ کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں حق حضانت بچی کی نانی کو حاصل ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: یسقط حقها بنکاح غیر محرمه۔

(تنویر الابصار علیٰ هامش ردّالمحتار ج۲ ص۶۹۴ باب الحضانة) [1]

اخلاقی حالت اور کردار متاثر ہونیکی صورت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہوجاتا ہے

سوال:۔ ایک بچی ماں کی گود میں پل رہی ہے اگرچہ شرعاً اور عرفاً والدہ کو تربیت کا حق زیادہ حاصل ہے اور والدہ اپنی بچی کی جو تربیت کر سکتی ہے وہ کسی دوسرے کے ہاں مشکل ہے لیکن اسکے باوجود والدہ کی اخلاقی حالت اور کردار مخدوش ہے اب اگر بچی کو والدہ کے پاس رہنے دیا جائے تو ڈر ہے کہ وہ والدہ کی تربیت سے متاثر ہو کر بے راہروی کا شکار نہ ہو جائے، تو کیا اس حالت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ از روئے شرع بچی کی دینی تربیت اور کردار کے تحفظ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن جب والدہ کے فسق و فجور کی وجہ سے بچی کے بے دینی اور بے راہروی کا شکار ہونے کا خدشہ ہو اور اخلاقی تربیت کے تحفظ کے سقوط کا قوی احتمال ہو تو اصحابِ تربیت کو چاہیئے کہ جہاں کہیں اسکی زندگی، اخلاق اور عصمت و عفت کے تحفظ کی ضمانت پائی جاتی ہو وہاں اس کی تربیت کا انتظام کریں۔

لما قال التمرتاشیؒ: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الا ان تکون مرتدة او فاجرة او غیر مامونة۔ (تنویر الابصار علیٰ هامش ردّالمحتار ج۲ ص۶۸۷ باب الحضانة) [2]

---

[1] وقال الشیخ ابی البرکات عبدالله بن احمد النسفیؒ: ومن نکحت غیر محرم سقط حقها۔ (کنز الدقائق علیٰ هامش البحرالرائق ج۴ ص۱۶۸ باب الحضانة) ـــ ومِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۱۸۵ باب الولد من احق به۔

[2] وفی الهندیة: احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقة الأم الا ان تکون مرتدة او فاجرة غیر مامونة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة) ـــ ومِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۴ ص۱۶۸ باب الحضانة۔

ولد الزنا کی حضانت (پرورش) کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ جو بچہ ناجائز حمل سے پیدا ہو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ (زانی یا مزنیہ (بچے کی ماں))؟

الجواب:۔ جس بچے کا باپ معلوم نہ ہو اس کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے، لہٰذا اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی ماں پر ہی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الحضانة تثبت للأم النسبية۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸۸ باب الحضانۃ)[1]

عورت کو بچہ دار الحرب لے جانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص یہاں سے جاپان چلا گیا اور وہاں اس نے ایک عورت سے شادی کر لی، کئی سال کے بعد واپس پاکستان آگیا اور یہیں رہنے لگا اور کچھ عرصہ بعد گھریلو ناچاکی کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور اس نے بیوی کو طلاق دے دی، اس شخص کا اُس عورت سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے جسے اب وہ عورت اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتی ہے جبکہ شخص بچے کو اُس کے ساتھ جاپان نہیں دیتا، تو کیا اس عورت کو بچہ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضانت میں یہ ضروری ہے کہ بچہ زوجین میں سے کسی ایک کے گھر میں پرورش پائے مگر دار الحرب اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ عورت اس بچے کو شرعاً اپنے ساتھ جاپان نہیں لے جاسکتی بلکہ بچے کی تربیت پاکستان میں رہ کر ہی کرے گی۔

لما فی الھندیة: لیس للمرأة ان تنقل ولدہ الی دار الحرب وان کان تزوجھا ھناك وکانت حربیة بعد ان یکون زوجھا مسلما او ذمیا۔

(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۵۴۵ الباب السادس عشر فی الحضانة)

---

[1] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: اذا وقعت الفرقة بین الزوجین فالأم احق بالولد۔

(الھدایة ج۲ ص۴۱۳ باب حضانة الولد ومن احق به)

ومثلهٗ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۱ ص۹۱ باب الحضانة۔

باب الولیمۃ

(ولیمہ کے مسائل واحکام)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! شریعت مقدسہ میں ولیمہ کی حیثیت واجب کی ہے یا سنت کی؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول وفعل اس پر دال ہے تاہم واجب نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

فخرج إلى السوق فباع واشترى فاصاب شيئاً من أقط وسمن فتزوج فقال النبي صلى الله عليه وسلم أولم ولو بشاة۔ (الصحيح البخاري ج۲ ص۷۷۷ باب من أولم على بعض نسائه)

وعن انس رضی اللہ عنہ قال ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔ (مشكوٰة ج۲ ص۲۷۸ باب الوليمة) [1]

دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت

سوال: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟ شادی کے بعد یا پہلے؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت دُلہن کو گھر لانے کے بعد کا ہے، خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد دعوت کھلانا مسنون ولیمہ ہے، تاہم دُلہن کو گھر لانے سے قبل کھلایا جانے والا طعام مسنون ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے قربانی کے جانور کو قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کیا جائے تو قربانی نہیں ہوگی تاہم اس کا کھانا جائز ہے۔

قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعوا الجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح

---

[1] قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات)
ومثله في اعلاء السنن ج۱۱ ص۱ باب استحباب الوليمة۔

لهم ويصنع لهم طعاماً - (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) [1]

دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا

سوال:- جس دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اُس میں شرکت کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:- جس دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوا تو اگر دسترخوان کے پاس نہ ہو عالم اور مقتدا ہونے کی صورت میں واپس آجائے اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے، اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دسترخوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس ہونا ضروری ہے چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔

قال المرغيناني: ومن دعي الى وليمة او طعام فوجد ثمه لعباً او غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل - قال ابو حنيفة ابتليت بهذا مرة فصبرت وهذا لأن إجابة الدعوة سنة. قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم فلا يتركها لما اقترنت به من البدعة من غيره كصلوٰة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة فان قدر على المنع منعهم وان لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدى فان كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين والمحكي عن ابي حنيفة في الكتاب كان قبل أن يصير مقتدى ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى لقوله تعالى: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ٥ هذا كله بعد الحضور، ولو علم قبل الحضور لا يحضر لأنه لم يلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه لأنه قد لزمه - (الهداية ج ۴ ص۴۵۵ كتاب الكراهية) [2]

---

[1] عن انس رضي الله عنه قال اصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها عروساً بزينب ابنة جحش رضي الله عنها فدعا القوم فاصابوا من الطعام ثم خرجوا وبقي رهط - (الصحيح البخاري ج ۲ ص۷۷۷) - وقال الشيخ العثماني نقلاً عن فتح الباري وحديث أنس في هذا الباب صريح أنها اي الوليمة بعد الدخول لقوله فيه أصبح عروساً بزينب فدعا القوم - (إعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۱)

[2] قال الطوري وان كان ذلك على المائدة فلا يقعد وان كان هناك لعب وغناء قبل ان يحضر فلا يحضر لانه لا يلزمه الاجابة اذا كان هناك منكر لما روي عن علي قال صنعت للنبي صلى الله عليه وسلم طعاماً فدعوته له فحضر فرأى في البيت تصاوير فرجع - (البحر الرائق ج ۸ ص۱۸۸ كتاب الكراهية)
ومثله في بدائع الصنائع ج ۵ ص۱۲۸ كتاب الاستحسان -

لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا | **سوال**:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے کیا وہ ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو کھانا کھلانا ولیمہ میں داخل نہیں، ولیمہ اس طعام کو کہتے ہیں جو شادی کے بعد خاوند کی طرف سے کھلایا جاتا ہے۔

قال فی الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته أن يدعوا لجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعامًا۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) [1]

ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے | **سوال**:۔ جناب مفتی صاحب! ولیمہ صرف ایک دن ہی ہونا چاہیے یا ایک دن سے زیادہ بھی کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ولیمہ اُس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد دی جاتی ہے شریعت نے اس کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ اس دعوت کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے، اگر وہ ایک دن سے زیادہ یہ دعوت کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما في الحديث: عن انسٍ رضي الله عنه قال تزوج النبي صلى الله عليه وسلم صفيةؓ وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة ايام۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۳ باب جواز الوليمة الى ايام ان لم يكن فخرًا) [2]

---

[1] عن انس رضي الله عنه قال ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم أولم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔ (مشكوٰة المصابيح ج ۲ ص۲۷۸ باب الوليمة۔

ومِثْلُهٗ فى إعلاء السنن ج ۱ ص۱۰ باب استحباب الوليمة۔

[2] عن حفصة بنت سيرين قالت لما تزوج ابى دعا الصحابة سبعة ايام فلما كان يوم الانصار دعا ابى بن كعب وزيد بن ثابت وغيرهما فكان ابى صائمًا فلما طعموا دعا ابى واثنى۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۳ باب جواز الوليمة الى ايام ان لم يكن فخرًا)

منگنی کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ تقریب نکاح میں جس کو عرف میں (کوجلان) کہتے ہیں، سوائے کھجور یا مٹھائی کے دیگر خوردنی اشیاء کھانا ناجائز ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا مٹھائی میں ہے، اور دلیل میں یہ آیات کریمہ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ( ) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ( ) جبکہ عمرو کہتا ہے کہ چونکہ کھجور یا مٹھائی بھی ایک نوع خوراک ہے اس لیے کھانا پینا ہر قسم خوراک کا عقد خطبہ کے بعد جائز ہے اور دلیل میں آیت کریمہ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ( ) پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حرمت کے لیے اس پر دلیل ہونی چاہیے، نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کھانے پینے سے منع نہیں فرمایا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:۔ مجلس نکاح میں اشیاء خوردنی کی تقسیم خواہ وہ اشیاء از قسم کھجور یا مٹھائی ہوں یا دوسری چیزیں، نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت مؤکدہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ صحیح روایات میں بوقت نکاح ان چیزوں کی تقسیم کا ذکر نہیں آیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے نہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صحابہ نے اس پر مواظبت کے طور پر عمل فرمایا ہے، لہٰذا اگر اس عمل کو لازم یا سنت سمجھ کر اگر کیا جائے تو ناجائز ہوگا لیکن اگر بوقت نکاح اشیاء خوردنی کی تقسیم اس غرض سے کی جائے کہ چونکہ یہ ایک مبارک مجلس اور نیک تقریب ہے جس میں مسلمان مرد اور عورت کے درمیان عقد نکاح کیا گیا ہے جو ایک عبادت بھی ہے اور خدا کی طرف سے ایک نعمت بھی، لہٰذا اس موقعہ پر شکرانے کے طور پر یا فریقین میں سے ایک فریق اس نیت سے کھانا کھلانے کا انتظام کردے کہ آپس میں محبت بڑھے اور دوستی مضبوط ہو جائے تو ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور کچھ بعید نہیں کہ تالیف قلوب کی نیت سے کیا گیا یہ عمل اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے، کیونکہ شریعت نے ہر اس عمل کی ہمیں ترغیب دی ہے جس کی وجہ سے آپس میں باہمی محبت بڑھتی ہو اور دینی تعلقات مضبوط ہوتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اطعموا الطعام وافشوا السلام الخ اور فرمایا کہ تھادوا تحابوا (الحدیث) اس کے علاوہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بعض دفعہ اشیاء خوردنی مجالس نکاح میں کھائی بھی گئی ہیں۔ چنانچہ بیہقی، اوسط اور معجم میں مروی

مروی ہے: ان النبی علیہ السلام حضر فی املاک ای عقد نکاح فاتی باطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال رسول اللہ صلعم مالکم لا تأخذون فقالوا انک نھیت عن النھبی فقال انما نھیتکم عن نھبی العساکر خذ واعلی اسم اللہ الخ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص۲۲۶)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاہ حبشہ نجاشی کے واسطے سے ہوچکا تھا) طبقات ابن سعد سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ثم بعد الفراغ من النکاح ارادوا ان یقوموا فقال اجلسوا فان سنۃ الانبیاء اذا تزوجوا ان یؤکل طعام علی التزویج ندعی بطعام فاکلوا ثم تفرقوا. انتہی (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص۲۲۶)

چونکہ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں لہٰذا ان سے سنیت، وجوب یا فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، البتہ اباحت وجواز ثابت ہوسکتا ہے۔

بہرحال اگر ان چیزوں کا ثبوت عہد نبوی اور عہد صحابہؓ میں صحیح احادیث اور معتبر روایات سے نہ بھی ملتا ہو تب بھی اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ عمل امور مباح میں شمار ہوگا بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً کھانے کی یہ چیزیں یا طعام لڑکے یا لڑکی والوں نے بطیب خاطر تیار کیا ہو اور ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو، نہ وہ اس پر ناراض ہوں اور اس کو لازم اور سنت بھی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسا صرف باہمی محبت ومودت کے استحکام کے لیے کیا گیا ہو تو ایسی حالت میں یہ ایک قسم کی ضیافت ہوگی جس کو کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (فقط واللہ اعلم)

کتاب الجنائز

(جنازے کے مسائل واحکام)

نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:- کسی مسلمان کے فوت ہوجانے پر جنازہ کے بارے میں زندہ مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اور یہ ذمہ داری کون کون لوگ نباہ سکتے ہیں؟

الجواب:- احادیث کی رُو سے فوت ہوجانے والے مسلمان کی نمازِ جنازہ تمام اہلِ اسلام پر فرضِ کفایہ ہے یعنی بعض مسلمانوں کی ادائیگی سے باقی لوگوں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، البتہ اگر تمام لوگ اجتماعی طور پر نمازِ جنازہ چھوڑ دیں تو تمام لوگ گنہگار رہوں گے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: والاجماع منعقد علیٰ فرضیتها ایضاً إلّا انها فرض کفایة اذا قام به البعض یسقط عن الباقین... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰة الجنازة)[1]

بغیر نیت کے نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں

سوال:- نمازِ جنازہ میں کھڑے ہوتے وقت نیت اگر بھول کر چھوڑ دی جائے تو اس طرح جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- دیگر نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی نیت ضروری ہے لہٰذا بلا نیت پڑھی ہوئی نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: اما ما تختص به فکل ما یعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوٰت من الطهارة الحقیقیة والحکمیة واستقبال القبلة وستر العورة والنیة یعتبر شرطاً لصحتها۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۵ فصل بیان ما تصح به وما یفسد)[2]

---

[1] وفی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة اذا قام به البعض واحداً کان او جماعة ذکراً کان او انثیٰ سقط عن الباقین واذا ترك الکل اثموا۔ هکذا فی التاتارخانیة۔ (ج ۱ ص ۱۶۲ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ فصل السلطان احق بصلوٰته۔

[2] وقال العلامة ابن عابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوٰة من الطهارة الحقیقیة بدناً وثوباً ومکاناً والحکمیة وستر العورة والاستقبال والنیة... الخ

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۲ مطلب فی صلوٰة الجنازة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصّلوٰة علی المیّت۔

نمازِ جنازہ کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے

سوال:۔ نمازِ جنازہ کے لیے جس جگہ صفیں بنائی جاتی ہیں کیا اس کا پاک ہونا ضروری ہے؟ یا بغیر کسی امتیازِ طہارت ونجاست مکان کا استعمال جائز ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ کے لیے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، لہٰذا ناپاک جگہ پر نمازِ جنازہ کی صفیں کھڑی ہوکر اگر نمازِ جنازہ ادا کی جائے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، جیسا کہ بلاطہارت جنازہ کو اعتبار نہیں دیا جاتا۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: اما ماتصح به فکل مایعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقیقیة والحکمیة الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۵ فصل بیان ماتصح به ومایفسد) [۱]

ولدالزنا کا جنازہ

سوال:۔ اگر کوئی بچہ کسی غیر شرعی ذریعہ یعنی زنا سے پیدا ہو تو ایسے بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زنا کی قباحت کی نسبت بچے کی والدہ اور زانی کی طرف کی جاتی ہے، خود بچہ ایسے جرائم میں بری الذمہ متصور ہوتا ہے، لہٰذا اس کی معصومیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں پر ایسے بچے کے مرنے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو خود زانی اور مزنیہ کے اس شنیع فعل کے ارتکاب کے باوجود ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی تو پھر اس بچے کا جنازہ تو بطریقِ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی الله علیه وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۵۴ حدیث ۱۲۱۱۵) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن العابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوٰة من الطهارة الحقیقیة بدناً وثوباً ومکاناً...... الخ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۴۴ مطلب فی صلوٰة الجنازة)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

[۲] وفی الهندیة: ویصلی علی مسلم مات بعد الولادة صغیراً کان اوکبیراً ذکراً کان او انثی... الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

ومثله فی ردالمحتار ج ۲ ص ۲۱۰ باب الجنائز۔

جنازہ نہ پڑھانے کی صورت میں ماخوذ کون ہوگا؟

سوال:۔ ایک مسلمان اگر بلا جنازہ دفنایا گیا تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ کیا مرنے والا مسلمان گنہگار ہوگا یا پسماندگان کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ جو شخص شرعاً مستحق جنازہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے، لہٰذا جو مسلمان بلا جنازہ دفن کیا گیا تو وہ مسلمان جو جنازہ پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود جنازہ نہ پڑھ سکے گنہگار ہوں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ومن صفتها انها فرض کفایة اذا قام بها البعض وفی شرح المتفق واحد کان اوجماعة ذکرًا کان اوانثیٰ سقط عن الباقین واذا ترك کلهم اثموا۔ (التاتارخانیة ج ۲ ص۱۵۴ باب صلاة الجنازة۔ نوع اٰخر من هٰذا الفصل فی الصلوٰة علی الجنازة) [۱]

جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال:۔ جنازہ پڑھانے کے لیے سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ کیا فرض نماز کی طرح جنازہ پڑھانے کیلئے بھی اہلیت کا اعتبار کیا جائے گا یا اس کا حکم الگ ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے بشرطیکہ وہ پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اگر حاکم وقت نہ ہو تو علاقہ کے قاضی کو پڑھانے کا موقع دیا جائے گا ورنہ پھر محلہ کا امام جنازہ پڑھائے، ورنہ قرابتداروں میں سے کوئی قریبی رشتہ دار جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے۔

لما فی الهندیة: اولی الناس بالصلوٰة علیه السلطان ان حضر فان لم یحضر فالقاضی ثم امام الحی ثم الولی۔ (الهندیه ج ۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة إذا قام به البعض واحدًا کان اوجماعة ذکرًا کان اوانثیٰ سقط عن الباقین واذا ترك الکل اثموا۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۶۲ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۱۷۹ فصل فی الصلوٰة علی المیت۔

[۲] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ: وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان الامام الاعظم احق بالصلوٰة ان حضر فان لم یحضر فامیر المصر وان لم یحضر فامام الحی فان لم یحضر فالاقرب من ذوی قرابته وهٰذا هوحاصل المذهب عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۷)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۸۴ باب الجنائز۔

اگر مرد موجود نہ ہوں تو خواتین نماز جنازہ پڑھا سکتی ہیں

سوال:۔ اگر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی مرد حاضر نہ ہو تو کیا خواتین جنازہ پڑھا سکتی ہیں یا نہیں؟ نیز ان کی جنازہ پڑھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب:۔ جنازہ میں تبعاً عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں، یہاں تک کہ جنازہ میں محاذات بھی مفسد نہیں البتہ اگر کہیں مرد نہ ہوں تو خواتین یہ حق ادا کر سکتی ہیں۔ اس حالت میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورتیں بلا جماعت انفراداً بیک وقت نماز جنازہ پڑھیں، البتہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر امامت کرنے والی عورت درمیان میں رہے گی۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ، واذا صلین النساء جماعة علی جنازة قامت الامام متوسطهن کماقی الصلوٰة المفروضة المعهودة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۲ فصل بیان کیفیة الصلوٰة علی المیت)[1]

مُردے کا جنازہ کتنے دنوں تک جائز ہے

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان کسی وجہ سے بغیر جنازہ کے دفنایا گیا تو اس کی قبر پر کتنے دنوں تک جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جب تک اعضاء سالم ہوں اُس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس میں مدت کا کوئی تعین نہیں بلکہ زمین کی حرارت اور برودت کی وجہ سے جسم کے گلنے اور سڑنے میں تفاوت یقینی ہے۔ اس لیے غلبہ ظن کا اعتبار کر کے جب تک یقین ہو کہ جسم محفوظ ہوگا تو اس پر جنازہ پڑھا جائے گا۔

قال برهان الدین الفرغانیؒ: وان دفن المیت ولم یصل علیه صلی علی قبره...الخ (الهدایة ج۱ ص۱۸۰ فصل فی الصلوٰة علی المیت)[2]

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولو امت امرأة فیها تأدت الصلوٰة ...... الخ (البحرالرائق ج۲ ص۱۸۱ فصل فی الصلوٰة علی المیت)
وَمِثْلُهٗ فی الصغیری ص۳۰۰ کتاب الجنائز۔

[2] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ: ولو دفن بعد الغسل قبل الصلوٰة علیه صلی علیه فی القبر ما لم یعلم انهٗ تفرق ... الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۵ فصل فی بیان ما تصح به وما تفسد)۔
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۶۵ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

مرتد کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا

سوال:- اگر کوئی شخص علماء کرام کو محض اس وجہ سے گالی دے کہ یہ لوگ دینِ اسلام کے پاسبان ہیں، اس کے علاوہ علماء کی تشبیہ بدترین حیوانات سے دیتا ہو، حدیث کا منکر ہو اور اس کو عجمی سازش کہہ کر قرآنی آیات کی من مانی تاویل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہو، ایسے شخص کی موت کے بعد اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- ایسے عقائد رکھنے والا شخص کافر اور مرتد ہو کر خارج از اسلام ہے اور مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے جنازے کا بھی اہل نہیں، جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری ہے جیسا کہ کتابوں میں، ومن شرائطه اسلام المیت ذکر ہوا ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرطها ستة اسلام المیت۔ قال ابن عابدینؒ: ای ولو بطریق المتبعیة لأحد ابویه او للدار او للسابی کما سیأتی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۷ مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ) [۱]

شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:- جو شخص ضروریاتِ دینِ اسلام کا منکر ہو، مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت یا نبوت کا قائل ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو تو ایسے شیعہ کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس کا جنازہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- ایسے عقائد رکھنے والا شیعہ کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها او انکر صحبة الصدیقؓ او اعتقد الألوهیة فی علیؓ .... الخ۔ (شامی ج ۳ ص ۳۲۱ باب المرتد) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وشرطها اسلام المیت فلا تصح علی الکافر للآیة: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۲ الفصل الخامس فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

[۲] وفی الهندیة: ولو قذف عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها بالزنا کفر باللہ ... الخ (الهندیة ج ۲ ص ۲۶۴)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۱ باب المرتد۔

جرائم کے دوران ہلاک شدگان کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ تاوان کی بھاری رقم کی وصولی کے لیے انسانوں کو اغوا کرتے ہیں، اور اگر موقع ملے تو قتل وغارت سے بھی پہلوتہی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ اگر ان جرائم کے دوران کسی طرح مارے جائیں تو کیا ان کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر دورانِ اغوا اور ڈاکہ یہ لوگ مارے جائیں تو ان کا جنازہ بطورِ تعزیر نہیں پڑھا جائے گا، البتہ اگر ان جرائم میں ملوث افراد اپنی طبعی موت مر جائیں تو پھر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طریق فلا یغسلوا ولا یصلی علیھم اذا قتلوا فی الحرب ولو بعدہ صلی علیھم..... الخ۔[1]

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۲ باب الجنائز۔ مطلب فی صلوٰۃ الجنازہ)

فاسق کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور عمر بھر کسی نے اُسے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہو تو کیا ایسے شخص کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ نیز زانی، چور اور دوسرے امورِ فسقیہ کے مرتکب کا جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی میت کی نماز جنازہ کے لیے صرف اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، جب تک صریح کفر کا ثبوت نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، نماز نہ پڑھنے یا دوسرے جرائم سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے نہیں نکلتا، اس لیے مسلمانوں پر ایسے شخص کا جنازہ پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ جید علماء کرام اور اصحابِ مروت اسکے جنازہ میں تادیباً شریک نہ ہوں۔

لما ورد فی الحدیث: وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر۔ (کنز العمال ج ۶ ص۵۴ حدیث ۱۴۸۱۵)

---

[1] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ: إلا البغاة وقطاع الطریق ومن بمثل حالھم.... الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنازہ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج ۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت ۔

[2] وقال ابن العابدینؒ: وھی فرض علی کل مسلم مات الخ (رد المحتار ج ۲ ص۲۱۰ باب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج ۱ ص۱۶۲ الفصل فی الصلوٰۃ علی المیت ۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ خودکشی کرنا قرآن وحدیث کی رُو سے عظیم گناہ ہے، اس کا ارتکاب کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خودکشی کرنا یقیناً عظیم گناہ ہے لیکن اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک کسی گناہ کا ارتکاب موجبِ کفر نہیں، لہٰذا خودکشی کرنے والا بھی دیگر گنہگار مسلمانوں کی طرح ایک گنہگار ہے جس کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ جن روایات میں نفی آئی ہے وہ تعزیر پر محمول ہے تاکہ معاشرہ میں اس کے خوف سے کوئی ایسے قبیح فعل کا ارتکاب نہ کرسکے۔

قال طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: وقاتل النفس یغسل ویصلّی علیہ عند ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانیؒ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۱۲ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، الجنس الاول فی الشھید) [۱]

مجنون کے جنازے کی کیفیت

سوال:۔ جس شخص کے بارے میں قطعی طور پر یقین ہو کہ یہ مجنون ہے تو اس کی موت پر اس کے جنازہ کی کیفیت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ اگر مجنون کی یہ بیماری بچپن سے چلی آرہی ہو حتیٰ کہ بالغ ہونے تک وہ صحتیاب نہیں ہوا ہو تو ایسا شخص نابالغوں کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، اس کے جنازے کی آخری تکبیر میں وہی دعا پڑھی جائے گی جو نابالغ بچوں کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ البتہ اگر یہ جنون بلوغت کے بعد اس پر طاری ہوا ہو تو پھر جنون اگرچہ معاصی کے لیے دافع ہے لیکن مزیل نہیں اسلئے مدتِ بلوغت کے ایامِ صحت کی رعایت کرتے ہوئے یہ شخص بالغ شمار ہوگا۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: تحت قولہ کصبی سبی مع احد ابویہ والمجنون

---

[۱] وفی الھندیۃ، ومن قتل نفسہ خطأً بان ناول رجلاً من العدو ولیضربہ بالسیف فاخطأ واصاب نفسہ ومات غسل وصلّی علیہ وھٰذا بلاخلاف کذا فی الذخیرۃ۔ ومن قتل نفسہ عمدًا یصلّی علیہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ وھو الاصح کذا فی التبیین۔ (ج ۱ ص ۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۱ باب الجنائز۔

البالغ کالصبی۔ الخ (رد المحتار ج ۱ ص۶۵۵ باب الجنائز) [1]

جسم کے بعض اعضاء پر جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر جہاز کے حادثہ میں یا کسی دوسرے حادثہ میں انسانی جسم متاثر ہو کر بعض حصے دستیاب ہوں تو پورا جسم نہ ملنے کی صورت میں بعض دستیاب حصوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر جسم کا اکثر حصہ مل جائے یا نصف حصہ سر کے ساتھ مل جائے تو پھر اس بعض حصہ پر جنازہ پڑھا جائے گا ورنہ اس کے بغیر جنازہ کی ضرورت نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی انہ اذا وجد النصف ومعہ الرأس یغسل وان لم یکن معہ الرأس لا یغسل فکانہ جعلہ مع الرأس فی حکم الاکثر لکونہ معظم البدن۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۰۲ فصل شرائط الوجوب کتاب الجنائز) [2]

متعدد اموات کا ایک ہی جنازہ کافی ہے

سوال:۔ اگر ایک وقت میں متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جنازہ پڑھنا ضروری ہے یا کہ تمام کے لیے ایک ہی جنازہ کافی ہے؟

الجواب:۔ ہر ایک میت پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا افضل ہے، اور اگر ایک ہی دفعہ تمام کا جنازہ پڑھا گیا تو یہ بھی صحیح ہے۔

قال العلامہ الحصکفیؒ: اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰۃ علی کل وحدۃ اولیٰ من الجمع وان جمع جاز۔ الخ (الدر المختار علی رد المحتار ج ۲ ص۲۱۸ باب الجنائز) [3]

---

[1] وقال ابراہیم بن محمدؒ: والمجنون کالطفل وینبغی ان یقید بالمجنون الاصلی دون العارضی۔ الخ (صغیری ص۲۹۴ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۲ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت۔

[2] وفی الہندیۃ: ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی علیہ کذا فی المضمرات۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۵۹ الفصل الثانی فی الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۱۹۹ کتاب الجنائز، مطلب فی بحث کل سبب ونسب منقطع۔

[3] وفی الہندیۃ: ولو اجتمعت الجنائز یخیر الامام ان شاء صلی علی کل واحد۔ وان شاء صلی علی الکل دفعۃ بالنیۃ علی الجمع کذا فی معراج الدرایۃ (ج ۱ ص۱۶۵ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)

وَمِثْلُہٗ فی الخلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۲۳ الفصل الخامس العشرون فی الجنائز۔

جنازہ میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

سوال:۔ جنازہ میں تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک تکبیرِ اُولیٰ کے علاوہ دیگر تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا سُنّت نہیں (سوائے تکبیراتِ عیدین کے) اسلئے نمازِ جنازہ میں تکبیرِ اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا سُنّت ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وھی اربع تکبیرات کل تکبیرۃ قائمۃ مقام رکعۃ یرفع یدیہ فی الاولیٰ فقط۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱۲ باب الجنائز)[1]

تکبیر کا رہ جانا مفسدِ جنازہ ہے

سوال:۔ چار تکبیرات میں سے کسی تکبیر کے رہ جانے کی صورت میں جنازے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات کی حیثیت ارکان کی ہے کسی ایک تکبیر کے رہ جانے سے جنازہ فاسد ہوگا اور فساد کی صورت میں دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وکان کل تکبیرۃ من ھذہ الصلوٰۃ قائمۃ مقام رکعۃ بدلیل انہ لو ترک تکبیرۃ منھا تفسد صلوٰتہ کما لو ترک رکعۃ من ذوات الاربع۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۴ فصل بیان کیفیۃ صلوٰۃ علی الجنازۃ)[2]

جنازہ کی پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت ضروری نہیں

سوال:۔ اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر شروع کی تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا نہیں؟ ایسا ہی اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر کہہ دی تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جنازہ کل چار تکبیرات سے عبارت ہے اس لیے پانچویں تکبیر کہنے کی صورت

---

[1] قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ...الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۴ فصل بیان کیفیۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ص۲۲۴ کتاب الجنائز۔

[2] وقال العلامۃ ابن الھمامؒ: ولذا لو ترک تکبیرۃ واحدۃ منھا فسدت صلوٰتہ کما لو ترک رکعۃ من الظھر۔ (فتح القدیر ج۲ ص۸۸ باب الجنائز)
وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۱ کتاب الجنائز۔

میں امام کی متابعت نہیں ہوگی بلکہ مقتدی خاموشی سے سلام پھیرنے تک امام کا انتظار کریں گے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو کبر امامہ خمسًا لم یتبع لانہ منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معہ اذا سلم بہ یفتی۔ (در مختار ج ۲ ص ۲۱۴ باب الجنائز) لہ

مسجد میں نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے کے لیے کوئی موزوں جگہ نہ ملے تو کیا مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رو سے بغیر کسی شرعی عذر کے مسجد کو جنازہ کے لیے بروئے کار نہیں لایا جاسکتا، البتہ اگر بارش ہو یا دوسرے ایسے اعذار ہوں کہ بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے میں تکلیف ہو تو پھر مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولم یصلوا رکبانا۔ الخ۔ وبعد اسطر ولا فی مسجد لحدیث ابی داؤد مرفوعًا: من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ وفی روایۃ فلا شئ لہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۶ کتاب الجنائز) ۲ہ

جنازہ الٹا رکھا گیا تو

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کبھی نمازِ جنازہ کے لیے میت کی چارپائی الٹی رکھ دی جائے یعنی میت کے پاؤں شمال کی طرف اور سر جنوب کی جانب ہو اور اسی کیفیت میں نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو کیا اس جنازہ کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جنازہ کیلئے میت کی چارپائی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جن مقامات میں قبلہ مغرب کی جانب ہو تو میت کا سر شمال کی جانب اور پاؤں جنوب کی جانب کرکے جنازہ کیلئے میت کی چارپائی رکھی جائے، اگر کہیں لاعلمی میں میت کی چارپائی الٹی رکھی گئی اور اس پر نماز پڑھی گئی تو نماز ادا ہوگئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں البتہ جان بوجھ کر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامۃ احمد الطحطاویؒ: وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلین واساؤا ان تعمدوا۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۹۳ کتاب الجنائز) ۳ہ

لہ وقال برہان الدینؒ: ولو کبر الامام خمسًا لم یتابعہ المؤتم۔۔۔ الخ (الہدایہ ج ۱ ص ۱۸۰)

۲ہ قال ابراہیم الحلبیؒ: وتکرہ الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی مسجد جماعۃ عندنا۔ الخ (کبیری شرح المنیۃ ص ۵۸۸)

۳ہ لما قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم: الجواب: جان بوجھ کر جنازہ الٹا رکھنا مکروہ ہے بھول سے ہوگیا تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۰)

نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ کیا جائے گا؟

الجواب :۔ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ درحقیقت دُعا ہے، اس میں سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورۃ کی قرأت ضروری نہیں، اس میں صرف دُعائیں پڑھی جائیں گی۔ سورۃ فاتحہ بھی اگر کہیں دُعا کی نیت سے پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قرأت کی نیت سے پڑھنا ناجائز ہے۔ چونکہ جنازہ چار تکبیرات سے عبارت ہے اس کے ہوتے ہوئے جنازہ ادا ہو گیا لہٰذا قرأتِ فاتحہ کی صورت میں اعادہ واجب نہیں۔

لما فی الهندية: ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به وان قرأها بنية القرأة لا يجوز لانها محل الدعاء دون القرأة كذا فى المحيط السرخسى (ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فى الصلوٰة على الميت) [1]

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ بار بار جنازہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :۔ ایک دفعہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا اگر میت کے ولی یا قاضی نے اصالتاً یا نیابتاً نمازِ جنازہ ایک دفعہ ادا کی تو دوبارہ یا متعدد بار جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہے، البتہ اگر کہیں ولی کی اجازت کے بغیر اجنبی لوگ جنازہ پڑھالیں تو ولی اور قاضی اعادہ کا حق رکھتے ہیں۔

قال فى الهندية: ولا يصلى على ميت إلا مرة واحدة والتنفل بصلوٰة الجنازة غير مشروع كذا فى الايضاح ولا يعيد الولى ان صلى الامام الاعظم او السلطان او الولى او القاضى او امام الحى لان هؤلاء اولى منه وان كان غيرهؤلاء له ان يعيد۔ (الهندية ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فى الصلوٰة على الميت) [2]

---

[1] قال علاؤ الدين الكاسانىؒ: ولا يقرأ فى الصلوٰة على الجنازة بشئ من القرآن۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بيان كيفية الصلوٰة على الجنازة)

وَمِثْلُهُ فى البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ باب الجنائز فصل فى الصلوٰة على الميت۔

[2] وقال علاؤ الدين الكاسانىؒ: ولا يصلى على ميت الا مرة واحدة لا جماعة ولا وحدانا عندنا۔ الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۱ فصل الكلام فى صلوٰة الجنازة)

غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کا حکم

سوال:۔ کیا نماز جنازہ کے لیے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو ہمارے ملک میں عموماً کسی بڑے لیڈر کی موت پر حنفی مسلک کے لوگ بھی غائبانہ جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرنے والے کی لاش سامنے ہو، یہی وجہ ہے کہ احناف غائبانہ جنازہ کے قائل نہیں ہیں، البتہ نامور شخصیات کی موت پر ملک کے طول و عرض میں ان کے جنازے اور حنفی المسلک لوگوں کا ان میں شریک ہونا ایک سیاسی حربہ ہے جس کا مسلک و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، یہ محض عوام کو خوش رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے جس میں شرکت سے اجتناب ضروری ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرطها ایضاً حضوره ووضعه وکونه هو او اکثره امام المصلی الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۰۸، باب الجنائز مطلب فی صلوٰة الجنائز)[۱]

نماز جنازہ میں درود شریف کا تعین

سوال:۔ عموماً نماز جنازہ میں درود شریف پڑھتے وقت کما صلیت وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت کا اضافہ کیا جاتا ہے، اس درود شریف کے ثبوت کے لیے دلیل کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص کو یہ درود شریف یاد نہ ہو تو وہ نماز میں پڑھا جانے والا مشہور درود شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز جنازہ کے لیے کسی خاص درود شریف کا تعین نہیں صرف درود شریف پڑھنا سنت ہے لیکن اکثر کتابوں میں مشہور درود ابراہیمی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واذا کبر الثانیة یأتی بالصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم وهی الصلوٰة المعروفة ...الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل فی بیان کیفیة الصلوٰة علی الجنازة)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ومن الشروط حضور المیت ووضعه وکونه امام المصلی فلا تصح علی غائب ولا علی محمول علی دابة ولا علی موضع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۷۹ فصل السلطان احق بصلاته۔

[۲] وقال العلامة ابن العابدینؒ: (تحت قوله کما فی التشهد) ای المراد الصلوٰة الابراهیمیة التی یأتی بها المصلی فی قعدة التشهد۔ (شامی ج۲ ص۲۱۲ باب الجنائز)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ کتاب الجنائز۔

(نوٹ) تاہم مذکورہ درود شریف یعنی کما صلیت وسلمت... الخ بعض روایات سے ثابت ہے اس لیے اس درود کا انکار کرنا یا اس کو بدعت کہنا مناسب نہیں۔

اوقاتِ مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:- کیا اوقاتِ مکروہہ میں دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ بھی مکروہ ہے یا اس کا حکم علیحدہ ہے؟ حضرت علیؓ کی اس روایت سے کہ یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوًا۔ (مشکوٰۃ ص۶۱) معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ جس وقت حاضر ہوجائے تو اسی وقت ادا کیا جائے گا، اس میں اوقاتِ مکروہہ کا استثناء نہیں، حالانکہ عام فقہاً نے اوقاتِ مکروہہ میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے؟

الجواب:- تعجیل کے بارے میں جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے، ایسا ہی منع کے بارے میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت بھی موجود ہے جو کہ صاحبِ مشکوٰۃ نے ان الفاظ سے نقل کی ہے: عن عقبة بن عامر قال ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۹۳)

دونوں روایات درجہ کے اعتبار سے مساوی ہیں، لہٰذا ایک روایت کو لے کر دوسری روایت کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ تو احناف نے ایسے وقت میں تطبیق کی صورت نکالی ہے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو سکے۔ فقہی اعتبار سے ان روایات کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنازہ کا پڑھنا اس وقت فرض ہوجاتا ہے جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ پھر فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ وقت کی صحت اور نقصان سے وجوب کی حیثیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، جہاں کہیں وقت صحیح ہو تو وجوب کامل رہے گا اور جہاں کہیں وقت ناقص ہو تو وجوب ناقص رہے گا۔ کما بیّن بالتفصيل في الاعصر يومه۔ لہٰذا جنازہ اگر کہیں پہلے سے حاضر ہو تو وجوب کامل کی وجہ سے ایسا جنازہ وقت مکروہہ تک مؤخر کرنا ناجائز ہے اور اوقاتِ مکروہہ میں ایسے جنازے کا پڑھنا حضرت علیؓ کی روایت کی رُو سے مکروہ ہے لیکن اگر کہیں جنازہ وقتِ مکروہہ میں حاضر ہو تو پھر حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت کی رُو سے اوقاتِ غیر مکروہہ تک اس کی تاخیر مکروہ ہے اور وجوب ناقص کی وجہ سے اس مکروہ وقت میں اس جنازہ کا پڑھنا جائز مع الکراہت ہے۔

لما قال العلامة بدر الدين العينيؒ: لا تجوز الصلوٰة الجنازة في الاوقات الثلاثة المذكورة هذا محمول على جنازة حضرت قبل التغير لان الصلوٰة وجبت بحضورها كاملة

ولا تؤدی بالناقص حتی لو حضرت جنازة فی هذا الوقت جازت الصلوٰة مع الکراهة لانها ادیت ناقصة کما وجبت۔ (البنایة ج۱ ص۶۴ کتاب الصلوٰة باب المواقیت)[1]

نمازِ جنازہ کی دعاؤں میں اخفا سنت ہے

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان کے پڑھنے کی مسنون کیفیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہر سے پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس میں محض تکبیرات ارکان ہیں اور ان کے علاوہ ثناء، درود شریف یا جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ تمام سنت ہیں، اس لیے یہ دعائیں خاموشی سے پڑھنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہر سے پڑھے تو اس نے خلافِ سنت کا ارتکاب کیا تاہم اعادہ ضروری نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلیمتین ناویاً المیت مع القوم ویسر الکل الا التکبیر الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱۳ باب الجنائز)[2]

جنازہ کی صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جبکہ بعض علاقوں میں اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ صفیں طاق ہونے تک تکبیر موقوف رہتی ہے؟

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: (وکره) تحریماً وکل ما لا یجوز مکروه (صلوٰة) مطلقاً (ولو) قضاءً او واجبة او نفلاً (علی جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شکر، تنبیه مع شروق واستواء..... وغروب الا عصر یومه .... لا ینعقد الفرض وما هو ملحق به کواجب لعینه کوتر وسجدة تلاوة وصلوٰة جنازة تلیت الآیة فی کامل وحضرت الجنازة قبل لوجوبه کاملاً فلا یتأدی ناقصاً فلو وجبتا فیها لم یکره فعلهما ای تحریماً۔ قال ابن عابدینؒ: قوله او تحریماً افاد ثبوت الکراهة التنزیهیة۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۷۱ تا ۳۷۵ الاوقات المکروه)

ومثله فی مراقی الفلاح وطحطاوی ص۱۴۹ کتاب الصلوٰة، فصل فی الاوقات المکروهة۔

[2] وفی الهندیة: ویخافت فی الکل الا فی التکبیر کذا فی التبیین۔ (الهندیة ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۳ باب صلوٰة الجنازة۔

الجواب: بلاشک نماز جنازہ میں طاق صفوں کی فضیلت روایات سے ثابت ہے لیکن فقہی کتابوں کی عام عبارتیں تین صفوں تک کی نشاندہی کرتی ہیں اس لیے اس کی رعایت بہتر ہے تاہم جنازہ کو اس پر موقوف کرنا اچھا نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: مامن مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۷ الفصل الثالث فی المشی الی الجنازۃ)[1]

جنازہ میں قدم شمار کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: کئی علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت امام مسجد چارپائی کے دائیں پاؤں سے شروع ہو کر ہر پاؤں پر دس دس قدم اٹھا کر چالیس قدم پورے کرتا ہے، اور امام کے ہر دس قدم تبدیل کرنے پر دوسرے پاؤں والے بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض گاؤں میں امام مسجد کے لیے یہ عمل لازمی شمار ہوتا ہے اور ترک کرنے پر لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ از روئے شرع قدموں کا یہ شمار کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قدم شمار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے جنازے کو چالیس قدم تک اٹھایا تو اس کے چالیس بڑے گناہ معاف ہوں گے۔ فقہاء نے اس حدیث پر عمل کی یہ صورت بیان کی ہے کہ چار پاؤں میں سے ہر پاؤں کے ساتھ دس دس قدم تک چلنے میں چالیس قدم پورے ہو کر میت کا حق ادا ہو جاتا ہے، لیکن مروجہ طریقہ سے قدم شمار کرنے میں کئی قباحتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً یہ صرف امام مسجد کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے حالانکہ یہ ہر اٹھانے والے کے لیے ہونا چاہیئے، مزید برآں یہ امام کے فرائض میں شمار ہوا، نیز اس میں خصوصی طور پر نیکی اور ثواب کا عقیدہ رکھا جاتا ہے جو زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اس لیے اس لزوم سے اجتناب کیا جائے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واذا حمل الجنازۃ وضع مقدمہا یمینہ عشر خطوات لحدیث من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنہ اربعین کبیرۃ۔ (الدر المختار ج۱ ص۹۳ الجنائز)

اور حدیث کنز العمال جلد ۱۵ ص۔ حدیث ۴۲۳۶۵ میں مذکور ہے لیکن اس نے لفظ خطوۃ

---

[1] وقال علامہ ابن العابدینؒ: ویستحب ان یصف ثلثۃ صفوف۔ الخ (رد المحتار جلد ۲ ص۲۱۴ کتاب الجنائز) ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت۔

ذکر نہیں کیا ہے ؎

تعزیت کے لیے چند منٹ کے سکوت کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل حکومتی سطح پر جب کسی وفات پر پسماندگان سے تعزیت کی جاتی ہے تو اس کے لیے چند منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے، کیا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے کسی کی وفات پر میت کے پسماندگان کے غم میں شرکت اور تعزیت کا ایک طریقہ مسلمانوں کو بتایا ہے اور مسلمان اسی طریقہ کے مطابق کسی کے غم میں شرکت اور تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ سوال میں اظہارِ تعزیت کا درج شدہ طریقہ یہود و ہنود کا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ یہود و ہنود سے مشابہت کی وجہ سے واجب الترک ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان النبی صلی الله علیه وسلم کان لا یجلس حتی یوضع المیت فی اللحد فکان قائماً مع اصحابه علی رأس قبر فقال یهودی هکذا نصنع بموتانا فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال خالفوهم۔

(بحواله فتاوی رحیمیه ج ۱ ص۳۸۵ کتاب الجنازة)

ولی کے لیے تیمم جائز نہیں

سوال :- کیا نماز جنازہ کے لیے باوجود پانی کے حصول پر قادر ہونے کے تیمم جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا اس رخصت سے میت کا ولی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا غیر اولیاء کے لیے خاص ہے اور میت کے ولی کے لیے وضو ضروری ہے؟

الجواب :- نماز جنازہ کے لیے تیمم کی اجازت اور رخصت ملنے میں بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ایسی عبادت ہے جس کے فوت ہوجانے سے قضا نہیں، کیونکہ تنفل بالجنازہ غیر مشروع ہے، لہٰذا جب کسی سے جنازہ فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو معقول عذر کی وجہ سے یہ شخص وضو کی جگہ

؎ وقال ابراهیم بن محمدؒ: ویستحب من کل جانب عشر خطوات لقوله علیه السلام من حمل اربعین خطوة۔الخ (صغیری ص۲۹۵ کتاب الجنائز)

ومثله فی غایة الاوطار ج ۱ ص۴۱۸ کتاب الجنائز۔

تیمم کرسکتا ہے لیکن ولی کے مقام قرابت اور حیثیت کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ اس کی اجازت پر موقوف ہے جب تک ولی اجازت نہ دے تو کوئی دوسرا شخص جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ لہٰذا اس کے حق میں جنازہ کا فوت ہوجانا متحقق نہیں، اس لیے ولی باقاعدہ وضو کرے وہ تیمم پر اکتفاء نہیں کرسکتا۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وتیمم الصحیح فی المصر اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف إن إشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ لانہا لاتقضی.... الخ (الھدایۃ ج۱ ص۵۵،۵۶ باب التیمم) [1]

میت کے لیے چارپائی کا استعمال کرنا

سوال:- اگر کسی مسلمان کی میت چارپائی پر رکھی جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:- چارپائی پر میت رکھنا مقصود بالذات نہیں، سہولت کی خاطر اگر میت کو چارپائی پر رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے، جنازہ پڑھنے کے لیے اس کو علیحدہ کرنا ضروری نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ بھی چارپائی پر رکھ کر پڑھی گئی تھی۔

لماذکر فی مسند إمام احمدؒ: عن عبد اللہ بن عمر بن علی ابن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ عن علیؓ قال: لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السریر قال لا یقوم علیہ احد ھو امامکم حیًّا ومیتًا فکان یدخل الناس رسلاً رسلاً فیصلون علیہ صفًا صفًا لیس لہم امام ویکبرون۔ (ج ۳ ص۱۲۳) [2]

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: حتی لو حضرتہ الجنازۃ وخاف فوت الصلوٰۃ لو اشتغل بالوضوء تیمم وصلی تا قولہ حتی لو کان ولی المیت لایباح لہ التیمم.... الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۵۱ باب التیمم فصل کیفیۃ التیمم)

وَمِثْلُہٗ فی الشامی ج۱ ص۲۴۱ باب التیمم۔

[2] وفی المشکوٰۃ المصابیح: وعن نافع ابی غالب قال صلیت مع انس بن مالک علی جنازۃ رجل فقام حیال رأسہ ثم جاؤا بجنازۃ امرأۃ من قریش فقالوا یا اباحمزۃ صل علیھا فقام حیال وسط السریر فقال لہ العلاء بن زیاد ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الجنازۃ مقامک منھا ومن الرجل مقامک منہ قال نعم۔ (ص۱۴۷)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۱۵۶ کتاب الجنائز۔

جنازہ میں میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں

سوال:۔ نماز جنازہ میں جس جگہ میت کی چارپائی رکھی جاتی ہے کیا اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا جنازہ کی صحت کی شرائط میں سے نہیں اسلئے یہ جگہ اگر پاک نہ ہو تو جنازے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة ابن العابدینؒ وفی التاتارخانیة: سئل قاضی خان عن طهارة مکان المیت هل تشترط لجواز الصلوٰة علیه قال ان کان المیت علی الجنازة لا شك انه یجوز والا فلا روایة لهذا وینبغی الجواز۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۰۶ مطلب فی صلوٰة الجنازة) [1]

دعا بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فوراً امام قوم کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر قوم کی معیت میں ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ دُعا مانگتے ہیں، لوگوں کے ذہنوں میں اجتماعی دعا کی اہمیت اتنی بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعا نہ کرے تو اس کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ بعض علاقوں میں خود علماء کی دخل اندازی سے ایک دوسرے کو سبّ وشتم تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ از روئے شرع اس کیفیت سے دُعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دعا بعد الجنازہ علیٰ ہیئتِ اجتماعی کا حکم بیان کرنے سے قبل چند مقدمات کی طرف توجہ دینی ضروری ہے: (۱) پہلا مقدمہ یہ ہے کہ نماز جنازہ بذاتِ خود دعا ہے، امام قوم کی معیت میں مرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مغفرت اور رفعِ درجات کے لیے سفارش کرتا ہے (۲) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت میں عمل کا وہی طریقہ معتبر ہوگا جس کی اجازت شریعت نے دی ہو، اگر کہیں شریعت کے عملِ متوارثہ کی شرعی حیثیت کسی ایسی حرکت سے مجروح ہوتی ہو تو ایسی حرکت سے اجتناب ضروری ہے (۳) تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ میت کیلئے اس کے پسماندگان جب

---

[1] وقال العلامة ابن نجیمؒ: قید المصنف بطهارة المیت احترازاً عن طهارة مکانه قال فی الفوائد التاجیة ان کان علی جنازة لا شك انه یجوز وان کان بغیر جنازة لا روایة لهذا وینبغی ان یجوز لان طهارة مکان المیت لیس بشرط لانه بموضع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۹)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

صدقِ نیّت سے دعا کریں تو اس کا فائدہ یقیناً میت کو پہنچتا ہے۔

ان تین مقدمات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میت کے لیے جب بھی کوئی دعا مانگی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی فائدہ اُسے پہنچتا ہے لیکن مقدمہ ثانیہ کی رُو سے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کو کسی ایسی حرکت سے محفوظ رکھے جس سے اس کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہو۔ مقدمۂ اولیٰ کی رُو سے جب جنازہ خود دعا ہے تو سلام پھیرنے کے ساتھ ہی یہ دعا ختم ہو جاتی ہے، سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ دعا مانگنے سے لازمی طور پر عمل متوارثہ یعنی جنازہ پر زیادت کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ صفوں میں ایسی توجہ سے کھڑے رہتے ہیں جیسا کہ جنازہ کی تکبیر ادا ہو رہی ہو۔ لہٰذا اس اشتباہ سے بچنے کے لیے ایسی کیفیت پر دعا کرنے سے اجتناب ضروری ہے خاص کر جب اہتمام کی حالت یہ ہو کہ ایسی رسمی دُعا میں شرکت نہ کرنا موجبِ عار سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اگر بغیر کسی لزوم والتزام کے ایسے وقت میں دُعا کی جائے کہ صفیں توڑ دی گئی ہوں تو بعد کسرِ الصفوف اشتباہ نہ رہنے اور کسی اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر اس کو کہیں جنازہ کا جزء قرار دیا جائے تو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: لا یقوم بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ ... الخ

(خلاصۃ الفتاوٰی ص۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز: نوع منہ)[1]

میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا

سوال: میت کے قرب وجوار میں بیٹھے ہوئے لوگ اگر موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن کی تلاوت کریں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کو غسل دے کر کفنانے کے بعد اس کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے، البتہ غسل دینے سے پہلے تلاوت کرنے کو اکثر کتابوں میں مکروہ لکھا ہے لیکن علامہ علاؤ الدینؒ فرماتے ہیں کہ میت قبل از غسل محدث تو ضرور ہے لیکن نجاست یقینی نہیں اس لیے قبل الغسل بھی قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویقرأ عندہ القرآن الیٰ ان یرفع

---

[1] قال ملا علی قاریؒ: ولا یدعو للمیت بعد صلٰوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلٰوۃ الجنازۃ۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکٰوۃ المصابیح ج۲ ص۳۶۹ کتاب الجنائز)
ومِثْلُہٗ فی تجھیز الجنازۃ ص۶۱ کتاب الجنائز۔

الی الغسل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۳ باب الجنائز) ؎۱

شرکائے جنازہ کا ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے

سوال:۔ بعض جگہوں میں جنازہ اٹھاتے وقت شرکاء زور زور سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ذکر کرتے ہیں، کیا راستہ میں یہ ذکر کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ دل میں ذکر کرتے میں کوئی حرج نہیں لیکن صورتِ مذکورہ میں بلند آواز سے ذکر کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندية: ويكره رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن۔ وفيه ايضاً فان اراد ان يذكر الله يذكره فی نفسه۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۶۲ الفصل الرابع فی حمل الجنازة) ؎۲

تجہیز و تدفین میں تاخیر کرنا

سوال:۔ تجہیز و تدفین میں دُور دراز رہنے والے رشتہ داروں کی آمد کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بعض اوقات دوسرے شہروں سے اعزاء و اقرباء کے پہنچنے تک کافی انتظار کرنا پڑتا ہے؟

الجواب:۔ عام طور پر اموات کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں بغیر کسی معقول عذر کے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی معقول شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لما روی عن النبی صلی الله عليه وسلم قال يا علی ثلث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوًا۔ (مشكوٰة شريف ص۶۱) ؎۳

؎۱ وقال العلامة ابن عابدينؒ فی منحة الخالق: وتكره قرأة القرآن عنده الى ان يغسل...الخ (منحة الخالق حاشية البحر الرائق ج۱ ص۱۹۱)

؎۲ وقال ابن نجيمؒ: ويكره رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن وغيرهما فی الجنازة الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ باب صلوٰة الجنازة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۰ فصل الكلام فی حمله علی الجنازة۔

؎۳ وقال عبد الله التمرتاشی: وكره تاخير صلوٰته و دفنه ليصلی عليه جمع عظيم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۳۲ كتاب الجنائز)۔

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۱ باب الجنائز۔

عورت کی تدفین میں غیر محارم کی شرکت

سوال:۔ کیا کوئی غیر محرم شخص کسی عورت کے جنازہ کو کندھا دے کر اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی تدفین کے وقت قبر میں اتارنے میں غیر محرم شخص کی شرکت اور تعاون کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جہاں تک فوت شدہ عورت کی چارپائی اٹھانے کا مسئلہ ہے اس میں محارم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ باپردہ ہونے کے بعد اجنبی اشخاص بھی اٹھا سکتے ہیں۔ امہات المؤمنینؓ کی ڈولیاں باقاعدہ صحابۂ کرامؓ اٹھایا کرتے تھے۔ اور قبر میں اتارنے کے وقت جب تک محارم موجود ہوں تو یہ ذمہ داریاں محارم خود نباہ لیا کریں، البتہ جب محارم موجود نہ ہوں تو پھر غیر محارم بھی ضرورت کے وقت یہ ذمہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ذوالرحم المحرم بادخال المرأۃ القبر من غیرہ لانہ یجوز له مسها حالۃ الحیاۃ فکذا بعد الموت وکذا ذوالرحم المحرم منها اولیٰ من الاجنبی ولو لم یکن فیهم ذو رحم فلا بأس للاجانب وضعها فی قبرها۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۲۰)[1]

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں ایک شخص کی نماز جنازہ ایسی جگہ پڑھائی گئی کہ قبر جنازہ سے ایک گز کے فاصلے پر واقع تھی، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ کا حکم ہے کہ کسی ایسی جگہ نماز جنازہ پڑھنا جہاں قبریں ہوں مکروہ ہے، فقہاء نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے، تاہم اگر قبریں اتنی دور ہوں کہ نمازیوں کو نظر نہ آئیں یا دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس صورت میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ حضرت تھانویؒ سے قبر کے ہوتے ہوئے بھی نماز جنازہ جائز ہے۔

قال ابوحنیفۃؒ ولا ینبغی ان یصلی علیٰ میت بین القبور وکان علیؓ وابن عباسؓ یکرهان ذٰلک فان صلوا اجزءهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۵ باب الجنائز)[2]

---

[1] وفی الهندیۃ: ذوالرحم المحرم اولیٰ بادخال المرأۃ من غیرهم وکذا ذوالرحم غیر المحرم اولیٰ من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للاجانب وضعها۔ (الفتاویٰ الهندیہ ج ۱ ص۱۶۶ الفصل السادس فی الدفن) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۳ باب الجنائز۔

[2] قال العلامۃ الکاسانیؒ: قال ابوحنیفۃؒ ولا ینبغی ان یصلی علی المیت بین القبور۔ (بدائع والصنائع ج ۱ ص۳۱۵ کتاب الجنائز)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ کی شرکت

سوال: کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ شریک ہوئے تھے؟

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں چاروں خلفاء کی شرکت عام روایات سے ثابت ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقال السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعہما نفر من المہاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر الخ (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۰) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کیسے پڑھا گیا۔ آپ چونکہ گناہوں سے پاک تھے اس لیے آخری تکبیر میں آپ کے لیے کیسی دعا مانگی گئی؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں باقاعدہ امامت کا ثبوت نہیں اور نہ کسی کو امام بننے کی جرأت ہوئی بلکہ صحابہؓ جماعت در جماعت حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھتے رہے یوں متعدد بار آپ کا جنازہ ادا کیا گیا اور عام دعا کی بجائے مندرجہ ذیل کلمات پڑھے گئے۔

قال العلامۃ سید زرقانیؒ: ومنہا انہ صلی علیہ الناس افواجاً افواجاً روی الترمذی قالوا لابی بکرؓ انصلی علی رسول اللہ قال نعم قال وکیف نصلی قال یدخل قوم ویصلون ویدعون ثم یدخل القوم فیصلون فیکبرون ویدعون فرداً۔ الخ (زرقانی ج ۵ ص ۳۲۹) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن کثیر رحمہ اللہ: قال الواقدی حدثنی موسیٰ بن محمد بن ابراہیم قال وجدت کتاباً بخط ابی فیہ انہ لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر۔ الخ (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۳۲)

[2] وفیہ ایضاً: ویغیر دعاء الجنازۃ المعروف عن علی انہم کانوا یکبرون ویقولون السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ اللہم انا نشہد ان محمد قد بلغ ما انزل علیہ ونصح لامتہ وجاہد فی سبیلک حتی اعز اللہ کلمتہ۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۲۹)

مَسَائِلِ شَتّٰی بَابُ الْجَنَائِزْ

(جنائز کے مختلف مسائل و احکام)

میت کو کنگھی کرنا یا سرمہ لگانا ناجائز ہے

سوال:۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کو کنگھی کرتے اور سرمہ وغیرہ لگاتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مرنے کے بعد میت کی زینت کے لیے اُسے سرمہ لگانا اور کنگھی وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ التزین بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لایجوز۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز۔ قبل مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع) لہ

میت کو غسل دینے کے لیے تختہ پر لٹانے کا طریقہ

سوال:۔ میت کو غسل دیتے وقت اس کا رُخ کس طرف کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر میں میت کو غسل کے لیے تختے پر لٹانے کے دو طریقے لکھے گئے ہیں۔ ۱ میت کے پاؤں کو قبلہ رُخ کرکے تختہ پر رکھا جائے ۲ صرف چہرہ قبلہ رُخ کرکے رکھا جائے جس طرح کہ میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے، یہ دونوں طریقے جائز ہیں البتہ دوسرا طریقہ مستحسن ہے۔

لما فی الهندیة: وکیفیة الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً کما فی حالة المرض اذا اراد الصلوٰة بایماء ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انه یوضع کما تیسر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۵۸) لہ

لہ لما قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله ولا یسرح شعره ولحیته ولا یقص ظفره وشعره) لانها للزینة وقد استغنی عنها والظاهر ان هٰذا الصنیع لایجوز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۳ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۸۵ باب الجنائز۔

لہ قال الشیخ العلامة اشرف علی التھانویؒ: غسل کے وقت تختہ پر مُردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں، ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کرکے لٹانا، دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے ..... مگر زیادہ مستحن صورتِ ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مُردوں کا بھی۔

(امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۹۳ باب الجنائز)

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے وصیت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص ہی میری نمازِ جنازہ پڑھائے، کیا ایسی وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کی اس قسم کی وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی اس لیے کہ مرنے کے بعد اس کی وصیت باطل ہوجائے گی، نمازِ جنازہ جو بھی پڑھائے ادا ہوجائے گی۔

وفی الھندیۃ: فی الکبری المیت اذا اوصی بان یصلی علیہ فلان فالوصیۃ باطلۃ وعلیہ الفتوٰی۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص۱۶۳ کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت) [1]

نمازِ جنازہ میں درود شریف کا پڑھنا

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں کون سا درود شریف پڑھنا زیادہ مناسب ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں وہ درود شریف پڑھنا چاہیئے جو پنج وقتہ فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے، یعنی درود ابراہیمی مراد ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ویصلی علی النبیؐ کما فی التشہد) ای المراد الصلوٰۃ الابراھیمیۃ التی یأتی بھا المصلی فی قعدۃ التشھد۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۱۲ کتاب الجنازۃ مطلب ھل تسقط فرض الکفایہ بفعل الصبی) [2]

قبر میں میت کے صرف چہرے کو قبلہ رُخ کرنا چاہیئے

سوال:۔ یہاں ہمارے علاقے میں میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو صرف اس کے چہرے کو قبلہ رُخ کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا مسنون ہے یا چت لٹا کر قبلہ رُخ کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں میت کے چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم ہے اور

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: والفتوٰی علیٰ بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلوٰۃ علیہ۔

(الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۲۱ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۲۲۱ کتاب الجنائز۔ مطلب تعظیم اولی الامر واجب۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: والمراد بالصلوٰۃ الصلوٰۃ علیہ فی التشھد وھوالاولیٰ۔

(البحرالرائق ج۲ ص۱۸۳ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۴۸۶ رابعاً ارکان صلوٰۃ الجنازۃ الخ

یہ امر دونوں صورتوں میں پورا ہوسکتا ہے تاہم دائیں کروٹ لٹا کر قبلہ رخ کرنا بہتر ہے اگرچہ چت لٹا کر قبلہ رُخ کرنا بھی جائز ہے۔

وفی الهندیة : ویوضع فی القبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۶۶ الباب الحادی والعشرون) [1]

نمازِ جنازہ میں سلام بھول جانا

سوال:۔ اگر نمازِ جنازہ میں کسی سے سلام پھیرنا بھول جائے تو کیا اس سے نمازِ جنازہ متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب، اس لیے بھول کر سلام نہ پھیرنے کی صورت میں نمازِ جنازہ متاثر نہیں ہوتی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : صلوٰة الجنازة ورکنها شیئان التکبیرات الاربع والقیام وسننها ثلٰثة التحمید والثناء والدعاء فیها۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۷۲ باب الجنائز) [2]

شوہر بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا

سوال:۔ کیا شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ عورت کے ورثہ موجود ہوں؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے اپنی بیوی کو مرنے کے بعد ہاتھ لگانا شرعاً ممنوع ہے لہٰذا دیگر ورثاء کی موجودگی میں خاوند بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ویمنع زوجها عن غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح منیة۔ وقالت الائمة الثلاثة یجوز لان علیا غسل فاطمةؓ قلنا هذا محمول علی بقاء الزوجیة الخ۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۶۷ باب الجنائز) [3]

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ : ویوجه الیها وجوبًا وینبغی کونه علی شقه الایمن ولا ینبش لیوجه الیها۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۸۱ باب صلوٰة الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۴۸۵ کتاب الجنائز۔

[2] قال العلامة اشرف علی التهانویؒ : وفی الدر المختار صلوٰة الجنازة ورکنها شیئان التکبیرات الاربع والقیام وسننها ثلٰثة التحمید والثناء والدعاء فیها۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص۵۰۳ باب الجنائز)

[3] لما قال الشیخ وهبة الزحیلی : قال الحنفیة لا یجوز للرجل غسل زوجته ومسها لانقطاع النکاح ویجوز له النظر الیها فی الاصح۔

(الفقة الاسلامی وادلته ج ۲ ص۴۵۸ باب صلوٰة الجنازة ثانیًا صفة الغاسل)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۵۰۰ باب الجنائز۔

بیوی کی وفات پر شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا

سوال:۔ کیا بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: خاوند کا اپنی بیوی کو غسل دینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لیے حنفیہ کی تحقیق کے مطابق بیوی کی وفات کے بعد چونکہ دونوں کا نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اس لیے شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز، مطلب فی حدیث کل سبب الخ) [1]

بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

سوال:۔ کیا عورت اپنے خاوند کو مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کے مرنے کے بعد دونوں کا نکاح من کل الوجوہ ختم نہیں ہوتا، عورت ایام عدت میں من وجہ شوہر کے نکاح میں ہوتی ہے اس لیے شوہر کے مرنے کے بعد وہ اسے غسل دے سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وھی لا تمنع من ذلک۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وھی لا تمنع من ذلک) ای من تغسیل زوجها دخل بها اولا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز، مطلب فی حدیث کل سبب الخ) [2]

شوہر بیوی کو کفن نہیں پہنا سکتا

سوال:۔ کیا کوئی شوہر اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اسے کفن پہنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیوی کے مرنے کے بعد میاں بیوی دونوں کا رشتہ ازدواج ختم ہو جاتا ہے

---

[1] لما قال الشیخ وهبة الزحیلی: قال الحنفیة لا یجوز للرجل غسل زوجته ومسها لانقطاع النکاح ویجوز له النظر الیها فی الاصح لان النظر اخف من اللمس۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الجنائز، ثانیاً صفة الغاسل)

[2] لما قال العلامه ابن نجیمؒ: والزوجة تغسل زوجها دخل بها اولا بشرط بقاء الزوجیة عند الغسل۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۱ باب الجنائز)

اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اس لیے مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو کفن پہنائے تاہم دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ، ویمنع زوجہا من غسلہا ومسہا لا من النظر الیہا علی الاصح۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز مطلب فی حدیث کل سبب) [1]

چھوٹے بچے کا جنازہ ایک آدمی کے لیے اٹھانا جائز ہے

سوال:۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو ایک آدمی اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ کسی بڑے (مرد یا عورت) کا جنازہ اٹھانے کے لیے چار آدمیوں کا ہونا مناسب ہے البتہ چھوٹے بچے کے جنازہ کو اگر ایک آدمی بھی اٹھائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الہندیۃ، وذکر الاسبیجابی ان الصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذلک قلیلاً اذا مات فلا بأس بان یحملہ رجل واحد علی یدیہ ویتداولہ الناس بالحمل علی ایدیہم۔ الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۶۲) [2]

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے ولی کی اجازت کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے میں ایک آدمی ہے جو یہ کہتا ہے کہ میت کا ولی جس کو اجازت دے وہی نماز جنازہ پڑھائے چاہے محلے کی مسجد کا امام موجود ہو تو کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب:۔ میت کے ولی کو اگرچہ نماز جنازہ پڑھانے کا اختیار ہے یا جس کو اجازت دے وہ پڑھا سکتا ہے لیکن محلے کی مسجد کا امام قاضی یا بادشاہ کی عدم موجودگی کی صورت میں یہ شخص مقدم ہے لہٰذا امام کی موجودگی میں وہ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

---

[1] لما قال الشیخ وہبۃ الزحیلی: قال الحنفیۃ لا یجوز للرجل غسل زوجتہا ومسہا لانقطاع النکاح ویجوز لہ النظر الیہا فی الاصح لان النظر اخف من المس۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الجنائز ثانیاً صفۃ الغاسل)
وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۸۵ باب الجنائز۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ والصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذلک قلیلاً یحملہ واحد علی یدیہ ولو راکباً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۳۱ کتاب الجنائز مطلب فی حمل المیت)

لما قال العلامة الحصكفی رحمہ اللہ: ویقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان ان حضر او نائبہ وھو امیر المصر ثم القاضی ثم صاحب الشرط ۔۔۔۔ ثم امام الحی فیہ ابھام، وذلک ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی ۔۔۔۔ ثم الولی الخ۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰ کتاب الجنائز، مطلب فی بیان من ھو احق بالصلوٰۃ علی المیت) [1]

جنازہ اٹھانے سے قبل اجتماعی دعا کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ جنازہ اٹھانے سے قبل قریب کی مسجد کے امام صاحب بآواز بلند میت اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور حاضرین بآواز بلند آمین کہتے ہیں، دعا ختم ہونے کے بعد جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ میت اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جنازہ اٹھانے سے قبل اور اس کے بعد انفرادی طور پہ دعا کی جاسکتی ہے، البتہ اجتماعی طور پہ بآواز بلند امام مسجد کا دعا کرنا اور حاضرین کا آمین کہنا سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں دعا کا درج شدہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الھندیۃ: کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ ویدعوا للمیت ویرفع صوتہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص ۳۱۹ کتاب الکراھیۃ) [2]

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے

سوال:۔ قبرستان میں جاکر وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت وشرک کہتے ہیں؟

---

[1] لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : الرأی الاول للحنفیۃ: السلطان ان حضر اونائبہ احق بالصلوٰۃ علی المیت بسبب السلطنۃ ولأن فی التقدم علیہ ازدراء بہ فان لم یحضر فالقاضی لانہ صاحب ولایۃ فان لم یحضر فیقدم امام الحی لأنہ رضیہ فی حیاتہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۴۸۳ کتاب الجنائز ثانیا من ھو الاولیٰ بالصلوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ المفتی عبدالرحیم: الجواب: ہر ایک کو ذاتی طور پر دعا کرنے کی اجازت ہے سب کے جمع ہوکر دعا مانگنے کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے لہٰذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۳ کتاب الجنازہ)

الجواب:۔ قبرستان میں کھڑے ہو کر اہلِ قبور کے لیے دُعا کرنا شرعاً ثابت ہے اور پھر دُعا میں ہاتھ اُٹھانا تو آدابِ دعا میں سے ہے لہٰذا قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے بدعت کہنا درست نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ومن آدابها ان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لا علیکم السلام فانه ورد...... ثم یدعو قائماً طویلاً وان جلس یجلس بعیداً او قریباً بحسب مرتبته فی حال حیاته۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۴۲ کتاب الجنائز۔ مطلب فی زیارة القبور) [1]

سوال وجواب کا سلسلہ میت کو دفنانے کے بعد ہوگا

سوال:۔ بعض لوگ غیر ممالک میں فوت ہو جاتے ہیں اور ان کی میت کو اپنے وطن لانے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں، تو عرض ہے کہ ایسی اموات سے سوال جواب کب ہوگا؟ کیا فوت ہونے کے بعد پہلی رات جو بغیر دفنائے ہوئے گذرے اس رات میں سوال وجواب ہوگا یا میت کو دفنانے کے بعد ہوگا؟

الجواب:۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ میت سے سوال وجواب کا وقت اُسے دفن کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے جب تک میت کو دفن نہ کر دیا جائے اس وقت کوئی سوال وجواب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسوال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاماً بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر آخر فالم یدفن لا یسأل۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۲۶ کتاب الجنائز) [2]

---

[1] لما قال الشیخ العلامة اشرف علی التھانویؒ: وفی ردّ المحتار آداب زیارة القبور ثم یدعو قائماً طویلاً۔ اس سے دُعا کا جائز ہونا ثابت ہُوا اور ہاتھ اُٹھانا مطلقاً آدابِ دُعا سے ہے پس یہ بھی درست ہُوا۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص۵ باب الجنائز)

[2] قال العلامة عبد الرحیم لاجپوریؒ: اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ دفن کے بعد سوال ہوتا ہے۔ (فتاوٰی رحیمیہ جلد ۵ ص۹۷، باب احکام الجنائز)

میت کو قبرستان تک لے جانے کا مسنون طریقہ

سوال:۔ میت کو قبرستان تک لے جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ کیا اس کے پاؤں کی طرف سے آگے لے جایا جائے گا یا سر کی طرف سے؟

الجواب:۔ جنازے کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے سر کو آگے کی طرف رکھنا چاہیئے۔

كما فى الهندية: وفى حالة المشى بالجنازة يقدم الرأس۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۶۲ باب الجنائز) [1]

رنگ دار کپڑے میں میت کو کفنانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ میت کو سفید کپڑے کے علاوہ رنگدار کپڑے سے کفن پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کے لیے کفن رنگین کپڑے سے تیار کیا جا سکتا ہے، جن رنگوں کا استعمال زندگی میں اس کے لیے جائز تھا مرنے کے بعد بھی کفن رنگ دار کپڑے سے تیار کرنا جائز ہے، البتہ افضل و بہتر یہ ہے کہ مردے کو سفید کفن میں کفنایا جائے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: ولا بأس فى الكفن ببرود وكتان وفى النساء بحرير ومعصفر لجواز مايجوز لبسه حال الحيوٰة واحبه البياض اوما يصلى فيه۔

(الدرالمختار على هامش الطحطاوى ج ۱ ص۳۸۶ باب صلوٰة الجنازة) [2]

○

---

[1] لما قال العلامة اشرف على التهانویؒ: جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہیئے۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۹۵ باب الجنائز)

[2] وفى الهندية، ولا بأس بالبرود والكتان والقصب وفى حق النساء بالحرير والابريسم والمعصفر والمزعفر ويكره للرجال ذٰلك واحب الاكفان الثياب البيض ...... وكل مايباح للرجال لبسه فى حال الحياة يباح تكفينه بعد الوفاة ومالايباح له لبسه حال الحياة لايباح تكفينه بعد الوفاة۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۶۱ باب الجنائز۔ الفصل الثالث فى التكفين)

ومثله فى فتاوى دارالعلوم الديوبند ج ۵ ص۲۶۳ كتاب الجنائز۔

دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو غسل دینے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب کر مرجائے تو کیا پانی سے نکالنے کے بعد بھی اسے غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- ہر مسلمان کو فوت ہو جانے کے بعد غسل دینا ضروری ہے چاہے وہ خشکی پر مرا ہو یا پانی میں ڈوب کر فوت ہوا ہو، تاہم اگر پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے میت کو تین غوطے دیئے جائیں تو اتنا ہی کافی ہے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: الغریق یغسل ثلثًا فی قول ابی یوسفؒ وعن محمدؒ فی روایۃ ان نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثًا وعنہ فی روایۃ یغسل واحدۃ۔

(فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۹۰ کتاب الجنائز) [1]

آب زمزم سے دھوئے ہوئے کفن کے استعمال کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب ایک صاحب سے سنا ہے کہ زمزم کے پانی سے دھوئے ہوئے کپڑے کا کفن استعمال کرنا صحیح نہیں اس میں سوء ادب ہے، جس طرح اس پانی سے استنجاء وغیرہ کرنا مکروہ ہے تو اسی طرح اس سے کفن کے لیے کپڑے کو دھونا بھی کراہت سے خالی نہیں ہے، کیا واقعی مسئلہ کی نوعیت اسی طرح ہے؟

الجواب:- برکت کے حصول اور عذاب سے نجات کے لیے کوئی متبرک اپنے پاس رکھنا یا اس کو استعمال کرنا مرخص ہے، اسی طرح آب زمزم سے تر شدہ کفن استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والغریق یغسل ثلاثًا عند ابی یوسفؒ وعن محمدؒ اذا نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثًا۔ وفی روایۃ یغسل مرۃ واحدۃ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۴ کتاب الجنائز)

قال العلامة اسماعیل حقی البروسویؒ : قال فی الاسرار المحمدیة لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب ومن ھذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھا۔
(تفسیر روح البیان بحوالہ فتاوٰی رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۲ کتاب الجنائز)[1]

جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض فیشن ایبل قسم کے لوگ جوتوں سمیت ہی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں، تو کیا جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر جوتے پاک، صاف اور ستھرے ہوں تو جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے اور اگر جوتے نجس اور ناپاک ہوں تو ناپاک جوتوں کے ساتھ نماز جنازہ یا اور بھی کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ولو افترش نعلیہ وقام علیھما جازت وبھذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلوۃ الجنازۃ لکن لابد من طھارۃ النعلین۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الجنائز)[2]

---

[1] قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم لاجپوری : ہاں حصول برکت کی غرض سے آبِ زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں اس میں سوءِ ادب جیسی کوئی چیز نہیں۔ (فتاوٰی رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۳ کتاب الجنائز)

[2] قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم لاجپوری : جوتیاں پہن کر یا جوتیاں نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں جوتیوں کا پاک ہونا ضروری ہے جوتیاں پاک ہوں گی تو نماز ہو گی ناپاک ہوں گی تو نماز صحیح نہیں ہو گی۔
(فتاوٰی رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۰ کتاب الجنائز)

نفل نماز پڑھنے کے دوران جنازہ حاضر ہونے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نفل نماز کی نیت کر کے کھڑا ہو کہ اسی دوران کوئی جنازہ حاضر ہو جائے تو کیا یہ شخص اب نفلی نماز توڑ کر جنازہ میں شریک ہو جائے یا نماز پوری کرے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ ایک ایسی نماز ہے کہ اس کی کوئی قضاء نہیں، لہٰذا اگر متنفل (نفل نماز پڑھنے والے) کو نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کا یقین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ نفل نماز ختم کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو جائے اور اگر اسے یہ یقین ہو کہ نفل نماز مکمل کر کے جنازہ میں شریک ہو سکے گا تو نفل نماز کو پورا کرے۔

قال العلامۃ علاؤالدین الحصکفیؒ: او کان فی النفل فجئی بجنازۃ وخاف فوتھا قطعہ لامکان قضائہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۶ باب النوافل)[1]

غلطی سے جنازہ الٹا رکھ کر اس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر غلطی سے جنازہ الٹا رکھا گیا ہو یعنی میت کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی طرف ہو گئے ہوں اور اسی حالت میں جنازہ کی نماز بھی اس پر پڑھی گئی ہو تو کیا غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد اس پر دوبارہ نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ میت کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی طرف کر کے جنازہ رکھا جائے، جان بوجھ کر قصداً وعمداً الٹا رکھنا کراہت سے خالی نہیں لیکن اگر سہواً ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ نماز دہرانے کی ضرورت ہے۔

قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: وصحت لو وضعوا الراس موضع الرجلین واساءوا ان تعمدوا۔ (طحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص ۵۹۳ کتاب الجنائز)[2]

---

[1] قال المفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ: نماز جنازہ کے ہاتھ نہ آنے کا خوف ہو تو نماز میں شامل ہونے کی غرض سے نفل نماز توڑ سکتے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۱ باب احکام الجنائز)

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا اخطئوا بالراس وقت الصلوٰۃ فجعلوہ فی موضع الرجلین فصلوا علیھا جازت الصلوٰۃ فان فعلوا ذلك عمداً اجازت صلاتھم وقد اساؤا وکذا تعاد۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج ۲ ص ۱۷۲ باب الجنائز المتفرقات)

قبرستان سے سبز گھاس ختم کرنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض لوگ محرم الحرام کے مہینے میں اپنے رشتہ داروں کی قبروں سے سبز گھاس وغیرہ جڑ سے اکھیڑتے ہیں اور ان پر نئی مٹی ڈالتے ہیں، شرعاً اس سبز گھاس کو ختم کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- سبز گھاس اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد بیان کرتی ہے اس لیے اسے قبروں سے ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے لیے خصوصاً محرم الحرام کا تعین تو اور زیادہ قبیح عمل ہے البتہ خشک گھاس کو مرخص ہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: کرہ قطع الحشیش الرطب وکذا الشجرۃ من المقبرۃ لانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمۃ ولا بأس بقلع الیابس منھما الحشیش والشجر لزوال المقصود۔

(مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۱۲۱ کتاب الجنائز)[1]

قبرستان میں خشک گھاس کو آگ لگانے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قبرستان میں جب بھی گھاس خشک ہوجاتی ہے تو لوگ اسے آگ لگا دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام نے قبرستان میں آگ لے جانے سے منع کیا ہے اس لیے خشک گھاس صاف کرنے کے لیے اُسے آگ نہ لگائی جائے بلکہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔

قال الشیخ المفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ:- جب قبرستان میں آگ لے کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے! صفائی کے لیے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔

(فتاوی رحیمیہ ج۵ ص۱۰۳ باب احکام الجنائز)

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ الا اذا کان یابساً ولا یستحب قطع الحشیش الرطب۔ (البحرالرائق ج۲ ص۱۹۶ باب الجنائز)

ومثلہٗ فی فتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۱۰۳ باب الجنائز المتفرقات۔

میّت کو دفن کرتے وقت اس کا منہ غلط سمت ہو جانے پر قبر کو دوبارہ کھولنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک واقعہ پیش آیا ہے وہ یہ کہ ایک میت کو دفن کرنے والوں سے سہواً میّت کا منہ قبلہ رُخ کی بجائے مشرق کی جانب رہ گیا ہے، اب مٹی وغیرہ ڈالنے اور قبر برابر کرنے کے بعد یاد آیا کہ میت کا منہ تو قبلہ رُخ کرنا چاہیئے تھا، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اب قبر کو دوبارہ کھول کر میت کا منہ قبلہ رُخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان میّت کو دفن کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے وقت میّت کا رُخ قبلہ کی طرف کیا جائے لیکن اگر غلطی سے میت کا رُخ قبلہ کی جانب نہ ہو سکے اور مٹی وغیرہ ڈالنے کے بعد یاد آئے تو اب قبر کو دوبارہ کھولنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر مٹی ڈالنے سے قبل یاد آجائے تو پھر مناسب یہ ہے کہ میّت کا رُخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : لو دفن مستدبراً لها واهالوا لتراب لاینبش لان التوجیه الی القبلة سُنة والنبش حرام بخلاف ما اذا کان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۸۳۷ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت)[1]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : افاد کلام المصنف انهٗ لو وضع لغیر القبلة او علیٰ شقه الایسر او جعل رأسهٗ فی موضع رجلیه او دفن بلا غسل واهیل علیه التراب فانهٗ لاینبش قال فی البدائع لان النبش حرام۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۱۹۵ باب الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص۱۷۵ باب الجنائز المتفرقات۔

دفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا سوال:۔ میت کو کفن دینے سے پہلے یا بعد اس کا چہرہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دفن سے پہلے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے، چاہے کفن دینے سے پہلے ہو یا کفن دینے کے بعد ہو۔

لما فی الهندية: ولا بأس بأن يرفع ستر الميت ليرى وجهه وانما يكره ذلك بعد الدفن، كذا فی القنية۔ (الفتاوی الهندية ج۵ ص۳۵۱ كتاب الكراهية، الباب السادس عشر فی زيارة القبور، وقراءة القرآن فی المقابر)

دو قبروں میں سے میت کونسی قبر میں دفن کی جائے سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک عورت فوت ہوگئی ہے، شوہر والوں نے ایک جگہ قبر تیار کی اور اس کے بھائیوں نے دوسری جگہ، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس عورت کو کس قبر میں دفن کیا جائے؟

الجواب:۔ فتنہ اور فساد سے دور رہتے ہوئے جہاں چاہیں مرحومہ کو دفن کر دیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

رشتہ داروں کی قبریں ایک ساتھ ہونے کا حکم سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے سخت بیماری کی حالت میں وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اپنے بھائی کے قریب دفن کیا جائے، تو کیا ان کی وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے یا قبرستان میں جہاں جگہ ملے دفن کر دیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اقارب اور رشتہ داروں کو ایک جگہ قریب قریب دفن کرنا مستحب ہے اس سے رشتہ داروں کی قبروں کی پہچان میں آسانی ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی خواہش فرمائی تھی اور ایسا کر کے دکھایا بھی ہے۔

لما ورد فی الحديث: عن المطلب بن ابی وداعة قال: لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته فدفن فامر النبی صلی الله عليه وسلم رجلا ان يأتيه بحجر فلم يستطع حملها فقام اليها رسول الله صلی الله عليه وسلم .... فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها قبر اخی وادفن اليه من مات من اهلی۔
(مشكوٰة ص۱۴۹ كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کسی پرویزی یعنی منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ کو حجت ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اس کی حجیت کا انکار کرنا کفر ہے۔ اس لیے علماء امت نے پرویزی فرقے کے معتقدین کو خارج عن الاسلام قرار دیا ہے۔ چونکہ نمازِ جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری شرط ہے جو صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، اس لیے کسی پرویزی (منکرِ حدیث) کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۸۴)

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ (التوبہ ۱۱۳)

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ زید بیرونِ ملک فوت ہوا وہاں اس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی جس میں اس کے بیٹوں نے بھی شرکت کی، جب میت اس کے آبائی گاؤں لائی گئی تو اس کے دوسرے ورثا نے اصرار کیا کہ ہم یہاں دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً ان کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ جب مسلمان میت پر اس کے ولی کے ہوتے ہوئے ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو دوبارہ (چاہے ولی موجود رہا ہو یا نہ ہو) نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے اس لیے کہ ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

---

[1] لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرطها ستة اسلام الميت وطهارته مالم يهل عليه التراب فيصلي على قبره بلا غسل۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۳ باب الجنازہ، مطلب فی صلوٰۃ الجنائز)

ومثلہٗ فی طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۵ باب الجنائز۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: وان صلی غیر الولی او السلطان اعاد الولی یعنی ان شاء لما ذکرنا ان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بها غیر مشروع ۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۶۲ کتاب الجنائز) ۱؎

میت کا قبر میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں قبریں شمالاً جنوباً کھودی جاتی ہیں، کیا ہر جگہ یہی حکم ہے یا نہیں؟ شرعی مسئلہ سے مطلع فرمائیں؟

الجواب:۔ میت کو قبر میں رکھتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس کا چہرہ قبلے کی طرف ہو، چاہے قبلہ شمالاً جنوباً ہو یا شرقاً غرباً میت کے چہرے کا قبلہ کی طرف ہونا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ویوجه الیها وجوباً وینبغی کونه علی شقه الایمن ولاینبش لیوجه الیها۔ قال ابن عابدینؒ: قلت ووجهه ان ظاهره التسویة بین الحیاة والموت فی وجوب استقباله۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الجنائز، مطلب دفن المیت) ۲؎

۱؎ لما قال العلامة الحصکفیؒ: لذا قلنا لیس لمن صلی علیها ان یعید مع الولی لان تکرارها غیر مشروع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الجنائز)

۲؎ لما فی الهندیة: ویدخل المیت مما یلی القبلة وذلك ان یوضع فی جانب القبلة من القبر ویحمل المیت منه ویوضع فی اللحد فیکون الآخذ له مستقبل القبلة حالة الاخذ، کذا فی فتح القدیر ویقول واضعه بسم اللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه کذا فی المتون ویوضع فی القبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة، کذا فی الخلاصة۔

{الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۶ کتاب الجنائز
الفصل السادس فی القبر والدفن ... الخ}

ومثله فی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۱۹۴ باب غسل المیت ... الخ

باب فی حکم الشہید

(شہید کے احکام و مسائل)

شہید کی حقیقت

سوال:۔ شریعتِ محمدی کی رُو سے ہم کس کو شہید کا نام دے کر بغیر غسل دینے کے دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب:۔ شہید کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے (۱) اُخروی شہید (۲) دنیوی شہید۔ اول الذکر شہید کا دائرہ وسیع ہے، لیکن احکام شہید کے اجراء کے لیے دنیاوی شہید ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کرام کی عبارات کی رُو سے دُنیاوی شہید وہ مسلمان ہے جس کو کافر قتل کریں یا میدانِ جنگ میں مُردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے آثار ہوں یا ظلماً قتل کر کے اس کے قتل کے عوض دیت واجب نہ ہو۔ غسل نہ دینا دُنیاوی شہید کی خصوصیات میں سے ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني ؒ: الشهيد من قتله المشركون او وجد في المعركة وبه اثر او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه۔الخ ومن قتله اهل الحرب او اهل البغي او قطاع الطريق فباي شيء قتلوه لم يغسل۔الخ

(الهداية ج ۱ ص۱۸۳ باب الشهيد) [۱]

اُخروی اور دنیوی شہید کے درمیان فرق

سوال:۔ اگر کوئی آدمی آگ میں جل جائے یا دریا میں ڈوب کر مرجائے یا کوئی گاڑی اُسے کچل ڈالے تو کیا اس کو شہید کہا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کو شہیدِ اُخروی کہنا درست ہے مگر دُنیوی شہید نہیں ہے، لہٰذا اس کو غسل وغیرہ دیا جائے گا، کیونکہ اُخروی شہید وہ ہے جس کے بارے میں کتبِ فقہیہ نے

---

[۱] وقال عبد الله التمرتاشي ؒ: الشهيد هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة ولم يجب بنفس القتل مال ولم يرتث وكذا لو قتله باغ او حربي او قاطع طريق او وجد جريحاً ميتاً في معركتهم۔الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۴۴تا۲۴۹ باب الشهيد)

ومثله في الهندية ج ۱ ص۱۶۷ باب الشهيد۔

مندرجہ ذیل تعریف ذکر کی ہے :-

قال الحصکفیؒ هو کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۷ باب الشهید) لہ

زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے کا موقع ملنے سے مقتول دُنیوی شہید نہیں رہتا

سوال :- اگر ایک مسلمان شہید کی تعریف کی رو سے میدانِ کارزار میں زخمی ہو جائے یا کسی مسلمان کے ہاتھوں ظلماً زخمی ہو جائے اور پھر اس کا علاج بھی ہو، جس میں چند دن زندہ رہ کر کھانا پینا نصیب ہو جائے تو کیا اس سے دُنیاوی شہادت متاثر ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایسا شخص اُخروی شہادت سے محروم نہیں رہتا، البتہ زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے اور علاج معالجہ کے لیے موقع ملنے سے یہ دُنیوی شہید نہیں رہا، اس لیے اس کو غسل دیا جائے گا۔

لما فی الهندیة :اوقتله مسلم ظلماً ولم تجب به دیة کذا فی الکافی وبعد اسطر قال ویغسل من ارتث وهو من صار خلقاً فی حکم الشهادة لنیل مرافق الحیاة وهو ان یأکل او یشرب او ینام او یداوی - (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۸ باب الشهید) ؎۲

رات کے اندھیرے میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مارا جانیوالا شخص شہید ہے

سوال :- ایک شخص کو اپنے گھر میں رات کے وقت کسی نامعلوم آدمی نے قتل کر دیا تو کیا یہ مقتول شہداء میں شمار کیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- مذکورہ مقتول کا شہداء کے زمرے میں شمار کرنا صحیح ہے اور اس کا جنازہ

لہ وفی الهندیة ، وهو فی الشرع من قتله اهل الحرب والبغی وقطاع الطریق - الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الشهید -

؎۲ وقال محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ :هو کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلماً ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۷ باب الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۸ باب الشهید -

بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله او قاطع طریق) والمکابرون فی المصر لیلاً بمنزلة قطاع الطریق کما فی البحر عن شرح المجمع ممن قتلوه ولو بغیر محدد فهو شهید کما لو قتله القطاع وکذا من قتله اللصوص لیلاً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۹ باب الشهید) [1]

محاذِ جنگ میں بم پھٹنے سے مرنے والوں کا حکم

سوال:۔ اگر ایک مجاہد محاذِ جنگ میں بم کے پھٹنے سے مرجائے تو کیا اس کو شہید سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ میدانِ کارزار میں شہادت کے لیے تلوار یا کسی دوسرے آلہ جارحہ سے قتل ہونا ضروری نہیں بلکہ دشمن کے ہاتھوں سے جس کیفیت سے بھی مسلمان مرجائے تو وہ شہید سمجھا جائے گا، صورتِ مسئولہ میں بم جدید ہتھیار کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے ذریعے مقتول مسلمان شہید سمجھا جائے گا۔

لما فی الهندیة: والاصل ان کل من صار مقتولاً فی قتال ثلاث اهل الحرب او البغاة او قطاع الطریق بمعنی مضاف الی العدو وسواء کان بالمباشرة او السبب کان شهیداً۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۹ الفصل السابع فی الشهید) [2]

قاتل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ارادۂ قتل مبطل شہادت نہیں

سوال:۔ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کے ارادہ سے جارہا تھا لیکن اُسے قتل کرنے سے پہلے اس کو کسی دوسرے آدمی نے بغیر کسی

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولو نزل علیه اللصوص لیلاً فی المصر فقتل بسلاح او غیره او قتله قطاع الطریق خارج المصر بسلاح او غیره فهو شهید۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۱ فصل فی الشهید)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۹ باب الشهید۔

[2] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وهو من قتله اهل الحرب والبغی او قطاع الطریق او وجد فی المعرکة وبه اثر۔ الخ۔ وبعد اسطر قال وقیدنا بکونه فی المعرکة وهی موضع الحرب لانه لو وجد فی عسکر المسلمین قتیل قبل لقاء العدو فلیس بشهید۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الشهید)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۶ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز۔

وجہ کے راستہ میں قتل کر دیا، تو کیا اس مقتول کی شہادت میں قتل کا ارادہ کرنے سے کوئی خلل واقع ہُوا یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ شخص از روئے شرع شہید ہے کیونکہ قاتل کے ہاتھوں سے وہ ظلماً قتل ہُوا ہے، البتہ دوسرے شخص کے قتل کے ارادہ سے اگرچہ یہ گنہگار ہوتا ہے لیکن قاتل کے حق میں مباح الدم نہیں ہو سکتا، اس لیے محض ارادہ کی وجہ سے اس کی شہادت متاثر نہیں ہوتی۔

قال برهان الدين المرغيناني: او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية۔ الخ
(الهداية ج ۱ صـ۱۸۳ باب الشهيد) ؎۱

تخریب کاری میں مرنے والے مسلمان شہید ہوتے ہیں

سوال:۔ آجکل بڑے بڑے شہروں اور اجتماعات میں انتظامیہ کو بدنام کرنے کے لیے بموں کے دھماکے کیے جاتے ہیں جن میں بے شمار بیگناہ مسلمان مر جاتے ہیں ایسے مرے ہوئے لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسے مقتولین شہداء کے حکم میں ہیں ان کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ بم دھماکے کرنے والے افراد اسی نیت سے بم رکھتے ہیں تاکہ مظلوم مسلمانوں کا جانی نقصان ہو اور عوام جذبات میں آکر انتظامیہ کے متعلق کوئی قدم اٹھائیں۔

قال علامه ابن نجيمؒ: كان ما قصد به القتل فهو تسبيب وما لا فلا۔
(البحر الرائق ج ۲ صـ۱۹۶ باب الشهيد) ؎۲

ظلم کے تعین کے بغیر دنیوی شہید کا حکم لگانا درست نہیں

سوال:۔ ایک شخص کسی جگہ مردہ پایا گیا، اس کے قتل کی وجوہات

؎۱ وقال علاؤ الدين الكاسانيؒ: ومنها ان يكون مظلوماً الخ (بدائع الصنائع ج ۱ صـ۳۲۰ فصل اما الشهيد)

؎۲ وقال برهان الدين المرغينانيؒ: او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل لانه في معنى شهداء احد وقال عليه السلام فيهم زملوهم بكلومهم ودمائهم ولا تغسلوهم فكل من قتل بالحديدة ظلماً وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالى فهو في معناهم فيلحق بهم۔ (فتح القدير ج ۲ صـ۱۰۳ باب الشهيد)

ومثله في تبيين الحقائق صـ۲۴۷ ج ۱ باب الشهيد۔

معلوم نہیں کیا ایسی صورت میں اسے شہید کہا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد ہے، البتہ دنیوی شہادت کا حکم لگانے کے لیے جب تک اس کا مظلوم ہونا ثابت نہ ہو تو اسے شہید نہیں کہا جائے گا۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: او قتله المسلمون ظلماً ولم یجب بقتله دیة الخ

(الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب الشهید) [1]

آپس کے تنازعات میں مرنے والے لوگوں کا حکم

سوال:۔ خاندانی اور قومی تنازعات میں مرنے والے لوگ شہداء کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ ایسے خاندانی تنازعات میں اگر مقتول نے فریق مخالف (قاتل) کے قتل کیلئے ابتداء نہیں کی ہو اور قاتل نے دیدہ دانستہ دوسرے مسلمان کا حق ظلماً چھین لینے کا ارادہ کیا ہو تو یہ مقتول شہید کے حکم میں آتا ہے، لہٰذا اس کا جنازہ بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واذا عرف شرائط الشهادة فنقول اذا قتل الرجل فی المعرکة او غیرها وهو یقاتل اهل الحرب او قتل مدافعاً عن نفسه وماله واهله او واحد من المسلمین او اهل الذمة فهو شهید سواء قتل بسلاح او غیره لاستجماع شرائط الشهادة فی حقه۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۳ فصل اما الشهید) [2]

دفاعی جنگ میں مرنے والوں کا حکم

سوال:۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان کی سرحدات پر جارحانہ حملہ کیا اور پاکستان کو بزعم خود ختم کرنے کا ارادہ کیا تو پاکستان کی طرف سے دفاع کرنا جہاد میں شمار

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ومنها ان یکون مظلوماً الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۰ فصل اما الشهید)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص— کتاب الجنائز باب الشهید۔

[2] وفی الهندیة: ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او عن المسلمین واهل الذمة بای آلة قتل بحدید او حجر او خشب فهو شهید۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۸ الفصل السابع فی الشهید)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۷ باب الشهید۔

ہوگا یا نہیں اور اس میں مرنے والے شہید ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب :۔ چونکہ پاکستان نے یہ جنگ اپنے دفاع کے واسطے لڑی ہے لہٰذا یہ دفاعی جہاد شمار ہو کر اس میں حصہ لینے والے مقتولین شہداء شمار ہوں گے ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ودخل فیه المقتول مدافعاً عن نفسه او ماله او المسلمین او اهل الذمة فانه شهید لکن لایشترط بحدّ کما فی البحر عن المحیط۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۶۴ باب الشهید) [1]

افغانستان کے جہاد میں مرنے والوں کا حکم

سوال :۔ افغانستان کے موجودہ جہاد کے دوران اگر کوئی قتل ہو جائے تو کیا اس کو شہادت کا مقام ملے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ جہادِ افغانستان چونکہ احیاءِ دین اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کیا جارہا ہے لہٰذا اس میں حصہ لینا ضروری ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حصہ لینے والا اگر قتل ہو جائے تو وہ شہید ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ : الشهید هو من قتله اهل الحرب او البغی او قطاع الطریق او وجد فی المعرکة وبه اثر او قتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ باب الشهید) [2]

---

[1] وفی الهندیة : ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او المسلمین او اهل الذمة بای آلة قتل بحدید او حجر او خشب فهو شهید کذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۸ باب الشهید)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ باب الشهید ۔

[2] وقال العلامة الحصکفیؒ : وکذا یکون شهیداً لو قتل باغ او حربی او قاطع طریق ۔ ردالمحتار علیٰ هامش ردالمحتار ج ۱ ص ۷۶۲ باب الشهید)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشهید۔

شہید کو دفنانے سے قبل یا بعد اپنے وطن واپس لانا

سوال :- جناب مفتی صاحب! عصر حاضر میں مجاہدین اسلام جس جگہ شہید ہو جائیں تو ان کی لاش کو قبل از دفن یا بعد از دفن قبر سے نکال کر اپنے وطن لانا شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کیسا ہے؟ فائدہ اور نقصان، ثواب و عذاب جس میں ہو تحریر فرماکر مشکور فرمائیں۔ نیز عوام الناس میں یہ چیز مشہور ہے کہ ہم نے فلاں میت کو اتنا عرصہ امانت کے طور پر دفنائے رکھا ہے پھر نکالنے میں جرم نہیں ہے، اس مسئلے کا کوئی شرعی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب :- ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ (الآیہ)

اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے۔ ہر ایک مسئلہ کے لیے اسلام میں جواز اور عدم جواز کی اصل اور دلیل موجود ہے۔ جن چیزوں کا تعلق مسلمانوں کی اس دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی سے ہے قرآن و حدیث اور دیگر مذہبی کتب میں ان پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمان کی زندگی اور موت سے وابستہ جتنے احکام ہیں ان کی تفصیلات میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی، اور کسی شخص کی ذاتی رائے اور خواہش کو بھی اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مسلمانوں کو ہر حالت میں رضا بالقضا کا شیوہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر تسلیم خم کرنے اور مطیع و فرمانبردار رہنے میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ مسلمان سے اس کی جان و مال اللہ تعالےٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے گا اور اس میں اگر اسے اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ تعف (سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۱)

مسلمان کی موت جہاں بھی واقع ہو جائے وہ اس کے لیے مبارک ہے، چاہے تخت پر ہو یا خاکِ زمین پر، لیکن اس سے ہزار درجہ بہتر و مبارک وہ موت ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی میں تلواروں کے سایہ تلے واقع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں شہداء کی امتیازی شان اور اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کا جا بجا ذکر ہے۔ شہید فی سبیل اللہ کی یہ

کتنی خوش قسمتی ہے کہ قیامت کے دن اُسی خون میں لت پت قبر سے اٹھایا جائے گا جو کہ معرکۂ کارزار میں دشمنوں کے وحشیانہ اور جارحانہ حملوں کے وار سہہ کر اللہ کی راہ میں نکل گیا تھا۔

ایسے مواقع میں ان اعلیٰ مدارج کی بنا پر شریعت نے شہید کے ورثاء کو استقلال اور صبر و استقامت کا سبق دیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور کافروں نے ان کے کان اور ناک کاٹ کر مثلہ بنا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا خطرہ میرے ساتھ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گی کہ میرے بھائی کو دفن تک نہیں کیا گیا تو میں اپنے چچا کو ایسے ہی زمین پر چھوڑ دیتا اور درندے و پرندے آکر ان کے گوشت و پوست کو نوچ ڈالتے اور کل قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے حضور میں مجھے یہ سرخروئی حاصل ہوتی کہ میرے چچا کے گوشت و پوست کو درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے جمع کیا جاتا اور میں کہتا کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان نے تیری راہ میں یہ قربانی دی ہے — یہ کتنا بڑا مقام ہے اور کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا اور ایسے مواقع پر صبر و استقلال سے کام لینے کی امت کو تعلیم دی۔

حضرت عمرو ابن جموح رضی اللہ عنہ ایک جان نثار اور عاشقِ رسول صحابی ہیں جو ایک پاؤں سے لنگڑے تھے، غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا، اور ساتھ آپ کے بیٹے بھی شہید ہوئے تو بیوی نے خاوند اور بیٹے کو اونٹنی پر لاد کر مدینہ طیبہ لے جانے کا ارادہ کیا تو اونٹنی میدانِ اُحد سے چند قدم آگے چل کر بیٹھ گئی، اور رُخ اُحد کی طرف کر لیا اور باوجود کوشش کے مدینہ منورہ کی طرف نہ چلتی تھی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر سے آتے وقت اس نے کچھ کہا تو نہیں تھا؟ تو بیوی نے کہا جی ہاں! قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی: اللّٰھم لا تردّنی الی اھلی، اے اللہ مجھے میدانِ جنگ سے گھر واپس نہ لانا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہیں دفن کئے گئے۔

ان فضائل، برکات اور بلند مراتب کی وجہ سے شریعت نے عام مردوں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ جہاں ان کی موت واقع ہو وہیں ان کو دفن کرنے میں بہتری ہے — کتبِ مذہب میں میں یہاں تک لکھا ہے کہ آدمی کی جہاں موت واقع ہو جائے وہیں اسے دفن کرنا بہتر ہے اور اگر قبل از دفن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو جائز ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ اس کو دفن

کرکے اوپر مٹی ڈال دی گئی تو اب قبر کھودنا اور میت کو نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا حرام اور گناہ ہے، ہاں اگر کوئی ضرورتِ شرعیہ داعیہ موجود ہو تو پھر ایسا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ پر لی گئی ہو۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل عبارات :۔

فتاوی عالمگیری ج۱ ص۱۶۷ میں ہے، ویستحب فی القتیل والمیت دفنہ فی المکان الذی مات فی مقابر اولٰئک القوم، وان نقل قبل الدفن الی قدر میل اومیلین فلا بأس بہ، کذا فی الخلاصۃ۔ وکذا لو مات فی غیر بلدہ یستحب ترکہ فان نقل الی مصر آخر لا بأس بہ ولا ینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ کذا فی فتاوی قاضی خان۔

درمختار میں ہے، ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ـــــ اس سے چند سطور آگے درمختار میں ہے : لا بأس بنقلہ قبل دفنہ ـــــ اس کی شرح میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں، واما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقاً قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنھا وھی غائبۃ فی غیر بلدھا فلم تصبر وارادت نقلہ علی انہ لا یسعھا ذٰلک فتجویز شواذ بعض المتاخرین لا یلتفت الیہ واما نقل یعقوب و یوسف علیھما السلام من مصر الی الشام لیکونا مع آبائھما الکرام فھو شرع من قبلنا ولم یتوفر فیہ شروط کونہ شرعاً لنا۔ اھ

فقہاءِ کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ میت شہید ہو یا غیر شہید قبل از دفن اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر نہیں، اور بعد از دفن تو بالکل جائز نہیں، قبر کھولنا اور میت کا اخراج حرام ہے۔ ہاں اگر ضرورتِ شرعیہ پیش آجائے تو جائز ہے، اور ضرورتِ شرعیہ کی صورتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں ـــــ نیز میت کو کچھ عرصہ کے لیے امانتاً دفن کرکے پھر نکالنا یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

حریق بالنار کے حکم کے بارے میں تعارض کا ازالہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! فتاویٰ ہندیہ کی ایک عبارت ولوکان المسلمون فی سفینۃ فرماھا العدو بالنار فاحترقوا من ذٰلک وتعدّی الی سفینۃ اخریٰ فیھا المسلمون فاحترقوا فھم کلھم شھداء کذا فی الخلاصۃ وحکمہ (ای الشھید) ان لا یغسل ویصلی علیہ کذا فی المحیط السرخسیؒ ویدفن بدمہ وثیابہ کذا فی الکافی سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عبارت میں حریق بالنار کو حقیقی شہید کے حکم میں داخل کیا گیا ہے، حالانکہ عام فقہاء کرام نے حریق بالنار کو صرف اخروی شہداء میں شمار کیا ہے۔ برائے مہربانی اس تعارض کو رفع فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ حریق بالنار کے متعلق فتاویٰ ہندیہ اور دیگر کتب فقہ کی عبارات میں کوئی تعارض نہیں ہے، سب اپنے اپنے محل کی مناسبت سے بالکل صحیح ہیں۔ اس لیے اگر آپ فتاویٰ ہندیہ کی مذکورہ بالا عبارت پر غور کریں تو اس میں فرماھا العدو بالنار کی قید بہت واضح نظر آتی ہے جو کہ قید احترازی ہے، اس لیے کہ دشمن خواہ کسی بھی چیز سے کسی مسلمان کو مار ڈالیں وہ شہید ہی ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ ہندیہ کی عبارت میں دشمن کے آگ لگانے سے مرنے والے مسلمان کا حکم بیان ہوا ہے وہ بھی حریق بالنار العدو کے ساتھ خاص ہے، عام آگ سے جل کر مرنے والے کا حکم الگ ہے، جو کہ عام فقہاء کرام نے صرف شہید اخروی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

ھٰکذا قال المفتی عبدالکریمؒ: (الجواب) یہ حکم بالکل صحیح ہے کیونکہ رماھا العدو بالنار کی قید ہے، اور دشمن خواہ کسی چیز سے مار ڈالیں ہر حال میں شہید ہوتا ہے اور وہ حریق جس پر حکم شہید جاری نہیں ہوتا اس سے وہ مراد ہے جو بدون حملہ دشمنان ویسے ہی جل کر مر گیا ہو۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۸۱۴ کتاب الجنائز، فصل فی الشہید)

کتاب
الزکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔

سورة البقرة : اٰية ٢٧٧

باب وجوب الزکوٰۃ
(زکوٰۃ کے واجب ہونے کے مسائل)

دو ہزار روپے میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس دو ہزار روپے ہیں سوال اِن حول (سال) کے گذر جانے کے بعد ان میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون (۵۲½) تولہ چاندی یا ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہے، لہٰذا اگر دو ہزار روپے چاندی یا سونے کی قیمت کے برابر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ اقل ہونے میں زکوٰۃ نہیں۔

لما فی الهندية: ومنها كون المال نصاباً فلا تجب في اقل منه۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها) [1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت

سوال:۔ اگر ایک شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ فقراء اور غرباء کو کچھ رقم صدقہ میں دے دے، کیا یہ ادائیگی زکوٰۃ میں شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت انتہائی ضروری ہے، صورت مسئولہ میں رقم دیتے وقت خیرات وصدقہ کی نیت تھی تو ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی نیت کرنے سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم اگر دینے کے وقت نیت کوئی نہ تھی لیکن بعد میں زکوٰۃ کی نیت کی اور رقم فقیر کی ملک میں ہو تو ایسی صورت میں یہ رقم زکوٰۃ میں شمار ہوگی۔

لما قال العلامة تمرتاشیؒ: وشرط صحة ادائها نية مقارنة له اى للاداء ولو كانت المقارنة حكماً كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم فى يد الفقير۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ كتاب الزكوٰة) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: وسببه اى سبب افتراضها ملك نصاب حولى نسبة للحول لحولانه عليه تام بالرفع صفة ملك خرج مال المكاتب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ كتاب الزكوٰة)
ومثله فى البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة۔

[2] قال الشيخ نظام: واذا دفع الى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكوٰة فان كان المال قائماً فى يد الفقير اجزاه والا فلا۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۷۱ كتاب الزكوٰة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها)
ومثله فى مراقى الفلاح على صدر طحطاوى ص۳۸۸ كتاب الزكوٰة۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول شرط ہے

سوال:۔ ایک آدمی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گیا ہے جب تک اس کو جی پی فنڈ وغیرہ کی رقم حکومت کی طرف سے نہ ملے تو اس پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں لیکن جب اس آدمی کو یہ رقم مل جائے تو کیا اس پر فوری طور پر زکوٰۃ اور حج فرض ہو جائے گا یا سال گذرنے کے بعد؟

الجواب:۔ ایسے آدمی پر زکوٰۃ حولانِ حول کے بعد فرض ہوتی ہے، یعنی جب اس آدمی کو تمام واجبات کی رقم مل جائے اور اس کا اپنی رقم پر قبضہ ہو جانے کے بعد سال گذر جائے تو پھر اس آدمی پر زکوٰۃ فرض ہو گی اور فوری طور پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن حج کے لیے حولانِ حول شرط نہیں صرف استطاعت شرط ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: والمراد بکونه حولیًا ان یتم الحول علیه وهو فی ملکه لقوله علیه السلام لا زکوٰة فی مال حتی یحول علیه الحول۔ قال فی الغایه سمّی حولاً لان الاحوال تحول فیه وفی القنیة العبرة فی الزکوٰة للحول القمری۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰة)[1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں قمری سال کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول کا ہونا جو ضروری قرار دیا گیا ہے تو اس سے کون سا سال مراد ہے؟ قمری یا شمسی؟ کیونکہ قمری سال شمسی سال سے نسبتاً کم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں قمری سال کو اعتبار دیا ہے اس لیے زکوٰۃ کی فرضیت میں اسلامی (قمری) مہینوں کا سہارا لینا ضروری ہے، اور فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق قمری سال کی مقدار تین سو چوّن (۳۵۴) دن، آٹھ گھنٹے اور اڑتالیس منٹ ہیں۔

کما فی شرح الوقایة: والسنة القمریة اثنا عشر شهرًا قمریًا ومدتها ثلاث مائة واربعة وخمسون یومًا وثُلُثُ یوم وخُمُسُ یوم۔

(شرح الوقایة ج۲ ص۱۴۴ باب العنین)

لما قال فی الهندیة: ومنها حولان الحول علی المال العبرة فی الزکوٰة

---

[1] قال شیخ الاسلام التمرتاشیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰة)
ومِثلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰة، الباب الاول فی تفسیرها الخ

للحول القمری۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

کئی سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس تقریباً پندرہ ۱۵ تولے سونا تھا اور کئی سالوں تک اس کا مالک رہا لیکن ایک سال بھی زکوٰۃ نہ دی، اب زکوٰۃ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی میں بنیادی طور پر قیمت کی ادائیگی کا اعتبار فقراء کی ضرورت کے پیشِ نظر ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں اس شخص کو جملہ ایامِ گذشتہ کی زکوٰۃ سونے کی مقدار سے فرض ہے، جملہ گذشتہ سالوں کا حساب کرکے پندرہ تولہ سے مفروضہ سونے کی مقدار مروجہ قیمت لگا کر ادا کرے، تاہم لاحق سال سے سابق سال کی مقدار منہا کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

لما قال التمرتاشیؒ: واللازم فی مضروب کل منہما (ای الذہب والفضۃ) ومعمولہ ولو تبرًا اوحلیاً مطلقاً مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقۃ لانہما خلقا اثمانًا فیزکیہما کیف کانا۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۹۷ باب زکوٰۃ المال) ؎۲

کیا زکوٰۃ علی الفور واجب ہے یا علی التراخی

سوال:۔ نصاب مکمل ہونے کے بعد آدمی پر جب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو یہ شخص زکوٰۃ کی رقم وقفے وقفے سے ادا کرتا رہے حتیٰ کہ اس پر سال گذر جائے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا زکوٰۃ علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟ جو ائمہ تراخی کے قائل ہیں اُن کے نزدیک وقفے وقفے میں زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جو ائمہ علی الفور

؎۱ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ نسبۃ للحول) ای الحول القمری لا الشمسی۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: قمریۃ بالاہلۃ علی المذہب وہی ثلثمائۃ واربعۃ و خمسون یومًا وبعض یوم۔ (الدرالمختار ج۳ ص۴۹۷ باب العنین)

ومثلہ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: وفی تبر الذہب والفضۃ وحلیہما واوانیہما الزکوٰۃ۔ (الہدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۶۳ باب زکوٰۃ الاموال فصل فی الذہب)

ومثلہ فی البدائع الصنائع ج۲ ص۱۶۱ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل صفۃ ہذا النصاب۔

کے قائل ہیں اُن کے نزدیک تراخی سے گناہ لازم آتا ہے، اور صاحب ہندیہ نے علی الفور کو اصح قرار دیا ہے جبکہ ابن الھمامؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بلاعذر تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الشیخ النظامؒ: وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر، وفی روایة الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح کذا فی التھذیب۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰة، الباب الاول) [1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا

سوال:۔ بعض لوگ زکوٰۃ رجب یا رمضان کے مہینے میں ادا کرتے ہیں، کیا ازروئے شرع اس کیلئے کوئی وقت متعین ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازروئے شرع زکوٰۃ کی ادائیگی سال پورا ہونے پر واجب ہے اس لیے اس میں کسی خاص مہینے کا تعین نہیں تاہم رمضان میں عبادات کی عظمت بڑھنے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس میں ادائیگی زیادہ مناسب ہے لیکن یہ واضح رہے کہ وجوب کے بعد رمضان تک مؤخر کرنے کے بجائے مالک ہونے کے بعد پہلے رمضان میں ادا کرے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰة) [2]

صاحبِ نصاب آدمی کے پاس سال کے درمیان میں مزید مال آجائے تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس رمضان میں دس ہزار روپے موجود تھے دوسرے سال رمضان آنے پر اس شخص کے پاس پچاس ہزار روپے پائے گئے، ظاہر ہے کہ دس ہزار روپے پر تو سال گذرا ہے لیکن بقیہ چالیس ہزار پر حولانِ حول

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: وافتراضها عمری ای علی التراخی وصححه الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیه الفتوی کما فی شرح الوهبانیة۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۱ کتاب الزکوٰة قبیل من الباب السائمة)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۱۱۱ کتاب الزکوٰة۔

[2] قال الحسن بن عمار بن علیؒ: وشرط وجوب ادائها حولان الحول علی النصاب الاصلی۔ (مراقی الفلاح ص ۳۸۹ کتاب الزکوٰة۔
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۳۹/۱۳۸ کتاب الزکوٰة۔

نہیں ہُوا ہے، تو کیا اس شخص کو دس ہزار روپے سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا پچاس ہزار روپے پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب: زکوٰۃ کے نصاب پر سال کا گذرنا ضروری ہے یہ ضروری نہیں کہ تمام رقم پر پورا سال گذرے، صورتِ مذکورہ میں دورانِ سال جو آمدنی ہوتی ہے اس سے بھی رمضان میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی، گویا مالِ مستفاد اگرچہ شعبان کے مہینے میں آیا ہو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة حسن بن عمار بن علیؒ: وشرط وجوب ادائها حولان الحول علی النصاب الاصلی واما المستفاد فی اثناء الحول فیضم الی مجانسه ویزکی بتمام الحول الاصلی سواء استفید بتجارة او میراث او غیره۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۳۸۵ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

زکوٰۃ قضاء ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال: اگر ایک آدمی نے غفلت سے یا قصداً اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے بعد عند الشرع کیا حکم ہے، آیا زکوٰۃ ساقط ہوگی یا پھر ادا کرنا ضروری ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے وجوب کے وقت جلدی ادا کرنا زیادہ مناسب ہے تاہم زکوٰۃ کسی وقت سے خاص نہیں کہ جس کے گذر جانے پر یہ قضا ہو بلکہ مدت گذرنے کے باوجود ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

لما قال فی الهندیة: وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیره من غیر عذر وفی روایة الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول تصح۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها الخ) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۸ باب زکوٰۃ الغنم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها۔ الخ۔

[۲] قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: قال فی الوجیز علی الفور عند محمدؒ حتی لا یجوز التراخی من غیر عذر فان لم یؤد لا تقبل شهادته لانها حق للفقراء وفی تاخیر الاداء عنهم اضرار لهم۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۳۸ کتاب الزکوٰۃ۔

وَمِثْلُهٗ فی المراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۳۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔

مکان کا نہ ہونا مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس نصاب کی مقدار سے زائد رقم موجود ہو لیکن اس آدمی کا ذاتی مکان نہیں ہے تو کیا یہ آدمی دوسروں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں، اور اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک آدمی جب نصاب کا مالک ہو اور یہ رقم حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو تو یہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے بلکہ اس کو خود بھی اس رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی، اگر مملوکہ مکان نہ ہو تو یہ ایسا عذر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اسے غریب شمار کیا جائے، جب تک یہ رقم خرچ نہ ہو تو ضرورت سے زائد متصور ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی غنیّ یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلیة من ای مال کان۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۷ باب المصرف)[1]

مہتمم مدرسہ کا ذاتی مال طلباء پر خرچ کرنے کیلئے روزانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے

سوال:۔ ایک صاحب کا اپنا دینی مدرسہ ہے اور مدرسے کی تمام ضروریات مثلاً اساتذہ کی تنخواہ، بجلی کا بل وغیرہ اپنی جیب سے ادا کرتا ہے، مہتمم صاحب نے شروع سے نیت کی ہے کہ مدرسے کے جس شعبہ میں زکوٰۃ جائز ہے تو وہ میری زکوٰۃ ہے اور جس میں زکوٰۃ جائز نہیں وہ میری طرف سے خیرات ہے، تو آیا مہتمم کے لیے روزانہ یا ماہانہ یا سالانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ ہی زکوٰۃ کی نیت کافی ہے؟

الجواب:۔ اگر مہتمم صاحب زکوٰۃ کا مال جدا کرتے وقت نیت کریں اور پھر وہ منہا شدہ رقم تھوڑی تھوڑی خرچ کریں تو دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں بلکہ زکوٰۃ جدا کرتے وقت نیت کرنا ہی کافی ہے، اور اگر تھوڑا تھوڑا کرکے خرچ کرے اور پہلے سے نیت نہ ہو تو اس وقت نیت ضروری ہے ورنہ پھر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

لما فی البزازیة: قال کلما تصدقت فی هذه السنة فهو عن الزکوٰة ثم جعل یتصدّق

---

[1] قال الشیخ النظام: ولا یجوز دفع الزکوٰة الی من یملک نصاباً ای مال کان دنانیر اودراهم اوسوائم اوعروضاً للتجارة اولغیر التجارة فاضلاً عن حاجته فی جمیع السنة هکذا فی الزاهدی۔ (الفتاوی الهندیة ج ا ص۱۸۹ کتاب الزکوٰة، الباب السابع فی المصارف)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ا ص۲۴۲ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰة۔

ولا یحضرہ النیۃ ان کان افرز جملۃ من المال فی حرۃ وقال وقت الاداء لاقرار ذلک وقع الکل عن الصدقۃ والا لا۔ (البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۴ ص۸۵ فصل الثانی فی المصرف نوع اخر)[1]

اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آدمی کب صاحب نصاب بن گیا تو کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر کسی شخص کو اپنے غنی (یعنی صاحب نصاب) ہونے کا علم نہ ہو کہ میں کب سے صاحب نصاب ہوا ہوں، تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کو جتنی مدت سے صاحب نصاب ہونے کا ظن غالب ہو تو اُس وقت سے حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے تاہم احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال ابن نجیم المصریؒ: والظن الطرف الراجح وھو ترجیح جھۃ الصواب والوھم رجحان جھۃ الخطاء واما اکبر الرائی وغالب الظن فھو الطرف الراجح اذا اخذ بہ القلب وھو المعتبر عند الفقہاء... وبعد اسطر وغالب الظن عندھم ملحق بالیقین وھو الذی یبتنی علیہ الاحکام۔ (الاشباہ والنظائر ج۱ ص۲۴۰/۲۴۱ القاعدۃ الثالثۃ الیقین لایزول بالشک)[2]

حوائج اصلیہ کے لیے جمع کی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص جو کسی سرکاری یا کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہو، ذاتی مکان نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تنخواہ سے اس نے کئی سالوں میں کچھ بچا کر رقم جمع کی ہوئی ہو، یہ رقم اگرچہ ایک لاکھ روپے تک پہنچتی ہو لیکن ذاتی مکان کے لیے زمین خریدنے اور اس پر آبادی کے لیے یہ رقم ناکافی ہو، محض ذاتی ضرورت کی تکمیل کے لیے یہ رقم رکھی گئی ہو تو کیا حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس رقم سے کسی قسم کی تجارت بھی

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وشرط ادائھا نیۃ مقارنۃ للاداء او لعزل ما وجب او تصدق بکلہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۲۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال ابن نجیمؒ: (تحت قولہ ولو دفع بتحرالخ) والظن ترجیح احدھما من غیر دلیل والتحری ترجیح احدھما بغالب الرأی وھو دلیل یتوصل بہ الی طرف العلم وان کان لایتوصل بہ الی ما یوجب حقیقۃ العلم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)

نہیں ہورہی، ممکن ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کرنے یہ تمام رقم ختم ہوجائے اور مکان بنانے کی خواہش پوری نہ ہوسکے؟ اس بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے فقہاء نے فارغ عن الدّین وعن حوائج الاصلیہ کی قید کا ذکر کیا ہے، ایسی صورت میں حوائج اصلیہ میں مصروف اور مشغولیت میں تو یقیناً زکوٰۃ واجب نہیں لیکن جو رقم کسی ضرورت کی تکمیل مثلاً مکان، اسلحہ، کتب وغیرہ کے لیے رکھی گئی ہو اور مجموعہ رقم پر سال گذر جائے تو ایسی رقم میں وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی رائے مختلف ہیں، شیخ ابن الملک کے نزدیک ایسی رقم حکماً ضروریات میں مصروف ہے جو بمنزلہ معدوم ہو کر اس میں حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں۔ فاذا کان عندہ دراھم اعدھا لھٰذہ الاشیاء وحال علیھا الحول لا تجب فیھا الزکوٰۃ۔ علامہ ابن عابدینؒ کا میلان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: فاذا کان لہٗ دراھم مستحقۃ یصرفھا الی تلک الحوائج صارت کالمعدوم کما ان الماء المستحق یصرفہ الی العطش کان کالمعدوم وجاز عندہ التیمم الخ۔ لیکن ابن نجیمؒ کی عبارت سے ایسی رقم میں زکوٰۃ کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ ویخالف ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ (ج ۲ ص۲۰۶)

موجودہ وقت میں انسان کی غیر متناہی ضروریات کے تقاضا کی صورت میں کسی شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی، ہر شخص ایک بڑی رقم کسی عالیشان محل، موٹر، ایئر کنڈیشن اور دوسری ضروریاتِ زندگی خریدنے کے ارادہ سے رکھے گا جو اُس کی ضروریات میں مصروف ہو کر زکوٰۃ کا موقع نہیں رہے گا، اس لیے احتیاطاً ہر صورت میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ یہ رقم مکان خریدنے کے ارادہ سے کیوں نہ ہو۔ اگر فقہاء کی عبارات کو دیکھا جائے تو ان میں بھی فارغ عن الدّین وعن الحوائج الاصلیۃ لکھا گیا ہے، اس پر کسی نے نہیں لکھا ہے کہ فارغ عن قیمۃ حوائجہ الاصلیۃ۔ یہ عبارت بھی وجوبِ زکوٰۃ کی نشاندہی کرتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویخالف ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [1]

[1] وفی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: وھو مخالف لما فی المعراج والبدائع ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیف امسکہ للنفقۃ او للنماء (ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی حاشیۃ علی الدرر ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

حوائج اصلیہ سے زائد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ نصاب زکوٰۃ روپوں کی تعداد کے لحاظ سے کتنی ہے اور گھر کی ضروری حاجات سے جو رقم زائد ہو اُس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی کے پاس نقد روپے موجود ہوں جو تمام حوائج اصلیہ اور قرض وغیرہ سے خالی ہوں، حوائج اصلیہ زمانہ عرف اور حالات سے بدلتے رہتے ہیں، جب تمام اخراجات ضروریہ کے علاوہ جو رقم مقدارِ نصاب تک پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور روپوں سے زکوٰۃ نکالنے میں سونا اور چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اس لیے نقد رقم کا نصاب ایک مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ سونے اور چاندی کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے اس لیے مقدارِ نصاب میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وسببہ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نام فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد و فارغ عن حاجتہ الاصلیۃ لان المشغول بہا کالمعدوم۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

محفوظ رقم میں ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس نقد اتنی رقم ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہے اور کئی سال تک اس کے استعمال کی نوبت نہ آئے تو کیا یہ شخص صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا اسے ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے پاس نقد اتنی رقم موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو یا نصاب سے زائد ہو تو سال کے گذرنے سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح جتنے سال یہ رقم محفوظ رہے گی اور مقدارِ نصاب میں بھی کوئی فرق نہ آیا ہو تو ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وملک نصاب حولی فارغ عن الدّین وحوائجہ الاصلیۃ نام ولو تقدیراً۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔

اذا ملك نصاباً ملكاً تامّاً وحال عليه الحول۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ) لہ

زکوٰۃ کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں

سوال:۔ اگر کسی کے پاس زکوٰۃ کی رقم موجود ہو اور وہ کسی مستحق کو ماہانہ کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں، قسط وار دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے، تاہم مجموعی طور پر ادائیگی کے وقت نیت ضروری ہے ورنہ ہر قسط میں نیت کرنا پڑے گی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: او مقارنة بعزل ما وجب كله او بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) ۲ے

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے

سوال:۔ اگر کسی کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو لیکن منکوحہ کے حق مہر کی ادائیگی تاحال اس کے ذمہ باقی ہو اندریں صورت یہ شخص اگر حق مہر ادا کرے تو باقی مال نصاب زکوٰۃ سے کم رہتا ہے، کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ کا حق مہر مستقل حق ہے جس کی ادائیگی خاوند کے ذمہ واجب ہے، اگر خاوند فوت ہو جائے تو منکوحہ کا حق مہر دیگر قرضہ کی طرح متروکہ جائیداد سے ورثاء کے درمیان تقسیم کرنے سے قبل منہا کیا جائے گا۔ خاوند کی اس ذمہ داری سے فراغت کے لیے حق مہر کی ادائیگی یا منکوحہ کی طرف سے برضا و رغبت معافی کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں لہٰذا خاوند کے ذمہ واجب الادا قرضہ ہونے کی وجہ سے یہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے، اگر نصاب سے حق مہر منہا کر کے باقی کا نصاب نہ بنتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی اور اگر بقایا مال نصاب کی مقدار

لہ قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وَسَبَبُهُ اي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

۲ے قال زین الدین ابن نجیمؒ: وشرط ادائها نية مقارنة للاداء او لعزل ما وجب او تصدق بكله۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔

تک پہنچا ہو تو پھر مہر مؤجل منہا کرکے بقایا رقم سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ قال ابن عابدینؒ: فارغ عن دَین لہٗ مطالب من جہۃ العباد سواء کان للّٰہ کزکوٰۃ وخراج او للعبد ولو کفالۃ او مؤجلاً ولو صداق زوجتہ المؤجل وفی رد المحتار والصحیح انہ غیر مانع۔ (کتاب الزکوٰۃ ج۲ ص۲۶۰)

البتہ منکوحہ کے حق میں دَین قوی نہ ہونے کی وجہ سے جب تک حقِ مہر وصول نہ ہوا ہو تو اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، منکوحہ پر مہر مؤجل میں زکوٰۃ کے وجوب کا اعتبار وصولی کے بعد رہے گا، تاہم اگر منکوحہ کے پاس اس کے علاوہ نصاب موجود ہو اور حولانِ حول سے قبل مہر مؤجل وصول ہو جائے تو پھر مال مستفاد کے حکم میں ہو کر تمام مال میں زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ ای بعد قبض من دَین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال) [۱]

حج کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے حج کے لیے کئی سالوں سے کچھ رقم بینک میں جمع کی ہو اور رقم نصاب سے زیادہ ہو تو کیا حولانِ حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کے لیے رقم رکھنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، جب تک یہ رقم حج میں خرچ نہ ہوئی ہو اور اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اس پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال ابن عابدینؒ: فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وعلی ھذا یخرج مھر المرأۃ فانہ یمنع وجوب الزکوٰۃ عندنا معجلاً کان او مؤجلاً لانھا اذا طالبتہ یؤاخذ بہ۔ وقال بعض مشائخنا ان المؤجل لا یمنع لانہ غیر مطالب بہ عادۃ۔ الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل۔

[۲] قال زین الدین ابن نجیمؒ: ویخالفہ ما فی المعراج الدرایۃ فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ اھ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔

منگنی یا شادی کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: منگنی یا شادی کے لیے خریدے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ اس سامان کی قیمت مقدار نصاب سے بہت زیادہ ہے۔

الجواب: منگنی و شادی کے لیے جمع شدہ سامان چونکہ اثاث البیت میں داخل ہے اور اثاث البیت پر زکوٰۃ لازم نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں منگنی یا شادی کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس في دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمت وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

شادی کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص نے شادی کے لیے کچھ رقم جمع کی ہے جوکہ نصاب سے متجاوز ہے اور یہ رقم کئی سال اُس شخص کے پاس موجود رہی لیکن پورے وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شادی نہیں کی جبکہ یہ رقم ضرورتِ شادی کے لیے مختص ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم خرچ نہیں ہو تو شادی کی ضروریات کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی اور اس شخص پر باقاعدہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر والدنے اپنی اولاد کی شادی کے لیے رقم جمع کی ہو اور نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔

وسبب لزوم ادائها توجه الخطاب یعنی قوله تعالیٰ: وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ وشرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو فی ملکه وثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزکوٰۃ کیفما امسکهما

---

[۱] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا فی ثیاب البدن المحتاج الیها لرفع الحر والبرد ابن ملک واثاث المنزل ودور السکنی ونحوها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

ولونفقۃ عیالہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [1]

گھر میں استعمال ہونے والے سامان میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ گھریلو ضروریات کیلئے رکھے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ نیز ضرورت کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ بسا اوقات گھر میں متعدد بستر ے اور کھانے پینے کے برتن پڑے رہتے ہیں جن کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچتی ہے۔

الجواب:۔ ضرورت کے وقت جس سامان کے استعمال کی حاجت پڑے تو وہ اشیاء گھریلو ضروریات کے زمرہ میں شمار ہوں گی۔ معاشرہ میں وقت، حالات اور تعلقات میں اختلاف کی وجہ سے ضروریات میں تفاوت لازمی چیز ہے۔ اگر کسی مسلمان کے مہمان زیادہ آتے ہوں تو اس کیلئے زیادہ سامان رکھنا ضروری ہے، بہر حال ضرورت کا کوئی مخصوص معیار نہیں ہے۔ قال محمد ابن عبد الباقی الزرقانیؒ فی شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیۃ فکان یقتصر منہ قدرا اوصفۃ علیٰ قدر الحاجۃ الخ۔ وقال جنس الفراش فیصدق بتعددہ عند الاحتیاج لہ لکثرۃ ضیفاتہ عادۃ (ج ۵ ص۶) تاہم جو چیز گھر کے استعمال کے نام سے خریدی جائے خواہ ضرورت کے لیے ہو یا ضرورت سے زائد ہو لیکن تجارت کی نیت سے نہ خریدی گئی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ قربانی اور صدقہ فطر کے لیے ضرورت سے زائد اشیاء کی قیمت لگا کر اگر نصاب کو پہنچے تو پھر قربانی اور صدقہ فطر واجب رہے گا۔

قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔
(الهدایۃ ج۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] وشرط وجوب ادائها ای افتراضها حولان الحول وهو فی ملکہ ای فی ثمنیۃ المال کالدراهم والدنانیر۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ حاشیۃ الطحطاوی الخ)
ومثلہٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا فی ثیاب البدن المحتاج الیها لدفع الحر والبرد ابن ملک واثاث المنزل ودور السکنی ونحوها۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب میں مؤدی کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، لہٰذا بناء برایں نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

والد کے مال سے بیٹا بلا اجازتِ والد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں

سوال:۔ اگر والد کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی ہو تو یہ زکوٰۃ بلا اجازتِ والد کے بیٹا کسی مستحق کو دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بغیر اجازت والد کے بیٹا اس کے مال میں سے زکوٰۃ نہیں دے سکتا، البتہ اگر والد کی اجازت کے بغیر بیٹے نے والد کے مال میں سے زکوٰۃ دے دی اور پھر والد نے ایسی حالت دیکھی کہ وہ زکوٰۃ کی رقم فقیر (محتاج) کے ہاتھ میں موجود تھی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ والا فلا

لما قال فی الهندیة: رجل ادی زکوٰۃ غیرہ عن مال ذٰلك الغیر فاجازہ المالك فان کان المال قائماً فی ید الفقیر جاز والا فلا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ. الباب الاول) [۲]

میت کی طرف سے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی حینِ حیات میں خود زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو اس کی وفات کے بعد اگر اس کے ورثاء اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیں تو یہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہ ؟

الجواب:۔ اگر میت نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ میرے ذمے اتنی زکوٰۃ کی ادائیگی

---

[۱] قال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ ....الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال الحسن بن عمار بن علیؒ: ولو مقارنة حکمیة کما لو دفع بلانیةٍ ثم نوی والمال قائم بید الفقیر ولا یشترط علم الفقیر انها زکوٰۃ۔ (مراقی الفلاح ص ۳۹ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

باقی ہے تو ثلث جائیداد سے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے، ورثاء پر لازم ہے کہ ذمّہ کی فراغت کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں، اور اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو تو اگرچہ ورثاء پر لازم نہیں لیکن ادائیگی کی صورت میں فراغ ذمّہ کی اُمید ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولو مات فأداها وارثه جاز) فی الجوهرة اذا مات من علیه الزکوٰۃ اوفطرۃ اوکفارۃ اونذر لم تؤخذ من ترکته عندنا الا ان یتبرع ورثته وهم من اهل التبرع ولم یجبروا علیه وان اوصی تنفذ من الثلث۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۹ باب صدقۃ الفطر) [1]

نوٹ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

سوال:۔ کیا زکوٰۃ میں دس پانچ یا دس روپے کے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ مال نہیں بلکہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ حامل ھٰذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا۔

الجواب:۔ کرنسی نوٹ کی حقیقت کے بارے میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں، کچھ علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ایک رسید کی مانند ہیں یعنی جس نوٹ پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ "اتنا حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا" تو اس سے جنس میں ترجیح ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، تاہم ایک روپے کے نوٹ پر یہ الفاظ نہیں لکھے ہوتے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن جن علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں جیسا کہ یہ احتمال راجح ہے تو اس صورت میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

• قال العلامۃ الحصکفیؒ: وجاز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وکفارۃ غیر الاعتاق وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۵) [2]

---

[1] قال الشیخ النظامؒ: اذا مات من علیه زکوٰۃ اوفطرۃ اوکفارۃ اونذر لم یؤخذ من ترکته عندنا الا ان یتبرع ورثته بذلك وهم من اهل التبرع فان امتنعوا لم یجبروا علیه وان اوصی بذلك یجوز وینفذ من ثلث ماله۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۱۹۳ کتاب الزکوٰۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُهُ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۳ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل بیان مایسقطها۔

[2] قال فی الهندیۃ: ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقۃ الفطر والعشر والنذر۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۱۸۱ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب ، مسائل شتّی)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الزکوٰۃ۔

قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس کچھ رقم موجود ہے جس کی زکوٰۃ وہ خود ادا کرتا ہے لیکن کچھ رقم اس سے عزیز و اقارب نے بطور قرض لی ہوئی ہے جس کی باوجود تحریری سند کے واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہو تو ایسے قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر عزیز و اقارب اس قرض کا اقرار کرتے ہوں یعنی قرض واپس کرنے سے منکر نہ ہوں تو وصولی کی صورت میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب ہوگی۔ تاہم اگر یہ رقم یکمشت حاصل ہو جائے تو رقم وصول ہونے ہی اس کی مقدار سے حساب کر کے بہم ۱/۴۰ واں حصہ ادا کرے۔

لما قال علاؤالدین الحصکفیؒ: واعلم ان الدیون عند الامام ثلثۃ قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتہا اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درھماً من الدین (اقول وھو خمس النصاب) من الدین القوی وبدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھماً یلزمہ الدرھم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

کمیٹی کی رقم یعنی بیسی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ہم بائیس افراد نے مل کر ایک کمیٹی بنائی ہے جس میں ہر ایک ممبر پانچ سو روپیہ ماہوار جمع کراتا ہے، اور ہر ماہ کے آخر میں قرعہ اندازی سے نام نکالتے ہیں جس کا بھی نام نکل آئے تو جمع شدہ رقم (گیارہ ہزار روپے) اُسے دے دی جاتی ہے، اسی طرح اکیس ماہ بعد میرا نام نکل آیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اکیس ماہ بعد میں نے جو رقم حاصل کی ہے اس میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ رقم ملتے ہی زکوٰۃ دینی ہوگی یا سال کے بعد؟

الجواب:۔ اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب ہیں تو اپنے نصاب کے ساتھ اس کمیٹی والی

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: الدین علیٰ اقسام قوی ووسط وضعیف فالقوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ اذا قبضہ وکان علیٰ مقر ولو مفلساً او علیٰ جاحد علیہ بینۃ زکّاہ لما مضیٰ ویتراخی وجوب الاداء الیٰ ان یقبض اربعین درھماً ففیہا درھم لان ما دون الخمس من النصاب عفو لا زکوٰۃ فیہ صح وکذا فیما زاد بحسابہ۔

(مراقی الفلاح ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

رقم کی زکوٰۃ بدستور دیا کریں، اور اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں تو جب کمیٹی میں آپ کی رقم نصاب کے برابر جمع ہو جائے تو اسی وقت سے آپ صاحبِ نصاب شمار ہوں گے اور اس کے حساب سے حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دیں گے خواہ اقساط پر سال گذرا ہو یا نہ ؟

لما قال التمرتاشی والعلامة الحصکفیؒ: وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه ...... والمستفاد ولو بهبةٍ او ارثٍ وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولو بهبة او ارث) ادخل فیه المفاد بشراء او میراث او هبة وما کان حاصلاً من الاصل کالاولاد والربح

(رد المحتار ج۲ ص۲۸۸ کتاب الزکوٰۃ مطلب محمد امام فی اللغة واجب الخ)[1]

قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی یا قرض کی موجودگی میں؟

سوال: ۔ ایک شخص کے پاس بیس ہزار روپے نقد ہوں لیکن اس کے ذمہ واجب الادا قرض بھی ہو، اگرچہ قرض فی الحال ادا کرنا ضروری نہ ہو لیکن قرض خواہ کی طرف سے کسی وقت بھی اس کا مطالبہ ہو سکتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں موجود تمام رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا پہلے قرض منہا کیا جائے گا؟

الجواب: ۔ جو قرض واجب الادا ہو اور مدیون مطالبہ ہو رہا ہو یا اُن کے پاس گواہان موجود ہوں تو کل مال سے قرضہ منہا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اگرچہ کسی وقت بھی ادا ہو، لیکن اگر قرض پورے مال کو محیط ہو تو پھر اس کے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ومن کان علیه دَینٌ یحیط بماله فلا زکوٰۃ علیه

---

[1] قال فی الهندیة: ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالاً من جنسه ضمه الی ماله وزکاه سواء کان المستفاد من نمائه اولا وبای وجه استفاد ضمه سواء کان بمیراث او هبة او غیر ذلك ولو کان من غیر جنسه من کل وجه کالغنم مع الابل فانه لایضم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ الباب الاول)

وفیه ایضاً: تجب فی کل مائتی درهم خمسة دراهم وفی کل عشرین مثقال ذهب نصف مثقال الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة)

وَمِثْلُہٗ فی: بدائع الصنائع ج۲ ص۵۱ فصل حولان الحول فلیس من شرائط الاداء۔

وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابًا۔ (الہدایۃ ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

بیٹی کے حق مہر کی رقم والد نے لی ہو تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا حق مہر تقریباً دس ہزار روپے لے کر اپنے پاس رکھا، تو سال گذر جانے کے بعد زکوٰۃ کس پر لازم ہوگی؟ باپ یا بیٹی پر؟

الجواب:۔ اگر بیٹی نے شرم وحیاء کی وجہ سے یہ رقم اپنے والد کو دے دی ہو تو اس ہبہ کا اعتبار نہیں کیونکہ ہبہ میں رضاءِ واہب ضروری ہے، پس اس صورت میں زکوٰۃ لڑکی پر واجب ہوگی، اور باپ کے لیے اس رقم کا استعمال جائز نہیں، البتہ اگر بیٹی نے یہ رقم خوشی سے باپ کو دی ہو تو پھر باپ کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اس رقم کی زکوٰۃ والد پر واجب ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: ومن کان لہٗ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالاً من جنسہ ضمہ الیٰ مالہ وزکّاہ سواء کان المستفاد من نمائہ اولا۔ وبای وجہٍ استفاد ضمہ سواء کان بمیراثٍ اوھبۃٍ اوغیر ذٰلک ولو کان من غیر جنسہ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاوّل فی تفسیرھا) ؎۲

وجوبِ زکوٰۃ کے لیے قرض کا منہا کرنا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس بارہ ہزار روپے کے زیورات ہیں اور دس ہزار روپے کا وہ مقروض بھی ہے تو کیا اس صورت میں وہ بارہ ہزار سے زکوٰۃ دے گا یا قرض منہا کرکے دو ہزار سے دے گا؟

الجواب:۔ اگر اس آدمی کے پاس زیورات کے علاوہ کوئی دوسری رقم نہ ہو جس سے وہ قرضہ ادا کرسکے تو اس صورت میں وہ صرف دو ہزار روپے ہی زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ یہ رقم نصاب تک پہنچتی ہو، اور اگر قرضہ کی ادائیگی کے لیے اور بھی کچھ ہو تو اس صورت میں بارہ ہزار پر

؎۱ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فارغ عن دین لہٗ مطالب من جہۃ العباد) وھٰذا اذا کان الدَّین فی ذمتہ قبل وجوب الزکوٰۃ فلو لحقہ بعدہ لم تسقط الزکوٰۃ لانھا ثبتت فی ذمتہ فلا یسقطھا مالحق من الدَّین بعد ثبوتھا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۶۰ کتاب الزکوٰۃ)

ومِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۷۲/۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: والمطلق فی المستفاد نشمل المستفاد بمیراثٍ اَوْھِبَۃٍ اوشراءٍ اووَصِیَّۃٍ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۲ ص۱۱۲ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ لازم ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سَبَبُهٗ ای سبب افتراضها ملك نصاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تام۔۔۔۔۔۔ فارغ الدّین لهٗ مطالب من جهة العباد سواءً کان ﷲ کزکوٰۃ وخراج۔۔۔ وسبب لزوم ادائها توجه الخطاب (قوله تعالیٰ: وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ) وشرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو فی ملکه وثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزکوٰۃ کیف امسکهما ولو للنفقة۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۰/۲۶۶ کتاب الزکوٰۃ)[1]

امانت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے دوسرے شخص کے پاس کچھ رقم بطورِ امانت رکھی ہے، تو اس کی زکوٰۃ اصل مالک پر ہوگی یا جس کے پاس رقم بطورِ امانت رکھی ہے؟

الجواب:۔ کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اس لیے جب تک ملکیت میں رہن اور مسلّم ہو تو اصل مالک پر بعد از حولانِ حول زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله فلوله بینة تجب) والظاهر علی القول بالوجوب ان حکمه حکم الدّین القوی۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۶۶ کتاب الزکوٰۃ)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: منها الفراغ عن الدّین قال اصحابنا کل دَین لهٗ مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکوٰۃ۔۔۔۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۲ الباب الاول)

وفیه ایضاً: تجب فی کل مائتی درهم خمسة دراهم وفی کل عشرین مثقال ذهب نصف مثقال مضروباً کان اولم یکن مصوغاً کان اوغیر مصوغ حلیاً کان للرجال اوللنساء تبراً کان اوسبیکة کذا فی الخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع جلد ۲ ص۱۶/۱۷ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی صفة هذا النصاب۔

[2] قال الامام ابن الهمامؒ: (تحت قوله ولوکان الدّین علیٰ مقر) ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الیٰ ان یقبض اربعین درهماً۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها۔

حلال وحرام سے مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم | **سوال:۔** ایک شخص نے بینک کے سُودی کھاتہ جات میں نقد رقم جمع کی ہو اور کئی سال کے بعد سُود کے اضافے کی وجہ سے وہ رقم کئی گنا زیادہ ہوگئی، تو ایسی صورت میں اگر وہ شخص زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کیا اصل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا مع سود کل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:۔ اگر حلال اور حرام کی مقدار معلوم ہو تو حلال آمدنی سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اور حرام مال کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ اگر وہ کسی اور شخص کا مال ہو تو اس کو واپس کیا جائے اور جہاں کہیں مالک معلوم نہ ہوسکے تو بلانیتِ ثواب خیرات کر دیا جائے تاکہ حرام مال سے ذمہ فارغ ہو جائے اور اگر مالک کا ذہن نہیں بنا ہو اور وہ دونوں (حرام اور حلال مال) سے مجموعی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی اس کے حق میں باعثِ تخفیف ہے جس کی رُو سے حلال مال سے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور حرام مال میں زکوٰۃ کے نام سے ادا شدہ رقم سے اس کی ذمہ داری فارغ ہوگی، ایسی حالت میں اگر حلال اور حرام میں تمیز نہ ہوسکے اور دونوں قسم کا مال اکٹھا ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے؟

لما قال ابن نجیمؒ: ولذا قالوا لو ان سلطاناً غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكوٰة وورث عنه على قول ابوحنيفةؒ لان خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك اما على قولهما فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم | **سوال:۔** آجکل بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ لی جاتی ہے اور کچھ رقم محکمہ اپنی طرف سے ملا کر اس رقم کو ملازم کے نام پر جمع کرتا ہے، اور یہ رقم ملازم کو ملازمت کے ختم کرنے سے قبل نہیں دی جاتی بلکہ ملازمت ختم ہونے (یعنی ریٹائر ہونے) پر دی جاتی ہے اور عرف

---

[1] قال ابن عابدینؒ: لو اخرج زکوٰۃ المال الحلال من مال حرام ذكر في الوهبانية انه يجزئ عند البعض ونقل القولين في القنية۔ وقال في البزازية لو نوى في المال الخبيث الذى وجبت صدقته ان يقع عن الزكوٰة وقع عنها اى نوى فى الذى وجب التصدق به لجهل اربابه۔
(رد المحتار ج ۲ ص۲۹ مطلب فی التصدق من المال الحرام الثانی فی العرف نوع آخر)
ومثله فى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص۸۶ کتاب الزکوٰۃ۔

میں اس رقم کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں، کیا ایسی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ جو ملازم کی تنخواہ سے جبراً کچھ رقم کاٹتا ہے، اور باوجود ملازم کی ملک ہونے کے اس مال پر ملازم کو تصرف و قبضہ حاصل نہیں ہوتا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اس پر زکوٰۃ نہیں۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عمر ابن میمون قال قال اخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من اھل الرقۃ یقال لہ ابو عائشۃ عشرین الفا فالقاھا فی بیت المال فلما ولی عمر بن عبد العزیز اتاہ ولدہ فرفعوا مظلمتھم الیہ فکتب الی میمون ان ادفعوا الیھم اموالھم وخذوا زکوٰۃ عامھم ھٰذا۔ الخ۔ کیونکہ یہ دَین ضعیف میں شامل ہے جو وصولی کے بعد حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولانِ حول بعدہ ای بعد القبض من دَین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ وبدل کتابۃ وخلع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال)[1]

شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: اس جدید دور میں شیئرز کا کاروبار عروج پر ہے جس میں مشترکہ سرمایہ نصاب زکوٰۃ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کو تقسیم کیا جائے تو بعض حصہ داروں کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے معاملہ میں جیسا کہ مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے بالکل اسی طرح مزکّی کا بھی صاحبِ نصاب ہونا ضروری امر ہے۔ یہاں اگرچہ مشترکہ مال نصابِ زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن تقسیم کے بعد بعض حصہ داروں کا حصہ نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، اس لیے شیئرز کے کاروبار میں مشترکہ مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ہر حصہ دار کے حصہ پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ حصہ دار صاحبِ نصاب بن سکتا ہو۔

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وفی الضعیف لا تجب ما لم یقبض نصاباً ویحول الحول بعد القبض علیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ:- ولا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمۃ ومال تجارۃ وان صحت الخلطۃ فیہ ..... وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ویتراجعان بالحصص وبیانہ فی الحاوی فان بلغ نصیب احدھما نصاباً زکوٰۃ دون الآخر۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۴ باب زکوٰۃ السائمۃ) [1]

لمیٹڈ کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- چند اشخاص مشترکہ کاروبار کرتے ہیں اور جس کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہے، لیکن اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصہ کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے کم ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کے لیے جس طرح مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے اسی طرح مزکی (یعنی زکوٰۃ دینے والے) کا صاحب نصاب ہونا بھی ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں اگرچہ مشترکہ مالیت نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن اگر تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کا حصہ نصاب تک نہ پہنچتا ہو تو اس مال مشترکہ پر زکوٰۃ نہیں، تاہم اگر مالیت اس قدر ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے اور ہر ایک کا حصہ یا جس کسی کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: فاما اذا کانت مشترکۃ بین اثنین فقد اختلف فیہ قال اصحابنا انہ یعتبر فی حال المشترکۃ مایعتبر حال الانفراد وھو کمال النصاب فی حق کل واحدٍ منھما فان کان نصیب کل واحد منھما یبلغ نصاباً تجب الزکوٰۃ والافلا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص...) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: فاما اذا کانت مشترکۃ بین اثنین فقد اختلف فیہ قال اصحابنا انہ یعتبر فی حال المشترکۃ مایعتبر حال الانفراد وھو کمال النصاب فی حق کل واحد منھما فان کان نصیب کل واحد منھما یبلغ نصاباً تجب الزکوٰۃ والافلا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۲۹۷ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمۃ ومال تجارۃ وان صحت ..... وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ..... فان بلغ نصیب احدھما نصاباً زکوٰۃ دون الآخر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۴ باب زکوٰۃ المال)
وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص۲۹۷ کتاب الزکوٰۃ۔

فکسڈ ڈپازٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جدید بینکاری نظام میں ایک کھاتا فکسڈ ڈپازٹ ہے جس میں رقم ایک مقررہ مدت مثلاً تین سال یا پانچ سال کے لیے جمع کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے سے قبل کھاتہ دار اپنی رقم بینک سے واپس نہیں لے سکتا، تو کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ ملکِ تام کا ہونا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنا مال دوسرے کے حوالہ کردے اور دوسرا شخص اس کا مقر ہو لیکن سردست دینے والا مال پر قبضہ نہ کرسکتا ہو تو یہ دَین میں داخل ہے اس لیے اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی مگر ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب وہ مال قبضہ میں آجائے لہٰذا بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں زکوٰۃ فرض ہے مگر ادائیگی بوقتِ وصول لازمی ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: لو کان الدین علی مقر ملی اوعلی معسر اومفلس ای محکوم بافلاسہ اوعلی جاحد علیہ بینۃ وعن محمدؒ لازکوٰۃ وھوالصحیح ذکرہ ابن ملک وغیرہ لان البینۃ قدلاتقبل اوعلم بہ قاض سیجیٔ ان المفتی بہ عدم القضاء بعلم القاضی فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی۔ (الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ) [1]

انعامی بانڈز پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے پاس ۵۰ ہزار روپے کے انعامی بانڈز ہیں کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر واجب ہے تو کب ادا کی جائے گی؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے دَین کی تین[3] اقسام لکھی ہیں جس میں دَین وسط کی تعریف بانڈز پر صادق آتی ہے اس لیے کہ بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اُس مال کی رسید ہے جو آپ کا حکومت یا کسی پرائیویٹ ادارے کے پاس قرض کی شکل میں موجود ہے اسلئے بانڈز کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن جب یہ بانڈز مالیت کی شکل اختیار کرکے آپ کے ہاتھ آجائے تو گذشتہ اور موجودہ سال سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو کان الدّین علی مقر ملیٔ اوعلی معسر اومفلس ای

---

[1] قال الامام المرغینانیؒ: ولوکان الدّین علی مقر ملیٔ اومعسر تجب الزکوٰۃ لامکان الوصول الیہ ابتداء الخ ـــــ قال ابن الھمامؒ: تحتہ فی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھماً ففیھا درھم۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

محکوم یا فلاسہ او علی جاحد علیہ بینۃ .... فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

پرائز بانڈز زکوٰۃ میں دینے کا حکم

سوال: اگر کسی کے پاس پرائز بانڈز ہوں اور وہ اُن کو زکوٰۃ میں دینا چاہے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

الجواب: بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اُس مال کی رسید ہے جو حکومت (بینک والوں) کے پاس آپ کی مالیت کی صورت میں موجود ہے جبکہ زکوٰۃ میں تملیک المال ضروری ہے اور زکوٰۃ کے ایک اہم شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے زکوٰۃ میں پرائز بانڈز دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم ناویًا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ...... جزء مال خرج المنفعۃ فلو اسکن فقیرا دارہ سنۃ ناویًا لایجزیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ) [2]

بینک اور انشورنس سے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: بینک کے مختلف کھاتہ جات یا انشورنس سے جو منافع حاصل ہوتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بینک یا دیگر سودی اداروں کی طرف سے جو منافع ملتا ہے وہ (بطور سود) ہے جو ازروئے شرع حرام ہونے کی بناء پر واجب التصدق ہے اس لیے اس حاصل شدہ منافع پر کوئی زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر یہ سود اصل مال کے ساتھ خلط ہوا ہو اور غالب حصہ حلال مال کا ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہو گی، فقہی ذخائر میں اس کی نظیر یہ ہے کہ:۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ

---

[1] لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: لو کان الدّین علی مقر ملئ او معسر تجب الزکوٰۃ لامکان الوصول الیہ ۔ قال ابن الھمام تحت قولہ ...... ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھما ففیھا درھم۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

[2] لما قال الامام ابوالبرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

فتجب الزكوٰة فيه ويورث عنه لأن الخلط استهلاك اذا لم يمكن تمييزه عند ابي حنيفةؒ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۹ باب زكوٰة الغنم)

پیشگی کرایہ کی رقم میں زکوٰۃ مالک پر ہے نہ کہ کرایہ دار پر

سوال:۔ آجکل بازاروں میں ایک عجیب رواج چلا ہے کہ بڑی بڑی مارکیٹوں کے مالک دوکاندار (کرایہ دار) سے پیشگی کرایہ لیتے ہیں، اس خطیر رقم سے مالکِ دوکان ہر ماہ اپنا کرایہ منہا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی یعنی کون زکوٰۃ ادا کرے گا؟ مالکِ دوکان یا کرایہ دار؟

الجواب:۔ فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگی کرایہ لینے سے مالکِ دوکان اُس کرایہ کا مالک بن جاتا ہے، دوکاندار اُس سے مطالبہ نہیں کرسکتا، اس لیے اس مالیت کی زکوٰۃ بھی مالکِ دوکان ہی پر واجب ہے اور وہی ادا کرے گا، دوکاندار (کرایہ دار) پر واجب نہیں۔

لما قال الشيخ ابن الهمامؒ: واما زكوٰة الاجرة المعجلة عن سنين في الاجارة الطويلة التي يفعلها بعض الناس عقودًا ويشترطون الخيار ثلاثة ايام في رأس كل شهر فتجب على الآجر لانه ملكها بالقبض۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۱۲ كتاب الزكوٰة) [1]

زرِ ضمانت کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ آجکل انگریزی قانون کے مطابق کوئی بھی عدالت جب کسی مجرم کو آزاد کرتی ہے تو اس سے زرِ ضمانت (کچھ نقد رقم) وصول کرتی ہے جو کہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتی ہے، تو اس رقم کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کیلئے اہم شرط ملکیتِ تامہ ہے یعنی مالک مال کے رقبہ کا بھی مالک ہو اور اُس پر ہر وقت تصرف کرسکتا ہو یعنی اُس کے قبضہ میں ہو۔ یہاں زرِ ضمانت کی رقم اگرچہ اصلاً ضمانت جمع کرانے والے کی ملکیت ہے لیکن بطورِ ضمانت جمع کرنے کے بعد اُس

---

[1] قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: ذكر الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل في الاجارة الطويلة التي تعارفها اهل بخارى ان الزكوٰة في الاجرة المعجلة تجب على الآجر لانه ملكه قبل الفسخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۶ كتاب الزكوٰة)

کے تصرف اور قبضہ سے خارج ہو کر حکومت کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس میں ملکیتِ تامہ باقی نہ رہی اسلئے مالِ مرہونہ کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا فی مرهون بعد قبضه۔ قال ابن عابدینؒ: ای لا علی المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراهن لعدم الید واذا استرده الراهن لا یزکی عن السنین الماضیة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ) [1]

رہن (گروی) پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن (گروی) رکھے تو اس رہن کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں مالیت کا ملکِ تام ہونا ضروری ہے کہ وہ شخص اس مال کا کلی مالک ہو، چونکہ رہن میں راہن کا ملکِ تام نہیں ہے اس لیے کہ رہن اس کے ہاتھوں سے باہر ہے اور نہ مرتہن کو ملکِ تام حاصل ہے اس لیے کہ اس کو ملکِ رقبہ حاصل نہیں اسلئے رہن (گروی) کی مالیت کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں نہ راہن پر اور نہ مرتہن پر، تاہم جب رہن کسی ایک کا ہو جائے تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا فی مرهون بعد قبضه۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قوله ای لا علی المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراهن لعدم الید واذا استرده الراهن لا یزکی عن السنین الماضیة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: واطلق الملك فانصرف الی الکامل وهو المملوك رقبة ویدا ۔۔۔۔۔۔۔ ومن موانع الوجوب الرهن اذا کان فی ید المرتهن لعدم ملك الید۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: واطلق الملك فانصرف الی الکامل وهو المملوك رقبة ویدا ۔۔۔۔۔۔۔ ومن موانع الوجوب الرهن اذا کان فی ید المرتهن لعدم ملك الید۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

کمیٹی کی رقم سے زکوٰۃ

سوال:۔ آجکل کاروباری اور عام لوگوں میں یہ رواج ہے کہ چند آدمی جمع ہو کر آپس میں ماہانہ کے حساب سے کچھ پیسے مقرر کرتے ہیں اور وقت مقررہ کے بعد بذریعہ قرعہ اندازی وہ جملہ رقم ایک شخص کو دے دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر جمع کرتے ہیں پھر اسی طرح بذریعہ قرعہ اندازی دوسرے شخص کو رقم دی جاتی ہے، حتیٰ کہ سب ممبروں کو اتنی ہی رقم مل جاتی ہے، تو جس کو یہ رقم اولاً مل گئی ہو اور اس پر سال گذر جائے تو کیا اس شخص کو جملہ رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا دوسروں کا قرض الگ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی، مثلاً بیس ہزار روپے کی کمیٹی ہے اور جملہ ممبران کی تعداد دس ہے اور اس بیس ہزار میں سے دو ہزار اس شخص کے اپنے ہیں اور باقی دوسرے ممبروں کے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اولاً مال سے قرض منہا کیا جائے گا اور قرض منہا کرنے کے بعد جو بھی مال باقی بچے اسی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی باقی ماندہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اولاً جس شخص کو بیس ہزار کی رقم ملی ہے اس میں سے صرف دو ہزار کی زکوٰۃ دینی ہوگی باقی اٹھارہ ہزار کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔

لما فی الهندیة:۔ قال اصحابنا رحمهم الله تعالیٰ کل دین له مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکوٰة من جهة العبا دیمنع وجوب الزکوٰة سواء کان الدّین للعباد کالقرض وثمن البیع وضمان المتلفات وارش الجرحة، الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۳ کتاب الزکوٰة الباب الاول فی تفسیرها، الخ) [1]

افیون کے کاروبار پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص افیون کا کاروبار کرتا ہے تو کیا اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون سے چونکہ مہلک ترین نشہ آور چیز ہیروین تیار کی جاتی ہے اسوجہ سے متاخرین اہل علم نے افیون کی کاشت اور اسکے کاروبار سے منع کیا ہے لیکن دوسری طرف اس کا استعمال ادویات میں بھی ہوتا ہے۔ اور بذاتِ خود یہ مالِ متقوم بھی ہے اس لئے فی الجملہ اس کی خرید و فروخت کی جائے تو جائز ہے اور

---

[1] لما قال العلامه برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوٰة علیه۔ وقال الشافعی تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا انه مشغول بحاجته الاصلیة فاعتبر معدوماً۔۔۔ وان کان ماله اکثر من دینه زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الاصلیة۔
(الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۱۱۸ کتاب الزکوٰة)

اس سے حاصل شدہ مال پر زکوٰۃ واجب ہے

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وصح بیع غیر الخمر مما مر ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون۔
قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (وصح بیع الخمر) ای عندہ خلافاً لھما فی البیع والضمان لکن الفتوی علی قولہ فی البیع وعلی قولھما فی الضمان۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۶۵ کتاب الاشربہ) ؎۱

طویل المیعاد قرضوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بینکوں سے طویل مدت کیلئے قرضے لیتے ہیں، کیا ایسے قرضے وجوبِ زکوٰۃ سے اسی طرح مانع ہیں جس طرح کہ دوسرے قرضے مانع ہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاءِ کرام کی دو رائے ہیں لیکن قاعدہ اور ظاہر کے لحاظ سے جس کو متاخرین فقہاء نے راجح بھی قرار دیا ہے وہ یہ کہ ایسے قرضہ جات مانع زکوٰۃ نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ او مؤجلا) عزاہ فی المعراج الی شرح الطحاوی وقال عند ابی حنیفۃؒ لا یمنع وقال الصدر الشھید لا روایۃ فیہ ولکل من المنع وعدمہ وجہ زاد القہستانی عن الجوھر والصحیح غیر مانع

(رد المحتار ج۲ ص۲۶۱ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

میت کے ترکہ سے زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی آدمی (جس پر کہ زکوٰۃ فرض تھی) بغیر ادائیگی زکوٰۃ کے مرجائے تو کیا بعد الموت اس کے ترکہ

؎۱ لما قال الشیخ المفتی کفایت اللہ الدھلویؒ:۔ افیون، چرس، بھنگ، کوکین یہ تمام چیزیں پاک ہیں اور ان کا ادویات میں خارجی استعمال جائز ہے (البتہ) نشہ کی غرض سے ان کو استعمال کرنا ناجائز (اور حرام) ہے، مگر ان سب کی تجارت بوجہ فی الجملہ مباح الاستعمال ہونے کے مباح ہے۔
(کفایت المفتی جلد ۹ ص۱۱۵ چھٹا باب ماکولات ومشروبات)

؎۲ لما قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ:۔ مہر مؤجل جیسا کہ اب عموماً ہوتا ہے صحیح مذہب کے موافق مانع زکوٰۃ سے نہیں ہے، یعنی یہ دین مہر مؤجل روپیہ موجودہ سے وضع نہ کیا جاوے بلکہ تمام روپیہ سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۶ ص۴۶ پہلا باب، شرائط وصفت زکوٰۃ)

سے زکوٰۃ لی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے جب نیت کرے تب زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ چونکہ مرنے کے بعد انسان نیت کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لیے اُس کے ترکہ سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، تاہم اگر مرتے وقت کسی کو وصیت کر جائے کہ میرے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنا درست ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: لو مات من علیه الزکوٰة لا تؤخذ من ترکته لفقد شرط صحتها وهو النیة۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰة) ؎۱

حکومت کا زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص خود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو کیا حکومت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ زبردستی اس سے زکوٰۃ وصول کرے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکاری ہے یا اقرار کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو حاکمِ وقت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس شخص سے زبردستی زکوٰۃ وصول کر کے فقراء میں تقسیم کرے۔

لما قال الامام ابوجعفر الطحاویؒ: لو امتنع عن زکوٰة ماله فاخذها الامام کرها فوضعها فی اهلها اجزأت عنه۔ (مختصر الطحاوی ص۴۵ باب صدقة الغنم) ؎۲

؎۱ لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو مات فاداها وارثه جاز۔ قال ابن عابدینؒ فی الجوهرة: اذا مات من علیه زکوٰة او فطرة او کفارة او نذر لم تؤخذ من ترکته عندنا ...... وان اوصی تنفذ من الثلث۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۵۹ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۳۳ باب صدقة الفطر۔

؎۲ لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه اللہ: تحت قوله وشرط ادائها نیة مقارنة ...... ومن امتنع عن اداء زکوٰة ماله واخذها الامام کرهاً منه فوضعها فی اهلها اجزاءه لان للامام ولایة اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰة۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ صبی (نابالغ بچے) اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مکلّف ہو یعنی عاقل و بالغ ہو، اس لیے فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ مجنون میں شرط یہ ہے کہ وہ سال بھر مجنون رہتا ہو اور اس دوران اگر وہ کسی وقت بھی صحیح اور بالکل تندرست ہو جائے تو مالکِ نصاب ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنیؒ:۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی ومجنون اذا وجد منه الجنون فی السنة کلها۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۰ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زمرد، جواہرات اور دیگر قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس ہیرے، زمرد اور دیگر قیمتی پتھر موجود ہوں مگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو کیا اس شخص پر ان جواہرات کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تمام وہ قیمتی پتھر جو تجارت کی غرض سے اپنے پاس نہ رکھے ہوں ویسے شغلاً رکھے ہوں تو ان پتھروں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواهر الا ان تکون للتجارة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ قبیل باب السائمة) [2]

---

[1] لما قال العلامة اکمل الدین البابرتیؒ:۔ ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ خلافاً للشافعی.... ولو افاق (المجنون) فی بعض السنة فهو بمنزلة افاقته فی بعض الشهر فی الصوم یعنی اذا کان مفیقاً جزءً من السنة اولها وآخرها قل او کثر بعد ملك النصاب فلزمه الزکوٰۃ کما لو افاق فی جزء من شهر رمضان۔ (العنایة علی هامش فتح القدیر ج ۲ ص۱۱۵ تا ۱۱۷ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] وفی الهندیة: واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارة (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۱ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ الذهب۔

زیرِ مطالعہ کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بندہ ایک ہائی سکول میں اسلامیات کا اُستاد ہے، میرے پاس ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم کی کتابیں ہیں جو صرف مطالعہ کے لیے ہیں تجارت کے لیے نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کتابوں کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً زکوٰۃ اُس مال پر واجب ہوتی ہے جو حوائج اصلیہ سے زائد ہو اور بہ نیت تجارت رکھا ہو، مسئولہ صورت میں چونکہ کتب خانہ برائے مطالعہ ہے تجارت کے لیے نہیں اس لیے یہ حوائج اصلیہ میں داخل ہو کر اس کی مالیت پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال فی الهندیة: منها فراغ المال عن حاجته الاصلیة...... وکتب العلم ان کان من اهله وآلات المحترفین۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول فی تفسیرہ) [۱]

زکوٰۃ کی نیت کے بغیر فقراء اور مساکین میں رقم کی تقسیم زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کافی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کرے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ یہ شخص یہ عمل کئی سالوں سے کر رہا ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا مالِ زکوٰۃ کو الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت لازمی ہے، لہٰذا اگر بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کوئی شخص خطیر رقم بھی فقراء کو دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ یہ شخص گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دوبارہ ادا کرے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو کانت المقارنة حکماً..... ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ:۔ رجل له کتب العلم مایساوی مائتی درهم ان کانت مما یحتاج الیها فی الحفظ والدراسة والتصحیح لا یکون نصاباً وحل له اخذ الصدقة فقهاً کان او حدیثاً او ادباً۔ الخ

(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۴۲ الفصل السابع فی الکتب والعروض)

[۲] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیة مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادة فکان من شرطها النیة۔ (الہدایہ ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۴۱ کتاب الزکوٰۃ۔

حکومت کا اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ کاٹنا

سوال:۔ بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ کی کٹوتی میں حکومتی پالیسی یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقوم سے تو زکوٰۃ کاٹتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں کاٹتی، اور پھر اس رقم کو غریب عوام پر تقسیم کرتی ہے، جبکہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حکومتی زکوٰۃ سود ہے اور اس کو لینا جائز نہیں، تو کیا واقعی مذکورہ بالا طریقہ سے کاٹی گئی زکوٰۃ سود کے زمرے میں شمار ہوتی ہے؟

الجواب:۔ حکومتِ وقت شرعاً اس بات کی مجاز ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کرے چاہے وہ سیونگ اکاؤنٹ میں ہو یا کرنٹ اکاؤنٹ میں ہو، جب حکومت کو شرعاً یہ استحقاق حاصل ہے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعی زکوٰۃ ہے جس کا غریب عوام کے لیے لینا جائز ہے، البتہ حکومت کی یہ پالیسی غلط ہے کہ وہ سیونگ اکاؤنٹ سے تو زکوٰۃ لیتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں لیتی۔

(ذکر الامام محمد بن حسن الشیبانیؒ:۔ کان ابوبکر اذا اعطی الناس اعطیاتھم یسأل الرجل ھل عندک من مال قد وجبت فیہ الزکوٰۃ فان قال نعم اخذ من عطائہ زکوٰۃ ذٰلک المال وان قال لا سلّم الیہ عطاءہ قال محمدؒ وبھذا نأخذ وھو قول ابی حنیفۃؒ (مؤطا امام محمدؒ ص۱۷۰ باب الرجل یکون لہ الدین ھل علیہ فیہ زکوٰۃ) [1]

سفراء مدارس کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم سے حصہ لینا جائز نہیں

سوال:۔ بعض سفراء دینی مدارس کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں اور اس چندہ پر ایک مقررہ حصہ بطور کمیشن لیتے ہیں اور اس کے ساتھ دورانِ سفر اسی چندہ سے کھاتے پیتے بھی ہیں، کیا سفراء کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفیر چندہ دہندہ کا وکیل ہوتا ہے، تملیک سے قبل اس کے لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کی رقوم سے کھانا پینا اور اپنا مقررہ حصہ وصول کرنا جائز نہیں، اور نہ ان کو عاملینِ زکوٰۃ پر قیاس کرنا درست ہے۔

---

[1] عن عائشۃ بنت قدامۃ عن ابیھا انہ قال کنت اذا جئت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) اقبض عطائی سألنی ھل عندک من مال وجبت فیہ الزکوٰۃ قال فان قلت نعم اخذ من عطائی زکوٰۃ ذٰلک المال وان قلت لا دفع الیّ عطائی۔

(مؤطا امام مالک ص۲۷۲ الزکوٰۃ فی العین من الذھب والورق)

لما قال العلامة اکمل الدین البابرتی رحمہ اللہ :- العامل ھو الذی یبعثہ الامام لجبایۃ الصدقات۔ (العنایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۳ باب من یجوز دفع الزکوٰۃ۔الخ) لـه

سال گذر جانے کے بعد قرض مانع زکوٰۃ نہیں

سوال:- ایک شخص نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی جس کی بیع مکمل ہوچکی ہے لیکن مشتری نے ابھی تک بائع کو رقم ادا نہیں کی کہ مذکورہ رقم پر سال گذر گیا، تو کیا اس شخص پر ان پیسوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ رقم پر سال گذر جانے کے بعد زمین خریدی گئی ہو تو یہ قرض گذشتہ سال کی زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں بلکہ موصوف کو زکوٰۃ دینا پڑے گی اور اگر سال گذر جانے سے قبل زمین خریدی اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے قرض ہے تو یہ قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے، تاہم اگر موصوف کے پاس اس قرضہ کے علاوہ اور مال نصاب کو پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ لازم ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنھا ان لایکون علیہ دین مطالب بہ من جھۃ العباد عندنا فان کان فانہ یمنع وجوب الزکوٰۃ بقدرہ حالا کان او مؤجلا...... فاما اذا استحق بعد الحول لایسقط الزکوٰۃ لانہ دین حادث الخ۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۶ کتاب الزکوٰۃ۔فصل شرائط الفرضیۃ) ؎

؎ لما قال الشیخ عزیز الرحمٰنؒ: مد زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔ (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج ۱ (امداد المفتیین) ص ۳۶ باب مصارف الزکوٰۃ)

؎ قال العلامۃ الحصکفیؒ: فارغ عن دین لہ مطالب من جھۃ العباد سواء کان للہ کزکوٰۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ تحتہ۔ فلو کان لہ نصاب حال علیہ حولان ولم یزکہ فیھما لازکوٰۃ علیہ فی الحول الثانی وکذا لو استھلک النصاب بعد الحول ثم استفاد نصابا آخر وحال علیہ الحول لازکوٰۃ فی المستفاد لاشتغال خمسۃ منہ بدین المستھلک۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۰ کتاب الزکوٰۃ۔ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلۃ)

فوجی یونٹوں کے سرکاری فنڈز پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ فوج کی مختلف یونٹوں میں جوانوں کی فلاح وبہبود کے لیے فنڈز مختص ہوتے ہیں جن کو متعلقہ افیسر صاحبان یونٹوں کے اندر رفاہی کاموں پر خرچ کرتے ہیں، تو کیا ان فنڈز پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ بظاہر یہ فنڈز کسی بھی یونٹ کی ملکیت نہیں بلکہ صرف استعمال کے لیے دیئے جاتے ہیں، اس لیے فوجی یونٹوں کے ذمہ ان فنڈز کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

لما فی الهندية: ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكوٰة ۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة ۔ الباب الاول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها) [1]

نصاب سے کم سونے کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کے پاس چار تولے سونے کے زیورات اور ایک ہزار روپے نقد ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز اس کی ملک میں نہیں ہے، کیا سال گذرنے کے بعد اس عورت پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کسی کے پاس چار تولے سونا اور ایک ہزار روپے نقد ہوں تو دونوں کو ملاکر ان کی قیمت اگر ۵۲/۱/۲ تولے چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما فی الهندية: ولو ضم احد النصابين الى الأخرحتى يؤدى كله من الذهب او من الفضة لا بأس به لكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفی رحمه الله: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی ۔ قال ابن عابدينؒ. فقد ذكر فی البدائع من الشروط الملك المطلق قال وهو الملك يداً ورقبة ۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۴ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلّة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة ۔

للفقراء قدراً او رواجاً والا فليؤدي من كل واحد ربع عشرة، كذا في محيط السرخسي۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۹ الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض فصل اول) [۱]

عید کے موقع پر زکوٰۃ بطور عیدی دینا

سوال:- کیا عید کے موقع پر زکوٰۃ عیدی کے طور پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے ایک صاحب سے سُنا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

الجواب:- زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، اس لیے اگر عیدی دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ ہو بلکہ صرف عیدی کی نیت ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی تاہم اگر مال دیتے وقت یا اس کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: دفع الزكوٰة الى صبيان اقاربه برسم عيد او الى مبشر او مهدى الباكورة جاز۔ وقال ابن عابدينؒ: قوله الى صبيان اقاربه اى العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولى الصغير۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۸۷ باب المصرف، كتاب الزكوٰة) [۲]

شوہر کے مقروض ہونے کی صورت میں بیوی سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی کے پاس چودہ تولے سونا زیورات کی صورت میں موجود ہے جو اس کی ذاتی ملکیت ہے جبکہ زید اتنا مقروض ہے کہ اس کا قرضہ

---

[۱] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعاً وجعلاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲ باب زكوٰة المال)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۲۳۰ باب زكوٰة المال۔

[۲] قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله: ونوى الزكوٰة فيما يدفعه الى صبيان اقاربه عيديا او لمن يهدى اليه الباكورة او يبشره بقدوم صديقه .... يجوز۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۸۶ الباب الثاني في المصرف)
وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع في المصارف۔

زیورات کی قیمت سے زیادہ ہے، تو اس صورت میں زید کی بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سونے کے زیورات چونکہ زید کی بیوی کی ملکیت ہیں لہٰذا بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے شوہر کے قرضے کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی..... نام الخ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

اسلحہ میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ زید کے پاس ایک پستول ...۳۰ ہزار روپے کا اور ایک کلاشنکوف ۲۵ ہزار روپے کی ہے، اس کے علاوہ زید کے پاس اور کچھ نہیں ہے، تو کیا زید پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پستول اور کلاشنکوف اگر اپنی حفاظت کے لیے ہو اور اس کے علاوہ زید کے پاس اور کوئی مال موجب زکوٰۃ وقربانی نہ ہو تو زید پر زکوٰۃ وقربانی واجب نہیں تاہم تجارت کی صورت میں دونوں واجب ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفارغ عن حاجته الاصلیة۔ قال ابن عابدینؒ: وهی مایدفع الهلاك عن الانسان تحقیقاً کالنفقة ودور السکنی وآلات الحرب والثیاب...... ان المراد به نفس الحوائج فانه قال ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل......... وسلاح الاستعمال الخ۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملکاً تاماً وحال علیه الحول الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۶۷ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی بیان تفسیرها الخ

[۲] قال العلامة المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ لانها مشغولة بالحاجة الاصلیة ولیست بنامیة ایضاً۔ (الهدایة ج۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها الخ۔

زکوٰۃ لینے والے کو بتائے بغیر زکوٰۃ دینا

سوال :- کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت فقیر کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے یا یہ بتائے بغیر بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ؟

الجواب :- زکوٰۃ ادا کرتے وقت صرف زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے فقیر کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای اشار الیٰ انہ لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماہا ہبۃ او قرضا تجزیہ فی الاصح والیٰ انہ لو نوی الزکوٰۃ والتطوع وقع عنہا عند الثانی لان نیۃ الفرض اقوی۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۱۱ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

افغان مہاجرین کو ملنے والی امداد میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- افغان مہاجرین بعض اسلامی اور یورپی ممالک میں سیاسی پناہ لیتے ہیں اور وہاں انہیں بطور امداد ماہوار اچھی خاصی رقم بھی ملتی ہے، تو کیا ان کیلئے اس امدادی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر یہ امداد افغان مہاجرین کو بصورتِ تملیک دی جاتی ہو جو نصابِ شرعی کے برابر ہو تو سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ دینا ضروری ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وسببہ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد ...... وفارغ عن حاجتہ الاصلیۃ نام ولو تقدیرًا۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۷ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال المرغینانیؒ : ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادۃ فکان من شرطہا النیۃ والاصل فیہا الاقتران الا ان الدفع یتفرق فاکتفی بوجودہا حالۃ العزل تیسیرًا کتقدیم النیۃ فی الصوم۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ ۔ الباب الاوّل۔

[۲] قال المرغینانیؒ : الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابًا ملکًا تامًا وحال علیہ الحول۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۶۷ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاوّل فی تفسیرہا وصفتہا وشرائطہا۔

فارمی مرغیوں اور ان کی پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- آجکل پولٹری فارموں میں مرغیاں چوزوں کی پیداوار کے لیے پالی جاتی ہیں جو تقریباً چھ ماہ بعد انڈے دینے لگتی ہیں جن سے مخصوص مشینوں کے ذریعے چوزے پیدا کیے جاتے ہیں، انڈوں کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک جاری رہتا ہے اس کے بعد جب یہ مرغیاں انڈے دینا کم کر دیتی ہیں تو انہیں بھی بیچ دیا جاتا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مرغیوں اور پیداوار دونوں سے دینا ہوگی یا صرف پیداوار سے ؟

الجواب :- جب مرغیاں اور انڈے وغیرہ فروخت کر دیئے جائیں تو جملہ سرمایہ میں حسب قاعدہ شرعی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال الحصکفیؒ : وشرطه حولان الحول..... وثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینهما للتجارة باصل الخلقة..... اونیة التجارة فی العروض۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۰ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

فلور ملز اور ویگن سٹیشن میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- زید ایک سے زیادہ ویگن سٹینڈ کا مالک ہے اور ان کو ٹیکسی کے طور پر چلاتا ہے، اسی طرح ایک فلور ملز کا بھی مالک ہے، تو کیا ان دونوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟

الجواب :- نقدین (دراہم و دنانیر) کے علاوہ جو بھی چیز تجارت کی نیت سے خریدی گئی ہو کہ اس کو نفع پر بیچوں گا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ چونکہ فلور ملز اور ویگن سٹینڈ کرایہ پر چلانے کے لیے خریدی گئی ہے لہٰذا ان کی ذات میں زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کے اس منافع میں زکوٰۃ واجب ہے جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ : الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت (ای من ای جنس کانت) اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق او الذهب۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۷۷ باب زکوٰۃ المال)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض۔

پورا سال گذر جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: قید بکون العروض للتجارة لانها لو کانت للغلة فلا زکوٰة فیها لانها لیست للمبایعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰة المال) [1]

خالی سلنڈر اور مائع گیس میں زکوٰة کا مسئلہ

سوال:۔ میں نے مائع گیس کی ایجنسی سے پندرہ سو روپے فی سلنڈر کے حساب سے دس سلنڈر خریدے ہیں، اب یہ سلنڈر میری ملکیت بن گئے ہیں، چونکہ میں مائع گیس کا کاروبار کرتا ہوں اس لیے جب یہ سلنڈر (یعنی گیس کے برتن) خالی ہوجاتے ہیں تو ایجنسی والوں کو اپنے خالی سلنڈر دے کر ان سے بھرے ہوئے سلنڈر لے لیتا ہوں اور فی سلنڈر مائع گیس کے سو روپے ادا کر دیتا ہوں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے زکوٰة ان سلنڈروں اور گیس دونوں کے حساب سے دینی ہوگی یا مائع گیس کی زکوٰة دینی ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں خالی سلنڈروں میں کوئی زکوٰة نہیں ہے کیونکہ ان کا صرف تبادلہ ہوتا ہے اور یہ تجارتی مال میں شامل متصور نہیں ہوتے اس لیے ان کو دوسرے آلاتِ حرفت پر محمول کیا جائے گا اور زکوٰة صرف گیس میں دینی ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وکذلک آلات المحترفین ای سواء کانت مما تستهلک عینه فی الانتفاع کالقدوم والمبرد او تستهلک...... قال وقوارير العطارين ولجم الخيل والحمير المشتراة...... ان کان من غرض المشتری بیعها بها ففیها الزکوٰة والا فلا۔ (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۲ ص۷ کتاب الزکوٰة) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ویشترط ان یمکن من الاستنماء بکون المال فی یده او ید نائبه فان لم یتمکن من الاستنماء فلا زکوٰة علیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۴ ومنها کون النصاب نامیا)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷ کتاب الزکوٰة۔

[2] وفی الهندیة: وآلات المحترفین کذا فی السراج لوهاج هذا فی الآلات التی ینتفع بنفسها ولایبقی اثرها فی المعمول...... وان لم یبق لذلک العین اثر فی المعمول کالصابون والحرض لا زکوٰة فیه کذا فی الکفایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰة ومنها فراغ المال)

ومثله فی البزازیة ج۴ ص۸۴ کتاب الزکوٰة۔

زکوٰۃ میں قیمتِ فروخت کا اعتبار ہے

سوال:۔ آجکل بازار میں عموماً دو قسم کے نرخ ہوتے ہیں (۱) ھتوک (۲) پرچون۔ ھتوک کے نرخ میں مال کی قیمت کم ہوتی ہے اور پرچون کے نرخ میں عموماً زیادہ ہوتی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کس نرخ کے حساب سے ادا کی جائے گی؟

الجواب:۔ دوکاندار جس نرخ پر بھی سامان فروخت کرتا ہو اُسی نرخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وتعتبر القیمة یوم الوجوب۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۲ باب زکوٰۃ الغنم) [۱]

زیورات کے موتیوں کا وزن نصاب میں شامل نہیں

سوال:۔ سونے کے زیورات میں جو نگ اور موتی لگے ہوتے ہیں زکوٰۃ دیتے وقت ان کے وزن کو بھی شامل نصاب کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ سونے کے زیورات کی زکوٰۃ کو بغیر نگ و موتیوں کے ادا کیا جائے گا یعنی ان کا وزن سونے کے وزن میں شمار نہیں ہوگا تاہم اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان کی مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

وفی الھندیة: (وا)ما الیواقیت واللآلی والجواھر فلا زکوٰۃ فیھا وان کانت حلیا الا ان تکون للتجارة۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض) [۲]

مکان کے لیے زمین خرید کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید نے تین سال پہلے مکان بنانے کے لیے ایک پلاٹ خریدا جس کی قیمت ۲ لاکھ روپے ہے تو اب اس پلاٹ پر

---

[۱] وفی الھندیة: وان ادی القیمة تعتبر قیمتھا یوم الوجوب لان الواجب احدھما۔

(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم۔

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواھر وان ساوت الفا اتفاقاً الا ان تکون للتجارة۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۱۵ کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور اگر زید اسے فروخت کردے تو پھر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وہ قطعہ زمین جو صرف مکان بنانے کے لیے خرید اگیا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ فروخت کردینے کی صورت میں جب اس کی قیمت نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وكذا الكتب وان لم تكن لاهلها اذا لم تنو للتجارة، وقال ابن عابدينؒ واثاث المنزل الخ محترز قوله نامٍ ولو تقديرًا وقوله ونحوها اى كثياب البدن لغير المحتاج اليها وكالحوانيت والعقارات۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۸ كتاب الزكوٰة) [1]

خالص حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس خالص حرام کا مال ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی کے پاس جمع شدہ مال خالص حرام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے کہ مالک معلوم ہونے کی صورت میں مال کا واپس کرنا واجب ہے اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں مال خبیث ہے جو واجب التصدق ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (قوله لو كان الكل خبيثًا) فى القنية لو كان الخبيث نصابًا لا يلزمه الزكوٰة لان الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۵ باب زكوٰة الغنم) [2]

---

[1] قال العلامة المرغينانيؒ: وليس فى دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة الخ لانها مشغولة بالحاجة الاصلية وليست بنامية۔ (الهداية ج ۱ ص۱۶۹ كتاب الزكوٰة)

ومثلهٗ فى الهندية ج ۱ ص۱۷۲ الباب الاول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها۔

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ: ولو بلغ المال الخبيث نصابًا لا يجب فيه الزكوٰة لان الكل واجب التصدق۔ (فتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص۸۶ الباب الثانى فى المصرف)

ومثلهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۶ باب الركاز۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :- اگر کسی شخص کے پاس کچھ رقم پاکستانی کرنسی میں ہو اور کچھ رقم افغانی کرنسی میں ہو تو کیا ان دونوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا کسی ایک قسم کی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی ؟

الجواب :- روپیہ اور سکہ افغانی ہو یا پاکستانی اس میں نصاب زکوٰۃ ۵۲/۱/۲ تولے چاندی یا ۷/۱/۲ تولے سونا کی قیمت ہے، اسی طرح دونوں ملکوں کی کرنسی نوٹوں کی قیمت جب اس نصاب کو پہنچے تو جتنا مال ہو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : وفی عرض تجارۃ قیمۃ نصاب ـــــ من ذھب اوورق ـــــ مقومًا باحدھما ـــــ ولو بلغ باحدھما نصابًا وخمسًا وبالآخر اقل قومہ بالانفع للفقیر۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۳۱ باب زکوٰۃ المال) [۱]

زیورات میں زکوٰۃ ہر سال واجب ہے

سوال :- کیا زیورات میں ہر سال زکوٰۃ دینا پڑے گی یا عمر بھر میں ایک ہی بار ادا کرنا کافی ہے، ہمارے یہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ اگر ہر سال زیورات سے زکوٰۃ دی جائے تو وہ جلد ہی اصل زر کھو بیٹھے گا، شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں ؟

الجواب :- وجوبِ زکوٰۃ کا سبب نصاب پر سال کا گذر جانا ہے، جب سونے یا چاندی کے نصاب رہا ہے وہ زیورات کی شکل میں ہو یا اپنی اصلی صورت میں) پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اگر دوسرے سال نصابِ زکوٰۃ

---

[۱] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ : الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتھا نصابًا من الورق او الذھب ـــــ یقومھا بما ھو انفع للمساکین ـــــ قال وتضم قیمۃ العروض الی الذھب والفضۃ حتّٰی یتم النصاب ـــــ ویضم الذھب الی الفضۃ۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۱۷۷، ۱۷۸ باب زکوٰۃ المال)

وَمِثْلُہٗ فی نور الایضاح للشرنبلالیؒ ص۱۵۶ کتاب الزکوٰۃ۔

۲ ۱/۲ تولے سونے اور ۵۲ ۱/۲ تولے چاندی سے کم رہ جائے تو اس سال کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن اگر ہر سال نصاب پورا ہو تو ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرطہ ای شرط افتراض ادائہا حولان الحول وھو فی ملکہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص۱ کتاب الزکوٰۃ) لہ

نفع پر موقوف تجارت کی نیت زکوٰۃ کے لیے عملی تجارت کی محتاج ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عدد فلائنگ کوچ چار لاکھ پچاس ہزار روپے میں اس نیت سے خریدی کہ اگر کہیں سے منافع ملا تو میں اس کو فروخت کر دوں گا، پھر اُس نے فلائنگ کوچ کو دو سال مزدوری پر چلایا، تو کیا اب ذات فلائنگ کوچ میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی چیز کو خریدتے وقت اگر یہ نیت کی گئی ہو کہ اگر منافع ملا تو اسے فروخت کر دوں گا، بعد میں اس چیز کو ذاتی فائدے مثلاً مزدوری کے لیے استعمال کیا تو وہ چیز اس وقت تک تجارت کی شمار نہ ہوگی جب تک عملاً اس میں تجارت جاری نہ ہو جائے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ذات فلائنگ کوچ کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: عن محمدؒ فی رجل اشتریٰ عبدًا للخدمۃ وھو ینوی ان اصاب ربحًا یبیعہ لا زکوٰۃ فیہ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۴۰ کتاب الزکوٰۃ) ۲ہ

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: اما الاول فنقول لا خلاف فی ان اصل النصاب وھو النصاب الموجود فی اول الحول یشترط لہ الحول لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۳ فصل واما الشرائط التی ترجع)

ومثلہ فی الہدایۃ ج ۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

۲ہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا یبقی للتجارۃ ما ای عبد مثلاً۔ قال ابن عابدینؒ: واشار بقولہ مثلاً الی ان العبد غیر قید لکن الاولیٰ ان یقول بعد فنوی استعمالہ لیعم مثل الثوب والدابۃ۔ قال الحصکفیؒ اشتراہ لہا فنوی بعد ذلک خدمتہ ثم ما نواہ للخدمۃ لا یصیر للتجارۃ وان نواہ لہا ما لم یبیعہ الخ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص۱۳ قبیل باب السائمۃ)

ومثلہ فی البدائع الصنائع ج ۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل واما الشرائط۔

زکوٰۃ کی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

سوال:- یہاں ہمارے علاقے میں ایک شخص کہتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، کیا اس کی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ کی مقادیر منصوص ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، مثلاً دوسو روپے میں پانچ روپے اور سو روپے میں اڑھائی روپے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عن مائۃ شیٔ فاذا بلغت مائتین ففیہا خمسۃ دراھم۔

(جامع الترمذی ج ۱ ص۷۹ باب ما جاء فی زکوٰۃ الذھب والورق) [1]

صدقہ زکوٰۃ کی مد میں شمار نہیں ہوگا

سوال:- ایک شخص کے پاس کچھ نقد رقم تھی جس میں سے چار سو روپے اُس نے صدقہ میں دے دیئے، کیا از روئے شرع صدقہ کئے ہوئے چار سو روپے زکوٰۃ کی مد میں شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- جو رقم صدقہ میں دے دی گئی ہو اس سے فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ دینا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: فاذا نوی ان یؤدی الزکوٰۃ ولم یعزل شیئاً فجعل یتصدق

---

[1] عن ابی سعید ن الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی ما دون خمس ذود صدقۃ من الابل ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ ولیس فی ما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص۱۹۴ باب زکوٰۃ الورق)

وعن انسٍ ان ابا بکر کتب لہٗ ھٰذا الکتاب۔۔۔ وفی الرقۃ ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیہا شیٔ الا ان یشاء ربہا۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص۱۹۶ باب زکوٰۃ الغنم)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۱۶۷ باب زکوٰۃ المال۔

شيئاً فشيئاً الى اٰخر السنة ولم تحضره النية لم يجز عن الزكوٰة ۔
(الفتاوٰى الهندية ج۲ ص۱۷۱ كتاب الزكوٰة) [1]

نقد رقم کی بجائے دوسری اشیاء زکوٰۃ میں دینا

سوال:۔ ایک شخص کی زکوٰۃ ستو روپے بنتی ہے لیکن وہ زکوٰۃ میں نقد رقم کے بدلے میں اس کے برابر کوئی اور چیز ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں غرباء کی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو چیز ان کے لیے مناسب ہو وہ انہیں دینا زیادہ مناسب ہے، تاہم اگر اس کے بدلے میں غیر ضروری چیز بھی دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔

قال العلامة ابن عابدينؒ : اما اذا ادّى من خلاف جنسه فالقيمة معتبرة اتفاقاً ۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۲۲ باب زكوٰة الغنم) [2]

پینے کا پانی زکوٰۃ میں دینا

سوال:۔ بعض علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے یا سفر وغیرہ میں پانی کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اگر کسی پیاسے یا مسافر کو پانی کی سخت ضرورت ہو تو کیا اسے زکوٰۃ میں پانی دینے سے

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله : وانّما تشترط النية لدفع المزاحم فلمّا...... كما اذا دفع بلا نية ثم حضرته النية والمال قائم فى يد الفقير فانه يجزئه وهو بخلاف ما اذا نوى بعد هلاكه ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۱۲ كتاب الزكوٰة ۔

[2] قال العلامة الكاسانى رحمه الله : واما الذى يرجع الى المؤدى فمنها ان يكون مالاً متقوماً على الاطلاق سواء كان منصوصاً عليه اولا من جنس المال الذى وجبت فيه الزكوٰة اومن غير جنسه ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۴۱، فصل واما الذى يرجع الى المؤدى)

وَمِثْلُهٗ فى نور الايضاح للشرنبلالىؒ ص۱۵۸ كتاب الزكوٰة ۔

زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر ان علاقوں میں پانی قیمتاً فروخت کرنے کا رواج ہو اور عموماً پانی کی وہاں خرید و فروخت ہوتی ہو تو اگر پیاسا اور مسافر آدمی فقیر اور مصرفِ زکوٰۃ ہو تو اُسے زکوٰۃ میں پانی دیا جاسکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اما اذا ادّی من خلاف جنسہ فالقیمۃ معتبرۃ اتفاقاً۔ (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۲۲ باب زکوٰۃ الغنم) [1]

زکوٰۃ کی رقم قسطوں میں ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ کے ایک ہزار روپے میں سے ۸۲۰ روپے مستحقین میں بانٹ دیتا ہے اور باقی ۱۸۰ روپے کسی مستحقِ زکوٰۃ غریب طالب علم کو ایک سال کے لیے ۱۵ روپے ماہوار کے حساب سے دینا چاہتا ہے، تو کیا رقم ماہانہ قسطوں میں دینے سے زکوٰۃ شمار ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔ کسی غریب اور مستحق طالب علم کو ماہانہ اقساط کے حساب سے زکوٰۃ دینا اگرچہ جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی تاہم بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ یکمشت ادا کی جائے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وافتراضھا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتوٰی کما فی شرح الوھبانیۃ فیأثم بتاخیرھا بلاعذر۔ وقال ابن عابدینؒ وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع ... اذا لم

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : واما الذی یرجع الی المؤدی فمنھا ان یکون مالاً متقوماً علی الاطلاق سواء کان منصوصاً علیہ اولا من جنس المال الذی وجبت فیہ الزکوٰۃ او من غیر جنسہ والاصل ان کل مالٍ یجوز التصدق بہ تطوعاً یجوز اداء الزکوٰۃ منہ وما لا فلا ۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۴۱ فصل واما الذی یرجع الی المؤدّی)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ والعروض۔ الفصل الاول ۔

یئودحتی مضی حولان فقد اساء واثم ۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۱۳ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

قرضہ وصولی کی اقساط شروع ہونے سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی گاڑی ۹۴ ہزار روپے ماہوار اقساط پر فروخت کی جبکہ معاہدہ کے مطابق اقساط چار سال بعد شروع ہوں گی، توکیا ان چار سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوں گی یا جب قسطوں کی وصولی شروع ہو جائے تو اس وقت کا اعتبار ہوگا؟

الجواب:۔ زکوٰۃ جس طرح نقد مالیت پر واجب ہوتی ہے اسی طرح دین قوی پر بھی لازم ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں گاڑی فروخت کرنے کے بعد جب سال گذر جائے تو جملہ رقم پر زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گی چاہے اقساط شروع ہو چکی ہوں یا نہ ۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ، اذا عجل زکوٰۃ سنین یجوز عند علمائنا الثلاثۃ خلافاً لزفر۔ وفی شرح الطحاوی، انما یجوز التعجیل بشرائط ثلاثۃ ۔ احدھا ان یکون الحول منعقدا وقت التعجیل، والثانی ان یکون النصاب کاملا فی التی عجل عنہ فی آخر الحول، والثالث ان لا یفوت اصلہ فیما بین ذٰلک ۔

(تاتارخانیۃ ج۲ ص۲۵۳ باب التعجیل الزکوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ : ثم قیل ھی واجبۃ علی الفور لانہ مقتضی مطلق الامر وقیل علی التراخی لان جمیع العمر وقت الاداء ولھذا لا یضمن بھلاک النصاب بعد التفریط ۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرھا وصفتھا وشرائطھا ۔

؎۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ، ولو عجل ذو نصاب زکوٰتہ لسنین او لنصب صح لوجود السبب ۔ قال ابن عابدینؒ، بان کان لہ ثلثمائۃ درھم دفع منھا مائۃ درھم عن المائتین عشرین سنۃ ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۷ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی قاضیخان ج۱ ص۱۲۷ فصل فی تعجیل الزکوٰۃ ۔

گاڑی حوائج اصلیہ میں داخل ہے

سوال:۔ ایک شخص کے پاس دس لاکھ کی گاڑی ہے تو کیا یہ شخص زکوٰۃ دیتے وقت اس گاڑی کی قیمت لگا کر اس کی بھی زکوٰۃ دے گا یا گاڑی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ مال جو آدمی کے حوائج اصلیہ میں داخل ہو چاہے وہ کتنا ہی قیمتی ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لیے موصوف صرف زائد از حوائج اصلیہ مال کی زکوٰۃ دے گا، گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة لانها مشغولة بحاجته الاصلیة ولیست بنامیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰة) [۱]

سامانِ تجارت میں اندازہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:۔ میری بہت بڑی دوکان ہے جس میں ہزاروں اشیاء موجود ہیں تو اگر میں اندازہ لگا کر ان کی زکوٰۃ ادا کروں تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تجارت کے جملہ سامان پر جب سال گذر جائے تو اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینا لازمی ہے، بہتر یہ ہے کہ جملہ اشیاء کو گن کر ان کی قیمت لگائی جائے البتہ اگر شمار کیے بغیر اندازہ سے زکوٰۃ ادا کرنی ہو تو اندازہ زیادہ لگانا چاہیے تاکہ زکوٰۃ مالِ تجارت کی قیمت سے کم ادا نہ ہو۔

لما فی الهندیة: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۷۹ كتاب الزكوٰة، الباب الثانی) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة لانها مشغولة بالحاجة الاصلیة۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۶۶ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۷۵۳ كتاب الزكوٰة قبل شروط صحة اداء الزكوٰة۔

[۲] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم۔

(الهدایة ج ۱ ص۱۷۷ باب زکوٰة المال، فصل فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص۱۴۰ پانچواں باب (سامانِ تجارت کی زکوٰۃ)

قرض پر زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہے؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے بیس ہزار روپے ایک شخص پر قرض ہیں لیکن وہ اس سے منکر ہے اور میرے پاس کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں اور نہ میرے پاس کوئی گواہ ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا میرے ذمہ اس قرض کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دَین (قرض) کی وصولی کا ظاہری طور پر کوئی امکان نہ ہو تو یہ مالِ ضمار میں داخل ہے چونکہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر اُس قرضہ پر زکوٰۃ واجب ہے جو دَینِ قوی یا متوسط ہو، یعنی دائن کے پاس گواہ یا تحریری ثبوت ہو یا پھر مدیون (قرضدار) قرضہ کا اقرار کرتا ہو مگر ساتھ ہی دائن یعنی قرض دہندہ قرض کی وصولی پر قادر بھی ہو تب زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ بصورتِ دیگر یہ قرضہ مالِ ضمار کے حکم میں ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ودَین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینة علیه۔ قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ولا بینة علیه) بل ولو کان علیه بینة علی الصحیح۔
(الطحطاوی حاشیه الدر المختار ج ۱ ص ۳۹۳ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

صاحبِ نصاب نے زکوٰۃ ادا نہ کی اور پھر وہ مال مکان کی تعمیر میں خرچ کرنے کے باوجود زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی

سوال:۔ اگر کسی کے پاس مالِ نصاب سے بھی زیادہ ہو اور سال گذر جانے کے باوجود ابھی تک اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور پھر وہ سارا مال اس نے مکان کی تعمیر میں خرچ کر دیا ہو تو کیا اس شخص کے ذمے زکوٰۃ باقی ہے یا کہ ساقط ہو جائے گی؟

---

[۱] لما قال العلامه ابن نجیم المصریؒ:۔ وعن محمدؒ لا تجب الزکوٰۃ وان کان له بینة لان البینة قد لا تقبل والقاضی قد لا یعدل وقد لا یظفر بالخصومة بین یدیه لمانع فیکون فی حکم الهالك وصححه فی التحفة۔ کذا فی غایة البیان وصححه فی الخانیة ایضاً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ۔

الجواب: جب نصاب پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی لیکن اگر کسی شخص نے ابھی تک زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور سارا مال مکان کی تعمیر یا اور کسی ضرورت میں خرچ کیا تو اس کے ذمے زکوٰۃ دینا باقی ہے، مال کو اس طرح خرچ کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ البتہ اگر مال ہلاک یا تباہ ہو جائے جس میں مزکی کا ہاتھ نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط ہے۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: زکوٰۃ ذمہ پر ہے، خزانۃ الروایات میں عتابیہ سے منقول ہے: اذا هلك النصاب بعد الحول تسقط الزكوٰة عنه وان استهلكه ضمن الزكوٰة فی ذمته والاستهلاك اخراج النصاب عن ملكه۔ (مجموعۃ الفتاویٰ رفادی ج۲ ص۳۰۲ کتاب الزکوٰۃ)[1]

قرضہ کی وصولی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ

سوال: ایک بدمعاش پر میرا کچھ قرضہ ہے تحریری ثبوت کے باوجود وہ میرا قرضہ نہیں دیتا اور نہ میں اس کی وصولی پر قادر ہوں، تو کیا مجھ پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص کمزوری کی وجہ سے کسی بدمعاش قسم کے شخص سے اپنا قرضہ وصول نہیں کر سکتا ہو تو راجح یہ ہے کہ اس شخص پر اس قرضہ کی زکوٰۃ واجب نہیں تاہم جتنا وصول ہو جائے تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کرے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قلت وقد قدمنا اول الزكوٰة اختلاف التصحيح فيه ومال الرحمتی الی هذا وقال بل فی زماننا يقر المديون بالدين وبملائة ولا يقدر الدائن على تخليصه منه فهو منه بمنزلة العدم۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۹ کتاب الزکوٰۃ)[2]

حولانِ حول کے بعد شک گذرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

سوال: کسی آدمی کو سال گذر جانے کے بعد شک ہوا کہ آیا میں نے

---

[1] قال العلامة ابو البركات النسفیؒ: ولا الهالك بعد الوجوب۔ قال العلامة ابن نجیمؒ: تحته..... وقيد بالهلاك لانه لو استهلكه بعد الحول لا تسقط عنه لوجود التعدی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۹،۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الغنم)

وَمِثْلُهُ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۴ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی الغنم۔

[2] لما قال العلامة الحصكفیؒ: ودين كان جحده المديون سنين ولا بينة عليه قال العلامة السيد الطحطاویؒ تحت (قوله ولا بينة عليه) بل ولو كان عليه بينة علی الصحيح۔ (الطحطاوی حاشیہ الدر المختار ج۱ ص۳۹۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۳۳ کتاب الزکوٰۃ۔

ادا کی ہے یا نہیں تو اب اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اگر کسی کو شک پڑ جائے کہ آیا اس نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں تو چونکہ زکوٰۃ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بخلاف صلوٰۃ کے اسلئے زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم: وفی الواقعات ولو شك رجل فی زکوٰۃ فلم یدرا زکی ام لا فانہ یعید فرق بین ھذا وبین ما اذا شك فی الصلوٰۃ بعد ذھاب الوقت اصلاھا ام لا والفرق ان العمر کلہ وقت لاداء الزکوٰۃ فصار ھذا بمنزلۃ شك وقع فی اداء الصلوٰۃ انہ ادی ام لا وھو فی وقتہا ولو کان کذلك یعید۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

کیا ٹیکس زکوٰۃ کا متبادل ہو سکتا ہے

سوال:۔ حکومت جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے کیا اس ٹیکس کی وصولی سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامیہ میں زکوٰۃ ایک عبادت ہے جس کے لیے شرعاً حدود و مقادیر وغیرہ مقرر ہیں، بخلاف حکومتی ٹیکس کے کہ اس میں نہ مقدارِ مال مقرر ہے اور نہ یہ عبادت سمجھ کر لیا جاتا ہے اور نہ اس میں اسلام، بلوغ وعقل شرط ہے بلکہ یہ حکومت اُس فائدہ کا عوض لیتی ہے جو عوام الناس کو ریاست سے ملتا ہے اور نہ اس کے مصارف وہ ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، لہٰذا ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے موجودہ ٹیکس کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ مستقل زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملکاً تاماً وحال علیہ الحول اما الوجوب فلقولہ تعالیٰ واٰتوا الزکوٰۃ ولقولہ علیہ السلام ادوا زکوٰۃ اموالکم وعلیہ اجماع الأمۃ۔

(الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] وفی الہندیۃ: ولو شك رجل فی الزکوٰۃ فلم یدر أزکی او لم یزك فانہ یعیدھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۱ مسائل شتّٰی)

ومثلہٗ فی الفتاویٰ السراجیۃ ص۲۶ باب نیۃ الزکوٰۃ وکیفیۃ الاداء۔

[۲] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: قولہ وشرط وجوبہا العقل والبلوغ والاسلام والحریۃ ای شرط افتراضہا لانہا فریضۃ محکمۃ قطعیۃ اجمع العلماء علی تکفیر جاحدھا الخ۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۲ ص۷۳۸ کتاب الزکوٰۃ، شروط وجوب الزکوٰۃ۔

کپڑوں پر سونے یا چاندی کی کڑھائی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ زنانہ کپڑوں پر سونے یا چاندی کے دھاگوں سے کڑھائی کرلیتے ہیں تو کیا سال گذر جانے کے بعد اس کڑھائی کی زکوٰۃ دینا بھی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کڑھائی کے لیے اگر خالص سونے یا چاندی کے دھاگے استعمال کیے جائیں تو اس صورت میں سال گذرنے کے بعد حساب کرکے زکوٰۃ دینا لازم ہے البتہ اگر دھاگے خالص سونے یا چاندی کے نہ ہوں بلکہ ان دھاگوں کو صرف سونے یا چاندی کا پانی دیا گیا ہو تو صرف سونے چاندی کا رنگ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: لا یعتبر فی ھذا النصاب صفۃ زائدۃ علی کونہ فضۃ فتجب الزکوٰۃ فیھا سواء کانت دراھم مضروبۃ او نقرۃ او تبرا او حلیا مصوغا او حلیۃ سیف او منطقۃ او اللجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص عند الاذابۃ اذا بلغت مائتی درھم وسواء کان یمسکھا للتجارۃ او للنفقۃ او للتجمل او لم ینو شیئاً۔

(البدائع الصنائع ج۲ ص۱۷ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل: واما صفۃ ھذا النصاب)[1]

انسانی جسم کے بعض اعضاء پر سونے چاندی کا خول چڑھانے پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ بعض لوگ شوقیہ طور پر دانتوں پر سونے چاندی کا خول چڑھاتے ہیں یا پھر اندر سے کھوکھلے دانتوں کو سونے چاندی سے بھر دیتے ہیں۔ تو کیا ایسے لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زمانہ قدیم سے بعض مصالح اور حالات کی بناء پر سونے چاندی کو انسانی جسم کے بعض اعضاء پر استعمال کرنے کا رواج چلا آرہا ہے۔ سونے چاندی کے ان اعضاء کی دو قسمیں ہیں،

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: تجب الزکوٰۃ فی الذھب والفضۃ مضروبا او تبرا او حلیا مصوغا او حلیۃ سیف او منطقۃ او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص عن الاذابۃ سواء کان یمسکھا للتجارۃ او للنفقۃ او للتجمل او لم ینو شیئا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۶ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۸ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ۔

ایک وہ اعضاء جو انسانی بدن میں بالکل پیوست ہوجاتے ہیں اوران کو اپنی جگہ سے الگ کرنا مشکل ہوتا ہے اور الگ کرنے کی صورت میں سخت تکلیف ہوتی ہے گویا کہ وہ مصنوعی اعضاء انسانی جسم کے حقیقی اعضاء کی طرح ہوجاتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو الگ کرنا آسان ہوتا ہے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ تو اول الذکر میں زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے کہ شریعتِ مقدسہ نے مالِ نامی ہونے کی جو علت وجوبِ زکوٰۃ کے لیے بیان وہ یہاں مفقود ہے اور ثانی الذکر قسم میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اس میں نمو حکمی پائی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کا مال چوری ہوجائے تو

سوال :۔ ایک شخص نے اپنے جملہ مال سے زکوٰۃ کا مال جدا کرکے اپنے پاس رکھ لیا، ابھی اس نے وہ مال غرباء و مساکین میں تقسیم نہیں کیا تھا کہ چوری ہوگیا، تو کیا یہ شخص اب زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ زکوٰۃ کا اپنے جملہ مال سے صرف جدا کرنا کافی نہیں بلکہ ادائیگی کے لئے کسی فقیر و مسکین کو تملیک کر دینا لازمی امر ہے بدون اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کا مال چوری ہوگیا ہے جس میں تملیک کی شرط مفقود ہے اسلئے موصوف کیلئے زکوٰۃ کا دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: رجل عزل زکوٰة ماله وضعها في ناحية بيته فسرقها سارق لا يقطع يده للشبهة وعليه ان يزكيها۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۲۳۸ كتاب الزكوٰة قبيل الفصل السادس)[1]

❋ ❋ ❋

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (هي تمليك) خرج الاباحة (جزء مال) خرج المنفعة (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ولو معتوها (غير هاشمي ولا مولاه) اي معتقه (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) فلا يدفع لاصله وفرعه (لله تعالى) بيان لاشتراط النية۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۸،۵۶ كتاب الزكوٰة۔

باب زکوٰۃ فی الاموال

(سونا چاندی اور تجارتی سامان میں زکوٰۃ کے احکام)

زکوٰۃ میں سونے کی کون سی قیمت معتبر ہے؟

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس سونا ہو تو اس میں کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ جبکہ مروجہ قیمت قیمتِ خرید سے کئی گنا زیادہ ہے۔

الجواب:۔ سونا ایسا مال ہے جس میں قدرتی طور پر نمو پائی جاتی ہے، اس لیے زکوٰۃ کے وجوب کے وقت اس سے مقررہ حصہ نکالا جاتا ہے لیکن قیمت ادا کرکے بھی ذمہ فارغ ہوسکتا ہے، اس لیے اس میں قیمتِ خرید کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء...... و یقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) لہ

سونے کی مقررہ مقدار سے کم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ۲ ۱/۲ تولے سونا ہے جو اگرچہ سونے کی مقدار نصاب سے کم ہے لیکن اس کی قیمت کے حساب سے ۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت سے اس کی قیمت زیادہ بنتی ہے کیا ایسی حالت میں اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ افاد ان وجوب الضم اذا لم یکن کل واحد منہما نصابا بان کان

لہ قال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ:۔ یقومہا ای المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو کان بعث عبد التجارۃ الی بلد اخری لحاجۃ فحال الحول یعتبر قیمتہ فی ذٰلک البلد ولو کان فی مفازۃ تعتبر قیمتہ فی اقرب الامصار الی ذٰلک الموضع کذا فی الفتاوی ثم قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فیہ انہ تعتبر القیمۃ یوم الوجوب وعندہما یوم الاداء۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۶۸ باب زکوٰۃ المال فصل فی العروض)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۹ باب زکوٰۃ المال۔

اقل فاما اذا کان کل واحد منهما نصاباً تاماً ولم یکن زائداً علیہ لایجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد زکوته ولوضم احدهما الی الآخر حتی یؤدی کلہ من الذہب او الفضۃ فلا بأس بہ عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء رواجاً والا فیؤدی من کل واحد منهما ربع عشرہ۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۲۳۰ باب زکوٰۃ المال) ؎۱

میاں بیوی کے مشترکہ زیورات میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر عورت کو والدین نے جہیز میں کچھ زیورات بناکر دیئے ہوں، اس کے علاوہ خاوند نے بھی کچھ زیورات بناکر بیوی کو پہننے کے لیے دیئے ہوں لیکن خاوند اور بیوی کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ خاوند نے جو زیورات بنائے ہیں وہ اُسی کی ملکیت ہیں لیکن عورت کو پہننے کا حق حاصل ہے، کیا ایسی صورت میں عورت پر مجموعۂ زیورات کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کو خاوند کی طرف سے دیئے گئے زیورات عورت کی ملکیت ہوں اور مجموعہ زیورات شمار کر کے جب نصاب تک پہنچ جائیں پھر تو عورت ان کی زکوٰۃ ادا کرے گی، لیکن اگر خاوند نے زیورات عورت کو عاریتہً دیئے ہوں تو ایسی حالت میں مشترکہ زیورات سے عورت کا اپنا حصہ اگر نصاب تک پہنچتا ہو پھر عورت کے لیے اپنے حصہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے، اور اگر مشترکہ زیورات نصاب کو پہنچتے ہوں لیکن انفرادی طور پر خاوند اور بیوی کا حصہ نصاب سے کم ہو تو پھر کسی ایک پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال فی الہندیۃ: ولوضم احد النصابین الی الآخر حتی یؤدی کلہ من الذہب او من الفضۃ لاباس بہ لکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء قدراً ورواجاً والا فیؤدی من کل واحد ربع عشرہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب الخ)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۳ باب زکوٰۃ المال۔

؎۲ قال فی الہندیۃ، ومنہا کون المال نصاباً فلا زکوٰۃ فی اقل منہ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ۔

سونے چاندی کی مقدار میں علامہ عبدالحیؒ اور حضرت تھانویؒ کی عبارات میں تطبیق

سوال: سونے اور چاندی کے نصاب میں اکابرین کی عبارتیں مختلف ہیں حضرت تھانویؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے لیے نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کے لیے ساڑھے باون تولہ ہے، جیساکہ "امدادالفتاوٰی" کی عبارات سے واضح ہے لیکن مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا قول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں نقل فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ کے نزدیک سونے کا نصاب ساڑھے پانچ تولہ اور چاندی کا نصاب ۳۶ تولہ ۱/۲ ۵ ماشہ ہے، ان دونوں اکابرینؒ کی رائے میں سے کس کو اعتبار دینا مناسب ہے؟

الجواب: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اوفق بالروایات ہے، آپ نے جس تولہ سے حساب کیا ہے ہمارے ہاں یہی نصاب مروج ہے، ممکن ہے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے تولہ کی مقدار میں اختلاف کرکے اُس تولہ کا حساب کیا ہو جو مروجہ تولہ سے زیادہ ہو، اس لیے آپ نے کم حساب کیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی حضرت تھانویؒ کی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ لما قال مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کرام کی تحقیقات اس بارے میں متفاوت ہیں اور تفاوت بھی معمولی نہیں کیونکہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے نزدیک چاندی کا نصاب چھتیس ۳۶ تولے اور ساڑھے پانچ ماشہ ہے اور سونے کا نصاب پانچ تولہ اور ڈھائی ماشہ ہے، اس تفاوت سے تمام احکام شرعیہ پر اثر پڑتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ سونے کا نصاب شرعی بیس (۲۰) مثقال ہے اور ایک مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو اسی حساب سے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہوگا اور چاندی کا نصاب دو سو ۲۰۰ درہم ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک رتی کا پانچواں حصہ ہے تو اس حساب سے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔[1]

---

[1] والتفصیل فی الاوزان الشرعیۃ للمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ اگر زیورات استعمال کے لیے ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سونا چاندی زیورات کی شکل میں ہو یا ڈلے، ہر حالت میں زکوٰۃ واجب ہے گی، استعمال کے باوجود اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے بشرطیکہ وہ زیور نصاب تک پہنچتا ہو۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وفی تبر الذھب والفضۃ وحلیھما واوانیھما الزکوٰۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۹۵ باب زکوٰۃ المال) [۱]

سونے کی قیمت کو اعتبار نہیں

سوال:۔ ایک عورت کے پاس پانچ تولہ سونا ہے جو اس کو خاوند نے حق مہر میں دیا ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد رقم یا چاندی وغیرہ نہیں، اگرچہ سونے کی یہ مقدار نصاب تک نہیں پہنچتی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو، لیکن سونے کی مروجہ قیمت کے اعتبار سے اس کی اتنی قیمت ضرور بنتی ہے کہ جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے۔ اس طریقہ سے اگر سونے کی قیمت کا حساب کیا جائے تو عورت صاحب نصاب بن سکتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں عورت صاحب نصاب شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب اس عورت کے پاس صرف سونا ہو تو اس میں قیمت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ نصاب کی رعایت ہوگی، سونے کا نصاب چونکہ ۷½ تولہ ہے اور ۵ تولہ اس سے کم ہے اسلئے یہ عورت صاحب نصاب نہیں۔

لما قال فی الھندیۃ: ومنھا کون المال نصابًا فلا تجب فی اقل منہ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل) [۲]

---

[۱] قال الامام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ: فتجب الزکوٰۃ فیھا سواء کانت دراھم مضروبۃ اونقرۃ اوتبرا اوحلیاً مصوغا اوحلیۃ سیف اومنطقۃ اولجام اوسرج اوالکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۷ فصل واما صفۃ ھذا النصاب)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۸ باب الثالث فی زکاۃ الذھب والفضۃ والعروض۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضھا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

سونا چاندی سے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے

سوال:۔ ہم لوگ سونے کی زکوٰۃ اس طرح نکالتے ہیں کہ سونے کا حساب کرکے پہلے سال زکوٰۃ دیتے ہیں، اس کے بعد پھر کسی بھی سال میں ہم زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں، آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر سال ایسے زیورات سے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے ایک سال زکوٰۃ دینا کافی نہیں کیونکہ یہ ثمن خلقی ہیں خواہ جس طریقے سے آدمی کے پاس ہوں ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کیونکہ سونا چاندی ایسی چیزیں ہیں جن میں نمو اور زیادت خود بخود آتی ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ واللازم فی مضروب کل منهما ومعموله ولو تبرًا او حلیًا مطلقًا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقًا اثمانًا فیزکیهما کیف کانا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۸ باب زکوٰۃ المال) [۱]

حکومت کی طرف سے عائد جرمانہ کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص پر حکومت کی طرف سے کوئی جرمانہ واجب الادا ہو لیکن اس شخص کے پاس ادائیگی کے لیے کوئی رقم نہ ہو تو کیا اس کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم جرمانہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی مجبور سے مالی تعاون کرنا بذاتِ خود بہت بڑی نیکی ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر یہ شخص غریب ہو تو بغیر کسی حیلہ کے اس کو زکوٰۃ کی رقم دے کر جرمانہ کے ادا کرنے میں مدد دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر یہ شخص صاحبِ نصاب ہو لیکن جرمانہ کی ادائیگی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو تو کسی شرعی حیلہ کے بغیر اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال الشیخ النظام رحمه الله:۔ ولو قضٰی دین الفقیر بزکوٰۃ ماله ان کان

---

[۱] قال الامام برهان الدین المرغینانی رحمه الله:۔ وفی تبر الذهب والفضة وحلیهما واوانیهما الزکوٰۃ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۳ باب زکوٰۃ المال۔ فصل فی الذهب)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۶/۱۷ فصل صفة النصاب۔

بامرہ یجوز وان کان بغیرامرہ لایجوز وسقط الدّین۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔الباب السابع فی المصارف) [1]

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ تجارت میں نقد اور قرض دونوں کا معاملہ ہوتا ہے اس لیے حولانِ حول کے بعد اگر کسی تاجر کے پاس نقد رقم کم اور قرض کی رقم زیادہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کون سا مال معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ تجارت کے کاروبار میں جملہ مالیت کا اعتبار ہوگا خواہ وہ مالک کے پاس نقدی کی شکل میں ہو یا اموالِ تجارت (یعنی جنس) کی صورت میں موجود ہو، یہاں تک کہ قرض بھی اس میں شمار ہو کر جملہ مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ تاہم اگر قرض سے زکوٰۃ کی ادائیگی وصولی پر موقوف رہے تو یہ بھی جائز ہے۔

قال زین الدین ابن نجیمؒ: فقوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ..... ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی القضاء الی ان یقبض اربعین درھماً ففیھا درھم وکذا فیما زاد بحسابہ۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ) [2]

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مروجہ قیمت کا اعتبار

سوال:۔ اموالِ تجارت سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جس مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اس میں اموالِ تجارت کی کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ کیونکہ

---

[1] قال العلامۃ ابن الھمام رحمہ اللہ:۔ ویحمل ھذا ان یکون بغیر اذن الحی اما اذا کان باذنہ وھو فقیر فیجوز عن الزکوٰۃ علیٰ انہ تملیک منہ والغائب یقبضہ بحکم النیابۃ عنہ ثم یصیر قابضاً لنفسہ۔ وفی الغایۃ نقلاً من المحیط والمفید لو قضی بھا دین حی او میت بامرہ جاز ومعلوم ارادۃ قید فقیر المدیون ....او قضی دین حی او میت بغیر اذن الحی لایجوز۔

(فتح القدیر ج۲ ص۲۰۸ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ۔ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[2] وفی الھندیۃ:۔ و (قوی) وھو مایجب بدلاً عن سلع التجارۃ اذا قبض اربعین زکی لما مضی کذا فی الزاھدی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال۔

اشیاء کی قیمت خرید ایک ہوتی ہے جبکہ گاہک کو دوسری قیمت پر دی جاتی ہے۔

الجواب:۔ اموالِ تجارت کی قیمت لگانے میں مقامی قیمت کا اعتبار ہوگا پھر قیمت میں تفاوت کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مارکیٹ کی موجودہ قیمت کو اعتبار دیا جائے گا، کیونکہ یہی اس کی مالیت کا معیار ہے۔

لما قال فی الهندیة :۔ ویقومها المالك فی البلد الذی فیه المال حتی لو بعث عبداً للتجارة الی بلدٍ اخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذلك البلد ولو كان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذلك الموضع۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۰ كتاب الزكوٰة۔ الباب الثالث فی زكوٰة الذهب والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض) ؎۱

سوال:۔ اگر کسی شخص کا کاروبار ایک جگہ ہو اور رہائش دوسری جگہ ہو تو کہاں کے فقراء اُسکی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، کیا اس میں رہائش کا اعتبار ہوگا یا کاروبار کی جگہ کا؟

کاروبار کی جگہ کے فقراء زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں

الجواب:۔ فقہاءِ کرام کی عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاروبار کی جگہ کے فقراء ترجیحی سلوک کے مستحق ہیں۔

لما فی الهندیة : ویكره نقل الزكوٰة من بلدٍ الی بلدٍ الا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده..... ثمّ المعتبر فی الزكوٰة مكان المال حتی لو كان هو فی بلدٍ وماله فی بلدٍ اخر یفرق فی موضع المال۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۰ كتاب الزكوٰة الباب السابع فی المصارف) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : (تحت قوله: ویقوم فی البلد الذی المال فیه) فلو بعث عبداً للتجارة فی بلدٍ اخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۸۶ باب زكوٰة الغنم)
وَ مِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۹ باب زكوٰة فی الاموال۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : (تحت قول وكره نقلها) ای من بلدٍ الی بلدٍ اخر لان فیه رعایة حق الجوار فكان اولی والمتبادر منه ان الكراهة تنزیهیة تامل فلو نقلها جاز لان المصرف مطلق الفقراء ویعتبر فی الزكوٰة مكان المال۔
(رد المحتار ج ۲ ص۳۵۳ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی المراقی الفلاح ص۳۹۴ باب المصرف۔

مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے دوسری کاروباری آدمی کو مضاربت پر کچھ رقم دی ہے، رب المال دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا رہتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو مال اس نے مضاربت پر دیا ہے کیا اس کی زکوٰۃ رب المال پر ہے یا مضارب پر یا دونوں پر؟

الجواب:۔ مضاربت کی صورت میں جب تک فائدہ نہ ہو تو مضارب کے پاس رقم امانت ہوتی ہے اور مال رب المال کا شمار ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ رب المال کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر اس میں نفع یعنی فائدہ ہو کر مضارب کا حصہ بھی اتنا ہو کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو تو پھر ہر ایک پر اپنے حصے کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ویتراجعان بالحصص وبیانه فی الحاوی فان بلغ نصیب احدهما نصاباً زکاه دون الاٰخر۔۔۔۔واعلم ان الدیون عند الامام ثلاثة قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتها اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درهماً من الدَّین القوی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۴/۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [۱]

مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ

سوال:۔ ایک شخص مسجد کا متولّی ہے اُس نے اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرائی، اب متولّی کا ارادہ یہ ہے کہ یہ قرضہ لوگوں سے وصول کروں، تو کیا متولّی مذکور لوگوں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر سکتا ہے تاکہ قرضہ ختم ہو جائے؟

الجواب:۔ مسجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی کسی شرعی حیلہ کے بغیر مسجد میں زکوٰۃ کی رقم لگانا بے جا ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة:ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [۲]

---

[۱] قال فی الهندیة،الخلیطان فی المواشی کغیر الخلیطین فان کان نصیب احدهما یبلغ نصاباً وجبت الزکوٰۃ علی الذی یبلغ نصیبه نصاباً دون الاخر وان کان احدهما ممن تجب علیه الزکوٰۃ دون الاخر فانها تجب علی من تجب علیه اذا بلغ نصیبه نصاباً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ۔ مسائل شتی)
ومثله فی المراقی الفلاح ص۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] لما قال العلامة الحصکفیؒ،ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)
ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۱ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

مسجد کی رقم پر تجارت کرنا اور اس میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں ایک شخص اس نیت سے تجارت کرے کہ مسجد کی آمدنی میں ترقی ہو، تو از روئے شرع یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ چندہ دہندگان یا ان کے معتمد علیہ کی اجازت سے اس رقم پر تجارت کرنا جائز ہے، تاہم اگر یہ رقم متولی کو نہ دی گئی ہو تو یہ رقم چندہ دہندگان کی ملکیت سے نہیں نکلتی، تو ایسی صورت میں چندہ دینے والے کی اجازت سے تجارت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور مسجد کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت ضروری ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ: وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضھا ملک نصاب حولی قولہ ملک نصاب فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

جن اشیاء کے خریدنے میں تجارت کا ارادہ نہ ہو اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے کوئی چیز ذاتی استعمال کے لیے خریدی اور اُس وقت یہ ارادہ کیا کہ یہ چیز جب مہنگی ہو جائے گی تو اس کو فروخت کر دوں گا، تو کیا یہ چیز اموالِ تجارت میں شمار ہوگی اور حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اموالِ تجارت میں خریداری کے وقت تجارت کی نیت ضروری ہے جہاں کہیں نیت نہ ہو تو پھر ان چیزوں کا شمار اموالِ تجارت میں نہیں ہوگا۔ مذکورہ صورت میں چونکہ خریداری کے وقت تجارت کی نیت قطعی نہیں اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ:۔ او اشتریٰ شیئًا للقنیۃ ناویًا انہ وجد ربحًا باعہ لا زکوٰۃ علیہ۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۷۴ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنھا الملک فلا تجب الزکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک وھذا لان فی الزکوٰۃ تملیکًا والتملیک فی غیر الملک لا یتصور۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۹)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۲۵۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال الشیخ ابن الھمامؒ: فلو اشتریٰ عبدًا مثلاً للخدمۃ ناویًا بیعہ ان وجد ربحًا لا زکوٰۃ فیہ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۶۶ فصل فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ذاتی مطالعہ کے لیے کتابیں موجود ہیں، قیمت کا اعتبار کیا جائے تو ان کی مالیت لاکھوں روپے سے بھی زائد بنتی ہے، کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب:۔ کتابوں پر اُس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہوں، ذاتی کتب میں تجارت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اموالِ تجارت میں شمار مشکل ہے، اس لیے ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما فی الھندیۃ: ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ..... وکذا کتب العلم ان کان من اھلہ وآلات المحترفین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل) ؎۱

گاڑیوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ایک گاڑی ہے جو مزدوری کیلئے استعمال ہوتی ہے، اس کی آمدنی سے عموماً یہ شخص دوسری گاڑی خریدتا ہے، یوں اُس کے پاس سال بھر کی کمائی سے کئی گاڑیاں جمع رہتی ہیں لیکن نقد رقم سے تہی دست رہتا ہے، کیا اس شخص پر گاڑیوں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی گاڑی یا دوسرے ذرائع محنت و مزدوری کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ آمدنی کے حساب سے حولانِ حول کے بعد اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی بصورتِ مذکورہ میں جب نقد رقم نہ ہو اور گاڑی تجارت کی نیت سے نہیں خریدی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تاہم اگر یہ حیلہ زکوٰۃ کے وجوب سے بچنے کیلئے کیا جاتا ہو تو اس شخص کے گنہگار ہونے میں کوئی شک نہیں۔

لما قال العلامہ جلال الدین الخوارزمیؒ:۔ واما آلات الصناع الذین یعملون بھا وظروف الامتعۃ للتجارۃ لا تجب فیہ الزکوٰۃ لانھا لیست بمعدۃ للتجارۃ۔ (الکفایۃ فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۱۷۰ باب زکوٰۃ الاموال فصل فی العروض) ؎۲

؎۱ قال سید احمد الطحطاویؒ:۔ عن حاجتہ الاصلیہ..... وکتب العلم لاھلھا فاذا کان عندہٗ دراھم اعدھا لھذہ الاشیاء وحال علیھا الحول لا تجب فیھا الزکوٰۃ وکتب العلم لغیر اھلھا لیست من الحوائج الاصلیۃ وان کانت الزکوٰۃ لا تجب علی صاحبھا بدون نیۃ التجارۃ۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الشامی ج۲ ص۸ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ لما قال فی الھندیۃ: ولو اشتری قدورًا من صفر یمسکھا ویواجرھا لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال۔

پلاٹ کی خرید وفروخت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ عموماً زمین سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جاتا ہے لیکن ایک آدمی پلاٹ یا عمارت کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے ایسی حالت میں اس کی تمام تر مالیت جائیداد غیر منقولہ ہوتی ہے تو اس صورت میں حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ پراپرٹی کے کاروبار کی صورت میں جائیداد غیر منقولہ اپنی اصلی حالت سے ہٹ کر اموالِ تجارت کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، اس لیے اس کے ساتھ دیگر اموالِ تجارت جیسا معاملہ ہوگا کہ حولانِ حول کے بعد قیمت لگا کر زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اس میں کاروباری انعقاد ہونے کی حیثیت کا تعین خریداری کے وقت کا ہوگا جس کے لیے اس وقت تجارت کی نیت ضروری ہے ورنہ بعد از اں کاروبار کی نیت کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما قال ابن نجیمؒ:۔ واما الدلالة فهی ان یشتری عیناً من الاعیان بغرض التجارة او یواجر دارة التی للتجارة بعرض من العروض فیصیر للتجارة وان لم ینو التجارة صریحاً لکن ذکر فی البدائع الاختلاف فی بدل منافع عین معدة للتجارة ففی کتاب الزکوٰة من الاصل انه للتجارة بلا نیة وفی الجامع مایدل علی التوقف علی النیة فکان فی المسئلة روایتان ومشائخ بلخ کانوا یصححون روایة الجامع لان العین وان کانت للتجارة لکن قد یقصد ببدل منافعها المنفعة فیؤاجر الدابة لینفق علیها والدار للعمارة فلا تصیر للتجارة مع التردد الا بالنیة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب الزکوٰة)[1]

اسلحہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ علاقہ غیر میں رہنے والے اکثر لوگ اپنے ساتھ اسلحہ رکھتے ہیں اور اسلحہ کی قیمت مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہوتی ہے، تو کیا اس اسلحہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو اسلحہ مال وجان کے تحفظ کے لیے رکھا جائے اگرچہ وہ قیمت کے لحاظ سے مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہو تو حوائج اصلیہ میں داخل ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: او فی عرض تجارة قیمته نصاب الجملة صفة عرض وهو هنا ما لیس بنقد وهو … (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب الزکوٰة)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۹ کتاب الزکوٰة۔

اگر تجارت کی غرض سے رکھا گیا ہو تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قال علی ابن ابی بکر الفرغانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

گدھے اموالِ تجارت میں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ ہمارے پاس کچھ گدھے ہیں جن سے ہماری غرض صرف کاروبار کا چلانا ہے، کیا ان گدھوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ ایک مُردار شے ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب:۔ گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں شریعتِ مقدسہ نے کوئی واضح حکم نہیں دیا ہے اسلئے گدھوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر گدھے تجارت کیلئے رکھے ہوں جیسا کہ سوال سے مستفاد ہے تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا شئ فی البغال والحمیر لقولہ علیہ السلام لم ینزل علی فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعًا الا ان یکون للتجارۃ لان الزکوٰۃ حینئذ تتعلق بالمالیۃ کسائر اموال التجارۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۹۱ فصل فی الخیل) [۲]

اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس کچھ رقم ہے اور اس نے ابتداء سال سے اس میں تجارت شروع کی اور سال کے آخر میں اس نے کچھ منافع حاصل کیا، تو کیا حولانِ حول کے بعد اصل رقم یا منافع پر الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی یا دونوں پر ایک ساتھ؟

الجواب:۔ اگر کسی نے اوّل سال کی کسی تاریخ سے تجارتی کاروبار شروع کیا اور سال کے

---

[۱] وفی الھندیۃ:۔ ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرھا الخ)
ومثلہٗ فی فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۹ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا فی (بغال وحمیر) سائمۃ اجماعًا لیست للتجارۃ (فلو لھا فلا کلام) لانھا من العروض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲ باب زکوٰۃ الغنم)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۸ فصل الخامس فیما تجب فیہ الزکوٰۃ۔

آخر میں اس نے کوئی نفع حاصل کیا تو اس میں اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر سال کی ابتداء اور انتہاء میں نصاب پورا ہو تو دورانِ سال ناقص ہونے سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، سال کے آخر میں تمام مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ :۔ ومن کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسہ ضمہ الیہ وزکّٰوۃ ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۹۳ فصل فی الغنم) ؎۱

ضرورت کے لیے خریدی گئی زمین پر تجارت کی نیت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے کچھ زمین گھر کی تعمیر کیلئے خریدی اور نصف تعمیر کے بعد تجارت کی نیت کرلی، اب تعمیر پر زکوٰۃ کب سے واقع ہوگی؟ ابتداءً یا بوقتِ نیت؟

الجواب:۔ جو زمین گھر کی تعمیر کے لیے خریدی جائے اور دورانِ تعمیر اگر تجارت کی نیت کرلی تو قبل النیت خرچ کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہیں، کیونکہ تجارت میں نیت بوقتِ عقد معتبر ہوتی ہے اور بعد نیت جو رقم خرچ کی گئی ہے باقی اموال سے ملاکر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ :۔ لا یبقی للتجارۃ ما ای عبد مثلاً اشتراہ لھا فنوی بعد ذلک خدمتہ ثم ما نواہ للخدمۃ لا یصیر للتجارۃ وان نواہ لھا ما لم یبعہ بجنس ما فیہ الزکوٰۃ والفرق ان التجارۃ عمل فلا تتم بمجرد النیۃ ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۲ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

ذاتی استعمال کیلئے خریدی گئی مشین کو نفع پر فروخت کرنے میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ایک مشین ذاتی استعمال کیلئے

؎۱ وفی الھندیۃ : ومن کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالاً من جنسہ ضمہ الی مالہ وزکّٰوۃ ۔ الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ فصل منھا حولان الحول علی المال)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم ۔

؎۲ قال الامام فخر الدین القاضیخانؒ :۔ اشتری خادماً للخدمۃ وھو ینوی انہ لو اصاب ربحاً یبیعہ فحال علیہ الحول لا زکوٰۃ فیہ ۔ (الفتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۹ کتاب الزکوٰۃ ۔

خریدی ہو لیکن کوئی نفع آور صورت دیکھ اس کو فروخت کر دے تو کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص گذشتہ ایام سے صاحبِ نصاب ہو تو حولانِ حول کے بعد مشین کی قیمت اور منافع جملہ منافع شمار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی ورنہ حولانِ حول کے بغیر اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی:۔ وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

کراکری کے سامان میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی دوکان میں کھانے پینے کے برتن، پکانے کی دیگیں اور دوسرے ایسی چیزیں ہوں جو اجتماعی طور پر دعوت اور دیگر پروگراموں میں استعمال ہوتی ہوں، ایسے برتن عموماً کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ از روئے شرع ایسے شخص کی آمدنی میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ کیا برتن، ٹینٹ اور دیگوں کی قیمت سے بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ؟

الجواب:۔ برتنوں، دیگوں اور کراکری ٹینٹ وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان اشیاء سے جو کمائی حاصل ہو جائے اور نصاب کو پہنچ جائے تو حولانِ حول کے بعد اس نفع میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ولو اشتریٰ قدوراً من صفرٍ یمسکہا و یواجرھا فلا تجب فیہا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیم رحمہ اللہ:۔ والمراد بکونہ حولیاً ان یتم الحول علیہ وھو فی ملکہ لقولہ علیہ السلام لا زکوٰۃ فی مالٍ حتی یحول علیہ الحول قال فی الغایۃ سمی حولاً لان الاحوال تحول فیہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل۔

[۲] قال العلامۃ جلال الدین الخوارزمی رحمہ اللہ:۔ واما آلات الصناع الذین یعملون بہا وظروف للتجارۃ لا تجب فیہ الزکوٰۃ لانہا لیست بمعدۃ للتجارۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ۔ (الکفایۃ فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۱۷۱ فصل فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کو اپنے مالِ تجارت میں نقصان ہوا اور مال میں کمی آئی اور سال کے بعد مذکورہ مال میں اضافہ ہوا اب وہ زکوٰۃ کس طریقے سے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ حولانِ حول کے بعد اصل مال اور منافع کو جمع کرکے جب مقدارِ نصاب ہو تو مجموعہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ منافع ہو یا نقصان، اور رأس المال جب مقدارِ نصاب سے زائد ہو تو باوجود خسارہ کے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة الشرنبلالیؒ:۔ وشرط وجوب ادائها حولان الحول علی النصاب الاصلی واما المستفاد فی اثناء الحول فیضم الی مجانسه ویزکی بتمام الحول الاصلی سواءٌ استفید بتجارۃ او میراث۔ (مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

تجارت کے لیے مکانات میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ مکانات، دوکانیں اور پلاٹ تجارت کی نیت سے خرید کر ان کا کاروبار کرتے رہتے ہیں، ممکن ہے بسا اوقات کچھ وقت کے لیے رہنے کا فائدہ بھی حاصل کریں لیکن عموماً پیشِ نظر اس میں تجارت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کرتے ہیں، ایسی حالت میں ان مکانات اور دوکانوں کی قیمت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ منقولہ جائیداد کی طرح غیر منقولہ جائیداد کا کاروبار بھی معاشرہ کے اہم معاملات میں سے ہے، اگرچہ غیر منقولہ جائیداد بذاتِ خود نمو سے عاری ہونے کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہیں، یہی وجہ ہے کہ رہن سہن یا کرایہ کے لیے بنائے ہوئے مکانات اور دوکانوں پر زکوٰۃ نہیں، لیکن جب یہی جائیداد کاروباری منڈی میں منتقل ہو کر خریدتے وقت باقاعدہ تجارت کی نیت کی گئی ہو تو پھر اموالِ تجارت کے حکم میں ہو کر اس کی قیمت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه اللہ:۔ وسواءٌ کان مال التجارۃ عروضاً او عقاراً او شیئاً مما یکال او یوزن لان الوجوب فی اموال التجارۃ تعلق بالمعنی وھو المالیة والقیمة

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وشرط کمال النصاب ولو سائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۲ فصل فی زکوٰۃ الغنم)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم۔

وهذه الاموال كلها في هذا المعنى جنس واحد۔ (البدائع الصنائع ج۲ فصل اموال التجارة صـ۲۱/۲) ـلـه

زکوٰۃ کا حکم اجارہ کیے ہوئے کان میں

سوال:۔ ایک آدمی کی پتھر کی کان ہے جو اجارہ کی ہے لیکن اس کے جملہ ٹیکس بھی حکومت کو ادا کرتا ہے اور کان والوں کو بھی فی من کچھ رقم دیتا ہے، تو آیا یہ شخص کل آمدنی سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:۔ اس شخص کے دیگر اموال پر جب حولانِ حول ہو جائے تو اس کان سے خارج شدہ جواہرات کی زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ جواہرات فروخت شدہ ہوں اور اگر فروخت شدہ نہ ہوں تو اس میں زکوٰۃ دینا واجب نہیں اور ٹیکس ادا کیے بغیر زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال ابن الهمامؒ اخرج ابن ابی شیبة عن عکرمةؒ: لیس فی حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرد زکوٰة الا ان یکون للتجارة۔ (فتح القدیر ج۲ صـ۱۸۵ باب المعادن والرکاز) ـ۲ـه

کارخانہ کی زمین اور مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں، صنعت کے لیے میں نے صابن کا ایک کارخانہ لگایا ہوا ہے جس کی کافی زمین ہے اور اس میں مشینیں بھی ہیں، تو کیا مجھ پر کارخانہ کی زمین اور مشینوں کی زکوٰۃ لازم ہے؟

الجواب:۔ صنعتی آلات و وسائل جب تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ کسب کے لیے ہوں تو اُن کی ذات پر زکوٰۃ لازم نہیں اگرچہ وہ زمین یا مشینری لاکھوں کروڑوں روپے کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس کی آمدنی پر زکوٰۃ لازم ہے، البتہ اگر زمین یا آلات تجارت کی غرض سے ہوں تو پھر

ـلـه قال فی الهندیة: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ صـ۱۷۹ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ صـ۱۶۵،۱۶۶ فصل فی العروض۔

ـ۲ـه قال ابن نجیمؒ: (تحت قوله لا رکاز دار حرب و فیروزج ولؤلؤ و عنبر) ای لا تخمس هذه الاشیاء اما الاول فلانه حجر مضیئ یوجد فی الجبال وقد ورد فی الحدیث لا خمس فی الحجر ونحوه الیاقوت والجواهر کما قدمناه من کل جامد لا ینطبع۔ (البحر الرائق ج۲ صـ۲۳۶ باب الرکاز)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ صـ۱۸۵ کتاب الزکوٰة۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز۔

ان کی ذات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا فی ثیاب البدن..... وکذلک آلات المحترفین۔ قال ابن عابدینؒ: ای سواء کانت مما لا تستھلک عینہ فی الانتفاع کالقدوم والمبرد او تستھلک۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۵ کتاب الزکوٰۃ) ۱؎

آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے ٹرک یا گاڑی وغیرہ مزدوری کے لیے خریدے ہوں اور ایسا ہی آٹا پیسنے کی مشین کمائی کے لیے خریدی ہو کیا حولانِ حول کے بعد آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت لگا کر اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نقد اور اجناس میں تجارت کی نیت ضروری ہے، ایسی صورت میں نصاب پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی، اس کے علاوہ جو آلات یا گاڑی وغیرہ محنت و مزدوری کے لیے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ٹرک اور آٹا پیسنے کی مشین چونکہ آلاتِ مزدوری ہیں اس لیے ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ حولانِ حول کے بعد ان کی آمدنی اگر نصاب تک پہنچتی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی..... زکوٰۃ..... وآلات المحترفین لما قلنا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) ۲؎

۱؎ قال الدکتور وھبۃ الزحیلی:۔ ولا زکوٰۃ باتفاق المذاھب علی الحوائج الاصلیۃ..... وآلات المحترفین لانھا مشغولۃ بالحاجۃ الاصلیۃ ولیست بنامیۃ اصلاً۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۷۳۶ المبحث الثانی سبب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ۔

۲؎ وفی الھندیۃ: ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ فلیس فی دور السکنی..... وکذا کتب العلم ان کان من اھلہ و آلات المحترفین کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ۔

زمین کا کرایہ (ٹھیکہ) پیشگی دینے میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے زمین کرایہ پر لی ہے اور دو تین سال کا کرایہ پیشگی مالک زمین کو دے دیا ہے۔ اس پیشگی کرایہ پر جو زکوٰۃ ہے وہ زمین کے مالک پر ہوگی یا مستاجر پر؟

الجواب:۔ کرایہ دار نے جو رقم پیشگی دی ہے اگر زمین کی اُجرت کے طور پر دی ہے تو زکوٰۃ مالکِ زمین پر ہوگی اور اگر بطور قرض دی ہو تو زکوٰۃ کرایہ دار پر ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب عند قبض اربعین درھمًا مِّنَ الدَّیْنِ القوی کقرض و بدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمہ درھم۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی

سوال:۔ آجکل ایسے پتھر پائے جاتے ہیں جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں، تو کیا ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

الجواب:۔ قیمتی پتھروں مثلاً زمرد وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں اگر تجارت کیلئے ہوں تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما فی الہندیۃ:۔ ولا شئ فیما یخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک وفیھا ایضًا ولا شئ الا ان یکون للتجارۃ فان کان للتجارۃ فحکمھا حکم العروض۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۱۸۵،۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: قسّم ابوحنیفۃؒ الدَّین علیٰ ثلاثۃ اقسام قوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ۔ الخ۔ ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول و یتراخی القضاء الیٰ ان یقبض اربعین درھمًا ففیھا درھم وکذا فیما زاد بحسابہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۷)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۳۸ فصل السادس فی الدیون ومسائلھا۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ لا زکوٰۃ فی اللاٰلی والجواھر وان ساوت الفًا اتفاقًا الا ان تکون للتجارۃ والاصل ان ماعدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح ص۳۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔ قبیل باب المصرف۔

زیورات کے نگینہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر زیورات کی مجموعی تعداد دس تولہ ہو لیکن اس میں دو تولہ قیمتی پتھر اور جواہر بھی ہوں جو کہ بطور نگینہ زیورات میں استعمال ہوئے، تو کیا اس صورت میں مجموعی طور پر دس تولہ زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نگینہ منہا کرکے بقیہ زیورات سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

الجواب:۔ نگینہ خواہ قیمتی پتھر کا ہو یا موتی کا ہو اُس میں بذاتِ خود زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے سونے (زیورات) سے اس کو منہا کرکے اصل سونے سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی سونے کی مقدار (وزن) میں اس کا شمار نہیں ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ:۔ واما الیواقیت واللآلی والجواھر فلا زکوٰۃ فیھا وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارۃ۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۱ باب زکوٰۃ الذھب)[1]

قدرتی خزانہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ قدرتی خزانہ پانے کی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بیت المال کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خمس یعنی ۱/۵ حصہ حکومت کو ملے گا اور بقیہ ۴/۵ حصے اس شخص کے پاس رہے گا جس کو خزانہ ملا ہے، خزانہ ملتے وقت اس میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال الشیخ النظامؒ، مایخرج من المعادن ثلاثۃ منطبع بالنار ومائع وما لیس بمنطبع ولا مائع اما المنطبع کالذھب والفضۃ والحدید والرصاص والنحاس والصفر ففیہ الخمس۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۴ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز)[2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: واما الیواقیت واللآلی والجواھر فلا زکوٰۃ فیھا وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث، الفصل الثانی فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولنا قولہ علیہ السلام وفی الرکاز الخمس وھو من الرکز فاطلق علی المعدن ولانھا کانت فی ایدی الکفرۃ فحوتھا ایدینا غلبۃً فکانت غنیمۃً وفی الغنائم الخمس۔ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۸۰ باب المعادن والرکاز)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب الرکاز۔

۲/۱ ۲ تولہ سونا اور ۴۰۰۰ روپے نقد پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کے پاس ۲/۱ ۲ تولہ سونا اور تقریباً ۴۰۰۰ روپے کا سامان زائد از ضرورت موجود ہے اور اس پر ۴۰۰۰ روپے قرض بھی ہے، تو کیا اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ شخص جس کے پاس ۲/۱ ۷ تولہ سونا یا ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا اسکی قیمت کا سامان ضروریات اصلیہ سے زائد موجود ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے اور اگر دو تین اشیاء ہوں مذکورہ اشیاء میں سے تو پھر جو چیز سونا، چاندی میں سے انفع للفقراء ہو تو اسی نصاب سے تینوں یا دونوں کو قیمتاً ضم کرکے نصاب بنا لیا جائے، اب اگر اس شخص پر قرضہ بھی ہو تو جملہ قیمت سے قرضہ منہا کرکے باقی مال اگر نصاب تک پہنچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ ۲/۱ ۲ تولہ سونا اور سامان کی قیمت تقریباً ۱۵،۰۰۰ ہزار روپے بنتی ہے اور اگر اس میں سے ۴ ہزار روپے کا قرضہ منہا کیا جائے تو بھی باقی مال نصاب تک پہنچتا ہے اسلئے اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله واليسار) بان ملك مائتي درهم او عرضاً يساويها غير مسكنه وثياب اللبس او متاع يحتاجه الى ان يذبح الأضحية و لم له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصاباً ـ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۹ كتاب الاضحية)

قال الامام ابو حنيفةؒ: يضم احدهما الى الأخر باعتبار القيمة ـ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹ كتاب الزكوٰة)

سائیکل اور گھڑی وغیرہ ضروریات میں داخل ہیں

سوال: اگر کسی شخص کے پاس اڑھائی تین ہزار کی سائیکل اور ایسے ہی ایک قیمتی گھڑی بھی ہو، تو کیا ان اشیاء کی مجموعی قیمت نصاب کو پہنچ کر مالک کو غنی کے حکم میں قرار دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ معاشرہ اور حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اشیاء حوائج اصلیہ میں داخل ہیں اس لیے ان کے مالک کو صاحبِ نصاب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے بلکہ بعض اشخاص کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر موٹر سائیکل بھی ان کے لیے ضروریات میں داخل مانا گیا ہے اس لیے اگر یہ شخص غریب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك نصاباً من اى مال كان، الى ان قال ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحاً مكتسباً لانه فقير الخ (الهداية ج ۱ ص ۲۰۷ باب مصارف الزكوٰة)

باب زکوٰۃ السوائم

(چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ کے احکام)

بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس بیس۲۰ بھیڑ بکریاں ہوں اور اور ان کے ساتھ ان کے تیس۳۰ بچے بھی ہوں، اب ان بچوں پر تو سال نہیں گذرا جبکہ بیس۲۰ بھیڑ بکریوں پر سال گذر چکا ہے، اس حالت میں زکوٰۃ کس وقت ادا کی جائے گی۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں چونکہ چالیس۴۰ بھیڑ بکریوں پر سال نہیں گذرا ہے بلکہ بیس۲۰ پر سال گذرا ہے اور بقیہ (تیس۳۰ بچوں) پر سال پورا نہیں گذرا، اس لیے اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی جب تک چالیس۴۰ پر سال نہ گذر جائے۔

لما قال فی الهندیة:۔ لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا کانت اربعین سائمة وحال علیه الحول ففیها شاة الی مائة وعشرین۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰة الباب الثانی الفصل الرابع فی زکوٰة الغنم)[۱]

مویشیوں کے دودھ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی اپنے گھاس سے مویشی پال کر دودھ فروخت کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بذاتِ خود اس رقم میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم حولانِ حول کے بعد تکمیلِ نصاب سے زکوٰۃ لازم ہوگی۔

لما قال الشیخ النظام رحمه الله:۔ ومنها کون المال نصابًا فلا تجب فی اقل منه۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاوّل)

وقال ایضًا:۔ (ومنها حولان الحول علی المال) العبرة فی الزکوٰة

---

[۱] قال الامام برهان الدین المرغینانی رحمه الله:۔ لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا کانت اربعین سائمة وحال علیها الحول ففیها شاة۔

(الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۳۵ فصل فی الغنم)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ باب زکوٰة المال۔ فصل فی الغنم۔

للحول القمری۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۵ الباب الاول)۔ لہ

چراگاہ کی اُجرت دینے سے زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ ایک آدمی کی ملکیت میں متعدد گائیں اور بھینسیں ہوں، سال کے اکثر حصہ میں یہ جانور چرتے ہوں لیکن جہاں پر یہ حیوانات چرتے ہیں اس کے لیے باقاعدہ سالانہ کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اب جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا رقم کی ادائیگی کے وقت یہ حیوانات سائمہ شمار ہوں گے یا غیر سائمہ؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے حیوانات میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے جو "سائمہ" کا ذکر کیا ہے تو ان حیوانات پر یہ حقیقت صادق آتی ہے، اس لیے ماہانہ یا سالانہ رقم کی ادائیگی سے یہ حیوانات "سائمہ" کے حکم سے نہیں نکلتے، لہٰذا سال کے اکثر حصہ میں چرنے کی وجہ سے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله :۔ وشرعاً المکتفیة با لرعی المباح ذکرہ الشمنی فی اکثر العام لقصد الدر والنسل ذکرہ الزیلعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۵ باب السائمة)۔ ۲لہ

اتحادِ مرعیٰ ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس ساٹھ بکریاں ہوں اور اس نے اُن کے لیے دو نوکر رکھے ہوئے ہوں، جن میں سے ایک نوکر تیس بکریاں ایک جگہ اور دوسرا نوکر تیس بکریاں دوسری جگہ چراتا ہے، تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ہمارے نزدیک نصاب پر حولانِ حول کے بعد مرعیٰ کا ایک ہونا ضروری نہیں، جب ساٹھ بکریاں ایک شخص کی ملکیت ہوں تو الگ الگ مقامات پر چرنے کے باوجود

لہ قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وَسَبَبُهٗ ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰة۔ مطلب فی احکام المعتوہ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰة۔

۲لہ قال ابن نجیم رحمه الله :۔ هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنة بیان للسائمة با لمعنی الفقهی لان اسم السائمة لا یزول با لعلف الیسیر ولانه لا یمکن الاحتراز عنه قید با لاکثر لافادة انه لو علفها نصف الحول فانها لا تکون سائمة فلا زکوٰة فیها لوقوع الشك فی السبب۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۲ باب صدقة السوائم)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۲۱ باب زکوٰة الخیل۔

اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال فی الهندية :- الخليطان فی المواشی كغير الخليطين .... اسباب الملك ....
وسواء كانت فی مرعی واحد اوفی مراعی مختلفة فان كان نصيب احدهما يبلغ نصابا
ونصيب الآخر لا يبلغ نصابا وجبت الزكوٰة على الذی يبلغ نصيبه نصابا دون الآخر ـ
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۸۱ كتاب الزكوٰة ـ الباب الثالث، مسائل شتى) لـه

گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کے نصاب میں فرق ہے یا نہیں

سوال :- گائے اور بھینس کی نصاب زکوٰۃ میں کتنی تعداد ہے جس کو پہنچکر ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ؟ اور کیا گائے اور بھینس دونوں ایک شمار ہوں گے یا علیحدہ علیحدہ ؟

الجواب :- گائے اور بھینس میں نصاب زکوٰۃ کم از کم تیس ہیں بشرطیکہ وہ سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتی ہوں اور اس پر ایک سال کا بچہ یا بچی جو دوسرے سال میں داخل ہو زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانی رح :- ليس فی اقل من ثلثين من البقر صدقة فاذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول ففيها تبيع او تبيعة وهی التی طعنت فی الثانية والجواميس والبقر سواء (الهداية ج ۱ ص۱۷۱ كتاب الزكوٰة ـ فصل فی البقر) ٢ـه

لـه قال ابن الهمام رحمه الله :- ففی الوجوب الجمع بين الاملاك المتفرقة اذ المراد الجمع والتفريق فی الاملاك لا الامكنة الا ترى ان النصاب المفرق فی امكنة مع وحدة الملك تجب فيه ومن ملك ثمانين شاة ليس للساعی ان يجعلها نصابين بان يفرقها فی مكانين فمعنى لا يفرق بين مجتمع انه لا يفرق الساعی بين الثمانين مثلاً ـ

(فتح القدير ج ۲ ص۱۲۹ باب صدقة السوائم ـ فصل فی الابل)

ومثله فی الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص۲۴۸ فصل فی صدقة الحملان والفصلان ـ

٢ـه لما قال العلامة الحصكفی رح :- نصاب البقر والجاموس ولو متولدا من وحشی واهلية بخلاف عكسه .... ثلاثون سائمة غير مشتركة وفيها تبيع لانه يتبع امه ذو سنة كاملة او تبيعة انثاه ـ الخ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸ كتاب الزكوٰة ـ باب زكوٰة البقر)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۸ كتاب الزكوٰة ـ فصل فی نصاب البقر ـ

بکریوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بکریوں کی تعداد نصاب زکوٰۃ میں کتنی ہے جن میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب:۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد جب چالیس تک پہنچ جائے اور سائمہ بھی ہوں تو سال گذرنے کے بعد اُن میں ایک بکری بطور زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ ليس في اقل من اربعين من الغنم السائمة صدقة فاذا كانت اربعين سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة۔

(الهداية ج ۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ فصل في الغنم) ؎۱

بھینسوں کا نصاب زکوٰۃ

سوال:۔ احادیث مبارکہ میں گائے، اُونٹ، بکری وغیرہ کا نصاب زکوٰۃ تو مقرر ہے مگر بھینس کا نہیں، تو شرعاً بھینسوں کا نصاب زکوٰۃ کتنا ہے؟

الجواب:۔ بھینس نصاب زکوٰۃ میں گائے کی طرح ہے یعنی جتنا نصاب گائے کا ہے (تیس گائے) اتنا ہی نصاب بھینسوں کا بھی ہے، اسی طرح اگر دونوں مخلوط ہوں تب بھی یہی ایک نصاب ہوگا یعنی دونوں کا نصاب ایک ہی شمار کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم:۔ (قوله والجاموس كالبقر) لان اسم البقر يتناولها اذ هو نوع منه فيكمل نصاب البقر به وتجب فيه زكاتها وعند الاختلاط تؤخذ الزكوٰة من اغلبها الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۵ كتاب الزكوٰة، باب صدقة البقر) ؎۲

؎۱ لما قال العلامه عالم بن العلاء الانصاريؒ:۔ وليس في اقل من الاربعين من الغنم صدقة فاذا كانت اربعين وفي الكافي سائمة غير مشتركة ففيها شاة الى مائة وعشرين۔

(الفتاوى التاتارخانيه ج ۲ ص۲۲۲ كتاب الزكوٰة۔ الفصل الاول في صدقة السوائم)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۸ كتاب الزكوٰة، فصل في نصاب الغنم۔

؎۲ وفي الهندية: والجاموس كالبقر وعند الاختلاط يجب ضم بعضها الى بعض لتكميل النصاب ثم تؤخذ الزكوٰة من اغلبها ان كان بعضها اكثر من بعض۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۸ كتاب الزكوٰة۔ الفصل الثالث في زكوٰة البقر)

وَمِثْلُهٗ في الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۴۴ كتاب الزكوٰة۔ باب زكوٰة البقر۔

گھر میں پالے ہوئے جانوروں میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانوروں کی دیکھ بھال گھر میں ہی کرتا ہو لیکن یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو کیا ان جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور بغرض تجارت رکھے جائیں چارے وغیرہ کا بندوبست گھر میں کرے یا باہر چراگاہ میں، مگر وہ جانور بمنزلہ سامانِ تجارت ہو کر سال گذرنے کے بعد ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اُن کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو۔

لما قال العلامة برهان المرغینانیؒ:۔ الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب، لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم۔ الخ۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۷۷ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی العروض) [1]

تجارت کے لیے جانوروں میں سونا چاندی کا نصاب معتبر ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص تجارت کیلئے گائے یا بیل رکھتا ہو اور ان کی تعداد تیس۳۰ سے کم ہو تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور تجارت کی نیت سے پالے جائیں تو اس میں جانوروں کا نصابِ زکوٰۃ ضروری نہیں بلکہ جب ان جانوروں کی قیمت ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونے کی قیمت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے جانوروں کی تعداد نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو یا نہ۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۷۷ کتاب الزکوٰۃ فصل فی العروض) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیمؒ:۔ (قوله ولا فی العلوفة والعوامل)...... والمراد بنفی الزکوٰۃ عن العلوفة زکوٰۃ السائمة لانها لو کانت للتجارة وجبت فیها زکوٰۃ التجارة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الغنم)

[2] لما قال العلامة ابن نجیمؒ:۔ قوله وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب...... ای یجب ربع العشر فی عروض التجارة اذا بلغت نصاباً من احدهما۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۸ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ المال)

زکوٰۃ میں جانور کی بجائے اس کی قیمت دینا

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانوروں کی زکوٰۃ میں جانور کی جگہ اس کی قیمت دیدے تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقہ حنفی کی رُو سے بعینہٖ اُسی چیز کا دینا ضروری نہیں بلکہ اس کی جگہ قیمت بھی دی جاسکتی ہے بلکہ بسا اوقات قیمت دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ:۔ ویجوز دفع القیمۃ فی الزکوٰۃ والکفارۃ وصدقۃ الفطر والعُشر والنذر۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۲۱ کتاب الزکوٰۃ۔ باب فی الغنم)۔ [1]

گدھوں میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ بعض علاقوں میں زیادہ تر گدھے پالے جاتے ہیں تو کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گدھے یا خچر ایسے جانور ہیں جن کی زکوٰۃ کے لیے شارع علیہ السلام نے کوئی حکم جاری نہیں فرمایا اس لیے ان میں زکوٰۃ نہیں، تاہم اگر تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں تو پھر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولا شئ فی البغال والحمیر لقولہ علیہ السلام لم ینزل علیّ فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعاً الا ان تکون للتجارۃ لان الزکوٰۃ حینئذ تتعلق بالمالیۃ کسائر اموال التجارۃ۔ (الھدایہ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی الخیل) [2]

ڈیری فارم کی بھینسوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میرا ایک ڈیری فارم ہے جس میں تیس چالیس بھینسیں رکھی ہیں جن کے چارہ وغیرہ کا

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقۃ الفطر والعُشر والنذر۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الخیل)

وَمِثْلُہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۴۷ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ الخیل۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ:۔ (قولہ ولا فی الحمیر والبغال) لقولہ علیہ السلام لم ینزل علیّ فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعاً الا ان تکون للتجارۃ لان الزکوٰۃ حینئذ تتعلق بالمالیۃ کسائر اموال التجارۃ۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۱۷ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی الغنم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الفصل الخامس فیما لا تجب فیہ الزکوٰۃ۔

انتظام میں فارم ہی میں اپنے خرچہ سے کرتا ہوں، تو کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور گھر میں پالے جاتے ہوں اور ان کے لیے چارہ وغیرہ بھی قیمتاً لیا جاتا ہو اور باہر چراگاہ میں چرتے ہوں لیکن سال کا کم حصہ، تو ایسے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں، لہٰذا آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر ان بھینسوں کو صرف دودھ کے لیے پال رکھا ہو اور ان کے دودھ کو فروخت کیا جاتا ہو تو اس صورت میں دودھ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اُس رقم پر پورا سال گذر جائے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ:۔ ولیس فی العوامل والعلوفة صدقة ...... ثم السائمة هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول حتی لو اعلفها نصف الحول او اکثر کانت علوفة لان القلیل تابع للاکثر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۴ کتاب الزکوٰة، فصل فی الخیل) [1]

گائے بیل اور دودھ کی ذاتی ضرورت کے لیے رکھی ہوئی بھینسوں میں زکوٰۃ

سوال:۔ میں ایک کاشتکار آدمی ہوں میرے پاس کچھ بیل ہیں جو میں نے ہل چلانے کے لیے رکھے ہوئے ہیں اور دو بھینسے (سنڈے) رہٹ چلانے کے لیے اور کچھ گائے بھینسیں دودھ کی ذاتی ضروریات کے لیے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بچے بھی ہیں، تو کیا میرے ذمے ان جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور کسی عمل (ہل یا رہٹ وغیرہ) کے لیے رکھے جائیں اُن میں شرعاً زکوٰۃ نہیں اور جو جانور دودھ یا بچوں کے لیے پالے جاتے ہوں تو اُن میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ سال کا اکثر حصہ چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتے ہوں اور نصاب تک بھی پہنچے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولیس فی العوامل والحوامل والعلوفة

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ (قوله هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنة بیان للسائمة بالمعنی الفقهی ...... قید بالاکثر لافادة انه لو علفها نصف الحول فانها لا تکون سائمة فلا زکوٰة فیها لوقوع الشك فی السبب۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة۔ باب صدقة السوائم)

ومثلهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۴۸ کتاب الزکوٰة۔ باب زکوٰة الخیل۔

صدقۃ خلافا لمالک لہ ظواھر النصوص ولنا قولہ علیہ السلام لیس فی الحوامل والعوامل ولا فی البقرۃ المثیرۃ صدقۃ ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی الخیل)[1]

بھیڑوں کے ساتھ ان کے بچے بھی نصاب میں شمار ہوں گے

سوال:۔ ہمارے ملک (افغانستان) میں اکثر لوگ بھیڑیں پالتے ہیں جن میں بسا اوقات بڑی بھیڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو نصاب تک نہیں پہنچ سکتی تو کیا بڑی بھیڑوں کے ساتھ اُن کے چھوٹے بچے بھی نصاب میں شمار کیے جائیں گے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جانوروں کے نصاب زکوٰۃ میں بڑے جانوروں کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی شمار کیے جائیں اور جب نصاب کو پہنچیں تب اُن میں زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

لما قال العلامۃ الحصکفی ؒ :۔ ولا فی حمل وفصیل ولد الناقۃ وعجول ولد البقرۃ...... الا تبعاً لکبیر ولو واحداً ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۳ کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم)[2]

گھوڑوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میں نے سواری کے لیے ایک گھوڑا پال رکھا ہے تو کیا میرے ذمے اُس گھوڑے کی زکوٰۃ شرعاً واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں جو گھوڑا سواری کے لیے رکھا جائے وہ وجوبِ زکوٰۃ سے خارج ہے یعنی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لہٰذا آپ پر بھی اس گھوڑے کی

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :۔ (قولہ ولا فی العلوفۃ والعوامل) للحدیث لیس فی الحوامل والعوامل والعلوفۃ صدقۃ ولان السبب ھو المال النامی ۔ الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ ، فصل فی الغنم)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ ، الفصل الخامس فیما لا زکوٰۃ فیہ ۔

[2] لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ :۔ ولیس فی الفصلان والعجاجیل والحملان صدقۃ عند ابی حنیفۃ ؒ الا ان یکون معھا کبار وھذا اخر اقوالہ وھو قول محمد ۔
(الھدایۃ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ ، فصل فی الخیل)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۷ کتاب الزکوٰۃ ، فصل فی الغنم ۔

زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ وليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة لانها مشغولة بالحاجة الاصلية۔ (الهداية ج۱ ص۱۶۶ كتاب الزكوٰة) ۔ ۱

اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ ہمارے علاقے میں لوگ اونٹ زیادہ پالتے ہیں تو شرعاً کتنے اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور کتنی واجب ہے؟

الجواب:۔ اسلام کے قانونِ زکوٰۃ کے مطابق جب اونٹ سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں چرتے ہوں اور اُن پر پورا سال گذر جائے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے بشرطیکہ جب اونٹوں کی تعداد کم از کم پانچ ہو جائے تو ان میں ایک بکری واجب ہو جائے گی۔

لما قال العلامة برهان الدين:۔ قال ليس في اقل من خمس ذود صدقة فاذ بلغت خمساً سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى تسع، الخ۔

(الهداية ج۱ ص۱۶۷ كتاب الزكوٰة۔ فصل في الابل) ۲

صرف نصف سال چراگاہ میں چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے پاس تقریباً پچاس گائے بھینسیں ہیں جن کو میں سال کے چھ ماہ اپنے گاؤں کے بیلے میں چراتا ہوں اور چھ ماہ اپنے گھر سے چارہ وغیرہ دیتا ہوں، کیا مجھ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مویشیوں میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مویشی سائمہ

---

۱ لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله:۔ ليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة لانها مشغولة بحاجة الاصلية وليست بنامية۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ كتاب الزكوٰة)

ومثله في عزيز الفتاوى ج۱ ص۳۲۸ كتاب الزكوٰة۔

۲ لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري:۔ قال محمد وليس فيما دون الخمس من الابل السائمة زكوٰة وفي الخمس شاة۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۲۱۹ كتاب الزكوٰة۔ الفصل الاول في صدقة السوائم)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۹ كتاب الزكوٰة۔ باب نصاب الابل۔

ہوں اور سائمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں چرتے ہوں، صورتِ مسئولہ کے مطابق چونکہ آپ اپنے مویشیوں کو نصف سال اپنے گھر سے چارہ کھلاتے ہیں اور نصف سال باہر بیلہ میں چراتے ہیں، اس لیے ان مویشیوں پر سائمہ کی تعریف صادق نہیں آتی، لہٰذا آپ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: باب السائمة (هي) الراعية وشرعاً المكتفية بالرعي) المباح ذكره الشمني (في اكثر العام لقصد الدر والنسل) ذكره الزيلعي وزاد في المحيط (والزيادة في السمن) ليعم المذكور فقط لكن في البدائع لو اسامها للحم فلا زكوٰة فيها........ (فلو علفها) نصفه لا تكون سائمة) فلا زكوٰة فيها للشك في الموجب. اھ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۵، ۲۷۶ كتاب الزكوٰة) [۱]

---

[۱] لما قال العلامة عبد الرحمٰن بن محمد الكليبولي الشهير بداماد افندي: (السائمة التي تكتفي بالرعي) الرعي بالكسر الكلاء وبالفتح مصدر..... (في اكثر الحول) فان علفها نصف الحول او اكثر فليست بسائمة لأن اربابها لا بد لهم من العلف ايام الثلج والشتاء فاعتبر الاكثر ليكون غالباً۔ (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر ج ۱ ص۲۹۲ باب زكوٰة السوائم)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص۸۳۲ كتاب الزكوٰة۔ الخطب الخامس زكوٰة الحيوان والانعام۔

باب العشر
(عُشر کے احکام و مسائل)

چشمہ کے پانی سے سیرابی کی صورت میں عُشر کا حکم

سوال:۔ جو زمینیں چشموں سے سیراب ہوتی ہیں ان میں عُشر کا کیا حکم ہے؟ ان میں عُشر ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:۔ چشموں سے سیراب ہونے والی زمینوں میں عشر دینا واجب ہوگا کیونکہ اس میں مؤنت اور محنت کم ہوتی ہے اور عُشر کا دار و مدار مؤنت اور محنت پر ہے۔

لما قال فی الهندیة: ثم ماء العشر ماء البئر التی حفرت فی ارض العشر وماء العین التی تظهر فی ارض العشر وکذلک ماء السماء وماء البحار العظام عشری۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [۱]

عُشر کس جگہ کے حساب سے واجب ہوتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نے ٹماٹر کی فصل کاشت کی ہو مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے اپنے شہر میں کوئی قبول نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اگر یہ شخص وہ ٹماٹر فروخت کے لیے کسی دوسرے شہر لے جائے تو یہ آدمی عُشر کس جگہ کے حساب سے دے گا؟

الجواب:۔ اگر اپنے شہر میں جنس سے زکوٰة ادا کرے تو فبہا ونعمت، ورنہ دوسرے شہر میں فروخت کرتے وقت متعلقہ شہر میں جنس کی قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰة ادا کی جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰة الغنم) [۲]

---

[۱] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: ثم الماء العشری ماء السماء والآبار والعیون والبحار التی لا تدخل تحت ولایة احد۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۹۹ باب زکوٰة الزرع والثمار)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۳۳ باب العشر۔

[۲] قال فی الهندیة: ویقومها المالک فی البلد الذی فیه المال حتی لو بعث عبد التجارة الی بلد آخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذلک البلد ولو کان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذلک الموضع۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰة الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض)

ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی نصف عُشر کا وجوب

سوال:- آبپاشی کے لیے اگر ٹیوب ویل استعمال ہوتا ہو جس میں زمیندار کو بجلی کے بل کے علاوہ مزید کچھ اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں، اس صورت میں آمدنی پر عُشر واجب ہوگا یا نصف عُشر؟

الجواب:- فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق جس کھیت کی زراعت میں آبپاشی کے لیے بوجھ اٹھانا پڑے تو اس میں نصف عُشر واجب ہوگا، جبکہ ٹیوب ویل سے آبپاشی کی صورت میں مالی بوجھ کسی سے مخفی نہیں اس لیے اس میں نصف عشر واجب ہے۔

لما فی الھندیۃ: وما سقی بالدولاب والدالیۃ ففیہ نصف العُشر وان سقی سیحًا وبدالیۃ یعتبر اکثر السنۃ فان استویا یجب نصف العُشر۔ (الھندیہ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزروع والثمار) ؎۱

ائمہ مساجد کو دی گئی سیری کی آمدنی میں عشر یا نصف عشر کا وجوب

سوال:- بعض علاقوں میں سادات یا ائمہ مساجد کو قوم کچھ زمین دیتی ہے جس کو عرف میں سیری کہا جاتا ہے، بسا اوقات یہ زمین مالکانہ حقوق کے طور پر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ تو ائمہ مساجد کی ملکیت متصور ہوگی، لیکن جو سیری مساجد کے لیے وقف ہو اور ائمہ مساجد اس میں کاشت کریں تو اس میں عُشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- زمین سے عُشر کی ادائیگی کے لیے مالک ہونا شرط نہیں بلکہ زمین کی آمدنی جس کے لیے ہو اُس پر عُشر یا نصف عشر واجب ہے۔ ائمہ مساجد سیری سے جو آمدنی لیتے ہیں اس میں عُشر یا نصف عُشر واجب رہے گا۔

لما فی الھندیۃ: وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفۃ ویجب فی ارض الماذون والمکاتب۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) ؎۲

؎۱ قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وما سقی بغرب او دالیۃ او سانیۃ ففیہ نصف العشر الدالیۃ الدولاب والسانیۃ البعیر الذی یستقی بہ الماء۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۴ باب العشر)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

؎۲ قال ابن نجیم المصریؒ: وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الارض الموقوفہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العشر)

وَمِثْلُہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۳ باب زکوٰۃ الزرع والثمار۔

آئندہ سال کا عُشر پیشگی دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص امسال عُشر ادا کرتے وقت آئندہ سال کا عُشر بھی ادا کر دے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: عُشر یا نصف عُشر چونکہ پیداوار پر واجب ہوتا ہے، آئندہ سال کا عُشر پیشگی دینا قبل الوجوب ادائیگی کے مترادف ہے جس سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی۔

ووقته وقت خروج الزرع وظهور الثمر عند ابی حنیفة فلو عجل عشر ارضه قبل الزرع لایجوز ولو عجل بعد الزراعة بعد النبات فانه یجوز ولو عجل بعد الزراعة قبل النبات فالاظهر انه لایجوز ولو عجل عشر الثمار ان کان بعد طلوعها یجوز وان کان قبل طلوعها لایجوز فی ظاهر الروایة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰة، الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) ؎۱

قومی اخراجات منہا کیے بغیر عشر واجب ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں لوگوں کا یہ رواج ہوتا ہے کہ زمین کی آمدنی میں گاؤں کے لوہار، حجام یا دیگر کسب گروں کو ایک مخصوص حصہ دیتے ہیں۔ تو کیا عشر ان قومی یا علاقائی اخراجات کو منہا کیے بغیر ہی عشر ادا کیا جائے گا یا ان کا حصہ نکالنے کے بعد؟

الجواب: عُشر یا نصف عُشر تمام آمدنی میں واجب ہے مذکورہ اخراجات بھی زمین کی آمدنی ہیں اس لیے اس کا عُشر یا نصف عشر ادا کرنا واجب ہے اور ان اخراجات کو منہا کیے بغیر ہی عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وقال محمد اذا حصدت وصارت فی الجرین و دفا ندته فیما اذا اکل منه شیئاً بعد ما صار جهیشاً او اطعم غیره منه بالمعروف فانه یضمن عشر ما اکل واطعم عند ابی حنیفةؒ وزفرؒ... وان اکل منها بعد بلغت الحصاد قبل ان حصد ضمن عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔
(الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۵۸ باب زکوٰة الزرع والثمار) ؎۲

؎۱ قال العلامة جلال الدین الخوارزمیؒ: ثم اختلفوا فی وقت الوجوب فوقت الوجوب عند ابی حنیفةؒ یکون عند ظهور الثمرة وعند ابی یوسفؒ الوجوب عند الادراک وعند محمد یکون عند استحکامه۔ (الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج ۲ ص ۱۹۱/۱۹۲ باب زکوٰة الزرع والثمار)

ومثله فی البدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۴ فصل زکوٰة الزرع والثمار۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: واما رکنه فالتملیک کالزکوٰة وشرائط الاداء ما قدمناه فی الزکوٰة.... وان استهلکه غیر المالک اخذ الضمان منه وادی عشره وان استهلکه المالک ضمن عشره وصار دیناً فی ذمته۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۶ باب العشر)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰة۔

حکومت کا عُشر اور زکوٰۃ وصول کرنا

سوال:۔ حکومت عوام سے جو عُشر اور زکوٰۃ وصول کر کے تقسیم کرتی ہے تو کیا اس سے مالک کی ذمہ داری فارغ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حکومت کے واسطہ سے زکوٰۃ اور عُشر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مروجہ نظامِ زکوٰۃ کی خامیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کسی پر مخفی نہیں کہ عموماً زکوٰۃ اصل مصرف میں خرچ نہیں ہوتی بلکہ سیاسی وابستگی اور پارٹی تعلقات کی بنیاد پر عموماً غیر مستحقین کو دی جاتی ہے اس لیے اس کو دیکھتے ہوئے کہ زکوٰۃ ضائع ہو رہی ہے اس پر اکتفاء کرنا دانشمندی نہیں بلکہ دوبارہ اعادہ کرنا بہتر ہے۔

لما قال العلامة صدر الشريعة: وان اخذ وا الزكوٰة المذكورة قال صرفوا الى مصارفها وهي مصارف الزكوٰة فلا اعادة على الملّاك وان لم يصرفوا الى مصارفها فعليهم الاعادة (شرح الوقاية ج ۱ ص ۲۸۰ كتاب زكوٰة الاموال)[1]

پاکستانی زمین کی شرعی حیثیت

سوال:۔ پاکستان کی جو زمین ہے (خواہ اس کا تعلق کسی بھی صوبے سے ہو) ہموار ہو یا پہاڑی، از روئے شریعت اس میں عُشر یا نصف عُشر واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز پاکستان بننے سے پہلے یا بعد جن لوگوں کو زمین ملی ہے اس میں عُشر کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ہمارے ملک کی زمین خواہ وہ پاکستان بننے سے قبل کسی کو ملی ہو یا بعد میں، تمام پر حکومت کی طرف سے مالکانہ قبضہ تسلیم کر کے جملہ مالکانہ تصرفات کا اختیار دے دیا گیا ہے اس لیے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم ہونے کے بعد یہ زمین عشری ہے خراجی زمین نہیں[2]

---

[1] لما قال العلامة الحصكفيؒ: اخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكوٰة الاموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا اعادة على اربابها ان صرف الماخوذ في محله الآتي ذكره والا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله ـ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ باب زكوٰة الغنم)
وَمِثْلُهٗ في السراجية ص ۲۶ كتاب الزكوٰة ـ

[2] وللتفصيل فليراجع الى الكتاب المسمّى "بالقول الماضي في الاحكام الاراضي" للعلامة مفتي محمد شفيع صاحب رحمه الله ـ

قرض مانع وجوب عشر نہیں

سوال:۔ اگر زمیندار پر کچھ قرض ہو تو کیا مقروض ہونے کے باوجود زمین کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا قرض مانع وجوب عشر ہے؟

الجواب:۔ عشر کا وجوب زمین کی آمدنی پر ہے اس میں غنا یا مالک نصاب ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے مقروض ہونے کے باوجود عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الامام برهان الدين المرغيناني: قال ابوحنيفة رحمه الله في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقى سيحًا او سقته السماء۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۸۶ باب زكوٰة الزروع والثمار) [1]

مالیہ یا آبیانہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشر اور خراج دونوں ایک زمین سے نہیں لیے جائیں گے لیکن اگر حکومت زمیندار سے آبیانہ یا مالیہ کے نام پر ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا اس سے عشر ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فی زمانہ حکومتی ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) آبیانہ جو کہ پانی کے عوض لیا جاتا ہے (۲) زرعی ٹیکس جو کہ پیداوار پر لگایا جاتا ہے۔ اوّل الذکر یعنی آبیانہ چونکہ اُس پانی کے عوض میں حکومت وصول کرتی ہے جس کا وہ انتظام کرتی ہے اس لیے اس صورت میں بوجہ اخراجات اور محنت ومشقت عشر (دسواں حصہ) کے بجائے نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدين: لان العلة في العدول عن العشر الى نصفه في مسقى غرب ودالية هي زيادة الكلفة كما علمت وهي موجودة في شراء الماء۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر) [2]

---

[1] قال ابي بكر بن علي بن محمد: قال ابوحنيفة في قليل ما اخرجته الارض وكثيرا لعشر حد القليل الصاع ومادونه لا شئ فيه وقيل حده نصف الصاع والمراد بالارض هنا العشر وفيه اشارة الى انه لا يلتفت الى المالك سواء كان بالغًا او صبيًا او مجنونًا او عبدًا او كانت الارض وقفًا على الرباطات او المساجد او المدارس۔

(الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۵۳ باب زكوٰة الزروع والثمار)

وَمِثْلُهُ في الهندية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة۔ الباب السادس في الزروع والثمار۔

[2] قال الشيخ المفتي عزيز الرحمٰن: نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۱۷۲ چھٹا باب عشر)

جبروتشدد سے لیے ہوئے عُشر کا اعادہ بہتر ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص سے حکمران یا کوئی ظالم بادشاہ جبروتشدد سے عشر وصول کرے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کسی سے بصورتِ ظلم وستم جبراً عشر وصول کیا جائے تو مالک پر عشر کا اعادہ لازم نہیں۔ چونکہ یہ عُشر عموماً حکمرانوں کی عیاشیوں کی نذر ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ میں اس کا خرچ ہونا یقینی نہیں جو شریعت نے بطور مصارف متعین کی ہو، اس لیے ازروئے احتیاط دوبارہ ادائیگی بہتر ہے تاکہ مالک خود اپنی مرضی سے غرباء میں تقسیم کرکے اطمینان حاصل کرے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: واذا اخذ الخوارج الخراج وصدقة السوائم لایثنّٰی علیہم وافتوابان یعیدوھادون الخراج الخ وقیل اذا نوی بالدفع التصدق علیہم سقط عنہ وکذا مادفع الی کل جائر لانھم بما علیہم من التبعات فقراء والاول احوط۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۷۵ فصل فی الخیل) [۱]

سرکاری محصول سے عشر پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی زمین پر حکومت کی طرف سے محصول مقرر ہو جو مقررہ وقت پر ادا کیا جاتا ہے، کیا اس سے عشر پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ چونکہ حکومت محصول وغیرہ عشر کی نیت سے نہیں لیتی اور نہ صحیح مصرف پر خرچ کرتی ہے اور نہ صحیح طریقہ کار عشر جمع کرنے کے لیے موجود ہے، اس لیے سرکاری طور پر محصول ادا کرنے سے عُشر ساقط نہیں ہوتا اور نہ ذمہ فارغ ہوتا ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاتی ذکرہ وان لا یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ

---

[۱] قال علاؤالدین الحصکفیؒ: اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاتی ذکرہ وان لا یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۹۹ باب زکوٰۃ الغنم۔

ومثلہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۲۳ باب زکوٰۃ الغنم۔

اعادۃ عشر الخراج - الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸۸ باب زکاۃ الغنم) ۱ے

موقوفہ زمین کی آمدنی میں عشر کا حکم

سوال:- کسی مدرسہ و مسجد یا دوسرے اداروں کے لیے موقوفہ زمین کی آمدنی میں عشر اور نصف عشر کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ایسی زمین کی ملکیت شخصی نہیں ہوتی!

الجواب:- وجوب عشر میں زمین کی ملکیت شرط نہیں بلکہ ماخرج من الارض کا مالک ہونا شرط ہے، جو چیز زمین سے حاصل ہو جائے اور جس کی ملکیت اس میں ہو تو اس مالک پر عشر دینا لازم ہے۔ اگر موقوفہ زمین میں اہلِ وقف کاشت کرتا ہو تو اس پر عشر دینا لازم ہے۔ اگر اہلِ وقف کے سوا کسی دوسرے شخص نے کاشت کی ہو تو اس میں اجارہ اور مزارعت کے اقسام کا حکم جاری ہوگا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف — قال العلامہ ابن عابدینؒ (تحت قولہ ووقف) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ وعدمہ سواء - (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر) ۲ے

کرایہ پر دی ہوئی زمین پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- مزروعہ زمین اگر کرایہ پر دے دی جائے جو زراعت کے علاوہ کسی اور مصرف میں بھی استعمال کی جا سکتی ہو تو کیا مالکِ زمین پر عشر واجب ہوگا یا زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب:- مزروعہ زمین اگر کرایہ پر دے دی گئی ہو تو اگر اس کا کرایہ مقدارِ نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی عشر نہیں، اگر مقدارِ نصاب سے

۱ے قال العلامۃ الکاسانیؒ: واما سلاطین زماننا الذین اذا اخذوا الصدقات والعشور والخراج لایضعونہا مواضعہا..... فاما الزکوٰۃ والصدقات فانہم لایضعونہا فی اہلہا وقال ابو بکر الاسکاف ان جمیع ذلک یسقط ویعطی ثانیًا الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۶ فصل واما بیان من لہ المطالبۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج ۱ ص۱۹۳ فصل فی الغنم۔

۲ے وفی الہندیۃ: وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفۃ - (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۸۵ باب السادس فی زکاۃ الزرع والثمار)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۷ باب العشر -

کم ہو اور مالک بھی صاحب نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملکاتاماً وحال علیہ الحول۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

غصب پر عُشر کا وجوب

سوال: کسی کی زمین پر غاصبانہ قبضہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اُس پر عُشر کے وجوب کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ غاصب ادا کرے گا یا اصل مالک؟

الجواب: عُشر کے وجوب کے لیے زمین کا مملوکہ ہونا ضروری نہیں بلکہ آمدنی کی ملکیت ضروری ہے، اس لیے مغصوبہ زمین سے جو آمدنی غاصب کے پاس جمع ہو تمام سے عُشر کی ادائیگی غاصب پر ضروری ہے تاہم عشر کی ادائیگی سے آمدنی حلال نہیں ہوتی، البتہ اگر غاصب نے تمام آمدنی مالک کو واپس کردی تو پھر مالک پر اس کا عشر واجب ہوگا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان غصب عشریۃ فزرعھا ان لم تنقصھا الزراعۃ فلاعشر علی المالك، وان نقصتھا فالعشر علی المالك کانۃ آجرھا بالنقصان۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۳ باب العشر) [۲]

مشترکہ مال کی عارضی تقسیم مسقطِ زکوٰۃ نہیں

سوال: ہم چار بھائیوں کا کل سرمایہ ۱۸۰ بھیڑ بکریاں ہیں اور تمام زمین سے صرف ۲۰ من گندم ہوتی ہے، کیا ہم بھائیوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: مشترکہ مال کو اگر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ دار صاحب نصاب بنتا ہو تو ہر ایک پر اپنے حصے کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ چونکہ بکریوں میں شرعی نصاب چالیس ۴۰ بکریاں ہیں چونکہ

---

[۱] وفی الھندیۃ: ومنھا کون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منہ ھکذا فی العینی شرح الکنز۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال العلامۃ زین الدین ابن نجیمؒ: وفی الارض المغصوبۃ علی الغاصب ان لم تنقصھا الزراعۃ وان نقصتھا فعلی رب الارض۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۷ باب العشر)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۷ باب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار۔

تقسیم کے بعد ہر بھائی نصاب کا مالک بنتا ہے اس لیے ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: نصاب الغنم ضأناً او معزاً اربعون وفیہا شاۃ وفی مائۃ واحدی وعشرین شاتان وفی مائتین وواحدۃ ثلاث شیاۃ وفی اربعمائۃ اربع شیاۃ۔ (متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸ باب فی الغنم)[1]

ناقابلِ کاشت زمین میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ناقابلِ کاشت زمین پر نہ عشر واجب ہے اور نہ زکوٰۃ واجب ہے جبکہ قابلِ کاشت زمین میں عشر واجب ہے، لیکن جو آدمی بنک میں ایک لاکھ روپے جمع کراتا ہے اور بنک کی طرف سے اُس پر سالانہ منافع دیا جاتا ہے، تو جس طرح اصل زمین پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہے اسی طرح بنک میں جمع کردہ ایک لاکھ روپیہ پر زکوٰۃ لازم نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس کے ذریعے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیئے، شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اصل رقم اور منافع دونوں میں زکوٰۃ لازمی ہے اور اس رقم کا زمین پر قیاس غلط ہے کیونکہ یہ رقم خود ثمن ہے اور زمین خود ثمن نہیں ہے، اثمان رائجہ مالِ تجارت میں داخل ہیں اور زمین مالِ نامی نہیں لہٰذا اس میں زکوٰۃ لازمی ہے۔

لما قال علامۃ کاسانیؒ: فان کانت اثماناً رائجۃً اوکان یمسکہا للتجارۃ یعتبر قیمتہا فان بلغت قیمتہا مائتی درھم من ادنی الدراھم التی تجب فیہ الزکوٰۃ وھی التی الغالب علیہا الفضۃ تجب فیہ الزکوٰۃ والا فلا، وان لم تکن اثماناً رائجۃً ولا معدۃ للتجارۃ فلا زکوٰۃ فیہا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۷ فصل الاثمان المطلقۃ)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمۃ صدقۃ فاذا کانت اربعین سائمۃ وحال علیہ الحول ففیہا شاۃ الی مائۃ وعشرین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۸ فصل الرابع فی زکوٰۃ الغنم)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ فصل فی الغنم۔

[2] وقال الشیخ النظام: الدراھم اذا کانت مغشوشۃ فان کان الغالب ھو الفضۃ ...... فینظر ان کانت رائجۃً او نوی التجارۃ اعتبرت قیمتہا فان بلغت نصاباً من ادنی الدراھم التی تجب فیہا الزکوٰۃ وھی التی غلبت فضتہا وجبت فیہا الزکوٰۃ والا فلا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ)

سال کے بعد بچ جانے والے غلّہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس کافی غلہ ہے، اس میں پچیس ۲۵ من گندم پر پورا سال گذر گیا، اس میں زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب گندم برائے تجارت نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس میں نمو نہیں پائی جاتی اور گندم سے جب عشر ادا کر دیا گیا ہو تو دوبارہ سال گذرنے سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

لما قال ابن نجیمؒ: وخرج ایضاً ما اذا دخل من ارضہ حنطۃ تبلغ قیمتھا قیمۃ نصاب ونوی ان یمسکھا ویبیعھا فامسکھا حولاً لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما فی المیراث۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

عشر کا وجوب بائع پر ہے یا مشتری پر؟

سوال:۔ اگر مالک نے کھیت کسی ٹھیکیدار پر فروخت کر کے اس کے حوالے کیا تو زمین کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر فصل تیار ہونے کے بعد فروخت کی جائے تو عشر کی ذمہ داری بائع پر ہے لیکن کچی فصل کے فروخت کی صورت میں عشر مشتری کے ذمہ واجب ہوگا۔

لما قال فی الھندیۃ: واذا باع الارض العشریۃ وفیھا زرع قد ادرک مع زرعھا او باع الزرع خاصۃ فعشرہ علی البائع دون المشتری ولو باعھا والزرع بقل ان قصلہ المشتری فالحال یجب علی البائع ولو ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ) ولا تصح نیۃ التجارۃ لانھا لا تصح الا عند عقد التجارۃ فلا تصح فیما ملکہ بغیر عقد کارث ونحوہ کما سیاتی ومثلہ الخارج من ارضہ لان الملک یثبت بالذات اولا اختیار لہ فیہ ونوقش فیہ قال فی البحر وخرج ای بقید العقد ما اذا دخل من ارضہ حنطۃ تبلغ قیمتھا نصاباً ونوی ان یمسکھا ویبیعھا فامسکھا حولاً لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما فی المیراث۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۳ باب العشر)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۶،۵۷ فصل شرائط الفریضۃ۔

پہاڑوں کی آمدنی میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ پہاڑوں کے خودرو درختوں میں پھل دار درخت بھی ہوتے ہیں جیسے اخروٹ اور چلغوزی وغیرہ، اگرچہ ان کی مالیت کافی ہوتی ہے کیا اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پہاڑوں میں خودرو درختوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے تو جس کو یہ پھل وغیرہ ملیں اس پر عشر واجب رہے گا۔

لما قال فی الهندیة : وما یجمع من ثمار الاشجار التی لیست بمملوکة کاشجار الجبال یجب فیها العشر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [1]

مزارعت میں عشر کا وجوب

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زمین کسی کاشتکار کو مزارعت پر دی ہوئی ہے، آمدنی تو مالکِ زمین اور کاشتکار حسبِ معاہدہ آپس میں تقسیم کرتے ہیں لیکن عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کس پر واجب ہے؟

الجواب:۔ مروجہ مزارعت میں عموماً آمدنی مالکِ زمین اور کاشتکار پر مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوتی ہے کسی ایک کے زیادہ فائدے کا قطعی علم نہیں ہوتا ہے اس لیے ہر ایک پر اپنے اپنے حصہ سے عشر یا نصف عشر کا ادا کرنا لازم ہے۔ اس میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مجموعی آمدنی سے مشترکہ طور پر عشر ادا کیا جائے یا تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے حصہ کی آمدنی سے ادا کرے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : وبقولهما نأخذ وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۴ باب العشر) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله کذا یجب العشر فی ثمرة جبل او مفازة ان حماه الامام) ویجب العشر ولو کان الشجر غیر مملوک ولم یعالجه احد۔۔۔۔ فان ثمر الجبال مباح لا یجوز منع المسلمین عنه. وقال ابو یوسف رحمه الله لا شئ فیما یوجد فی الجبال لان الارض لیست مملوکة ولهما ان المقصود من ملکها النماء وقد حصل۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۵ باب العشر)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۹۱ الباب الثالث فی العشر والخراج والجزیة۔

[2] وفی الهندیة : وفی المزارعة علی قولهما العشر علیهما بالحصة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۷ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العشر۔

پھل وغیرہ تیار ہونے سے قبل فروخت ہونے پر عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں سیب وغیرہ کے باغات بکثرت ہیں جو کہ پھل ظاہر ہونے کے بعد خرید لیے جاتے ہیں پھر پھل کی پختگی تک یہ سیب وغیرہ مالکوں کے باغات میں چھوڑ دیتے ہیں، جب پک کر تیار ہو جاتے ہیں تو یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں کیا ان باغات کا عشر مالک پر واجب ہے یا مشتری پر؟

الجواب:۔ پھلوں میں اس وقت عشر واجب ہوتا ہے جب یہ درختوں میں ظاہر ہو جائیں اور پک جانے تک فساد وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الجوھرۃ واختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع ـ فقال ابوحنیفۃؒ وزفرؒ یجب عند ظهور الثمرۃ والامن علیها من الفساد۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۳۱ باب العشر)

لیکن مروجہ بیوع فاسدہ ہیں اور بیع فاسدہ قبل القبض مفید للملک نہیں ہوتا لہٰذا عشر بائع پر ہوگا اور اگر بائع نے مشتری کو قبضہ دیا ہو تو پھر مشتری پر ہوگا۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۳۳ باب العشر) [1]

کسی دوسری جگہ فصل کو فروخت کرنے کی صورت میں عشر کی ادائیگی کا مسئلہ

سوال:۔ اگر فصل کسی دوسری جگہ بھیجکر فروخت کی جائے جہاں اس کی قیمت زیادہ ہو، تو عشر کس حساب سے ادا کیا جائے گا؟ کیونکہ مقامی طور پر اس کی قیمت کم ہوتی ہے۔

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ فصل سے علی الفور عشر ادا کیا جائے تاکہ ذمہ جلد فارغ ہو، لیکن اگر کسی نے فصل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر لی جہاں پر وہ زیادہ قیمت پر فروخت ہوئی تو جملہ قیمت کے اعتبار سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا، کرایہ یا محصول وغیرہ جملہ آمدنی سے کاٹنا جائز نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ویقوم فی البلد الذی المال فیه۔ وفی ردالمحتار، فلو بعث

---

[1] وفی الهندیۃ: ولو باعها والزرع بقل ان فصله المشتری فی الحال یجب علی البائع ولو ترکه حتی ادرك فعشره علی المشتری۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۷ فصل واما شرائط الفرضیۃ۔

عبد التجارة فی البلد الذی فیہ العبد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم)

ایضاً قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ بلا رفع مؤنت ای یجب العشر فی الاول و نصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال و نفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ نحو ذلک۔

(رد المحتار ج ۲ ص۳۲۸ باب العشر) ؎۱

فصل فروخت کرنے کی صورت میں عشر کس پر واجب ہے

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنے کھیت کی فصل کاٹنے سے قبل کسی دوسرے شخص پر فروخت کردے تو فصل کاٹنے کے بعد عشر کی ادائیگی کس کے ذمہ ہوگی۔

الجواب:۔ اگر کسی نے اپنی فصل پختگی سے قبل فروخت کی ہو اور فصل مشتری کی ملکیت میں کمال تک پہنچ جائے تو عشر کی ادائیگی مشتری پر لازم ہے، البتہ اگر فصل پک جانے کے بعد فروخت کی جائے تو عشر بائع پر واجب رہے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۳ باب العشر) ؎۲

اجارہ پر دی ہوئی زمین میں عشر کس پر واجب ہے

سوال:۔ اگر زمین اجارہ پر دی جائے یعنی مالکِ زمین کاشتکار سے یہ طے کرلے کر مجھے فی کنال یا فی جریب مثلاً پانچ سو روپے یا پانچ من غلہ سالانہ دے کر تم جس طرح چاہو زمین کو استعمال کرسکتے ہو، اب اس صورت میں جو آمدنی حاصل ہوگی تو اس کا عشر کس پر

؎۱ قال العلامۃ ابن الھمامؒ: ویقومھا المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو بعث عبداً للتجارۃ الی بلد اُخریٰ فحال الحول تعتبر قیمتہ فی ذالک البلد۔ الخ (فتح القدیر ج ۲ ص۱۶۷ فصل فی العروض)

وایضاً قال ولا یحتسب فیہ اجر العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحارس وغیرہ ذلک۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۱۹۴ باب زکوٰۃ الزرع والثمار)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض۔ والبحر الرائق ج ۲ ص۲۳۸ باب العشر۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ولو باعھا والزرع بقل ان فصلہ المشتری فی الحال یجب علی البائع ولو ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۷ فصل واما شرائط الفرضیۃ۔

واجب ہوگا؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر مالک زمین پر ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک کاشتکار پر ہے، عام فقہاء صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ نے اس میں یوں تفصیل نقل کی ہے کہ اگر زمین کا اجارہ اجرِ مثل کے برابر ہو یعنی جیسی زمین ہو اسی کی مناسبت سے اجرۃ مقرر کیا ہو تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا اور اگر اجارہ میں اجرۃ اجرِ مثل سے کم مقرر کیا ہو تو عشر کاشتکار پر ہوگا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ عرف عام پر چھوڑا جائے اگر علاقے کے رواج کے مطابق مالکِ زمین پر عشر ہو تو عشر مالکِ زمین سے لیا جائے گا اور اگر کاشتکار پر ہو تو کاشتکار پر لازم ہوگا، چونکہ ہمارے علاقے میں کاشتکار کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اسلئے صاحبینؒ کے قول کی رو سے کاشتکار کو ادا کرنا ہوگا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما ناخذ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۴ باب العشر)[1]

سوال:۔ اگر ایک آدمی نے اپنی زمین میں شفتل (چارا) کاشت کیا ہو، اگر یہ بار بار کاٹا جائے تو کیا ہر بار عشر ادا کرنا ہوگا یا ایک دفعہ کافی ہے؟

شفتل (چارے) میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شفتل کاشت کرنے سے چونکہ زمین کا استغلال پایا جاتا ہے اس لیے اس میں عُشر یا نصف عُشر کی ادائیگی ضروری ہے، پھر چونکہ یہ بار بار کاٹا جاتا ہے اس لیے اس کی مجموعی آمدنی کا حساب کرکے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ ہر بار ادا کرنا ہوگا۔

لما قال ابی بکر بن علی بن محمدؒ: اما اذا اتخذ ارضه مقصبةً اوشجرةً اومنبتاً للحشيش وساق اليه الماء ومنع الناس منه يجب فيه العشر۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۵۳ باب زکوٰة الزرع والثمار)[2]

---

[1] وفی الهندية: ولو آجر ارضاً عشرية كان العشر علی الآجر عند ابی حنيفةؒ وعندهما علی المستاجر۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العُشر۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله الا فيما لا يقصد) ...... وان المدار علی القصد حتی لو قصد به ذٰلك وجب العُشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۷ باب العشر)

گنے میں عشر کا حکم سوال:۔ گنے سے اگر گڑ تیار کیا جائے تو اس سے تو عشر یا نصف عشر دیا جائے گا اور اگر گنا شوگر ملز میں فروخت کیا جائے تو اس میں عشر کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

الجواب:۔ گنا زمین کی مستقل آمدنی ہے اسلئے اس میں عشر یا نصف عشر کی ادائیگی ضروری ہے، تاہم اگر گنا مل پر فروخت ہو تو قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ گڑ بنانے کے بعد اس کی جنس یا قیمت سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قیمت سے عشر ادا کرنے کی صورت میں خرچہ شدہ رقم منہا کرنا جائز نہیں بلکہ کل قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: واما قصب فهو ثلثة انواع قصب السکر وقصب الذریرة والقصب الفارسی قصب السکر وقصب الذریرة فیهما العشر۔

(الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۵۳ باب زکوٰة الزرع والثمار) [۱]

گڑ یا اس کی قیمت سے عشر ادا کرنا جائز ہے سوال:۔ گنے سے گڑ تیار کرنے کی صورت میں کیا زمیندار گڑ سے عشر ادا کرے گا یا گڑ کی قیمت سے؟ جبکہ دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

الجواب:۔ چاہی یا سیرابی زمین سے نصف عشر اور بارانی زمین سے عشر ادا کیا جائے گا اور گڑ یا اس کی قیمت دونوں سے عشر ادا کرنا جائز ہے، مثلاً بیس من گڑ میں سے ایک من گڑ یا اس کی قیمت بطور عشر دینا لازمی ہے، اور بارانی زمین کے بیس من گڑ یا اسکی قیمت دینا ہوگی۔ (مرتب)

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وماسقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر علی القولین لان المؤنة تکثر فیه وتقل فیما یسقی بالسماء او سیحاً وان سقی سیحاً او بدالیة فالمعتبر اکثر السنة کما مر فی السائمة۔ (الهداية علی صدر فتح القدير ج۲ ص۱۹ باب زکوٰة الزرع والثمار) [۲]

---

[۱] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: اما قصب السکر وقصب الذریرة ففیهما العشر لانه یقصد بهما استغلال الارض بخلاف السعف والتبن لان المقصود الحب۔

(الهداية علی صدر فتح القدير ج۲ ص۱۹ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر۔

[۲] قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وماسقی بغرب اودالیة اوسانیة ففیه نصف العشر الدالیة الدولاب والسانیة البعیر الذی یستقی به الماء۔ (الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۵۴ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

مونگ پھلی میں عشر کا بیان

سوال :۔ مونگ پھلی جو کہ اکثر بارانی زمین میں ہوتی ہے اور اس کی فصل کو پانی کی بھی خاص ضرورت نہیں ہوتی، تو کیا اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ چونکہ یہ فصل عموماً بارانی زمین کی پیداوار ہوتی ہے اس لئے اس میں عشر واجب رہے گا۔

لما قال فی الهندية : ويجب العشر عند ابی حنيفةؒ فی كل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعير والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والرياحين والاوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والخيار والقثاء والباذنجان والعصفر واشباه ذلك مما له ثمرة باقية او غير باقية قل او كثر ...... ولا تحسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض نصفا او عشرا۔
(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة ـ الباب السادس فی زكوٰة الزرع والثمار)[۱]

تمباکو کا عشر کب ادا کیا جائے گا؟

سوال :۔ تمباکو کا عشر سبز پتوں سے دینا ہوگا یا ان کی قیمت سے؟ جبکہ تمباکو کو بھٹی میں پکانے پر کافی خرچہ آتا ہے تو آیا سبز پتوں سے عشر ادا کرنا ہوگا یا بھٹی میں پک جانے کے بعد عشر دینا ہوگا؟

الجواب :۔ شریعت مقدسہ میں عشر اصل میں اُس پیداوار سے دینا ہے جو زمین سے حاصل ہوئی ہو، تاہم اگر قیمت دینا چاہے تو پہلے عشر علیحدہ کرکے پھر علاقے کی مروجہ قیمت لگا کر مساکین کو دے دی جائے، اور اگر پکنے سے قبل عشر ادا نہ کیا گیا تو پکنے کے بعد تمام تمباکو سے عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا اور اس میں سے خرچہ منہا نہیں ہوگا۔

لما قال الامام برهان الدين المرغينانیؒ : قال ابو حنيفةؒ فی قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقی سيحا او سقته السماء۔ (الهداية علی صدر الفتح القدير ج ۲ ص۱۸۶ باب زكوٰة الزرع والثمار)[۲]

---

[۱] قال الامام برهان الدين المرغينانیؒ : وكل شیء اخرجته الارض مما فيه العشر لا يحتسب فيه اجر العمال ونفقة البقر۔ (الهداية علی صدر فتح القدير ج ۲ ص۱۹۴ باب زكوٰة الزرع والثمار)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۸ باب العشر۔

[۲] قال الشيخ ابی بكر بن علی بن محمدؒ : قال ابو حنيفة فی قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر حد القليل الصاع وما دونه لا شیء فيه وقيل حده نصف صاع والمراد بالارض هنا العشرية۔
(الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۵۳ باب زكوٰة الزرع والثمار)
وَمِثْلُهٗ فی الخانية علی هامش الهندية ج ۱ ص۲۶۹ كتاب الزكوٰة فصل فی العشر۔

گھر کے اندر پھل دار درختوں میں عشر واجب نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے گھر میں کچھ پھل دار درخت ہوں تو کیا ان کے پھلوں میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ گھر کے اندر اگر پھل دار درخت یا سبزی وغیرہ ہو تو ان میں عشر واجب نہیں کیونکہ یہ گھر کے تابع شمار ہوں گے۔

لما قال طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل فی دارہ شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیھا وان کانت البلدۃ عشریۃ بخلاف ما اذا کانت فی الاراضی۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۴۷ الفصل العاشر فی العشر والخراج)[1]

مزروعہ زمین کے اردگرد پھل دار درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ اگر زمین میں باقاعدہ زراعت ہوتی ہو اور اس کے اردگرد پھل دار درخت ہوں جن سے کافی پھل اور آمدنی حاصل ہوتی ہو تو کیا اس آمدنی میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زمین قابلِ زراعت ہو اور مستقل باغ نہ ہو تو مزروعہ زمین کے حکم میں ہو کر اس کے درختوں کی آمدنی میں عشر واجب نہیں۔

لما قال الامام حافظ الدین محمد بن محمد بن شھاب: والبستان ما یحوطہ حائط فیہ نخیل متفرقۃ یمکن الزراعۃ وسط الاشجار وان کانت الاشجار ملتفۃ لا یمکن الزراعۃ فی وسطھا فھی کرم ولیس فی الاشجار التی علی المسناۃ شئی۔ (البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۹۱ الباب الثالث فی العشر والخراج)[2]

درختوں کے پتوں میں عشر کا حکم

سوال:۔ اگر کسی علاقہ میں درختوں کے پتے فروخت کیے جاتے ہوں تو کیا ان کی آمدنی میں عشر یا نصف العشر

---

[1] قال فی الھندیۃ: ولو کان فی دار رجل شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ، الباب السادس فی زکوٰۃ الزروع والثمار)

[2] قال فی الخلاصۃ الفتاویٰ: والبستان کل محوط فیہ اشجار متفرقہ یمکن زراعۃ ما وسط الاشجار ولیس فی اشجار التی علی المسناۃ شئی فان کانت الاشجار ملتفۃ لا یمکن زراعۃ ارضھا فھی کرم۔
(خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۴۶ الفصل العاشر فی العشر والخراج)
ومثلہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۳ باب العشر۔

واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: عشر کے وجوب کے لیے استنماء کا قصد اور نیت کرنا شرط ہے، چونکہ درختوں کے پتے مقصود بالزرع نہیں ہوتے اس لیے ان کی آمدنی میں عشر واجب نہیں ہے۔ قال ابن نجیمؒ: وان یکون الخارج منها مما یقصد بزراعة نماء الارض الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۹ باب العشر)

البتہ اگر زمین کا تیار کرنا اور درخت لگانا اس لیے ہو کہ مقصود بالزراع ہو تو پھر ان کے پتوں میں عشر واجب ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزرع والثمار) [1]

بھوسہ میں عشر واجب نہیں

سوال: بسا اوقات غلہ سے بھوسے کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، کیا ایسی صورت میں بھوسہ میں عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مقصد کے لیے فصل بوئی جاتی ہو یعنی جو مقصود بالزرع ہو تو عشر اس سے ادا کیا جائے گا، اس کے علاوہ ضمنی طور پر جو چیز حاصل ہو اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں۔ چونکہ گندم اور مکئی کی کاشت سے مقصود غلہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بھوسہ یا گھاس میں عشر واجب نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔

(الهدایة ج۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزرع والثمار) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فلو استنمی ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلك ویبیعه کان فیه العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۷ مطلب مهم فی حکم اراضی مصر والشام، باب العشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: الا فیما لا یقصد به استغلال الارض (نحو حطب وقصب) فارسی (وحشیش) وتبن وسعف الخ حتی لو اشتغل ارضه بها یجب العشر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۷ باب العشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

سبزیوں میں عشر کا وجوب

سوال:۔ بعض سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے سال بھر رہنے کا امکان نہیں ہوتا اور وہ جلدی خراب ہو جاتی ہیں، کیا زمین سے ایسی سبزیوں کے حاصلات پر عشر یا نصف عشر واجب رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر کے وجوب کیلئے زمین کی آمدنی میں کسی مدت کیلئے باقی رہنا ضروری نہیں، اسلئے وہ آمدنی جو زمین سے حاصل ہو اُس میں عشر یا نصف عشر واجب رہے گا، اگرچہ یہ محدود وقت کے لیے کھانے کی صلاحیت رکھتی ہو، موجودہ دور میں تو ان سبزیوں کا بڑے بڑے گوداموں کے ذریعے کافی عرصے تک محفوظ رہنا کوئی بعید امر نہیں۔

قال ابن عابدینؒ (قوله بلا شرط نصاب وبقاء) فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفه وفی الخضراوات التی لا تبقی هذا قول الامام وهو الصحیح۔
(رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)[۱]

افیون میں عُشر کے وجوب کا مسئلہ

سوال:۔ کیا افیون کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون متعدد مُضر اشیاء کا مادہ ہے اسلئے اس کی زراعت اور تجارت سے علی سبیل التمول احتراز ضروری ہے، تاہم اگر تداوی کیلئے ہو تو پھر اس کی کاشت اور کاروبار جائز ہے۔ زمین سے آمدنی کے وقت نیت چونکہ مقصود بالزراع کی ہوتی ہے اسلئے آمدنی میں عشر کی ادائیگی لازمی امر ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر سواء سقی سیحا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشیش۔ (الهدایه ج۱ ص۲۰۱ باب زکوٰة الزرع والثمار)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: فاما کون الخارج مما له ثمرة باقیة فلیس بشرط لوجوب العُشر بل یجب سواء کان الخارج له ثمرة باقیة او لیس له ثمرة باقیة وهی الخضراوات کالبقول والرطاب والخیار والقثاء والبصل والثوم ونحوها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

[۲] وفی الهندیة: ویجب العُشر عند ابی حنیفةؒ فی کل ما تخرجه من الحنطة۔۔۔وشباه ذلك مما له ثمرة باقیة او غیر باقیة قلّ او کثر۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۶ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۲۹۱ باب العشر۔

مقروض پر بھی عشر واجب ہے

سوال:- اگر کوئی شخص مقروض ہو تو کیا اس پر عشر کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟ یا کہ قرض مسقطِ عشر ہے؟

الجواب:- قرض اگرچہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے لیکن وجوبِ عشر سے مانع نہیں، مقروض ہونے کے باوجود بھی عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویمنع الدّین وجوب العشر وخراج وکفارۃ۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۲۶۰ کتاب الزکوٰۃ) [1]

رفاہِ عامہ کے کاموں پر عشر کی رقم خرچ کرنا

سوال:- کیا عشر کی رقم کو رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب:- عشر کا تعلق صدقاتِ واجبہ سے ہے جس میں غیر کی تملیک شرط ہے، چونکہ رفاہِ عامہ کے کاموں میں غیر کی تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے رفاہِ عامہ کے کاموں میں عشر کی رقم نہیں لگائی جاسکتی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم..... جزء مال خرج المنفعۃ عینہ الشارع۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ) [2]

شہد میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

سوال:- میں نے شہد کی مکھیاں پال رکھی ہیں جن سے شہد کا کاروبار کرتا ہوں، کیا اس میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

الجواب:- فقہاءِ کرام نے مطلقاً شہد میں عشر کا قول کیا ہے اس میں شہد کی پالتو یا جنگل مکھیوں کی کوئی قید نہیں، اس لیے آپ پر اس شہد میں عشر ادا کرنا لازمی ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: ثم انما یجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وقید المصنف بالزکوٰۃ لان الدّین لا یمنع وجوب العشر والخراج ویمنع صدقۃ الفطر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۶ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ لقولہ تعالیٰ: وَآتُوا الزَّكٰوةَ - والایتاء ھو التملیک ومرادہ تملیک جزء من مالہ وھو ربع العشر او ما یقوم مقامہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

فاما اذا كانت فی ارض الخراج فلا شیٔ فیہ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ قبل فصل مقدار الواجب) [1]

تاہم اگر مچھلیاں خراجی زمین میں رکھی گئی ہوں تو عشر لازم نہیں۔

کیا مچھلیوں میں عشر واجب ہے

سوال:۔ حضرت مفتی صاحب اہم نے قابلِ کاشت زمین میں سے کچھ حصہ پر مچھلیاں پالنے کے لیے ایک تالاب بنایا ہوا ہے جس میں مچھلیاں پال کر فروخت کرتے ہیں، تو اس قطعہ زمین میں عشر کس طرح ادا کیا جائے گا، مچھلیوں سے یا ان کی قیمت سے؟

الجواب:۔ عشر کے لیے زمین ہی کی پیداوار ہونا شرط ہے، مچھلیاں چونکہ زمین کی پیداوار نہیں اس لیے ان میں عشر نہیں، البتہ اگر مچھلیاں تجارت کی نیت سے پالی جاتی ہوں اور جب وہ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال الشیخ ابی عبیدؒ: ان لا یأخذ من السمک شیئاً حتی یبلغ مائتی درهم فاذا بلغ مائتی درهم تؤخذ منہ الزکوٰۃ۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص۳۴۸) [2]

کافر حکمران کا مسلمانوں سے ٹیکس یا عشر وصول کرنا

سوال:۔ اگر ایک مسلمان کاشتکار سے کافر بادشاہ ٹیکس یا عشر وصول کرے تو کیا اس کا عشر ادا ہو جائے گا یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ کافر حکومت کو مسلمانوں سے خراج وغیرہ لینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے کافر حکومت جب کسی مسلمان زمیندار سے عشر یا ٹیکس وصول کرے تو اس سے عشر ادا نہ ہوگا

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: یجب العشر فی عسل وان قل ارض غیر الخراج ولو غیر عشریۃ کجبل ومفازۃ بخلاف الخراجیۃ لئلا یجتمع العشر والخراج۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۵ باب العشر) ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۶ باب زکاۃ الزرع والثمار۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا فی عین قیر ای زفت نفط دهن یعلو الماء مطلقاً ای فی ارض عشر او خراج ولکن فی حریمها الصالح للزراعۃ من ارض الخراج خراج لا فیها لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعۃ واما العشر فیجب فی حریمها العشری ان زرعہ والا لا لتعلقہ بالخارج۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ولا فی عین قیر) لانہ لیس من انزال الارض انما هو عین فوارۃ کعین الماء فلا عشر فیها ولا خراج۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۳۱ باب العشر)

مسلمان پر دوبارہ عشر دینا لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ عبد الغفور الہمایونی السندی: واما آنچہ حکام نصاری می گیرند پس در ادا خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لھم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین والمؤمنین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادّی المسلمون الیھم مالاً بنیۃ الخراج لا یخرجون عن عھدتہ لانھم لیسوا بمقاتلین لاھل الحرب ولا دافعین اعداء الاسلام عنھم و عن دارھم بل ھم اھل الحرب واعداء المسلمین والاسلام اعاننا اللہ تعالیٰ علیھم والمصرف للخراج المقاتلون لاھل الحرب ورافعوا الاعداء عن دار الاسلام۔ الخ

(رسالۃ الھند فی تحقیق خراج السند بحوالہ احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۸ باب العشر) [1]

فرنیچر اور کھیلوں کے سامان کیلئے کاشت شدہ درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں لوگ بعض درختوں کو فرنیچر، کھیلوں کے سامان اور دیگر اشیاء کی بناوٹ کے لیے کاشت کرتے ہیں، کیا ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ خود درختوں میں عشر نہیں لیکن جب درختوں کی ذات ہی کو مقصد بنایا جائے تو اس میں عشر واجب ہے۔

کما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: المراد ما لا یقصد بہ استغلال الارض غالباً کالتبن نعم لو قصد الاستغلال بشئ منھا کما اذا اتخذ الجنان مقصبۃ ومشجرۃ۔

(بحوالہ جدید فقھی مباحث ج ۹ ص ۲۳۲) [2]

---

[1] قال العلامۃ الشیخ اشرف العلی التھانوی رحمہ اللہ: عشر و خراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوۃ نیست ہمچنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد
(امداد الفتاوی جلد ۲ ص ۶۵ باب العشر)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ حتی لو اشغل ارضہ بھا یجب بھا العشر) فلو استنمیٰ ارضہ بقوائم الخلاف وما اشبھہ او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلک و یبیعہ کان فیہ العشر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۷ باب العشر مطلب فی حکم اراضی مصر والشام)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶ باب زکوۃ الزرع والثمار۔

ایک ہی رقم سے عشر اور زکوٰۃ دونوں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پیداوار سے عشر ادا کرکے پھر اس کو فروخت کردے تو کیا اُس پر اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس شخص کے پاس نقدی کا نصاب بھی ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص پہلے سے صاحبِ نصاب ہو اور اس نے ابھی تک نصاب کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور یہ رقم زکوٰۃ کی ادائیگی سے قبل صاحبِ نصاب کے ہاتھ آجائے تو اس رقم کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اکان له طعام فادی عشره ... اوکان له ارض فادی خراجها... ثم باعها یضم الی ثمنها اصل النصاب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۴، فصل شرائط التی ترجع الی الحال)

ذاتی استعمال کیلئے کاشت کردہ سبزی میں عشر واجب ہے

سوال:۔ اگر کوئی زمیندار اپنے ذاتی استعمال کے لیے سبزی وغیرہ کاشت کرے تو اس پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ عشر ہر اُس پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو زمین سے نکلے چاہے اپنی ذات کے لیے کاشت کی جائے یا تجارت کے لیے، اس لیے ذاتی استعمال کے لیے کاشت کی ہوئی سبزی میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: واما وقته فوقت خروج الزرع وظهور الثمر عند ابی حنیفةؒ وعند ابی یوسفؒ وقت الادراك۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العشر)[2]

خودرو پودوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ہماری زمین میں قدرتی گھاس اور خودرو پودے بکثرت ہیں ہم اس کی

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلیؒ: اما المستفاد فی اثناء الحول من جنس المال غیر النتاج والارباح فیضم الیه ویزکی معه عند الحنفیة تیسیراً علی المزکی۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۷۴۲ المبحث الثانی سبب الزکوٰة الخ)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: ویؤخذ العشر عند الامام عند ظهور الثمرة وبدو صلاحها۔ .... (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۱ باب العشر)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶/۱۸۷ باب زکوٰة الزرع والثمار۔

حفاظت کرتے ہیں اور دوسروں کو اُس میں آنے جانے سے روکتے ہیں، تو کیا اس میں عشر واجب ہے؟

الجواب:۔ خودرو گھاس میں اگرچہ عشر واجب نہیں لیکن جب اس کی حفاظت کرکے اس کو ذریعۂ آمدنی بنایا جائے تو پھر عشر واجب ہے۔

لما فی الهندية : فلا عشر فی الحطب والحشيش..... ولو كان يقطعه ويبيعه يجب فيه العشر كذا فی محيط السرخسیؒ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۸۶ باب زكوٰة الزرع والثمار) [1]

جدید طریقۂ کاشت کے عشر پر اثرات

سوال:۔ آج کے جدید طریقۂ کاشت میں زراعت پر کافی خرچہ آتا ہے جیسے کھاد، ادویات وغیرہ، تو کیا ان اخراجات کی وجہ سے عشر پر کوئی اثر پڑے گا؟ یعنی کامل عشر نصف میں تبدیل ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ادویات و کھاد پر خرچ ہونے والی رقم منہا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین کی پیداوار پر اخراجات زیادہ ہوتے ہوں تو اُس پیداوار میں بیسواں حصہ عشر واجب ہوگا اور جس زمین پر اخراجات کم ہوتے ہوں تو دسواں حصہ عشر لازم ہوگا لیکن اخراجات کو منہا کرنا جائز نہیں، لہٰذا جدید طریقۂ کاشت پر اخراجات زیادہ آنے کے باوجود منہا کرنا جائز نہیں، البتہ عشر بیسواں حصہ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ : وتجب فی مسقی سماء وسيح بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول الخ..... ويجب العشر ويجب نصفه فی سقی غرب ودالية لكثرة المؤنة ـ قال ابن عابدينؒ : (تحت قوله لكثرة المؤنة) علة لوجوب نصف العشر فيما ذكر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ تا ۳۲۸ باب العشر، مطلب فی حكم ارضی مصر والشام) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ، (تحت قوله حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر) فلو استنمی أرضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب أو الحشيش وكان يقطع ذلك و يبيعه كان فيه العشر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر مطلب مهم فی حكم اراضی مصر والشام)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی ادلته ج ۲ ص۸۰۵ المطلب الرابع زكوٰة الزروع والثمار۔

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلی : ويجب نصف العشر فيما سقی كالدوالی (المنواعير) النواضح..... وسبب التفرقة واضح وهو كثرة المؤنة فی ارض السقی وخفتها فی ارض البعل كما هو الفرق بين الماشية المعلوفة والسائمة الخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۸۱۳ المطلب الرابع زكوٰة الزروع والثمار۔ خامساً مقدار الواجب وصفته۔

فصل مقصودہ پر عشر واجب ہے

سوال:- ہمارے علاقے میں مکئی وغیرہ کثرت سے کاشت کی جاتی ہے اور اس سے کاشتکار کے پیشِ نظر اناج نہیں بلکہ چارا ہوتا ہے جو جانوروں کے لیے انتہائی کارآمد شئے ہے تو مقصود بالذات فصل ہوتی ہے نہ کہ اناج، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ اناج اور فصل دونوں میں عشر ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک میں عشر ادا کر دیا جائے تو دوسرے میں عشر نہیں ہے، مسئلہ ہذا واضح فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں؟

الجواب:- مکئی کے دانوں میں عشر واجب ہے اس کے گھاس (ٹانٹوں) میں عشر واجب نہیں، البتہ باجرہ اور جوار جو کہ بطور گھاس کاشت کی جاتی ہو دانہ مقصود نہ ہو تو اسکے دس گٹھوں میں سے ایک گٹھا عشر دینا واجب ہوگا، اسی پر وہ سب چیزیں قیاس کی جاسکتی ہیں جن میں مقصود گھاس ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ، إلّا فيما لايقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشيش وتبن وسعف الخ حتی لو اشتغل ارضه بها يجب العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۸ باب العُشر)

البتہ اگر صرف ٹانٹے کاٹ کر فروخت کرنے ہوں یا جانوروں کو کھلانے ہوں تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ، قال فی الفتح غیر انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العُشر فيه لانه صار هو المقصود فلو استنمیٰ ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر كذا فی البدائع۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۸ باب العشر)[1]

---

[1] قال العلامة الكاسانیؒ، ومنها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة .... حتی قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفی شجرة الخلاف التی يقطع فی كل ثلاث سنين او اربع سنين انه يجب فيها العُشر لان ذلك غلة وافرة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلية)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۱ ص۱۸۳ باب زكوٰة الزروع والثمار۔

بائع کا مشتری کو کچھ رقم چھوڑ دینے پر عشر کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو سے پچاس ہزار روپے میں باغ خریدا اب زید کو اس باغ میں نقصان ہوگیا ہے اور زید نے عمرو کی منت سماجت کرکے دس ہزار روپے معاف کرا لیے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کو عشر پچاس ہزار روپے میں سے دینا ہوگا یا چالیس ہزار کے حساب سے؟

الجواب:۔ عشر پیداوار کی اس رقم کے مطابق واجب ہوتا ہے جس پر بیع ہو چکی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں عمرو نے اصل ثمن سے دس ہزار روپے چھوڑ دیئے ہیں اس لیے زید چالیس ہزار روپے کا عُشر ادا کرے گا، کیونکہ عمرو نے بیع میں جو کمی کی ہے وہ اصل بیع یعنی عقد کے ساتھ ملحق ہوگی گویا کہ بیع چالیس ہزار روپے پر ہی ہوئی ہے۔

لما فی الهندیة: حط بعض الثمن صحیح و یلتحق باصل العقد عندنا کالزیادة سواء بقی محلا للمقابلة وقت الحط اولم یبق محلا کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۳ ص۱۷۳ کتاب البیوع، الباب السادس عشر فی الزیادة فی الثمن) ـلـه

جنگلات میں عُشر واجب نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوات، ہزارہ اور کوہستان وغیرہ کے پہاڑوں پر گھنے جنگلات کی کثرت ہے جن میں سے بعض عوام کی اور بعض حکومت کی ملکیت ہیں، تو کیا عوامی جنگلات میں پورا عُشر واجب ہے یا نصف؟ یا سرے سے عُشر واجب ہی نہیں ہے؟

ـلـه قال العلامة ابن نجیمؒ، والزیادة فیه والحط منه ای من الثمن ویلتحقان باصل العقد عندنا وعند زفر لا یلتحقان .... ولنا انهما بالحط والزیادة یغیران العقد من وصف مشروع الی وصف مشروع وهو کونه رابحاً او خاسراً او عدلاً ولهما ولایة الرفع فاولی ان یکون لهما ولایة التغییر فصار کما اذا سقط الخیار او شرطاه بعد العقد واذا صح یلتحق بالعقد لان وصف الشیٔ یقوم به لا بنفسه بخلاف حط الکل لانه تبدیل لاصله لا تغییر لوصفه۔

(البحر الرائق ج ۶ ص۱۱۹ فصل فی بیان التصرف فی المبیع والثمن الخ)

الجواب:۔ جنگلات کے ان درختوں میں عُشر نہیں ہے تاہم فروختگی کی صورت میں سال گذرنے پر ان کی قیمت پر حسبِ ضابطہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ولا العشر فیما هو تابع للارض کالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه یتبعها فی البیع الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العشر) لـه

بارانی اور چاہی زمین میں عشر کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مثلاً زید کی زمین کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے لیکن امسال برسات کے موسم میں بارشوں کی کثرت کی وجہ سے کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، تو کیا زید حسبِ سابق نصف عُشر ادا کرے گا یا پورا عُشر ادا کرے گا؟

الجواب:۔ عُشر کا تعلق چونکہ پانی سے ہے اور فصل جس پانی سے بھی سیراب ہوتی ہو اُس کے مطابق عُشر واجب ہوگا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ فصل بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اور کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی اس لیے اس فصل میں پورا عشر واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنهر بلا شرط نصاب..... ولو سقی سیحاً وبالة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة وقیل اربعة۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵ باب العشر) ۲ـه

لـه وفی الهندیة: ولا عُشر فیما هو تابعٌ للارض کالنخل والاشجار۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزروع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة۔

۲ـه قال العلامة الکاسانیؒ: وعن انس رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال فیما سقته السماء والعیون وکان بعلا العشر وما سقی بالرشاء ففیه نصف العشر ولان العشر وجب مؤنة الارض فیختلف الواجب بقلة المؤنة وکثرتها ولو سقی الزرع فی بعض السنة سیحاً وفی بعضها بآلة یعتبر فی ذلك لان للاکثر حکم الکل کما فی السوم فی باب الزکوٰة۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ فصل واما بیان مقدار الواجب)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

عشر میں حولانِ حول شرط نہیں

سوال:۔ زید کی ایک ہزار روپے کی افیون کی فصل ہوئی تھی تو اس نے سو روپے عُشر ادا کرکے افیون اپنے پاس رکھ لی جو کہ پورا ایک سال اس کے پاس پڑی رہی، تو کیا سال گذرنے پر اس افیون میں دوبارہ عُشر یا زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک فصل میں صرف ایک بار عُشر ادا کیا جائے گا، بار بار سال گذرنے سے عشر واجب نہیں ہوتا اور اگر فصل بار بار اُگتی ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا تاہم اگر فصل فروخت کی جائے اور اس کے بدلے میں نقد رقم مل جائے اور اس رقم پر سال گذر جائے تو ضابطۂ زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله وحولان حول حتی لو اخرجت الارض مرارًا وجب فی کل مرۃ لاطلاق النصوص عن قید الحول ولان لعشر فی الخارج حقیقۃً فیتکرر بتکررہ۔ (رد المحتار علی ھامش الدر المختار ج۲ ص۴۹ باب العشر) لہ

پھل پکنے سے پہلے بیع کی صورت میں عُشر مشتری پر ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر کوئی شخص اپنے باغ کو پھل آنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی پر فروخت کردے اور پھل پکنے تک مشتری بائع سے درختوں پر رہنے کی اجازت بھی لے لے تو پھل پکنے کے بعد عشر بائع پر واجب ہوگا یا مشتری ادا کرے گا؟

الجواب:۔ عُشر ہر اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کی ملکیت میں فصل پیدا ہو چونکہ صورتِ مسئولہ میں پھل مشتری کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس لیے اس کا عشر دینا بھی اسی کے ذمے ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعُشر علی المشتری

لہ قال العلامة الکاسانیؒ: والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتی لو اخرجت الارض فی السنة مرارًا یجب العُشر فی کل مرۃ لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ فصل واما شرائط المحلیة)

ومثلهٗ فی الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

ولو بعدہٗ فعلی البائع۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ ولو باع الزرع......ثم ھذا اذا باع الزرع وحدہ وشمل ما اذا باعہ وترکہ المشتری باذن البائع حتی ادرک فعندھما عشرہ علی المشتری......ولو فیھا زرع لم یبلغ فعلی المشتری بکل حال۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۴ باب العشر) [1]

وجوبِ عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں

سوال:۔ ہم نے کچھ بنجر زمین قابلِ کاشت بنائی ہے جس میں سالانہ دو۲ فصلیں ہوتی ہیں، تو کیا اس طرح کی زمین سے بھی عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں بھی آپ پر عشر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ وجوبِ عشر کے لیے ملکیتِ زمین شرط نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ: وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۵ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) [2]

لکڑیوں میں عشر نہ ہونے کی علّت کی وضاحت

سوال:۔ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ حَطب (لکڑیوں) میں عُشر واجب نہیں ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ گھاس، لکڑی اور پانی انسانوں میں مشترک ہے لیکن آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ باقاعدہ کھیتوں کے کناروں یا پانی کے نالوں پر درخت لگائے جاتے ہیں اور لوگوں کو آگ جلانے کے لیے یا مکان کی تعمیر وغیرہ کے لیے درخت کاٹنے

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو باعھا والزرع ان فصلہ المشتری فی الحال یجب علی البائع ولو ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری کذا فی شرح الطحاوی۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ ووقف افادان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ لھا وعدمہ سواء۔ (رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج۲ ص۴۹ باب العُشر)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۶ فصل واما شرائط الفرضیۃ۔

سے منع کیا جاتا ہے، تو کیا اس صورت میں بھی عُشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ فقہاء کرام نے درختوں میں عُشر واجب نہ ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ درخت زمین کے تابع ہیں، لہٰذا اس علت کے باعث کسی بھی صورت میں عُشر واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ : وکذا لاعشر فیما ھو تابع للارض کالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه یتبعها فی البیع الخ ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۸ باب العشر) [1]

فروخت کرنے کی نیت سے اگائے ہوئے بیج (پنیری) پر عُشر کا حکم

سوال :۔ ہمارے علاقے میں مرچ، پیاز، ٹماٹر، بینگن وغیرہ کا بیج (پنیری) کاشت کیا جاتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد اسے باقاعدہ فصل حاصل کرنے کے لیے دوسرے کھیت میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بیج (پنیری) کچھ لوگ تو صرف اپنے لیے کاشت کرتے ہیں اور بعض لوگ فروخت کرنے کے لیے کاشت کرتے ہیں، تو کیا ایسے بیج سے عُشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر کسی چیز کے اگانے اور کاشت کرنے کا رواج ہوا ور عادتاً اس کی کاشت سے نفع اٹھایا جاتا ہو یعنی آمدنی کی غرض سے کاشت کیا جاتا ہو تو اس میں عُشر ہے اور اگر فروخت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے کھیت کے لیے برائے فصل کاشت کیا گیا ہو تو پھر جب یہ فصل کامل ہو جائے تو اس میں سے عُشر ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : قوله الا فیما لا یقصد الخ اشار الی ان ما اقتصر علیه المصنف کالکنز وغیره لیس المراد به ذاته بل لکونه من جنس ما لا یقصد به استغلال الارض غالباً وان المدار علی القصد

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ : ومنها ان یکون الخارج من الارض ما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عُشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزروع والثمار ۔

حتّٰی لو قصل بہ ذٰلک وجب العشر کما صرح بہ بعدہ۔
(رد المحتار علی ھامش الدر المختار ج ۲ ص۵۰ باب العشر) لہ

فصل کے بار بار آگنے پر عُشر کا حکم

سوال:۔ جوار باجرہ وغیرہ کی فصل کئی بار اُگتی ہے توکیا ہر بار اس سے عُشر دینا واجب ہے یا ایک بار ہی دینا کافی ہے؟

الجواب:۔ عشر کا تعلق فصل کے اُگنے کے ساتھ ہے چاہے وہ ایک بار آگے یا بار بار، ہر مرتبہ اس سے عشر ادا کیا جائے گا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جوار باجرہ وغیرہ زمین سے جتنی بار بھی آگے آتنی بار عشر دینا واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وھولان حول حتّٰی لو اخرجت الارض مرارًا وجب فی کل مرۃ لاطلاق النصوص عن قید الحول ولان العشر فی الخارج حقیقۃً فیتکرر بتکررہ الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۹ باب العشر) ۲ہ

درختوں اور لکڑیوں میں عشر و زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ زید نے اپنے کھیت سے کچھ درخت کاٹے جن کی قیمت تخمیناً چار ہزار روپے ہے جس میں ایک ہزار روپے اس نے مزدوری میں دیدیئے، اب زید باقی رقم میں عشر ادا کرے گا یا زکوٰۃ، اور کس حساب سے ادا کرے گا۔

الجواب:۔ اگر زید نے یہ درخت کھیت میں بقصد فصل بوئے تھے تو پھر ان

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنھا ان یکون الخارج من الارض مما یقتصد بزراعتہ نماء الارض وتشتغل الارض بہ عادۃً۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۴ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

۲ہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتّٰی لو اخرجت الارض فی السنۃ مرارًا یجب العشر فی کل مرۃ لان نصوص العشر مطلقۃ عن شرط الحول ولان العشر فی الخارج حقیقۃ فیتکرر الوجوب بتکرار الخارج۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص۶۲ فصل واما شرائط المحلیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

درختوں کی کل قیمت یعنی چار ہزار روپے میں عشر واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله الّا فیما لا یقصد ..... ان المدار علی القصد حتّٰی لو قصد به ذٰلك وجب العشر کما صرح به بعد ہ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۔ باب العشر)

اور اگر یہ درخت کھیت کے تابع تھے اور بقصد فصل نہیں تھے تو پھران میں عشر واجب ہے نہ زکوٰۃ۔

لما فی الھندیۃ: ولا عشر فیما ھو تابع للارض کالنخل والاشجار۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) ؎۱

اجارہ کی نقد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اجارہ اگر نقد رقم پر ہوا ہو مثلاً فی جریب ایک ہزار روپے، یہ اجارہ زمین تو مال ہے، اب اس رقم پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یا عشر؟

الجواب:۔ اجارہ کی یہ رقم دوسری آمدنی کے تابع ہو کر سال بھر گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی عشر نہیں، البتہ اس زمین سے فصل حاصل کرنے والے پر عشر واجب ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما نأخذ۔ وقال ابن عابدینؒ: قال فی فتح القدیر لھما ان العشر منوط بالخارج وھو للمستأجر..... فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولھما فی ذٰلك۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۵۵ مطلب ھل یجب العشر علی المزارعین فی اراضی السلطانیۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنھا ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتشغل الارض به عادۃ فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

؎۲ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو آجر الارض العشریۃ فعشر الخارج علی المؤجر عندہٗ وعندھما علی المستأجر وجه قولھما ظاھر لما ذکرنا ان العشر یجب فی الخارج والخارج ملك المستأجر فکان العشر علیه کالمستعیر الخ۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۵۶ فصل واما شرائط الفرضیۃ)

وَمِثْلُهٗ فی النتف فی الفتاوی ج۱ ص۱۲۰ المعاملۃ فی الاراضی العشریۃ۔

عشر فی الفور واجب ہے یا علی التاخیر؟

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک زمیندار آدمی بہت زیادہ مقروض ہے، جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو اس کا عشر اسی وقت ادا نہیں کرتا بلکہ ایک کاپی پر لکھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ قرض خواہ بہت تنگ کر رہے ہیں اس لیے پہلے قرضہ ادا کرتا ہوں، کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے جبکہ میری ساری فصل بھی قرضہ کی مقدار سے کم ہے، جب خدا تعالیٰ قرضہ سے نجات دے دیں گے تو پھر یہ سب عشر ادا کروں گا۔ تو کیا از روئے شرع اس زمیندار کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام میں عشر کی ادائیگی علی الفور واجب ہے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص محض مقروض ہونے کی وجہ سے عشر دینے میں تاخیر کرے گا تو اس عمل سے گنہگار ہو جائے گا، کیونکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (سورة ...) جبکہ احادیث میں بھی عشر کی جلد از جلد ادائیگی کا حکم وارد ہوا ہے۔

لما فی الهندية: ولا يأكل شيئاً من طعام العشر حتى يؤدي عشره۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۷ باب العشر)

تاہم اگر وہ عشر کا مال اپنے قرض میں دیدے تو اس سے اس کا قرضہ تو ادا ہو جائے گا مگر عشر اس کے ذمہ قرض رہے گا، اور اگر زندگی میں ادا نہ کیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔

(کما فی القاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص۲۷۶)

اسی طرح الدر المختار میں بھی یہ تصریح ہے کہ: ولذا كان للامام اخذه جبراً ويؤخذ من التركة ويجب مع الدين فی ارض صغير الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نہری و بارانی پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

سوال:- اگر کسی زمین کو نہری اور بارانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار پر عشر کس حساب سے واجب ہوگا؟ کیا اس زمین کی پیداوار میں بارانی پانی سے سیرابی کے حساب سے عشر واجب ہوگا یا نہری پانی کے حساب سے؟ برائے مہربانی تفصیلی جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ جو زمین دو مختلف الانواع پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں وجوبِ عشر کے لیے اکثریت کا اعتبار ہوگا، مثلاً ایک فصل کو اگر پانچ بار آبپاشی کی ضرورت ہے تو تین بار جس پانی سے اسے سیراب کیا جائے عشر اس کے حساب سے دیا جائے گا یعنی ایک فصل کی آبیاری تین بار نہری یا کنوئیں کے پانی سے کی گئی اور دو بار بارانی پانی سے تو اس کی پیداوار میں نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے گا اور اگر تین بار بارانی پانی سے سیراب کی گئی ہو تو پورا عشر لازم ہوگا۔ البتہ اگر اس زمین کو دونوں قسم کے پانی سے مساوی طور پر سیراب کیا جائے تو فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نظراً للفقراء کی وجہ سے نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وان سقی بعض السنة بالة والبعض بغیرها فالمعتبر اکثر کما مر فی السائمة والعلوفة وان استویا یجب نصف العشر نظراً للفقراء کما فی السائمة۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۱۶ باب العشر)

امارتِ اسلامیہ جبراً عشر وصول کر سکتی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے، وہ یہ کہ کیا امارتِ اسلامیہ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی سے زبردستی عشر وصول کرے؟ برائے مہربانی جواب باحوالہ عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ عشر چونکہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اموالِ ظاہری کی طرح ہے اسلئے اگر کوئی شخص خود عشر ادا نہ کرتا ہو تو امارتِ اسلامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے زبردستی عشر وصول کرے اور اس وصولی سے اگر چہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ملے گا، تاہم اگر اپنے اختیار سے عشر ادا کرے تو اجر و ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لهذا جاز ان یأخذه جبراً ویسقط عن صاحب الارض الا انه لا ثواب له الا اذا ادی اختیاراً۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۱۳ باب العشر) [1]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: وحولان فیه معنی المؤنة ولذا کان للامام اخذه جبراً ویؤخذ من الترکة۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله اخذه جبراً) ویسقط عن صاحب الارض کالوادی بنفسه الا انه اذا ادی بنفسه یثاب ثواب العبادة واذا اخذه الامام یکون له ثواب ذهاب ماله فی وجه الله۔ (الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نابالغ کی مملوکہ زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ کیا نابالغ بچوں کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ کیا عشر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط ہے جس طرح زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا شرط لازم ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا ضروری ہے مگر عشر کا معاملہ اس سے الگ ہے، عشر زمین کی پیداوار پر لاگو ہوتا ہے اس میں مالک کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، مالک کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واما العقل والبلوغ فلیسا من شرائط الوجوب حتی یجب العشر فی ارض الصبی والمجنون لان فیه معنی المؤنة۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۳ باب العشر) ؎[1]

خودرو گھاس میں عشر کے وجوب کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں ایک خاص قسم کا گھاس ہوتا ہے جسے لوگ جانوروں کے لیے چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے پانی دیتے ہیں تاکہ سوکھ نہ جائے۔ اس مقصد کے لیے اپنی زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس گھاس سے منع بھی کرتے ہیں، کیا ایسی گھاس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عشر زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصود ہو، چاہے اس کی کاشت کی جائے یا از خود پیدا ہو جائے، چونکہ خودرو گھاس عموماً مقصودِ اصلی نہیں ہوتا

؎ لما قال العلامة الحصکفیؒ: و یؤخذ من الترکة و یجب مع الدین و فی ارض صغیر و مجنون و مکاتب و مأذون و وقف و تسمیته زکوٰة ۔ قال العلامة ابن عابدینؒ تحت قوله (و فی ارض صغیر و مجنون و مکاتب) من مدخول العلة فلا تشترط فی وجوبه العقل والبلوغ والحریة ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

ومثله فی الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۵ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

اس لیے اس میں عشر واجب نہیں، لیکن جب اس کی حفاظت کی جائے، اس کو بروقت پانی دیا جائے، اور دوسروں کو اس سے منع کیا جائے تو پھر اس صورت میں وہ گھاس مقصودی ہو جاتا ہے جس کی طرف حکم شرعی متوجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر واقعی اس قسم کے گھاس کے لیے زمین مخصوص کرکے اس میں گھاس کی نشو ونما کی جاتی ہو تو پھر اس میں عشر واجب ہے، بصورتِ دیگر کوئی عشر نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: (الا فیما) لا یقصد به استغلال الارض (نحو حطب وقصب) فارسی (وحشیش) وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی و اشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقثاء وادویة کحلیة وشونیز حتی لو اشتغل ارضه بها یجب العشر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)[1]

فتاویٰ ہندیہ اور دُرِّ مختار کی عبارت وشجر القطن سے پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض کتب فقہ مثلاً الدر المختار اور ہندیہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شجر قطن (کپاس کے پودے) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تو کیا واقعی کپاس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؟ جبکہ کپاس آجکل ہمارے کی بہت اہم پیداوار ہے، برائے مہربانی فقہ حنفی کی روشنی میں ہماری اس الجھن کو دور فرمائیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عشر زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصودی ہو، کپاس چونکہ مقصودی پیداوار ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہے، البتہ مقدار نصاب میں احناف کے ہاں اختلاف ہے۔

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ رحمه الله: وعلی هٰذا کل ما لا یقصد به استغلال الارض لا یجب فیه العشر مثل السعف والتبن. اھ

وقال فیه ایضاً: انما استثنی الثلاثة لانه لا یقصد بها استغلال الارض غالباً حتی لو اشتغل بها ارضه وجب العشر۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۵ باب العشر)

ومثله فی الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ، قال ابو یوسفؒ فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته خمسة اوسق من ادنیٰ ما یوسق۔ الخ قال محمدؒ: ویجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۸۴ باب العشر)

وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ویجب فی العصفر والکتان وبزره لان کل واحد منهما مقصود فیه ثم اختلفا فیما لا یوسق کالزعفران والقطن فاعتبر ابو یوسفؒ قیمة ادنیٰ ما یوسق کالذرة واعتبر محمد خمسة اعداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه فاعتبر فی القطن خمسة احمال کل حمل ثلاث مائة من۔ الخ
(البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۵ باب العشر)

اور جہاں تک درمختار اور ہندیہ کی عبارات کا تعلق ہے تو وہاں شجرہ قطن یعنی کپاس کے پودے کی نفی ہے کپاس کی نہیں، اس لیے کہ اس کی پیداوار میں مقصود اصلی کپاس ہوتی ہے اس کا پودا نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله وشجرة قطن) اما القطن نفسه ففیه العشر کما مر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر)[1]

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله بلا شرط نصاب وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفه وفی الخضراوات التی لا تبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة وقالا: لا یجب الا فیما له ثمرة باقیة حولاً بشرط ان یبلغ خمسة ان کان فما یوسق والوسق ستون صاعاً کل صاع اربعة امناء والا فحتی یبلغ قیمة نصاب من ادنیٰ الموسوق عند الثانی واعتبر عند الثالث خمسة امثال مما یقدر به نوعه ففی القطن خمسة احمال وفی العسل افراق وفی السکر امناء وتمامه فی النهر۔
(رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نہری زمین میں عشر اور نصف عشر کا مسئلہ | سوال:۔ ایسی نہری زمین جس کی نہر کے کھودنے، اصلاح اور دیکھ بھال پر محنت اور رقم خرچ کرنی پڑتی ہو کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:۔ سوال میں مذکورہ نہری زمین کے بارے میں دو مختلف اور متضاد رائیں ملتی ہیں، اوّل یہ کہ سوال میں مذکور جیسی زمین میں عُشر لازم ہوگا، اور اس کے مقابلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عُشر لازم ہے۔ درج ذیل کتابوں کی عبارات اپنے اطلاق وصراحت سے رائے اوّل کا ثبوت دے رہی ہیں:۔

(۱) دُرمختار میں ہے: ویجب ای العُشر فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنهر ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ای دولاب الخ۔ (ج ۲ ص۵۳تا۵۵ باب العشر)

یعنی جو زمین مطر ونہر سے سیراب ہو رہی ہو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور غرب ودالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہوگا۔

(۲) کنز الدقائق علی ہامش البحرالرائق میں ہے: یجب فی عسل ارض العشر ومسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیة۔ (ج۲ ص۲۳۶، ۲۳۸ باب العشر)

یعنی عشری زمین کے شہد اور مطر ونہر سے سیراب کی گئی زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہے اور وہ زمین جو غرب ودالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔

(۳) بدائع الصنائع میں ہے: فما سقی بماء السماء او سقی سیحا ففیه عشر کامل وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر۔ (ج۲ ص۶۲ باب العشر)

یعنی جو زمین باران ونہر سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں عُشر اور جو غرب ودالیہ اور سانیہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عُشر لازم ہے۔

(۴) فتاویٰ الہندیہ میں ہے: وما سقی بالدولاب والدالیة ففیه نصف العُشر وان سقی سیحا وبدالیة یعتبر اکثر السنة فان استویا یجب نصف العُشر۔ (ج۱ ص۱۸۶ الباب العشر)

یعنی جو زمین دولاب و دالیہ سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے اور جو نہر ومطر سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں عُشر لازم ہے اور جس زمین کو دونوں قسم کا پانی دیا گیا ہو تو پھر ان میں سے جو پانی زیادہ دیا گیا ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا،

البتہ مساوات کی صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔

(۵) فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے: سوال نمبر ۲۶۲: ایک قطعہ زمین جو پہاڑ کے پانی سے سیراب ہوتا ہے مگر محنت ومشقت سے بند باندھ کر سیراب کیا جاتا ہے تو شرعاً اس میں عشر واجب ہے یا نصف عشر؟ الجواب: عشر واجب ہے کیونکہ مسقی سماء وسیح میں عشر واجب ہوتا ہے، کذا فی الدرالمختار۔ انتہی ملخصاً۔ (ج ۶ ص ۱۶۴ باب العشر کتاب الزکوٰۃ)

نیز فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہی ہے: سوال: نہری زمینوں میں عشر ہے یا نصف عشر؟ الجواب: نہری زمینیں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدرالمختار: ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیه وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه الخ فقط (ج ۶ ص ۱۶۲ باب العشر)

اس جواب سے بطور مفہوم مخالف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس نہری زمین کے پانی کا محصول نہ لیا جاتا ہو اس میں پورا عشر واجب ہوگا اور مفہوم مخالف نصوص میں اگرچہ معتبر نہیں لیکن روایات فقہیہ میں معتبر ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی)

(۶) الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے: وحکم زکوٰۃ الزروع والثمار هو انه یجب فیها العشر اذا کانت خارجة من ارض تسقی بالمطر والسیح والماء الذی یسیح علی الارض من المصارف ونحوها ونصف العشر اذا کانت خارجة من ارض تسقی بالدلاء ونحوها۔ (ج ۱ ص ۶۱۶ باب العشر)

وفیه ایضاً، وانما یجب نصف العشر ان سقی بالآلات فان سقی بالمطر او السیح فالعشر ولو اشتری المطر ممن نزل بارضه وانفق علیه حتی اوصله لارضه من غیر آلة رافعة ففیه العشر ایضاً۔ (ج ۱ ص ۶۲۲ باب العشر)

(ترجمہ) "بارش ونہر وغیرہ سے جو زمین سیراب کی جاتی ہے تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور جو زمین ڈول وغیرہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا۔

نیز الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے کہ جو زمین آلات کے ذریعہ سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا اور بارش ونہر وغیرہ سے سیراب ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوگا، لہٰذا اگر کسی شخص نے بارش کا پانی خرید کر محنت وخرچہ سے بغیر آلہ رافعہ کے

اپنی زمین تک پہنچا دیا تو اس کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

(۷) امداد الفتاوٰی میں ہے: الجواب فی رد المحتار ویجب ای العشر فی مسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیه وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه ولو سقی سیحا وبالة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه اه۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنوئیں سے آبپاشی کرتے میں بھی بیسواں حصہ دے اور نہر سے کرنے میں دسواں حصہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے نہ لی گئی ہو۔ (جلد ۲ ص۵۸ باب العشر۔ کتاب الزکوٰۃ)

اور ایضاً امداد الفتاوٰی میں ہے: سوال، بہشتی زیور حصہ سوم ص۳۹ میں ہے اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کے پانی سے پیداوار ہوگئی یا ندی اور دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہوگئی، تو ایسے کھیت میں جتنی پیداوار ہوئی ہے اس کا دسواں حصہ خیرات کرنا واجب ہے، اور اگر کھیت کو رہٹ چلا کر کے یا کسی اور طریقہ سے سینچا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ خیرات کرے۔ فقط۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں حصہ واجب ہے اور چاہی میں بیسواں۔ اور علاج القحط والوباء میں مرقوم ہے: اگر بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر چاہی ہو یا نہری ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ علاج القحط میں نہری زمین کا حکم صراحتاً بیسواں حصہ مرقوم ہے اور عربی کتابوں میں سے بھی نہری کا حکم دسواں حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کمافی القدوری: العشر واجب سواء سقی سیحا او سقته السماء۔ ازیں سواء اس عرضداشت کے جواب سے ممتاز فرمانا۔ (۱) سینچنے سے کیا مراد ہے (۲) گرستی کا اسباب، گرستی کے کیا معنی ہیں؟

الجواب: کچھ تعارض نہیں ہے، جس نہری میں دسواں حصہ لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے، چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا ہے مراد اس سے وہ ہے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے الخ (جلد ۲ ص۶۱ کتاب الزکوٰۃ۔ باب العشر) اور بہشتی زیور کی اس عبارت"، اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے" الخ

کا ترجمہ "جنتی کالے" میں یہ لکھا گیا ہے "طریقه داده چه که د ازمکه بارانی وه یا د سیلند دریاب وغیره نه اوبه کیده او ابورا ویستو ځهٔ حاجت نهٔ وه نو په بیدا وار کښې ئې لسمه حصّه خیرات ورکول واجب دی الی قوله او کهٔ چته ارتی وه یا په بل شان طریقه اوبه کیده نو یا شلمه ده" اس ترجمہ سے معلوم ہوا کہ سینچنے کا معنیٰ ہے کہ پانی کو کسی چیز (آلہ) کے ذریعے نکال کر زمین کو دیا جائے۔

(۸) خیر الفتاوٰی میں ہے: (سوال) "چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی ندیوں اور وادیوں میں بہتا ہے، لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں یہ نہریں کہیں ایک فرلانگ لمبی، کہیں ایک میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں، پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعض جگہ تقریباً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں، پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ڈیڑھ (۱½) ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے، اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عُشر ہوگا یا نصف عُشر۔ درمختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عُشر ضروری ہے جبکہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔ (سائل: مولوی فضل مولیٰ، چترال)

الجواب: آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا، چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے مؤنت کبیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا، خصوصاً جبکہ آپ کے یہاں سابقہ تعامل بھی عشر ہی کا ہے وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنھر۔ معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ (جلد ا ص ۳۴۵، ۳۴۶ باب العشر)

(۹) شرح التنویر میں ہے: ولو سقی سیحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه۔ (ج ۲ ص ۵۵ باب العشر) یعنی جو فصل نہر سے سیراب ہونے کے ساتھ آلہ (رافعہ) کے ذریعہ بھی سیراب کی جاتی ہو تو اس صورت میں غالب کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی زیادہ پانی سیح (کالنھر) کا دیا گیا ہو تو عشر لازم ہوگا اور اگر زیادہ پانی آلہ رافعہ سے دیا گیا ہو تو نصف عشر لازم ہوگا اور مساوات کی صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عشر کا تین چوتھائی لازم ہے۔

اور رائے اول کی تائید فقہاء کی اس تعبیر "ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیه" (یعنی جو زمین غرب و دالیہ سے سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے) سے بھی ہو رہی ہے، کیونکہ یہ تعبیر صاف طور سے بتا رہی ہے کہ نصف عشر کے لزوم میں اُس خرچ و مؤنت کا اعتبار ہے جو پانی دینے اور زمین کو سیراب کرنے کے وقت لازم آتا ہے اور جو اس سے پہلے آیا ہو اُس کا نصف عشر میں دخل نہیں ہے، ورنہ پھر فقہاء اس تعبیر "ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیه" کی جگہ یہ تعبیر فرماتے "ویجب نصفه فی مسقی البئر" یعنی جو زمین کنوئیں سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے، مگر فقہاء نے پہلی تعبیر کو اختیار فرمایا ہے جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اُس خرچ اور مؤنت کا ہے جو پانی دینے اور زمین کے سیراب کرنے کے وقت آتا ہے اور جو خرچ و مؤنت اس سے پہلے آتا ہے وہ معتبر نہیں ہے ـــــ نیز اس رائے کی تائید اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے:

عن عبد اللّٰہ ابن عمرؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۵۷ کتاب الزکوٰۃ)

(ترجمہ) "حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ زمین جو آسمان (بارش کے پانی) یا چشمہ سے سیراب ہوتی ہو یا عاثور سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لازم ہے اور وہ زمین جو کنوئیں سے کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہے" ـــــ اور حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے کہ عاثور نہر جیسا ایک گڑھا ہوتا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے جس سے فصل سیراب کی جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل کتابوں سے رائے ثانی کا ثبوت ملتا ہے:۔

(۱) احسن الفتاوٰی میں ہے: "چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین کہ در دیار مایاں کاریز و قناتہا ہستند کہ از مزرعہ تا منبع آب مثلاً دوازدہ ہزار بغل فاصلہ دارد و سال کار و زحمت میخواہد کہ اگر کار کردہ نشود آبش خشک شود و خرچ و مصرف کارش باندازہ ای میباشد کہ نصف بلکہ دو حصہ محصول پیداوارش بکارکنان صرف میشود، دریں صورت عشر واجب شود یا نصف عشر؟ مسئلہ مذکورہ بالا بالتحقیق و بحوالہ کتاب و باب تحریر فرمودہ رفع اشتباہ فرمایند و اجر دارین حاصل فرمایند"

الجواب باسم ملہم الصواب:۔ دریں صورت نصف عشر واجب است قیاساً علی الغرب

والدالية۔قال فی الشامیة تحت قوله رو قواعدنا لاتاباه) لان العلة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مسقی غرب ودالیه هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵ باب العشر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(ج ۲ ص ۳۳۶ باب العشر)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس سوال کے جواب میں ہے کہ نصف عشر کا کیا معنیٰ ہے؟ میں عشر دوں یا نصف؟ الجواب: نصف عشر بیسواں حصہ ہے اور یہ فرق پانی کی قیمت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اراضی عشریہ میں اصل عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا واجب ہے لیکن اگر زمین کو پانی دینے میں مزدوری زیادہ صرف ہوئی اور مشقت ہوئی اور خرچ بڑھ گیا تو بجائے عشر کے نصف عشر دینا واجب ہو جاتا ہے۔
لہٰذا احتیاط رائے اول میں ہے کہ عشر لازم ہوگا کیونکہ زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کم دینے میں عدم فراغ ذمہ کا خطرہ ہے۔

میت کے مال میں وجوب عشر

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم کاشتکار لوگ ہیں، اپنی اور دوسروں کی زمینوں میں کھیتی باڑی کرتے ہیں، چند دن قبل میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، انتقال سے پہلے انہوں نے کچھ زمین میں گندم کاشت کی جو ان کی زندگی میں ہی پختہ ہو گئی تھی، اب ہم نے اس کی کٹائی وغیرہ مکمل کی ہے۔ تو کیا ان کے اس مال پر عشر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عشر محاصل اراضی کا وظیفہ ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ کے والد مرحوم کی کاشت کردہ اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لذا لو مات من علیه العشر والطعام قائم یؤخذ منه بخلاف الزکوٰة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۳ باب العشر)[1]

☼ ☼

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: یؤخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)